

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة)

طالبین و سائکین طریقت کے لئے سینکڑوں کتابوں سے جمع شدہ ایک نایاب تحفہ

# مُدَلِّل حقیقت تصویر و سلوک

قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں

بدعا و تقریظ

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
پیر طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
سلطان المبلغ سلام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم العالیہ

مُرتَّب

مولانا عزیز الرحمن حقانی

برکات اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة)  
 طالبینِ سلکینِ طریقت کے لئے سینکڑوں کتابوں سے جمع شدہ ایک نایاب تحفہ

# مُدَلِّل حَقِيقَتِ تصوف و سلوک

قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں

بدعا و تقریظ

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
 پیر طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
 سلطان القلم مبلغ سلام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم العالیہ

مُرتَّب

مَوْلَانَا عَزِيزُ الرَّحْمَنِ حَقَّانِي

بزرگوارِ اسلامی کتب خانہ دیرہ اسماعیل خان

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

مُدَلِّل حَقِیْقَتِ تَصَوُّفِ سُلُوکِ قُرْآنِ حَاضِرِ اَوْعَقْلِ دِلَالِ کِی تَوْہِیْنِ

نام کتاب

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
پیر طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ  
سلطان المبلغ سلام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی دامت برکاتہم العالیہ

بدعا و تقریظ

مَوْلَانَا عَزِیزُ الرَّحْمَنِ حَقَّانِی

مرتب

نفس آرٹ پریس، لاہور فون: 042-37322408, 37300313

پرنٹنگ و بانڈنگ

2000

خ 72 ح

14224C

B

ناشر

بزرگ اسی کی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780



## تقریظات

- سلطان القلم، مبلغ اسلام، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ عالی..... 1  
پیر طریقت، رہبر شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیفہ دین محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ..... 2

## تقریظ

- پیر طریقت، رہبر شریعت، مبلغ اسلام، محبوب الصلحاء، حضرت مولانا گل رُس نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ، خلیفہ مجاز پیر طریقت، محبوب الصلحاء والعلماء حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ..... 5

## تقریظ

- مبلغ اسلام، محقق العصر، جامع الحاسن، نمونہ سلف، شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد سعید صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ الحدیث جامعہ حلیمیہ درہ بیروزکی مرید خلیفہ مجاز محبوب العلماء والصلحاء پیر طریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ..... 7

## تقریظ

- شیخ الادب والمنطق، جامع المعقول والمنقول، بقیۃ السلف حضرت مولانا فیض الرحمن الحقانی دامت برکاتہم العالیہ..... 8  
غرض مولف..... 10  
صوفیاء کرام پر چھوٹے اعتراضات..... 11  
خصوصیات کتاب..... 12  
خلاصہ تصوف..... 14  
خیر اور شر کا ماحول.....  
ماحول کے اثرات..... 15

- اصلاح اخلاق کی اہمیت.....  
اخلاق کا کیا مطلب ہے؟.....  
انسان کس کو کہتے ہیں؟..... 16  
انسان کے جسم اور روح کا باہمی جوڑ.....  
روحانی اور جسمانی صفات..... 17  
روحانی اور جسمانی بیماریاں.....  
جسمانی اور روحانی بیماریوں پر کتب.....  
روحانی اور جسمانی حسن و جمال.....  
جسمانی اور روحانی معالجات.....  
روحانیات میں حد اعتدال کی ضرورت..... 18  
جسم انسانی میں دل کی اہمیت اور اس کی مراد.....  
دل کی بیماریاں اندیکھی بیماریاں ہیں.....  
دل کے ڈاکٹر کون ہوتے ہیں؟.....  
روحانی معالجات کی اہمیت..... 19  
مثال.....  
جسمانی اور روحانی علاج کے طریقہ بآء کار..... 20  
جسمانی اور روحانی غذا کیں.....  
صحیح علاج نہ کروانے کا نقصان.....  
جسمانی اور روحانی بیماریوں کی علامات..... 21  
"سلسلہ" کس کو کہتے ہیں؟.....  
بے استاد بے بنیاد.....  
کیا تصوف بدعت ہے؟..... 22  
روحانی بیماریوں کے قرآنی نسخہ کا ثبوت.....  
(۱)..... سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام درود شریف پڑھو.....  
درود شریف کے متعلق چند سوالات، کے جوابات..... 23  
(۲)..... صبح اور شام سو مرتبہ استغفار پڑھنے کو کہتے ہیں.....  
(۳)..... قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے..... 24



- 32.....☆ تیسری قسم: قلب سلیم
- =.....قلب سلیم کی علامات
- =.....(۱).....اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہونا
- 33.....(۲).....اللہ تعالیٰ کیلئے دشمنی ہونا
- =.....(۳).....اللہ کے لئے دینا
- 34.....(۴).....اللہ کے لئے منع کرنا
- =.....☆ قلب عبد اللہ عرش اللہ
- =.....اللہ تعالیٰ کو صاف دل پسند ہے
- =.....دل اللہ کے لئے وقف ہے
- 35.....دل کو اللہ کا گھر کیوں کہا؟
- =.....دل کے ابرہہ پر لا الہ کی نگہریاں
- =.....قلب سلیم کی کچھ اور علامات
- 36.....دل کے مزے
- 37.....خلاصہ کلام
- =.....دل تین طرح کے ہوتے ہیں
- =.....تشریح:
- 38.....اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول
- =.....☆ پہلا اصول
- =.....☆ دوسرا اصول
- =.....☆ تیسرا اصول
- 39.....☆ چوتھا اصول
- =.....☆ پانچواں اصول
- 41.....فساد قلب سے متعلق چار اصول
- =.....اصلاح قلب سے متعلق چار اصول
- =.....طول اہل کا بیان
- =.....طول اہل سے چار چیزیں زیادہ ہو جائیں گے
- (۴).....چلتے پھرتے، لیٹے، بیٹھے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنے کو کہا جاتا ہے
- (۵).....ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی (مراقبہ) کرہ.....
- (۶).....چھٹے نمبر پر بتایا جاتا ہے کہ مشائخ کی صحبت اختیار کرو.....
- روحانی بیماریوں کی حقیقت.....25
- خلاصہ کلام یہ ہے.....26
- محنت کا مرکز**
- قلب (دل).....27
- تین نعمتیں: (۱).....قلب: (۲).....عقل، (۳).....نفس
- دماغ کی حیثیت.....
- جیسے دل کے جذبات ویسے خیالات.....28
- انبیاء اور اولیاء نے دلوں پر محنت کی.....
- قلوب مختلف ہوتے ہیں.....
- قلب کی حقیقت.....29
- قلب کے اقسام.....29
- قلب کی تین قسمیں.....
- ☆.....قلب کی پہلی قسم: قلب میت (مردہ دل)
- مردہ دل کی پہچان.....30
- قلب میت کی علامات.....
- (۱).....گناہ کرنے میں جھجک (شرم) نہ ہونا
- (۲).....نیکی بوجھ لگتی ہے
- (۳).....صحیح کا برابر الگنا
- ☆.....دوسری قسم: قلب مریض
- 31.....قلب مریض کی علامات
- قلب مریض کا علاج.....

- 42..... حسد کا بیان ..... تقصد لوگ کون ہے =
- 43..... حسد کی وجہ سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ..... ذکر خفی کا ثبوت قرآن پاک سے =
- ..... حاسد کی تین علامات ..... دعوت کی ابتداء اور انتہاء میں ذکر کا حکم =
- 44..... عجلت اور جلد بازی کے مضر اثرات کا بیان ..... حالت جہاد میں ذکر کا حکم =
- ..... جلد بازی سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ..... کام کا ج کے وقت ذکر کا حکم 53 =
- 45..... کبر کا بیان ..... ذکر نہ کرنے پر وعید =
- ..... تکبر سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ..... دوا ہم لفظ =
- 46..... اہل کی حقیقت ..... یاد کرنے کا مطلب =
- ..... طول اہل اور قصر اہل کے درمیان فرق ..... ذکر کی اقسام 54 =
- 47..... اہل کے اقسام ..... (۱) ذکر لسانی =
- ..... اہل العوام: ..... (۲) ذکر قلبی =
- ..... اہل الخواص ..... یاد کا مقام انسان کا دل ہے =
- 48..... حسد کی حقیقت ..... دونوں قسموں کا قرآن پاک سے ثبوت =
- 49..... عجلت کی حقیقت ..... (۱) ذکر خفی کا ثبوت =
- ..... کبر کی حقیقت ..... (۲) ذکر لسانی کا ثبوت =
- ..... تکبر اور تواضع کے اقسام ..... ذکر قلبی کو ذکر لسانی پر فضیلت ہے =
- ..... تواضع عام، تکبر عام، تواضع خاص، تکبر خاص ..... ذکر قلبی ہر حال میں 55 =
- ..... دل کی دوا ”ذکر اللہ“ ..... ذکر کا مقصد =
- 51..... آج کا ایک نیا فتنہ ..... قلب جاری ہونے کا مطلب =
- ..... لفظ ذکر کا استعمال قرآن پاک میں ..... ذکر لسانی کی اقسام 56 =
- ..... کثرت ذکر کا حکم قرآن میں ..... ۱۔ ذکر سری یا خفی یہ ہے: =
- ..... قلبی ذکر کا ثبوت قرآن پاک سے ..... ۲۔ ذکر جہری یا جلی یہ ہے: =
- ..... شیطان کا ساتھی کون؟ ..... ذکر جہری کی اقسام: =
- ..... شیطان کی حملوں کا دفاع ذکر ہے ..... پہلی قسم، دوسری قسم، تیسری قسم، چوتھی قسم =
- 52..... شیطان حملہ کیسے کرتا ہے ..... ذکر سری و جہری کے احکام =
- ..... دل کا سکون ذکر میں ہے ..... عام حالات میں جہر معتدل متفقہ طور پر جائز ہے 57 =
- ..... ذکر کی اقسام کا خلاصہ ..... ذکر کی اقسام کا خلاصہ =

- 58..... جہر معتدل کا جواز اور اس کی شرائط اور منکر کا حکم.....
- ..... خلاصہ.....
- 59..... جہر شدید کب جائز ہے.....
- ..... جہر شدید بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے.....
- 60..... مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام.....
- ..... مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد.....
- 61..... تنبیہ.....
- 62..... تنبیہ.....
- 63..... جہر شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے.....
- (۱)..... حضرت امام نوویؒ کی شرح مسلم.....
- (۲)..... فتاویٰ عالمگیری میں ہے.....
- (۳)..... علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ.....
- 64..... خلاصہ عبارت.....
- 65..... اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے.....
- ..... خلاصہ عبارت.....
- ..... تنبیہ.....
- (۵)..... امام ابن حجر مکی شافعیؒ کے نزدیک مجالس ذکر اور ذکر جہری.....
- (۶)..... علامہ ابن حجر المذہبی شافعیؒ.....
- (۷)..... محقق علامہ آلوسی حنفیؒ.....
- (۸)..... علامہ سید احمد طحطاوی حنفیؒ.....
- (۹)..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہری.....
- (۱۰)..... اکابر علماء دیوبند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس.....
- 68..... بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے.....
- (۱۱)..... مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دیوبندیؒ.....
- (۱۲)..... خیر المدارس کے دارالافتاء.....
- ..... جہر کی حد کیا ہے؟.....
- 69.....
- (۱۳)..... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ.....
- 71.....
- (۱۲)..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ.....
- (۱۲)..... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ.....
- ..... استفتاء.....
- (۱)..... دارالعلوم کراچی کا جواب.....
- (۲)..... دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ.....
- ..... مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم کا جواب.....
- (۳)..... جامعہ خیر المدارس کا فتویٰ.....
- (۴)..... دارالعلوم فیصل آباد کا جواب.....
- (۵)..... مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب.....
- (۶)..... جامعہ امداد العلوم پشاور.....
- (۷)..... صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت.....
- (۸)..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد میں جہری دعا.....
- 75..... خلاصہ.....
- 76..... کونسا ذکر افضل جہری یا سری.....
- 77..... تحقیق شیخ الحدیث مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ.....
- 78..... تحقیق شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ.....
- 78..... پہلی آیت.....
- 82..... دوسری آیت.....
- 85..... پہلی حدیث.....
- ..... فائدہ.....
- 86..... دوسری حدیث.....
- ..... تیسری حدیث.....
- 88..... بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا.....
- 89..... جہر اور اخفاء کی تعیین.....
- 92..... تنبیہ.....
- ..... پہلی بات.....
- ..... مسجد الف ثانی کے چند عبارتیں.....



- 94..... دوسری بات..... تمام احادیث کے علوم تین حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں..... 111
- 95..... تیسری بات..... حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم..... =
- 96..... تصوف کیا ہے؟..... (۱) علم اول (۲) علم دوم، (۳) اصلاح باطن..... =
- ..... اقوال مشائخ..... 111
- 99..... لفظ [صوفی] کی تحقیق..... یہ علوم قرآن و سنت سے کوئی الگ چیز نہیں..... 112
- 100..... پہلا قول، دوسرا قول، تیسرا قول، چوتھا قول..... ☆ حضرت مجدد الف ثانی کا قول..... =
- ..... پانچواں قول..... ☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی..... =
- ..... صوفی کے لفظ کی نسبت صوف (پشینہ) سے ہونے میں کئی حکمتیں بھی..... (۷) دلیل ہفتم..... =
- 101..... ہیں..... خلاصہ کلام..... =
- ..... صوفی کے عنوان سے متعلقہ چند مشہور سوالات کے جوابات..... علم قال (فقہ) اور علم حال (تصوف) کے درمیان نسبت تلازم..... 113
- ..... سوال نمبر ۱، جواب سوال نمبر ۲، جواب..... (۱) علامہ شامی (۲) شیخ الاسلام زکریا انصاری (۳) شیخ ابوطالب کئی.....
- 102..... سوال نمبر ۳، جواب سوال نمبر ۴، جواب..... (۴) حضرت امام مالک بن انس (۵) سید احمد کبیر.....
- 103..... صوفی کون ہے؟..... رفاعی، (۶) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کئی، (۷) سید احمد کبیر.....
- 104..... صوفی کا کیا مطلب ہے؟..... رفاعی..... 113
- 106..... علم الاحسان (تصوف) کے شرعی ثبوت کے دلائل..... (۸) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۹) امام ابوالقاسم قشیری فرماتے.....
- ..... (۱) دلیل اول (۲) دلیل دوم (۳) دلیل سوم..... ہیں..... 114
- 107..... (۴) دلیل چہارم: (۵) دلیل پنجم..... اصل تو شریعت ہی ہے..... =
- ..... فقہ الظاہر اور فقہ الباطن..... صوفیہ اور علماء چار قسم کے ہیں..... 114
- ..... انسانی اعمال کے اقسام..... (۱) پہلا درجہ، (۲) دوسرا درجہ، (۳) تیسرا درجہ یہ ہے..... =
- ..... نمبر ۱: وہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے ظاہر سے ہے..... (۴) چوتھا درجہ..... 115
- ..... نمبر ۲: وہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے باطن سے ہے..... علماء و فقہاء کے درجات..... 115
- ..... نمبر ۳: وہ اعمال جن کا تعلق انسان کے ظاہر اور باطن سے ہے..... (۱) پہلا درجہ، (۲) دوسرا درجہ، (۳) تیسرا درجہ، (۴) چوتھا درجہ..... =
- 109..... یہ دونوں علوم صحابہ کرامؓ نے شارح علیہ السلام سے سیکھے ہیں..... صوفیہ اور علماء دونوں کے طریق کا منتہی ایک ہے..... 116
- ..... حدیث نمبر ۱ حدیث نمبر ۲، حدیث نمبر ۳،..... طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے..... =
- ..... (۲) دلیل ششم..... مشائخ کے ہاں علم کی قدر و منزلت..... =
- 110..... حدیث جبریل کے جزئیات پر ایک نظر.....

- 117..... مشائخ پر اعتراضات کیوں ہوئے؟  
 =..... بیعت طریقت احادیث سے ثابت ہے
- 118..... اعتدال کا راستہ  
 =..... حدیث کی تشریح
- 119..... علماء مشائخ کی دہلیز پر  
 =..... عورتوں کی بیعت کا ثبوت
- 120..... شریعت و طریقت  
 =..... حکایت مورچہ
- 121..... شریعت، طریقت اور حقیقت  
 =..... صحبت صلحاء بے ریا عبادت سے افضل کیوں؟
- 122..... شریعت اور طریقت میں فرق  
 =..... مقاصد بیعت
- 123..... کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟  
 =..... بیعت کا حکم
- 124..... علم تصوف علم فقہ کی طرح مدون ہے  
 =..... سوال جواب
- 125..... تدوین فقہ کیسے ہوئی؟  
 =..... نقادی محمودیہ میں لکھا ہے
- 126..... تصوف کی محنت قرآن و حدیث سے ثابت ہے  
 =..... وقال الشیخ ظفر احمد العثمان
- 127..... اعمال مع التصوف اور اعمال بغیر تصوف کا مثال  
 =..... حضرت مولانا خیر محمد جالندھری
- 128..... مثال نمبر ۱  
 =..... شیخ الحدیث حضر مولانا عبدالحمید
- 129..... مثال نمبر ۲  
 =..... سوال اگر کوئی آدمی یہ بیعت نہ کرے تو کیا ہوتا ہے؟
- 130..... علم تصوف کی حیثیت  
 =..... جواب: اس سنت کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے
- 131..... تصوف کی حقیقت  
 =..... بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت
- 132..... تصوف کا حاصل  
 =..... بیعت کا ایک انعام
- 133..... حقوق طریقت  
 =..... بیعت کے (۹) فوائد
- 134..... بیعت  
 =..... بیعت کی افادیت کے لئے عقلی دلائل
- 135..... بیعت کی تعریف  
 =..... بیعت کے متعلق (۲۲) سوالات و جوابات
- 136..... بیعت کے اقسام  
 =..... حکم تکرار بیعت
- 137..... بیعت اسلام کی تعریف  
 =..... دوسری جگہ بیعت کی صورتیں
- 138..... بیعت جہاد کی تعریف  
 =..... مثال نمبر ۱
- 139..... بیعت ہجرت  
 =..... مثال نمبر ۲
- 140..... بیعت طریقت (توبہ) کی تعریف  
 =..... صوفیاء کے سلاسل
- 141..... بیعت خلافت کی تعریف  
 =..... مشائخ طریقت کے سلسلوں کی کیفیت

- سلسلہ عالیہ قدوسیہ نقشبندیہ = قبض اور بسط کا معنی =
- سلسلہ حضرات چشتیہ صابریہ قدوسیہ = حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ مراد ہیں 163
- سلسلہ چشتیہ نظامیہ قدوسیہ 151 ☆ مرید اور مراد میں فرق =
- سلسلہ عالیہ قادریہ قدوسیہ = ☆ خوشخبری طریقہ نقشبندیہ میں محرومی نہیں =
- سلاسل صوفیہ کی انتہا حضرت علیؑ پر کیوں ہے؟ اور علیؑ سے حسن بصریؒ کی 151 ملاقات =
- حضرت علیؑ سے حسن بصریؒ کا استفادہ 152
- سلاسل تصوف کی منزل 154
- علوم شرعیہ اور تصوف میں چار چار امام کیوں؟ =
- اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت و اجازت کی وجہ =
- لفظ ”نقشبندی“ کی وجہ تسمیہ 155
- سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل 155
- ☆ سلسلہ نقشبندیہ میں دو صحابہ کما فیض =
- ☆ سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل 156
- ☆ صدیق اکبرؓ کی نبی ﷺ سے نسبت اتحادی 157
- ☆ حالات میں مناسبت 158
- ☆ سوچ میں مناسبت 159
- ☆ ہر کام میں سیدنا صدیق اکبرؓ کی اتباع کرتے تھے =
- ☆ خاندان کے افراد میں بھی مشابہت تھی 160
- ☆ نواسوں کے حالات میں بھی مشابہت نظر آتی ہے =
- ☆ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ بھی ایک جیسا ہوا =
- ☆ دنیا سے جانے کی جو کیفیت اور وقت ہے اس میں بھی مشابہت ہے 161
- ☆ ہم خانہ رسول ﷺ 162
- ☆ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ بخاریؒ پر نسبت نقشبندیہ کا ظہور =
- قبض اور بسط کا معنی =
- حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ مراد ہیں 163
- ☆ مرید اور مراد میں فرق =
- ☆ خوشخبری طریقہ نقشبندیہ میں محرومی نہیں =
- ☆ اندراج النہایت فی البدایت 164
- ☆ اندراج النہایت فی البدایت میں مجدد الف ثانیؒ کے اقوال =
- ☆ تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتا 165
- ☆ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا مقام 167
- ☆ شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور شیخ احمد نخعی کا واقعہ 169
- ☆ اصلاح و تربیت کیلئے شیخ کامل کی ضرورت 170
- ☆ مثال =
- ☆ کتاب اور صحبت کا اثر اور فرق 171
- ☆ قرآن مجید سے پانچ دلائل 173 تا 175
- ☆ احادیث سے چار دلائل 175 تا 177
- ☆ سات عقلی لائل 177 تا 178
- ☆ احوال الصالحین سے (20) دلائل 179 تا 181
- ☆ اشہد ضرورت مرشد کامل پر ایک نصیحت آموز واقعہ 181
- ☆ ضرورت مرشد کامل پر عارفانہ اشعار 182
- ☆ شرائط مرشد 186
- ☆ شرط اول =
- ☆ شرط دوم =
- ☆ شرط سوم 187
- ☆ شرط چہارم =
- ☆ شرط پنجم =



- 220..... شیخ کا دل مرید کو قبول کرنا = تنبیہ:
- =..... مرید کو نوخیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہئے = فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
- =..... مرید کو حسد سے بچنا چاہئے = 188..... شیخ محقق کے اوصاف
- 221..... مرید کا کام ایثار کرنا ہے = خلاصہ یہ کہ بیعت کیلئے
- =..... مرید صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے = 189..... شرائط سترشد
- =..... تصوف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے = 191..... آداب
- =..... مرید شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے = ادب لغت میں
- =..... مرید ن عہدوں پر جو اس نے اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے ہیں قائم ہے = ادب اصطلاح میں
- 222..... مرید امیدوں کو کم کرے = 192..... ادب کی وجہ تسمیہ
- =..... مرید کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں = 192..... ادب کا سیکھنا حق ہے
- =..... مرید کو دنیا داروں سے دور رہنا چاہئے = 197 تا 193..... ادب کے بارے اقوال مشائخ
- 223..... اولیاء کرامؒ کی تعریف اور ان کی علامات = 197..... آداب شیخ اجمالاً
- =..... ولی کے معنی اور تعریف = 217 تا 199..... تیس (۳۰) آداب شیخ تفصیلاً مع فوائد
- 224..... ایک فطری خواہش = 207..... خواب کے اقسام
- =..... برائے انسان میں ولی بننے کی صلاحیت = 218..... مریدوں کیلئے ضروری ہدایات
- =..... ولایت کبھی چیز ہے = مرید کا پہلا قدم
- 225..... ولایت کے اقسام = مرید کیلئے علم شریعت کا جانا ضروری ہے
- =..... (۱) ولایت عامہ = مرید کے لئے شیخ کا پکڑنا لازمی ہے
- =..... (۲) ولایت خاصہ = مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے
- 226..... تقویٰ والے اللہ کے والی = خصوم کو راضی کرنا
- =..... ہر قسم کا بندہ ولایت حاصل کر سکتا ہے = دنیاوی تعلقات کو کم کئے جانے
- =..... لہجوں میں ولایت ملتی ہے = مرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا
- =..... شریعت کے راکھوں کیلئے = 219..... مرید کو جو مشاہدات ابتداء ارادت میں حاصل ہوں، ان کی طرف دل نہ
- 227..... ولایت خاصہ کے درجات = لٹکانا چاہئے
- =..... (۱) ولایت صغریٰ = مشاہدات سے انس محسوس کرنا مرید کے لئے مضر ہے
- =..... (۲) ولایت کبریٰ = شائستگی تلاش میں ہجرت کر
- =..... ولایت سے پہلے اور بعد کا فرق =

- 237..... غذائے ولایت.....  
 =..... ولی کی مزید تین صفات.....  
 =..... ولی کے مدارج ترقی.....  
 =..... ولی خوفزدہ اور غمزدہ نہیں ہوتا.....  
 =..... اولیاء اللہ سے محبت.....  
 238..... اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کی صحبت میں رہنے کا حکم.....  
 239..... قاضی شاہ اللہ پانی پتی لکھتے ہیں.....  
 =..... کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟.....  
 240..... اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال.....  
 242..... علماء کرام اولیاء اللہ ہیں.....  
 =..... اہانت ولی اللہ سوء خاتمہ پر دلالت کرتا ہے.....  
 243..... اہل اللہ پر اعتراض کرنے کی وجہ.....  
 جو علماء و مشائخ صوفیہ کی اہانت کرتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ حقارت سے  
 گر جاتا ہے.....  
 =..... جو علماء دین کی توہین کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے.....  
 =..... بے ادب کا انجام.....  
 244..... اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے.....  
 247..... اہل اللہ سے محبت کا حکم.....  
 248..... البتہ فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے.....  
 محض سنی سنائی باتوں سے کوئی حکم لگا دینا یا برا بھلا کہنا ظلم منہم  
 249..... ہے.....  
 251..... قدرت اور عادت کے درمیان فرق.....  
 =..... سحر کا بیان.....  
 =..... لفظ میں سحر کی تعریف.....  
 =..... اصطلاح میں سحر کی تعریف.....  
 =..... سحر اور معجزہ میں فرق.....
- 229..... اللہ کے ولی، اللہ کی حفاظت میں.....  
 =..... نبی اور ولی میں فرق.....  
 =..... نبوت اور ولایت میں فرق.....  
 230..... شرط ولایت.....  
 =..... حکایت.....  
 =..... اولیاء کرام خوف دنیا سے محفوظ ہوتے ہیں.....  
 231..... ولی بننے کا طریقہ.....  
 =..... اولیاء اللہ کی صفات.....  
 =..... اولیاء لوگوں سے صرف خدا کیلئے محبت رکھتے ہیں.....  
 232..... حضرت علیؑ کے نزدیک ولی کی پہچان.....  
 =..... ولی سب سے زیادہ قرب خداوندی کس طرح حاصل کرتے ہیں؟.....  
 =..... اولیاء اللہ وہ ہے جو کثرت نوافل اور فرائض کی پابندی کرتے ہیں.....  
 233..... حضرت یحییٰ بن معاذؑ کے نزدیک ولی کی پہچان.....  
 =..... حضرت بایزید نظامیؒ کے نزدیک ولی کی پہچان.....  
 =..... حکایت عجیبہ.....  
 =..... اولیاء کی تین علامات.....  
 =..... اولیاء کے ذکر سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے.....  
 فقراتین قسم کے ہوتے ہیں.....  
 234..... اولیاء مر کر بھی زندہ ہیں.....  
 =..... ولی کبھی مشہور ہو جاتا ہے.....  
 235..... ولی دست سوال دراز نہیں کرتا.....  
 =..... ولایت کا انتہائی مرتبہ.....  
 =..... ولی کے اعمال.....  
 236..... ریا کاری اور منافقت سے محفوظ.....  
 =..... ولایت کی دیگر صفات.....  
 =..... ولایت کے چار مراتب اور ان کا اثر.....  
 =..... اولیاء خدا تک رسائی کا ذریعہ ہوتے ہیں.....

- فرق (۱)..... = (۴) سلسلۃ الجرس..... =
- فرق (۲)..... 252..... (۵) دیوانے صادقہ (سچا خواب)..... 261
- فائدہ جلیلہ..... = انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے..... 262
- فرق (۳) فرق (۳) فرق (۵)..... = (۶) تفہیم غیبی..... 263
- فرق (۱) فرق (۷) فرق (۸) فرق (۹) فرق (۱۰) فرق (۱۱) 253..... (۷) الہام..... 264
- کرامات اویسیاء..... 254..... استدراک..... 267
- کرامت کی تعریف..... = الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق..... =
- کرامت کی اقسام..... = ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت..... 269
- کرامت کبریٰ حقیقہ، کرامت صغریٰ صوریہ..... = ابتدائی باتیں..... =
- اویسیاء کرام کی کرامتیں حق ہیں..... = تقبیل کی حقیقت..... =
- کرامت میں حکمتیں..... 256..... لیکن چومنے کا ایک حد ہوتا ہے..... 270
- اول۔ دوم۔ فائدہ..... = تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم..... =
- ولیا، کرام اللہ کے محتاج ہیں..... = اقسام تقبیل..... =
- اطلاع غیب یا کشف..... 257..... (۱) تقبیل عبادت..... =
- اویسیاء اللہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں..... = (۲) تقبیل تبرک..... 271
- احکام شرعی کسی کو معاف نہیں..... = (۳) تقبیل محبت و فرحت..... =
- معجزہ اور کرامت میں فرق..... 258..... (۴) تقبیل مودت و رحمت..... 272
- فرق (۱)..... = (۵) تقبیل شفقت..... =
- فرق (۲) فرق (۳)..... = (۶) تقبیل تعظیم..... =
- کرامت اور استدراج..... = (۷) تقبیل حرام..... =
- مومن..... 259..... روایات حدیث متعلقہ تقبیل تعظیم..... 275
- خدا مان و نکبت..... = حدیث انسؓ میں چومنے سے ممانعت کی توجیہ..... =
- مراتب وحی..... 260..... وہ واقعات جن میں بعض صحابہؓ اور صلحاء نے دوسرے بعض کی دست بوسی کی ہے..... =
- (۱) کاملہ الہی بلا و اسرار..... = (۲) تقسیم الہی من وراہ الحجاب..... =
- (۳) رسال ملک..... = (۱) شیخ الحدیث شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی..... =



- 283 ..... قیام تکرمی و تعظیمی کی شرعی حیثیت ..... = (۲) حضرت امام نوویؒ
- = ..... قیام کے اقسام ..... = (۳) حضرت علامہ ابن حجر مکیؒ
- = ..... (۱) قیام کی اول قسم، (۲) قیام کی دوسری قسم، (۳) تیسری قسم ..... = (۴) امام ابو یوسفؒ اور علامہ حلبیؒ
- = ..... (۴) چوتھی قسم ..... = (۵) حضرت سفیان بن عیینہؒ
- 284 ..... احترام کا طریقہ ..... = (۶) فقہیہ ابولیت السمرقندیؒ اور علامہ جلال الدین السیوطیؒ
- 288 ..... فقہ، کرام کے اقوال ..... 278 ..... = (۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
- 291 ..... قیام اکرام اور قیام تعظیم میں فرق ..... = (۸) حضرت علامہ حمویؒ
- 282 ..... تنبیہ ..... = (۹) حضرت علامہ قطب الدین دہلویؒ
- اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام کے نزدیک ..... = (۱۰) علامہ محمد بن عبداللہ تہمتاشیؒ
- 293 ..... سنت، بدعات کی حقیقت ..... = (۱۱) علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ
- = ..... سنت، بدعات و خرافات ..... = (۱۲) علامہ ابن عابدین شامیؒ
- = ..... لغت میں بدعت کا معنی ..... = (۱۳) علامہ محمد امین الارسلانیؒ
- = ..... اگر کوئی نیا کام دین کی تقویت ..... = (۱۴) علامہ ابن عقیلؒ
- 294 ..... بدعت کیلئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ..... = (۱۵) علامہ عبدالرحمن صفورؒ
- = ..... بدعت لغویہ کی دو قسمیں ہیں، سیدہ، حسنہ ..... = (۱۶) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
- 295 ..... بدعت کی حکم کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں ..... = (۱۷) حضرت علی بجوریؒ
- = ..... بدعت فی العقیدہ، بدعت فی العمل ..... = (۱۸) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا مظہر نانوتویؒ
- = ..... زمانہ کی نئی نئی ایجادات اور رہن سہن کیلئے ..... = (۱۹) مولانا خلیل احمد میٹھویؒ
- = ..... بدعت کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں ..... = (۲۰) مولانا خلیل احمد میٹھویؒ
- = ..... خلافت راشدہ کا زمانہ سنت کا زمانہ ہے ..... = (۲۱) حافظ عبدالقادر تنہانویؒ
- 296 ..... عصر حاضر میں بھی بہت ساری بدعات و خرافات ..... = (۲۲) حضرت مولانا حافظ عبدالغنیؒ
- = ..... بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ..... = امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسئلہ تقبیل میں اختلاف کی
- 297 ..... بدعات کے بارے میں چند ضروری وضاحتیں ..... 280 ..... توجیہ
- = ..... بدعت کی معرفت کے چند اصول ..... = بدائع میں شیخ ابومنصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتا ہے
- 298 ..... اسباب ایجاد بدعت ..... 281 ..... بوسہ کی دو صورتیں
- 299 ..... اسباب ایجاد بدعت ..... = سوال، جواب،
- = ..... خلاصہ: ..... 282 ..... زمین بوسی

- 308..... (۱) شرک بالاحنام = جہالت
- 309..... (۲) شرک بالملائکہ = شیطان
- 300..... (۳) شرک بالجنات = حب جاہ و شہرت، ندھی تقلید
- 310..... (۴) شرک بالانبیاء = بدعت کے نقصانات
- ..... (۵) شرک بالعباد = صوفیاء کرام اہل السنۃ الجماعۃ کے نزدیک شرک کی حقیقت
- 302..... = شرک کا بیان
- ..... = شرک کی تاریخ
- ..... = دنیا میں بت گری و بت پرستی کا آغاز
- ..... = بیت اللہ میں بت پرستی کا آغاز
- 303..... = عرب میں بت پرستی کا شیوع
- ..... = حالانکہ معبودان باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے
- 303..... = مشرک پر جنت حرام ہے اس کا ابدی مقام جہنم ہے
- ..... = مشرک کے اعمال صالحہ اکارت اور برباد جائیں گے
- ..... = شرک جو بھی کریں چاہے نبی ہو یا ولی ہو یا بزرگ ہو وغیرہ ان کے اعمال اکارت ہیں
- 305..... = شرک کا تمام
- ..... = شرک فی العلم
- ..... = شرک فی التعارف
- 306..... = شرک فی العبادت
- ..... = شرک فی العادت
- ..... = شرک فی الاطاعت
- 307..... = شرک فی اطاعت کی حقیقت
- ..... = اطاعت مستقلہ
- ..... = اطاعت غیر مستقلہ
- ..... = تو جو اطاعت غیر اللہ کی ہو مگر ہو حکم الہی کے تحت
- 311..... = آج قبریں اولیاء اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہے
- ..... = پھر اولیاء و صلحاء عبادت مقصود نہ تھی، ان کے عبادت قرب و وصل الہی کا ذریعہ تھے
- 312..... = کلمہ گو مسلمان کفار مشرکین کے نقش قدم پر
- 313..... = مشرکین سابقین اور موجودہ مسلمانوں میں توافق و تطابق
- ..... = استغاثت لغیر اللہ کے چند صورتیں
- 314..... = قسم اول، دوم، سوم، چہارم
- ..... = صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک آپ ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں
- 316..... = عقیدہ: آپ ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں
- ..... = نور اور بشر میں تعارض نہیں ہے
- ..... = نور کے اقسام
- ..... = نور حسی، نور معنوی یا نور ہدایت
- ..... = ایک غلطی کا ازالہ
- 317..... = مجدد الف ثانی کا قول
- ..... = علامہ آلوسی کا قول
- ..... = بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت نور تھے
- ..... = علامہ شبیر احمد عثمانی کا قول

- امام نوویؒ کا قول ..... = علم غیب کی تعریف
- سوال و جواب ..... = علم کے ذرائع تین ہیں
- ملا علی قاریؒ کا قول ..... 318 (۱) حواس خمسہ ظاہرہ
- سایہ نہ ہونے کے مشابہ سے مغالطے میں نہ پڑیں ..... = (۲) عقل صحیح
- کیا نور سے بالاکوئی اور درجہ روشنی بھی ہے؟ ..... = (۳) انبیاء کرام
- خدا کا نور عام ہے یا کسی ایک فرد میں محدود ہے ..... = دلائل
- حضرت خاتم النبیین ﷺ کا حضرت آدم سے تسلسل ..... 320 انبیاء میں کسی کو بھی علم غیب نہیں دیا گیا
- انبیاء کو بشر کہنے کے دو پیرایوں میں کھلا فرق ..... = علم الہی اور مسمیٰ میں فرق
- پیغمبروں کو بشر کہنے والے کا فر ہو گئے تھے؟ ..... = پہلا فرق (۱) دوسرا فرق
- بشریت انسان کے معنی میں ..... = تیسرا فرق (۳) چوتھا فرق (۲) پانچواں فرق (۵) چھٹا فرق (۶)
- پہلی شہادت، دوسری شہادت، تیسری شہادت، چوتھی شہادت ..... = سوال و جواب
- سوال جواب ..... 321 اس حدیث کے تفصیلات
- انبیاء کا برسبیل تواضع کوئی بات کہنا ..... = اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام کے نزدیک کوئی نبی
- تواضع ایک اپنی نیازمندی ہے یہ کسی کے کہنے پر نہیں کی جاتی ..... = اور ولی مختار کل نہیں ہیں
- حدیث میں حضور ﷺ کا اپنی بشریت کو بیان کرنا ..... = عقیدہ حضور اکرمؐ مختار کل نہیں ہیں
- صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے بشر ہونے کا عقیدہ ..... 322 اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں مختار کل صرف اللہ کی ذات ہے
- حضور ﷺ کی بشریت کے متعلق اولیٰ کرام کا عقیدہ ..... = تشریح مختار کل
- بشریت ک اقرار کیا صحت ایمان کیلئے شرط ہے؟ ..... 323 مختار کل کے معنی
- حالانکہ اہل بدعت کا عقیدہ بہت سی خرابیوں پر مبنی ہے ..... = برہنہ اور ہر رسول مختار کل نہیں ہے
- خرابی (۱) خرابی (۲) ..... = خلاصہ
- خرابی (۳) خرابی (۴) خرابی (۵) خرابی (۶) خرابی (۷) خرابی (۸) ..... 324 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ذاتی مختار کل ہے نہ مطلق مختار کل
- اس غلطی کی وجہ ..... = ہیں
- اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام کے نزدیک عالم ..... = امام المرسلین ﷺ کی بے اختیاری
- الغیب صفت خاصہ باری تعالیٰ ہے ..... 326 خلاصہ
- عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں دیا گیا تھا ..... = سنت رسول اللہ ﷺ سے نبی کریم ﷺ کے ایک اختیار کی نفی
- سب خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے حضرت ﷺ سائل ہیں ..... 339



- 347..... جائز ہے..... معطی اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت ﷺ قاسم ہے.....  
 =..... خلاصہ.....  
 348..... صدقہ کے نافع ہونے میں بہت سی احادیث وارد ہے..... چند وضاحتیں.....  
 =..... اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک کوئی نبی اور ولی حاضر و ناظر نہیں ہیں.....  
 342..... عقیدہ حضور اکرم ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں.....  
 =..... حاضر اور ناظر کے معنی.....  
 =..... اس غلط عقیدہ کی وجہ سے بہت سوالات جنم لیتے ہیں.....  
 =..... پہلا سوال، دوسرا سوال، تیسرا سوال.....  
 343..... اصل مغالطہ.....  
 =..... خلاصہ.....  
 اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ کی معراج جسمانی حق ہے.....  
 343..... اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک توسل جائز ہے.....  
 344..... توسل.....  
 =..... حضرت محمدؐ کے وسیلہ سے دعا کرنا بہت اچھا ہے.....  
 =..... وسیلہ کا لغوی معنی.....  
 =..... شرعی اصطلاحی میں وسیلہ.....  
 =..... غلطی تحقیق.....  
 توسل کی تین صورتیں ہیں.....  
 ۶۴۳..... صورت (۱) صورت (۲) صورت (۳).....  
 =..... غلطی نمبر (۱).....  
 =..... غلطی نمبر (۲).....  
 347..... اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک ایصال ثواب.....
- 347..... جائز ہے.....  
 =..... ایصال ثواب.....  
 348..... صدقہ کے نافع ہونے میں بہت سی احادیث وارد ہے..... فقہی تفصیل.....  
 =..... اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک حق تعالیٰ کسی چیز کیساتھ متحد نہیں ہوتا.....  
 350..... وحدۃ الوجود کی تحقیق.....  
 =..... وحدۃ الشہود کی تحقیق.....  
 351..... اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک تصرف کی حقیقت.....  
 353..... تصرف کی حقیقت.....  
 =..... حقیقت تصرف، توجہ، جمع خواطر.....  
 =..... ثبوت تصرف بآیات وحدیث.....  
 354..... ثبوت تصرف پیدا ہونے کا طریقہ.....  
 =..... استعمال تصرف کا حکم شرعی.....  
 355..... تنبیہات.....  
 =..... ☆ تنبیہ نمبر ۱.....  
 =..... ☆ تنبیہ نمبر ۲.....  
 =..... ☆ تنبیہ نمبر ۳.....  
 356..... کرامت اور تصرف میں فرق.....  
 =..... تصرف اور کرامت کے احکام میں فرق.....  
 357..... تنبیہ.....  
 357..... اصحاب القبور کا تصرف.....  
 358..... روحانی علاج کے لئے ہسپتال خانقاہوں کا ثبوت.....  
 =..... ☆ قرآن مجید سے دلائل.....

- ☆ دلیل نمبر ۱..... =
- ☆ دلیل نمبر ۲..... =
- ☆ دلیل نمبر ۳..... 359
- ☆ ..... احادیث سے دلائل 360
- ☆ دلیل نمبر ۱..... =
- ☆ دلیل نمبر ۲..... =
- ☆ دلیل نمبر ۳..... =
- ☆ عقلی دلیل 361
- ☆ صوفیاء کرام کے چلہ کشی کا ثبوت 361
- ☆ مسائل متفرقہ 364
- ☆ ..... اویاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم =
- ☆ ..... کشف القبور کے علم کا حکم =
- ☆ ..... کشف پر عمل کرنے کا حکم =
- ☆ ..... تصوف فانی الشیخ کی شرعی حیثیت 365
- ☆ ..... رابط قلب بالشیخ کی وضاحت =
- ☆ ..... الصوفی لاندھب لہ کی وضاحت =
- ☆ ..... اویاء اللہ کا جمع ہونا 366
- ☆ ..... فوت شدہ اویاء کی نسبت معلوم کرنا =
- ☆ ..... مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا =
- ☆ ..... مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا 367
- ☆ ..... حقیقت و ثبوت جذب و حال و وجد و استغراق اہل طریقت 367
- ☆ ..... تعریف =
- ☆ ..... اقسام جذب 368
- ☆ ..... (۱) جذب مبتدی، (۲) جذب منتہی =
- ☆ ثبوت حال و وجد..... =
- ☆ ذکرین پر جذبہ کے طاری ہونے کی وجوہات 272
- ☆ توجہ کے اثر کے ازالے کا علاج..... =
- ☆ ..... سید رابع..... =
- ☆ ..... ارواح مشائخ سے مدد طلب کرنے کے معنی 373
- ☆ ..... اہل قبور سے مدد لینا..... =
- ☆ ..... مزارات اولیاء سے فیض 374
- ☆ ..... کوئی ولی شرع کے کاموں سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا..... =
- ☆ ..... مسئلہ ولی خواہ کتنی ہی بڑھ جائے کسی نبی ﷺ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا..... =
- ☆ ..... انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اولیاء گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں..... =
- ☆ ..... صحابہ کرام امت کے تمام اولیاء سے افضل ہیں..... =
- ☆ ..... مشاہرات صحابہ کے بارے میں یہ عقیدہ رہے..... =
- ☆ ..... کسی ولی کی کرامات اس کی فضیلت کی دلیل نہیں..... =
- ☆ ..... استقامت کرامت پر ذائقہ ہے..... =
- ☆ ..... اولیاء اللہ کی قبور کو عام دستور سے اونچا بنانا اور ان پر چھت ڈالنا منع ہے..... =
- ☆ ..... بعض اولیاء سے مرنے کے بعد بھی تصرفات و خوارق ظاہر ہوتے ہیں..... =
- ☆ ..... اگر خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور کسی خلاف شرع کام کے بارے میں..... =
- ☆ ..... جن افعال کا ظاہری قوتوں سے کرنا منع ہے ان کا باطنی قوتوں سے کرنا بھی منع ہے..... =
- ☆ ..... ولی سے اتفاق کوئی گناہ سرزد ہو جانا، اس کی..... =
- ☆ ..... ولی کا بے عمل بیٹا پیر نہیں بن سکتا..... 375
- ☆ ..... طریقت میں کوئی نئی بات (بدعت) کا پیدا کرنا دین کی بدعت

- سے کم نہیں۔.....=
- مقربین کو عبادت کا ثواب ابرار سے زیادہ ملتا ہے۔.....=
- بزرگوں کے واسطے سے دعا مانگنا جائز ہے۔.....=
- ☆ قبروں کو سجدہ کرنا، ماتھا ٹیکنا یا قبروں کا طواف کرنا شرک ہے۔.....=
- قلند اور مجذوب کا مطلب 375.....
- نقطہ، ابدال، غوث وغیرہا کی تشریح اور ثبوت۔.....=
- ہر جگہ ایک ولی ہونے سے مراد قطب ارشاد ہے یا قطب تکوین 377.....؟
- کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟.....=
- غوث و قطب کے وجود کا حکم۔.....=
- غوث، قطب، ابدال، بندگی اور عبدیت کے مدارج ہیں نہ کہ الوہیت کے۔.....=
- مجدد کے شرائط۔.....=
- مجدد کون ہے؟ 378.....
- تحقیق مجدد۔ 379.....
- تجدید دین کی حقیقت 381.....

نفسِ فہرستِ بالخیر

## تقریظ

سلطان القلم، مبلغ اسلام، شیخ الحدیث حضرت مولانا

عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ عالی

سرپرست جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ خیبر پختونخوا

الحمد لحضرة جلاله والصلوة والسلام على خاتم الرسالة

حضرت مولانا عزیز الرحمن حقانی صاحب جامعہ حقانیہ کے لائق فاضل، پٹھان ہونے کے باوجود اچھی بھلی اردو لکھ لیتے ہیں، اپنے مرشد کے روحانی فیض کی طرح قلمی فیض سے بھی بہرہ ور ہیں۔ جس کا ثمرہ ان کی تازہ تالیف ”حقیقت تصوف و سلوک“ ہے، جو اپنی جامعیت اور تحقیق و تدقیق کے حوالے سے ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔

میں ساری کتاب تو نہ دیکھ سکا البتہ حضرت مولانا گل رئیس خان صاحب اور برادر عزیز حافظ محمد عبداللہ نقشبندی صاحب کے اعتماد پر مجھے یقین ہے کہ کتاب کے مندرجات مسلک اہل سنت والجماعہ کے عین مطابق اور دین حقہ کے دفاع و حفاظت اور فروع علم اور حقیقت تصوف و سلوک کی صحیح معنوں میں علمی ترجمان ہوں گے۔

یہ بھی اپنے مرشد کی زندہ کرامت ہے کہ ان کے ایک مرید نے ان کی ادنیٰ توجہ سے ایسا علمی مرقع تیار کر لیا ہے، جو اپنے موضوع کے حوالے سے حرف آخر نہ سہی حرف کمال ضرور ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

عبدالقیوم حقانی

۲۱ شوال ۱۴۳۵ھ

۱۸ اکتوبر ۲۰۱۴ء

## تقریظ عالی

مبلغ اسلام، بقیۃ السلف، المحقق البارع، القد المتقن، ذو الذهن الوقاد، والقريحة المسیالة، والقلم العذب البلیغ المطواع، والبیان المشرق الحی الاخذ، والروحانیة الفیاضة، پیر طریقت حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتہم الدلیہ

شیخ الحدیث روح المدارس روحانیہ زیرہ اسماعیل خان

خلیفہ مجاز شیخ الحدیث، پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا دین محمد نقشبندی قلعہ جواد کابل

الحمد لولہ والصلوة علی نبیہ وعلی الہ واصحابہ المتادبین بادابہ

اما بعد:

پہلی بات یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ انسان کی سعادت، کامیابی، اور خوش بختی کا ذریعہ ہے، لیکن یہ بات کہ شریعت کے کہتے ہیں اسے مختلف طریقوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) بعض فرماتے ہیں کہ شریعت علم، عمل اور اخلاص کا نام ہے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں کہ شریعت: ایمان، اسلام اور احسان کا نام ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں سب کو دین کہا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ دین شریعت، طریقت اور حقیقت کا نام ہے۔

اگر غور کیا جائے سب کاماں اور مقصد ایک ہی ہے، طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے دونوں میں صرف لفظی فرق ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا نور شاہ کشمیری ”فیض الباری“ میں حدیث جبریل کے اجزاء کے درمیان ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”مالایمان“ اور ”مالاسلام“ کے بعد ”مالاحسان“ کے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے درمیان وحدۃ اور مساوات ہے۔

اس لئے کہ ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہو جیسا کہ انسام کے پانچ ارکان کو اسلام کہا جاتا ہے۔ اور اسلام اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کا اثر باطن میں ہو، اور اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: شریعت اور طریقت کے درمیان فرق ایسا ہے جیسا کہ جلد اور مغز کا ہے یا جیسا کہ روح اور بدن کے درمیان فرق ہے۔ یعنی ظاہر اور باطن کا فرق ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: ”من تصوف بغیر علم فقد تزندق ومن تعلم بغیر تصوف فقد تفسق، ومن جمع بینہما فقد تحقق“

غرض یہ ہے کہ شریعت علم ظاہر اور علم باطن کے مجموعے کا نام ہے اور دونوں کے درمیان نسبت تلازم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ الگ ہیں اور ان دونوں کے درمیان تفرق ڈالتے ہیں۔ بعض لوگ صرف علم ظاہر کے قائل ہیں علم باطن کو بدعت اور صوفیاء کرام کو مبتدعین کہتے ہیں، اور بعض لوگ صرف علم باطن کے قائل ہیں اور علم ظاہر کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے



حاجب اور دور تصور کرتے ہیں۔ ”فالی اللہ المشتکی“ اگر کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے کہ آج کل کے دور میں اکثر شیوخ کرام جو متعدد مدارس میں دین کی خدمت کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی طریقت کی نسبت سے خالی نہیں ہے۔

اگر ہم اپنے اکابرین علماء دیوبند، علماء ماوراء النہر، اور افغانستان سے لیکر خیر القرون تک کی تاریخ پر نظر رکھیں تو کوئی بھی طریقت کی نسبت سے خالی نظر نہیں آئیگا۔ مطلب یہ کہ ان کا برین علماء کرام نے مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اس نکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ علم دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے اور جہل بڑھتا جا رہا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ: ”الانسان اعداء لما جہلو“۔

☆..... دوسری بات ہے کہ: یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اور یہ بات علم پر موقوف ہے، کیونکہ کوئی بھی علم کے بغیر اپنے عقل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی کے اسباب معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا اپنے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور انہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کی بھرپور رہنمائی کی ہے اور آج کل علماء جو کہ انبیاء کرام کے ورثاء ہیں ان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ علماء کرام کو اپنی رضا نصیب فرمائے کہ انہوں نے ہر وقت مسلمانوں کی واقعی رہنمائی فرمائی اور امت مسلمہ کو شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ فرمایا۔

### علماء کرام نے مختلف طریقوں سے دین کی حفاظت کی

(۱) ..... بعض علماء کرام نے عقائد کی حفاظت کا کام کیا ہے جیسا کہ متکلمین حضرات نے مبتدعین کے عقائد سے لوگوں کو باخبر کیا اور صحیح عقائد لوگوں کو بتائے۔

(۲) .. بعض علماء کرام نے احکام کی حفاظت کا کام کیا ہے جیسا کہ فقہاء کرام حضرات نے لوگوں کو صحت و فساد سے باخبر کر دیا۔

(۳) ... بعض علماء کرام نے نیت کی حفاظت کا کام کیا جیسا کہ صوفیاء کرام حضرات نے لوگوں کو نیت کے صحیح اور فاسد ہونے سے باخبر کر دیا۔

یہ تینوں علوم (علم عقائد، علم فقہ، علم تصوف) دین کے شعبے ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں ان تینوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ”آمنت بالله و ملئکتہ الخ“ میں ایمان کی طرف اشارہ ہے ”شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ الخ“ میں اسلام کی طرف اشارہ ہے اور ”وان تعبد اللہ کانک تراء الخ“ میں احسان کی طرف اشارہ ہے۔ اور آخر میں ان سب کو دین کہا ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ عقائد سے انسان کے عقیدے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور علم فقہ میں احکام یعنی حلال، حرام وغیرہ کی معرفت ہوتی ہے، اور علم تصوف میں انسان کی نیت کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان تینوں میں سے نیت کی بہت اہمیت ہے کیونکہ اگر ایمان میں صحیح نیت نہ ہو تو منافقت ہے، اور نماز، روزہ وغیرہ میں اگر نیت صحیح نہ ہو تو ریاء ہے۔ اگر نیت صحیح نہ ہو تو کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے۔ جب نیت کی اصلاح ہو جائے تو سارے نیک اعمال آسان ہو جاتے ہیں۔

☆..... جیسا کہ شیخ الحدیث رشید احمد گنگوہی نے اپنے مرشد کو تحریر فرماتے ہیں کہ: ”ابھی میرے لئے امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے“۔ یعنی نماز کے وقت نماز کی طرف اتنا شوق ہوتا ہے جیسا کہ بھوک کی حالت میں کھانے کا شوق ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ

طریقت کی برکت سے انسانوں سے عبادت کی تکلیف اور ثقلات دور ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”قرۃ عینی جعلت فی الصلوۃ“۔

غرض یہ کہ طریقت شریعت کا خادم ہے لیکن آج کل عام لوگ اس کی حقیقت سے غافل ہیں۔ اور طریقت کو حیران کن نظر سے دیکھتے ہیں، اس لئے روز بروز عبادت کا ذوق و شوق کم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا عزیز الرحمن حقانی کو جزائے خیر دے اور اللہ تعالیٰ ان کی عالی ہمت اور دین کی خدمت کیلئے عمر دراز عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے اسلاف و اکابر کا کارنامہ ایک بار پھر زندہ کر دیا۔ اور حق و باطل کا فرق لوگوں پر واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سچی تبلیغ اپنے دربار میں قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

دین محمد عفا اللہ عنہ

## تقریظ عالی

پیر طریقت، رہبر شریعت، مبلغ اسلام، محبوب الصلحاء

حضرت مولانا گل رُس نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ

خلیفہ مجاز پیر طریقت، محبوب الصلحاء والعلماء

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مدیر جامعہ دارالہدیٰ (مرکزی) دوواہل بنوں

مدیر اعلیٰ قاسم نانوتوی لاہری جاسن روڈ بنوں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد : قافلہ دیوبند کے سرخیل قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تذکرۃ الرشید کی جلد ثانی میں تصوف و سلوک کی حقیقت کے بارے میں لکھا ہے: ”صوفیہ کا علم نام ظاہر و باطن، علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اصلی علم ہے۔ صوفیہ کی حالت اخلاق کو سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے خلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا حق اللہ تعالیٰ کی رضا میں بلکلیہ مصروف ہو جانا ہے صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کا خلق ہیں۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ ”کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو“۔ نیز جو کچھ احادیث میں آتا ہے اس پر عمل کرنا اخلاق صوفیہ میں داخل ہے صوفیہ کے اخلاق کی تعریف اس طرح ہے اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا، ترقی اور خوش خلقی کی معاملہ، غیظ و غضب کا چھوڑ دینا ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا مطلب یہ کہ مخلوق کو اپنے حیظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے، سخاوت کرنا، درگزر کا معاملہ کرنا، خندہ روئی اور بشارت جسم و سہولت اور نرم پہلو رکھنا تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو خدا پر بھروسہ رکھنا تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا، جاہ و عزت کا خواہش مند نہ ہونا، وعدہ پورا کرنا۔ بردباری، رواندیشی بھائیوں کے ساتھ محبت و موافقت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا، محسن کی شکر گزاری اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ ”پیش نظر“ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی تفصیل و توضیح ہے جسے مولانا عزیز الرحمن حقانی نے ”حقیقت تصوف“ کے عنوان سے قلم بند کیا ہے خوب صورت اور پرکش ہر سحر انگیز قلم سے لکھی ہوئی یہ کتاب ایک دبستان معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بے حد مفید، دلچسپ، فکر انگیز، نصیحت آموز اور حیرت انگیز ہے سادہ و سلیس شستہ و شگفتہ نرم و شیریں، بلخ اور موثر کن ہے زبان کی فصاحت و بلاغت بھی قابل تحسین ہے کتاب کے ہر صفحے پر موجود پیرا گراف اور طرز تحریر کو پڑھ کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کتاب پڑھ کر اتنی

سرت اور دفور انبساط ہوتا ہے کہ احاطہ بیان سے باہر ہے کتاب میں تصوف و سلوک جس انداز سے پیش کیا گیا ہے وہ بلاشبہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کتاب کو ۲۳ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ہر باب علم و عرفان کا خزانہ ہے پہلے باب میں ”تصوف و سلوک“ کا خلاصہ پیش کیا ہے دوسرا عنوان ”تصوف کیا ہے؟“ کے نام سے موصوف کیا ہے۔

تیسرے باب میں محققانہ و مدللانہ انداز سے لفظ ”صوفی“ کی تحقیق کی گئی ہے اس کے بعد بیعت کے فوائد، صوفیاء کے سلاسل اور شیخ کامل کی ضرورت جیسے عنوانات کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں امت کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس کے بعد تزکیہ نفس اور تصوف و سلوک کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل کا انبار لگا کر قارئین سے ایک استدعاء کی گئی ہے کہ: میرے خلوص کا بدلہ بتاؤ کیا دو گے؟ تمہاری بزم میں آب حیات لایا ہوں۔

مولانا عزیز الرحمن حقانی، اپنے علم و فضل، ذہانت و حافظہ، وقت نظر اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے علماء متقدمین کی یادگار ہیں۔ موصوف تحریر کے میدان میں نو وارد نہیں بلکہ انہوں نے اس سے قبل ان کی تین معرکۃ الآرا کتابوں نے منصہ شہود پر جلوہ گر ہو کر قارئین سے پذیرائی حاصل کی ہے۔

پیش نظر کتاب موصوف کی چھوٹی کاوش ہے جو درحقیقت سالکین راہ طریقت کے راستے کا چراغ ہے۔ موصوف مؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور وہ درس سنن ابی داؤد، قاضی، میبذی، مسلم الثبوت، سلم العلوم، شرح جامی، بدایہ (صلوٰۃ) کی کتابیں بڑے انہماک اور شوق سے پڑھاتے ہیں۔

کتاب چونکہ سالکین راہ طریقت و اہل علم حضرات کیلئے یقیناً علمی تحفہ ہے اس لئے تصوف و سلوک سے وابستہ حضرات کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

اللہ رب العزت مؤلف کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا کر نجات دارین کا سبب بنائیں۔ آمین۔

دعا گو و دو عا جو

مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی

خدم جامعہ دارالہدی (مرکزی) بنوں

خطیب مسجد القاسم

مدیر اعلیٰ قاسم نانوتوی لائبریری بنوں

تاریخ 28,11,2014

## تقریظ

مبلغ اسلام، محقق العصر، جامع الحاسن، نمونہ سلف، شیخ الحدیث

حضرت مولانا احمد سعید صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث جامعہ صمیمہ درہ پیزو لگی مروت

خفیہ مجاز محبوب العلماء والصلحا پیر طریقت

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وبعد: ”اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حقیقت تصوف“ محترم المقام واجب الاحترام حضرت مولانا عزیز الرحمن سلمۃ الرحمن کی تالیف ہے، حضرت کی یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ایک جامع مانع کتاب ہے اور غالباً تصوف کی کوئی جیت بھی ایسی نہ ہوگی جس پر بحث نہ کی گئی ہو۔

بیعت کی حقیقت، حقیقت احسان، صوفی کی وجہ تسمیہ الغرض تصوف کی موضوع پر یہ تالیف ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، اس کتاب میں سالیکن طریقت کیلئے کافی سے زیادہ مواد ہے، اور ساتھ ساتھ منکرین تصوف کو بھی حقیقت طریقت دکھا دیا ہے، اور اسکے تاریکیوں جیسے اعتراضات کے شافی جوابات بھی دیے ہیں، فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزا اور اگر میں یہ کہوں کہ بقول مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کہ: تصوف کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو بڑھانا، (شریعت و طریقت) کی خوب سے خوب تر تشریح کی ہے بے جا نہ ہوگا۔

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے اس رشہ قلم و قراطس کو تادیر قائم رکھے اور دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق بخشے آمین فامین ثم آمین۔

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ موصوف کے اس کتاب کے بعض مواقع دیکھ لئے ضیق وقت کی وجہ سے مکمل کتاب کا موقع نہ مل سکا۔

وانا العبد الضعیف احمد سعید حفظہ اللہ عن الزلۃ یوم الوعد۔

۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ قبل طلوع الصبح لیلة یوم النہیس

## تقریظ

شیخ الادب والنطق، جامع المعقولات والمنقول، بقیۃ السلف حضرت مولانا

فیض الرحمن الحقانی دامت برکاتہم العالیہ

مدرسہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد: شریعت کے احکام تین طرح کے ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق خالص عقیدہ کے ساتھ ہے، ان کو ”احکام نظریہ“ کہتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق اعمال ظاہری کے ساتھ ہے، ان کو ”احکام فرعیہ“ کہتے ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جن کا تعلق اعمال باطنی اور اخلاقیات کے ساتھ ہے، ان کو ”علم تصوف“، ”علم سلوک“ یا ”علم الاحسان“ کہتے ہیں۔

علم تصوف قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَسْمِ وَبِأُطْنَةِ﴾ (سورۃ الانعام: ۱۱۲) اسی طرح حدیث جبریل میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا: ”مَا لِإِحْسَانٍ؟“ آپ ﷺ نے جواباً عرض کیا: ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، او كما قال النبی ﷺ“۔

اس کے علاوہ قرن ثانی سے لے کر عصر حاضر تک بلا انقطاع و بلا استثناء ہر دور میں اور علاقہ کے مشائخ عظام اور اکابرین امت نے علم تصوف نہ صرف خود حاصل کیا بلکہ مخلوق خدا کو بھی اس عظیم دولت سے سرفراز کیا۔

سرزمین ہندوستان میں ایک وقت ایسا تھا کہ چاروں طرف خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا جال بچھا ہوا تھا، قریہ قریہ اور بستی بستی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی محفلیں قائم تھیں، مدارس و خانقاہوں کے درو دیوار ذکر اللہ کے زمزموں سے گونج رہے تھے، مگر پھر ایسا زمانہ آیا کہ خانقاہیں رفتہ رفتہ دیران ہونے لگیں، ذکر و فکر کی مجلسیں اجڑنے لگیں، دلوں میں آتش عشق کی چنگاریاں بجھنے لگیں، سلوک و تصوف کے محفلیں ماند پڑنے لگیں، غزنوی کے دل سے تڑپ جاتی رہی اور اب صورت حال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے کہ علم تصوف کو لوگ صرف نام کی حد تک جانتے ہیں، خانقاہوں کا وجود آٹے میں نمک کے بقدر رہ گیا ہے، صحیح العقیدہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی قحط ہے، مدارس دینیہ میں علم تصوف سے مکمل بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، مدارس میں خانقاہی مزاج مفقود ہے، اہل علم نے تصوف کے موضوع سے اپنے قلم روک لیے ہیں اور اس عظیم علم کی وہ خدمت نہیں ہو رہی جو اس کا حق تھا۔

ایسی صورت حال میں ہمارے لائق اور عزیز شاگرد حضرت مولانا عزیز الرحمن حقانی صاحب زید مجدہ نے میدان عمل میں قدم رکھا، اور تصوف کے موضوع پر ایسی سدا بہار، جامع، مدلل اور مستند کتاب تحریر کی جو لائق تحسین بھی ہے اور قابل تقلید بھی! مذکورہ کتاب میں فاضل مصنف نے تصوف اور اس کے متعلقات کو اس جامعیت کے ساتھ مرتب فرمایا ہے کہ کسی قسم کی تشکی باقی نہیں رہی، مصنف کی جاں فشانی، عرق ریزی



اور ان تھک محنت کا انداز سطر سطر سے ہوتا ہے، علم تصوف کے تقریباً سبھی اہم مباحث اس میں آگئے ہیں، کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے باحوالہ لکھا گیا ہے، کتاب کے ماخذ و مراجع پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوران تصنیف علم تصوف کی چوٹی کتابیں مصنف کے پیش نظر تھیں۔

کتاب کی فہرست میرے سامنے ہے، چند اہم اور نمایاں عنوانات تحریر کر رہا ہوں تاکہ کتاب کے محتویات کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے۔  
 ”خلاصہ تصوف، قلب اور اس کی قسمیں، اصلاح قلب کے اصول، ذکر کی اقسام، تصوف کی حقیقت، لفظ ”صوفی“ کی تحقیق، علم تصوف کے ثبوت پر دلائل، صوفیاء کے اقسام، صوفیاء کے درجات، بیعت اور اس کے متعلقات، سلاسل اربعہ کا تعارف، شیخ کامل کی ضرورت اور پر دلائل، شرائط مرشد، آداب شیخ، ولی کی تعریف اور اس کے علامات، قدرت اور عادت میں فرق، کرامت کی بحث، مراتب وحی، تقبیل کی شرعی حیثیت اور اس کی اقسام، قیام تعظیمی و تکریمی، بدعات و خرافات کا بیان، شرک کی بحث، حضور ﷺ کا خیر البشر ہونا، عالم الغیب، مختار کل، حاضر و ناظر نہ ہونا، معراج جسمانی کا اثبات، توسل کی بحث، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی تحقیق، تصرف کی حقیقت، خانقاہوں کی ضرورت، چلہ کشی کا ثبوت، اہل طریقت کا جذب و حال اور وجد و استغراق، عصمت انبیاء کا مسئلہ، اقطاب و ابدال اور اس جیسی دیگر بہت سی موضوعات پر پوری بسط و تفصیل کے ساتھ نہایت مفید بحث کی گئی۔

کتاب میں جو قول ہے باحوالہ ہے، جو دعویٰ ہے مدلل ہے، اور جو مسئلہ ہے تشریح و تحقیق سے آراستہ ہے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے عم تصوف کے موضوع پر ایک نہایت جامع انسائیکلو پیڈیا مرتب کر کے امت کے حضور پیش کر دیا ہے، اب اہل ذوق اور اول علم حلقوں کا امتحان ہے کہ وہ اس عظیم نعمت کی کس طرح قدر کرتے ہیں اور اس سے کتنا استفادہ کرتے ہیں۔

میرے نزدیک یہ کتاب ہر اس شخص کے کتب خانے کی زینت ہونی چاہئے جو خود کو علم و دوست اور باذوق کہتا ہے، آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ مصنف کو اس عظیم علمی خدمت کا اجر عطا فرمائے، ان کا اس کاوش کو قبول عام سے نواز کرامت کے لئے نفع بخش بنائے اور مصنف کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا کر دے، تاکہ وہ اس طرح کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتا چلا جائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین۔

فیض الرحمن حقانی

مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

غرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الحمد لله وكفى نوسخ علي عبادہ الزنن، (صطفى)

الما بعد:

ہر دور اور ہر زمانہ کے فتنے مختلف ہوتے ہیں، آج کا ایک نیا فتنہ یہ ہے کہ ذکر و سلوک کی محنت کو تزکیہ نفس کی محنت کو تصفیہ، قلب کی محنت کو، عجمی سمجھا جا رہا ہے، اور یہ بات کہی جا رہی ہے کہ ہمیں تو احادیث میں کہیں یہ بات نظر آتی ہی نہیں، اور ہر بندہ پوچھتا ہے جی! قرآن میں کہاں ہے اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ علم الاحسان کا کہاں سے ثبوت ملتا ہے؟..... علم الشرائع کے بارے میں تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اَطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَثَدِ إِلَى اللَّهِ“ اور یہ بھی فرمایا: ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ“ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم کو سیکھنا چاہئے پھر یہ علم الاحسان کہاں سے آگیا؟۔

ہم کہتے ہیں کہ تصوف کی محنت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ بار بار قرآن مجید میں حکم فرماتے ہیں:

(۱) ... اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ (آل عمران: ۱۰۳) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ایسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) تحقیق تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے۔ نیز فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التعاون: ۱۶) پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سے ہو سکے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳) پس ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَلْثَمِ وَبَاطِنَهُ﴾ (الانعام: ۱۲۰) اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ سب چھوڑ دو۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طریقہ حاصل کرنا۔ تقویٰ اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑنا ہی تصوف تزکیہ ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ جیسے فقہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ فقہ پہلے مدون نہیں تھا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ سارا علم کھل کر سامنے آگیا۔ اسی طرح تصوف و سلوک کا اور تدوین حدیث کا معاملہ پیش آیا۔ اس لئے کہ یہ تمام اصول و ضوابط قرآن وسنت میں موجود تھے، وہیں سے ہمارے اکابرین نے ان کو یکجا کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسانی فرمادی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کا استعمال بدلتا رہا ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ پہلے زمانے میں اس کو تزکیہ واحسان کہتے تھے، اور احسان تو عام طور پر مشہور تھا، آج تصوف کا لفظ مشہور ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟

لہذا تصوف و تزکیہ پر کتابیں بہت لکھی گئیں ہیں کہ تصوف کس کو کہتے ہیں کیسے حاصل ہوتا ہے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا لیکن آج فقہ کے دور میں بہت سارے لاعلمی کی وجہ سے اور جس طرح علم ظاہر کے حامل علمائے حق کی صفوں میں علمائے سوء داخل ہو چکے ہیں اسی طرح علم باطن کے حامل مشائخ حق پرست کے بھیس میں نفس پرست لوگ شامل ہو چکے ہیں، اور یہ لوگ مبالغے میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کو غیب دان اور معصوم خیال کرتے ہوئے ان سے مرادیں طلب کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو کچھ نہیں چاہتے نہیں ہوتا، اسی خیال کو اپنے دل میں لئے ہوئے اولیاء کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان سے اپنی ولی آرزوئیں مانگتے ہیں جو صریح شرک ہے۔ نیز ایسے لوگ جب زندہ، اولیاء کرام میں صفیں نہیں پاتے تو ان سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ جس کے سبب یہ ان کے فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ایسے گمراہوں کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں جو کفر و اسلام میں فرق نہیں کر سکتے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کرام کے پراسرار کلمات نہ سمجھنے کے سبب سے ان کو کافر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور ان کی ولایت سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جہل اور لاعلمی کے سبب سے قرآن مجید، حدیث شریف اور اجماع امت سے ثابت شدہ عقائد حقہ سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ولایت، اور کرامت نبی سے منکر ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مطلب منکر تو نہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں اولیاء بھی تھے اور کرامت بھی تھی مگر اب اس برے زمانے میں نہ ولی رہا اور نہ کرامت رہی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اولیاء کرام کی شان نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کی شان میں سوء بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس قدر تعظیم اور تکریم میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کو پوجنے ہی لگتے ہیں۔ الغرض دونوں فریق افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں۔ اور عوام الناس کی روحانی اور باطنی تنزلی کی انتہا یہاں تک ہو چکی کہ ایک طبقے نے تصوف و تزکیہ نفس سے انکار کر دیا اور بیعت طریقت کو گمراہی سمجھ کر اسکی مخالفت کا بیڑا اٹھالیا۔ اور ایک طبقے والے نے جھوٹے سچے پیروں کے درمیان تمیز نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت اعتراضات کئے۔ ضلو افاضلو اخود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

### صوفیاء کرام پر جھوٹے اعتراضات

☆..... نمبر ۱: تصوف بدعت ہے یہ ایک نیا فن ہے جو کہ پہلے نہیں تھا۔

☆..... نمبر ۲: صوفیاء کرام مشرک ہے کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں شرک کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

☆..... نمبر ۳: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیرومرشد کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

☆..... نمبر ۴: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیرومرشد کو متارکل مانتے ہیں۔

☆..... نمبر ۵: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیرومرشد کو عالم الغیب ثابت کرتے ہیں۔

☆..... نمبر ۶: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیرومرشد کو نور سمجھتے ہیں۔

☆..... نمبر ۷: بعض لوگوں نے تصور شیخ کی معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ صوفیاء کرام تصور شیخ کے قائل ہیں لہذا یہ لوگ اپنے مرشد کو

حاضر و ناظر سمجھتے ہیں، مشرک ہو گئے۔

نمبر ۸: بعض لوگ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ: صوفیاء کرام بدعتی ہیں کیونکہ بہت سارے بدعات کرتے ہیں، وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: کہ اجتماعی ذکر کرتے ہیں، مراقبہ کرتے ہیں چلہ کشی کرتے ہیں۔ جذب کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

لہذا ایک ایسی تصنیف کی ضرورت پیش آئی کہ تصوف کے مضامین اور دلائل کے ساتھ ساتھ اس میں ان اعتراضات کے جوابات بھی مذکور ہو اور اس میں یہ فرق کر دیا گیا ہو کہ صوفیاء کے دو قسمیں ہیں ایک جعلی صوفیاء ہوتے ہیں۔ اور ایک اصلی صوفیاء کرام ہوتے ہیں جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفی کرام ہیں جو کہ حق پر ہیں۔ جو شرک اور بدعات کرتے ہیں وہ جعلی صوفیاء ہوتے ہیں اور جو عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام کا ہے وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور جو عقیدہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ نہ شرک ہے اور نہ بدعت بلکہ مطلوب ہے۔ لہذا میں نے یہ مجموعہ مختلف کتابوں سے مرتب کی ہے، خصوصاً مرشد عالم، محبوب صلحاء، والعلماء، مرشد المشائخ پیر طریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی کی کتابوں نے خصوصاً خطبات فقیر، معارف السنوک، تصوف و سلوک، سے گویا کہ یہ ان کی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ جو کہ درجہ ذیل خصوصیات پر مشتمل ہیں:

### خصوصیات کتاب

- (۱) جسمانی بیماری پر قیاس کرتے ہوئے روحانی بیماری کے علاج کو عقلاً ثابت کر دیا گیا ہے۔
- (۲) دل کے مباحث کو تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔
- (۳) ذکر کے جتنے مسائل احکام و اقسام ہیں تفصیل سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۴) تصوف و سلوک کے بارے میں اکثر مشائخ کے اقوال نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۵) لفظ صوفی کی تحقیق تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔
- (۶) تصوف کے ثبوت پر جتنے نقلی اور عقلی دلائل ہیں نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۷) بیعت کے ثبوت، اور فوائد پر دلائل اور بیعت کے شرائط و احکام اعتراضات مع جوابات نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۸) ضرورت مرشد پر متعدد دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں
- (۹) شرائط مرشد و مرشد مفصل بیان کر دیئے گئے ہیں۔
- (۱۰) ادب کے لغوی و اصطلاحی معنی اور مشائخ کے اکثر اقوال نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۱۱) ادب شیخ مع فوائد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔
- (۱۲) اولیاء اللہ کون ہیں، اولیاء کرام کی صفات، اور ان کی اہانت کا وبال اور محبت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔
- (۱۳) ہاتھ پاؤں قیام تعظیمی و تکریمی کے جتنے صورتیں، اقسام، جائز و ناجائز احکام مفصل نقل کر دیئے گئے ہیں۔
- (۱۴) اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر ہیں۔
- (۱۵) اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صفت خاصہ باری تعالیٰ ہے نہ نبی عالم

الغیب ہے اور نہ ولی۔

(۱۶) ... اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ نبی کریم ﷺ مختار کل ہے اور نہ ولی۔

(۱۷) ... اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہے اور نہ ولی۔

(۱۸) ... صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک شرک کی حقیقت، اقسام، واحکام تفصیل سے نقل کر دئے گئے ہیں۔

(۱۹) ... صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک بدعت کی حقیقت اقسام، واحکام شرح صدر کر دئے گئے ہیں۔

(۲۰) ... صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک توسل کے جائز و ناجائز صورتیں احکام و اقسام تفصیلاً منقوش کر دئے گئے ہیں۔

(۲۱) ... اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایصال ثواب جائز ہے۔

(۲۲) ... تصرف کی حقیقت اور احکام تفصیل سے نقل کر دئے گئے ہیں۔

(۲۳) ... اور تصوف کے بارے میں جتنے احکام و مسائل ہیں اور اعتراضات کے جوابات مختلف فتاویٰ سے تفصیلاً نقل کر دیئے گئے

ہیں۔ وغیر ذلک۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ

بندہ عاجز و ضعیف و لا یزال یسئیر فی حقانی و زریعتہ

خادم و عبود الشریعہ بدریہ اسمائیل خان

صہبہ خیرہ - سہیل خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي تَفَرَّدَ بِجَلَالِ مَلَكُوتِهِ، وَتَوَحَّدَ بِجَمَالِ جَبَرُوتِهِ وَتَعَزَّزَ بِعُلُوِّ أَحَدِيَّتِهِ، وَتَقَدَّسَ بِسَمُوِّ صَمَدِيَّتِهِ، وَتَكَبَّرَ فِي ذَاتِهِ عَنْ مُضَارَعَةِ كُلِّ نَظِيرٍ وَتَنَزَّهَ فِي صِفَاتِهِ عَنْ كُلِّ تَنَاهٍ وَقُصُورٍ، لَهُ الصِّفَاتُ الْمُخْتَصَّةُ بِحَقِّهِ، وَالْآيَاتُ النَّاطِقَةُ بِأَنَّهُ غَيْرُ مُشَبَّهِ بِخَلْقِهِ.

فَسُبْحَانَهُ مِنْ غَرِيزٍ، لَا حَدَّ يَنَالُهُ، وَلَا عَدَّ يَحْتَالُهُ، وَلَا أَمَدَ يَحْصُرُهُ، وَلَا أَحَدَ يَنْصُرُهُ، وَلَا وَلَدَ يَشْفَعُهُ، وَلَا عَدَدَ يَجْمَعُهُ، وَلَا مَكَانَ يُمْسِكُهُ، وَلَا زَمَانَ يَدْرُسُهُ، وَلَا فَهْمَ يَقْدَرُهُ، وَلَا وَهْمَ يُصَوِّرُهُ.

تَعَالَى عَنْ أَنْ يُقَالَ: كَيْفَ هُوَ؟ أَوْ أَيْنَ هُوَ؟ إِنْ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ، وَلَا يَغْلِبُهُ حَيْ، وَهُوَ الْخَبِيرُ الْقَدِيرُ. أَحْمَدُهُ عَلَى مَا يُؤَلِّى وَيَضْعُ، وَأَشْكُرُهُ عَلَى مَا يَزِي وَيُدْفَعُ، وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَأَقْنَعُ، وَأَرْضَى بِمَا يُعْطَى وَيَمْنَعُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، شَهَادَةً مُوقِنَةً بِتَوْحِيدِهِ، مُسْتَجِيرًا بِحُسْنِ تَائِيدِهِ.

وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ الْمُصْطَفَى، وَأَمِينَهُ الْمُجْتَبَى وَرَسُولَهُ الْمُبْعُوثَ إِلَى كَافَّةِ الْوَرَى، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مَصَاحِبِ الدُّجَى، وَعَلَى أَصْحَابِهِ مَقَاتِلِجِ الْهُدَى، وَسَلَّمْ تَسْلِيمًا كَثِيرًا. (الرسالة القشيرية: ص: ٤)

اب بعد:

### خلاصہ تصوف

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”النَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ“ ”انسان کانوں کی مانند ہیں، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں“ کسی انسان میں اللہ نے کوئی صفت رکھی ہے اور کسی میں کوئی۔ اگر انسانوں کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مختلف صفات نظر آئیں گیں۔ کسی میں کوئی خیر کی بات ہوگی اور کسی میں کوئی شر کی بات ہوگی۔ حتیٰ کہ جس کو ہم بہت ہی برا اور فاسق و فاجر کہتے ہیں ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھیں تو ان میں بھی آپ کو کوئی نہ کوئی اچھی باتیں نظر آجائیں گی۔ گویا انسانوں کی زندگیوں کی عقلی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔

### خیر اور شر کا ماحول

☆ مخلوقات میں سے جو سراپا خیر ہیں، وہ فرشتے ہیں۔..... جو سراپا شر ہے، وہ شیطان ہے۔..... اور جو خیر اور شر کا مجموعہ ہے وہ حضرت انسان ہے۔ یعنی ہر انسان کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی۔ فرق یہ ہے کہ انسان اگر خیر کے ماحول میں رہے تو اس پر خیر غالب آجاتی ہے اور شر کے ماحول میں رہے تو اس پر شر غالب آجاتا ہے۔ دنیا کے نیک ترین انسان کو اگر برا ماحول مل جائے تو اس کے بھسلنے کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر دنیا کے بدترین انسان کو اچھا ماحول مل جائے تو اس کے سنورنے کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ تو ماحول کا انسان پر اثر ہوتا ہے۔



### ماحول کے اثرات

علمائے لکھا ہے کہ جو لوگ مختلف جانور پالتے ہیں ان پر ان جانوروں کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مثلاً:

☆ ... جو لوگ گھوڑے پالتے ہیں ان کے اندر شجاعت ہوتی ہے۔

☆ ... جو اونٹ پالتے ہیں ان کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔

☆ ... جو بکریاں پالتے ہیں ان کے اندر عاجزی ہوتی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر جانوروں کے ساتھ رہنے پر انسان کے اوپر اثرات مرتب ہو جاتے ہیں تو پھر نیک صحبت میں رہنے سے نیک اثرات کیوں مرتب نہیں ہوں گے۔ اسی لئے کہتے ہیں: ”الصَّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ“ صحبت کے اثرات ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو نیک ماحول میں رکھے۔ (خطبات فقیر ۲۲۹، ۲۳۰)

### اصلاح اخلاق کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ جل جلالہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے، جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے، بلکہ اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے، تو یہ نظر آئے گا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے جتنے احکام ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم اس وقت تک صحیح طریقے سے بجا نہیں لایا جاسکتا، جب تک اخلاق درست نہ ہوں، اگر اخلاق درست نہ ہوں، تو بعض اوقات یہ نماز، روزہ بھی بیکار ہو جاتا ہے، نہ صرف بے کار، بلکہ ال و بال بن جاتا ہے، اسی لیے اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے، یہ بنیاد نہ ہو تو عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

### اخلاق کا کیا مطلب ہے؟

اخلاق کا مطلب آج کل عرف عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں وہ کچھ اور ہے، عرف عام میں اخلاق اس کو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی آدمی سے مل لے، اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے، نرمی سے بات کرے، اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے، اس کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔

لیکن جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے، اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لے، یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، لیکن اصل اخلاق یہ نہیں ہے، بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اس کے دل کی، اس کی روح کی ایک صفت ہے، انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات، خواہشات پر دان چڑھتے ہیں، ان کو اخلاق کہتے ہیں اور ان کو درست کرنے کی ضرورت پڑ در دیا گیا ہے۔

## انسان کس کو کہتے ہیں؟

اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے یہ جانتا ضروری ہے کہ انسان کس کو کہتے ہیں؟ انسان نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا، صرف جسم کا نام انسان نہیں، بلکہ انسان وہ جسم ہے جس میں روح موجود ہو، فرض کرو ایک شخص کا انتقال ہو گیا، بتائیے کہ اس کے ظاہری جسم میں کیا فرق ہوا؟ آنکھ اسی طرح موجود ہے، ناک اسی طرح موجود ہے، کان اسی طرح موجود ہیں، زبان اسی طرح موجود ہے، چہرہ ایسا ہی ہے، ہاتھ پاؤں ویسے ہی ہیں، سارا جسم جوں کا توں ہے، لیکن کیا فرق پیدا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ پہلے اس جسم کے اندر روح سمائی ہوئی تھی، اب وہ روح نکل گئی اور روح کے نکل جانے سے انسان انسان نہیں رہتا، لاش بن جاتا ہے، جمادات میں داخل ہو جاتا ہے۔

## انسان کے جسم اور روح کا باہمی جوڑ

وہی انسان جو روح نکلنے سے پہلے دیکھنے والوں کی نگاہوں کا پیارا تھا، عزیز تھا، لوگ اس سے محبت کرتے تھے، زمین جائیداد کا مالک تھا، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا تھا، دوست احباب کا عزیز تھا، سبھی کچھ تھا، لیکن ادھر روح جسم سے نکلی، ادھر نہ تو زمین جائیداد اس کی رہی، نہ وہ بیوی کا شوہر رہا، نہ بچوں کا خبر گیری کرنے والا رہا، جو لوگ اس سے محبت کرتے تھے، اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، اب وہ اس فکر میں ہیں کہ جلد از جلد اس کو اٹھا کر قبر میں پہنچا کر ٹھکانے لگائیں، کوئی کہے کہ بھی یہ تمہارا عزیز ہے، اسکو ذرا اپنے گھر میں رکھلو، تو کوئی اس کو رکھنے کو تیار نہیں، زیادہ سے زیادہ ایک دن رکھے گا، بہت کوئی رکھ لے تو برف وغیرہ لگا کر ہفتہ بھر رکھ لیگا، لیکن اس سے زیادہ نہیں رکھے گا، اب سب اس فکر میں ہیں کہ جلد سے جلد اٹھا کر اس کو قبر میں پھینک دو اور دفن کر دو۔

وہی محبت کرنے والے جو دن رات اس کی چشم و آبرو کو دیکھتے تھے، اس کے اشاروں پر ناپتے تھے، روح کے نکلنے کے بعد اب یہ حالت ہو گئی کہ بیٹا اپنے ہاتھ سے باپ کو قبر میں رکھنا چاہتا ہے اور مٹی دے کر جلد از جلد اسکو دفن کر دینا چاہتا ہے، بلکہ کسی نے قصہ بتایا کہ اخبار میں چھپا تھا کہ ایک آدمی کو جیسے شاید سکتہ ہو گیا تھا لوگوں نے غلطی سے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا، جب سکتہ ختم ہوا تو وہ پجارہ قبر پھاڑ کر کسی طرح گھر پہنچا، جب اس نے دستک دی، تو باپ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ جب اس نے اپنا نام بتایا، تو باپ گھر سے لاشی لے کر نکلا لاشی سے اسکو مارا کہ یہ اس کا بھوت کہاں سے آگیا، جو غریب پہلے نہیں مرا تھا اب لاشی سے مر گیا۔ آخر یہ کیا انقلاب عظیم واقع ہوا کہ سارا جسم اسی طرح ہے، جیسے پہلے تھا، مگر اب کوئی اس کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں؟ فرق یہ واقع ہوا کہ اسے جسم سے روح نکل گئی، معلوم یہ ہوا کہ انسان کے جسم کے اندر اصل چیز اس کی روح ہے۔ جب تک یہ روح انسان کے اندر موجود ہے، اس وقت تک انسان انسان ہے، لیکن جب یہ روح نکل جائے، تو پھر وہ انسان نہیں ہے، محض ایک لاش ہے، جس سے کسی کو کوئی تعلق نہیں، سب اس فکر میں ہیں کہ اس کو جلد سے جلد قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیں۔

### روحانی اور جسمانی صفات

جس طرح انسان کے جسم کے اندر بہت سی صفات ہوتی ہیں، کہ بعض اوقات جسم صحت مند ہے، خوبصورت ہے، طاقتور ہے، توانا ہے اور بعض دفعہ جسم نحیف، کمزور، دبلا، پتلا، بیمار، بد صورت ہے۔

اسی طرح انسان کی روح میں بھی کچھ صفات ہوتی ہیں، بعض اوقات روح طاقتور ہوتی ہے، بعض اوقات کمزور ہوتی ہے، بعض اوقات روح اچھی صفات کی مالک ہوتی ہے اور بعض اوقات خراب صفات کی مالک ہوتی ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: ج ۱ ص ۳۵۳۲)

### روحانی اور جسمانی بیماریاں

انسان کے جسم میں جسمانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں اور روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔ جسمانی بیماریاں تو وہ ہیں جو آپ جانتے ہیں۔ جیسے ایک بندے کو بلڈ پریشر ہے، شوگر ہے۔ کنسر ہے۔ یہ تو ڈاکٹروں کی ترمینالوجی کی بیماریاں ہیں۔ اسی طرح اطباء کی زبان میں انشقاق، انشستین، رمد چشم، شقیقہ، خناق، قبض، قولنج، وجع المفاصل، عرق النساء، مختلف بیماریوں کے نام ہیں۔

اسی طرح روحانی بیماریوں کے بھی نام ہیں۔ جیسے بغض، حسد، کینہ، تکبر، ریا، کذب، شہوت، کسلان فی الصلوٰۃ، ترک الصوم، والزکوٰۃ اور نفاق۔ یہ سب کی سب باطن کی بیماریاں ہیں۔ (خطبات فقیر: ۲۲، ۲۱)

### جسمانی اور روحانی بیماریوں پر کتب

ظاہری بیماریوں کے لئے اطباء نے کتابیں لکھی ہیں اور ان کی تفصیلات درج کیں۔ مثال کے طور پر: میزان الطب، طب اکبر، شرح اسباب، قانونچہ، منہاج الاطباء، وغیرہ، اسی طرح باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی کتابیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی کتاب اللہ تعالیٰ کی قرآن، عظیم الشان ہے۔ پھر اس کی اگلی تفصیلات بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی، مؤطین، اخلاق الصالحین، وغیرہ۔ یہ سب کتابیں انسانوں کی باطنی بیماریوں کو ختم کرنے کے طریقے بتاتی ہیں۔ (ایضاً: ۳۳)

### روحانی اور جسمانی حسن و جمال

اسی طرح جیسے انسان کے جسم کی خوبصورتی ہے، مثلاً کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے، اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، اس کا جسم بہت خوبصورت ہے، اسی طرح روح کی بھی کچھ خوبصورتی ہے، اس کا بھی کچھ جمال ہے، اس کا کچھ حسن ہے، روح کا حسن کیا ہے؟ روح کا حسن یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع ہو، صبر و شکر ہو، اخلاص ہو، خود پسندی نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، یہ سب روح کا حسن و جمال ہے۔

(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: ج ۱ ص ۳۵۳۲)

### جسمانی اور روحانی معالج

جیسے ظاہری بیماری کی صورت میں ہم اطباء اور ڈاکٹروں کی طرف جاتے ہیں، اسی طرح باطن کی بیماریوں کے لئے بھی باطنی اطباء کی طرف جانا چاہئے۔ اللہ نے باطنی بیماریوں کے لئے بھی اطباء بنائے ہیں۔ ان کو مشائخ، علماء اور صلحا کہا جاتا ہے۔ اور جو ظاہری بیماریوں کو ذیل

کرنے والے ہیں ان کو حکماء، اطباء، سرجن، ڈاکٹر کہتے ہیں۔

### روحانیات میں حد اعتدال کی ضرورت

انسان کے باطن کے جتنے بھی اخلاق ہیں، ان سب کا یہی حال ہے کہ اپنی ذات میں وہ برے نہیں ہوتے، جب تک وہ حد اعتدال میں رہیں اس وقت تک وہ صحیح ہیں، لیکن اگر اعتدال سے کم ہو گئے، تو وہ بھی بیماری اور اعتدال سے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی بیماری، اصلاح نفس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان اخلاق کو اعتدال پر رکھا جائے، نہ کم ہوں، نہ زیادہ ہوں۔

### جسم انسانی میں دل کی اہمیت اور اس کی مراد

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **الْأَنْفُ فِي الْجَسَدِ مُطْفِئَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ**۔ (اتحاف اساداتہ السنیین، ۱۵۳-۲)

یعنی خوب یاد رکھو کہ انسان کے جسم کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے، تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا جس کی وجہ سے سارا جسم صحیح ہوتا ہے خراب ہوتا ہے، وہ انسان کا دل ہے۔ مگر اس لوتھڑے سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اگر دل کو چیر کر دیکھو تو اس میں یہ بیماریاں نظر نہیں آئیں گی، نہ تکبر نظر آئے گا، نہ حسد نظر آئے گا، نہ بغض نظر آئے گا اور اگر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو وہ دل کی ظاہری بیماریاں چیک کر کے بتا دے گا کہ اس کی دھڑکن صحیح ہے یا نہیں ہے؟ رگیں صحیح کام کر رہی ہیں یا نہیں؟ اس میں خون کی سپلائی صحیح ہو رہی ہے یا نہیں؟ لیکن یہ تمام چیزیں جو چیک اپ اور آلات کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہیں، یہ دل کے صرف ظاہری عمل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔

### دل کی بیماریاں اندر کی بیماریاں ہیں

لیکن انسان کے قلب کے ساتھ کچھ چیزیں ایسی وابستہ ہیں، جو اندر کی ہیں، آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، وہ یہی ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا یعنی دل میں شکر ہے یا نہیں؟ حسد ہے یا نہیں؟ بغض ہے یا نہیں؟ صبر و شکر کی کیفیات ہیں یا نہیں؟ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری امراض کا ڈاکٹر دیکھ کر نہیں بتا سکتا اور کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعے چیک کر کے بتا دیا جائے کہ اس کو یہ باطنی بیماری ہے۔

### دل کے ڈاکٹر کون ہوتے ہیں؟

اس بیماری کے ڈاکٹر، اس کی تشخیص کرنے والے، اس کا علاج کرنے والی کوئی اور ہی قوم ہے، یہی وہ قوم ہے جن کو ”حضرات صوفیاء کرام“ کہتے ہیں۔ جو علم الاخلاق کے ماہر ہوتے ہیں، باطن کی بیماریوں کی تشخیص اور ان کا علاج کرتے ہیں، یہ ایک مستقل فن ہے، ایک مستقل علم ہے، اس کو بھی اسی طریقے سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، جس طرح ڈاکٹری پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ پھر آپ نے ظاہری بیماری میں دیکھا ہوگا کہ بہت سی ظاہری بیماریاں ایسی ہوتی ہیں، جن کا انسان کو خود پتہ لگ جاتا ہے، بخار ہو گیا تو معلوم ہوگا کہ گرمی لگ رہی ہے، بدن میں درد ہے، معلوم ہوگا کہ بخار ہے، بیمار بھی پہچان لے گا کہ بخار ہے اور اگر خود بھی نہیں پہچان سکے گا تو تھرما میٹر لگا کر دیکھ لے گا، اس سے

پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے، اگر خود بھی نہیں پہچان سکا تو اس کے گھر والے ذاتی آلات سے بھی نہیں پہچان سکے تو ڈاکٹر کے پاس چلا جائیگا، وہ ڈاکٹر بتا دیگا کہ فلان بیماری ہے۔ لیکن باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ نہ تو بسا اوقات مریض کو خود پتہ لگتا ہے کہ میرے اندر یہ بیماری ہے اور نہ کوئی آلہ ایسا انسان کے پاس موجود ہے، جس سے پتہ لگ جائے کہ تکبر کا نمبر بچر کیا ہے؟ اور ظاہری ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ بھی بے چارہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے اندر یہ بیماری ہے یا نہیں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی باطن کے معالج کے پاس جا کر تشخیص کرائے کہ میرے اندر تکبر ہے یا نہیں؟ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج جلد ۱۰ ص ۴۲۳-۴۲۴)

### روحانی معالج کی اہمیت

جسمانی بیماریوں کے لئے کوئی بھی آدمی صرف کتابوں تک ہی محدود نہیں رہتا۔ وہ نہیں سوچتا کہ جی! مجھے بلڈ پریشر ہے اور میں کتاب سے پڑھ کر بلڈ پریشر کی گولی لے لوں گا۔ آپ دیکھیں گے کہ کوئی بھی بندہ کتاب پڑھ کر اپنا علاج نہیں کرتا۔ وہ تو ایک سپیشلسٹ سے دوسرے سپیشلسٹ کے پاس بھاگتا ہے۔ بلکہ اگر ایک اسپیشلسٹ بتا دے کہ یہ بیماری ہے تو پھر وہ کہتا ہے کہ میں ایک اور اسپیشلسٹ سے ویر فائی کروا تا ہوں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی فقط کتابیں کام نہیں آئیں گی۔ ان کے لئے بھی کسی نہ کسی طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ شیطان ایک بڑا خوبصورت دھوکہ دیتا ہے کہ تمہیں کیا ضرورت ہے کسی سے اپنی بات کرنے کی؟ اپنی اصلاح خود کر لو۔ جو اپنا علاج خود کرے گا۔ بس وہ جلدی مرے گا۔ بلکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ جب ڈاکٹر بیمار ہوتا ہے تو وہ فوراً دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر اپنا علاج خود نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے اپنے پاس بھی نالچ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ دوسرے ڈاکٹر کو چیک کرواتے ہیں۔ اس سے رائے لیتے ہیں یہ مجھے کیا بیماری ہے؟ اپنے بارے میں انسان کی اسیمنٹ (تشخیص) ٹھیک نہیں ہوتی۔ نفس اپنی باتوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ انسان کو اپنی برائی برائی ہی نہیں لگتی اور اپنی چھوٹی سی نیکی بہت بڑی لگتی ہے۔ اس لئے انسان اپنے بارے میں نہ تو اپنی ٹھیک رائے قائم کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔

☆..... مثال : اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک صاحب کا بیٹا بیمار ہو گیا۔ اس کا پیٹ خراب ہو گیا۔ لوز موشن لگ گئے۔ بیوی نے بہت کہا کہ اس کا علاج کرواؤ، ڈاکٹر کو دکھاؤ اور اس کو دوائی لا کر دو۔ اس بچارے کے پاس پیسے کم تھے۔ اس نے سوچا میں نے جو ڈاکٹر کو سوروپیہ فیس دینی ہے تو کیوں نہ میں اس پیسے سے دوائی خرید لوں۔ کیونکہ یہ ایک سادہ سی بیماری ہے۔ چنانچہ وہ کسی میڈیکل سٹور پر گیا اور اپنے ذہن میں سوچتا رہا کہ بیماری کیا ہے۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ ایک ہوتی ہے قبض اور ایک ہوتی ہے لوز موشن۔ یہ ایک دوسرے کے متضاد بیماریاں ہیں۔ اب بچے کو لوز موشن لگے ہوئے ہیں، لہذا اگر اس کو لوز موشن لگے ہوئے ہیں اور اگر اس کو قبض کی دوائی دے دیں تو ٹھیک ہونے کے بجائے اور زیادہ پریشان کن حالت ہو جائے گی۔ اس نے میڈیکل سٹور پر جا کر کہا: مجھے قبض کی دوا چاہئے۔ اس نے دیے دی۔ جب دوائی دی تو بچے کی حالت اور خراب ہو گئی۔ وہ تو مرتے مرتے بچا۔ بیوی سمجھ رہی تھی۔ وہ اسے کسی ڈاکٹر کے پاس چلے گئی۔ خاوند بھی ساتھ گیا، بچہ تو خیر فوج گیا۔ تاہم ڈاکٹر نے پوچھا: تم نے اسے کون سی دوائی دی؟ وہ کہنے لگا: میں نے سوچا کہ لوز موشن لگے ہوئے ہیں، لہذا اگر قبض کی دوا کھالے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے اسے قبض کی دوا دے دی۔ ڈاکٹر نے کہا: عقل کے اندھے! ہماری زبان میں قبض کی دوا کا مطلب ہے،

قبض ہے اسے کھولنے کی دوا دو۔ اس دوائی نے تو الٹا پیٹ لوز کر دیا ہے۔ جبکہ تمہارے بیٹے کو پہلے ہی موشن لگے ہوئے تھے۔ انسان اگر اپنی بیماری کا علاج کرے تو ایب ہی علاج کرتا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب  
اسی عطار کے لونڈ سے دوا لیتے ہیں  
نفس تو یہی کہے گا: بھی! خواہش پوری کر لو، سب ٹھیک ہے، مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اس لئے معالج کی ضرورت پیش آتی ہے۔  
جسمانی اور روحانی علاج کے طریقہ ہائے کار

جسمانی علاج کے لئے کئی طریقہ کار ہیں۔ ایک کو ہم کہتے ہیں: یونانی طب۔ ایک کو کہتے ہیں: ایلو پیتھک۔ ایک کو کہتے ہیں: ہومیو پیتھک۔ آج کل ایک نیا طریقہ علاج بھی آگیا ہے اس کو کہتے ہیں: آکوپنچر۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ ایک انچ، دو انچ، تین انچ کی لمبی سونیاں بندے کے اندر چھو دیتے ہیں اور بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔ ایک بندے کو نیند نہیں آتی۔ اس کو ڈاکٹر صاحب ایک سوئی چھوئیں گے اور وہ ایسے سوئے گا جیسے نشے کی دوا پی کے سو رہا ہے۔ جس کا جی چاہے وہ ایو پیتھقی، طب اور آکوپنچرنگ میں سے جو مرضی ہو طریقہ علاج اختیار کرے۔

ایسے ہی اللہ رب العزت نے روحانی بیماریوں کے علاج کے بھی مختلف طریقے بنا رکھے ہیں۔ ایک روحانی طریقہ کار ہے نقشبندیہ، ایک ہے چشتیہ، ایک ہے قادریہ اور ایک ہے سہروردیہ۔ کہیں ذکر خفی سے علاج کرتے ہیں اور کہیں ذکر جہری سے علاج کرتے ہیں۔ ان طریقوں سے انسان کو واقعی روحانی طور پر صحت ملتی ہے۔

### جسمانی اور روحانی غذائیں

اس کے بعد اگر انسان اچھی غذا استعمال کرے تو اس کی صحت اچھی ہو جاتی ہے۔ بیمار آدمی کو گندم کی روٹی دیتے ہیں، پھر جو کی روٹی دیتے ہیں، دودھ پلاتے ہیں، جوس پلاتے ہیں۔ جسمانی غذائی استعمال کروائی جاتی ہیں۔ ایسے ہی انسان کی روحانی خوراک انوارات، فیوض، تجلیات، اور سکینہ ہیں جو انسان کی روح کو ٹھیک کر دیتی ہیں۔ دستور یہ ہے کہ انسان کا جسم مٹی سے بنا اور اس کی خوراک بھی مٹی سے نکلی۔ اور انسان کی روح اوپر سے آئی اور اللہ نے اس غذا کا انتظام بھی اوپر سے کیا۔ اس لئے ایسی محفلوں میں بیٹھنا جن میں انوارات اور تجلیات برستی ہوں اور رحمتیں برستی ہوں، وہاں روحانی بیماریوں کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے۔

### صحیح علاج نہ کروانے کا نقصان

اگر جسمانی بیماریوں کا صحیح طرح علاج نہ کروائیں تو بندے کی جان گئی اور اگر روحانی بیماریوں کا صحیح علاج نہ کروائیں تو بندے کا ایمان گیا۔ کتنے ایسے لوگ ہیں کہ ان کا فسق اتنا بڑھتا ہے کہ وہ ایسی کر دیتے ہیں کہ ایمان سے خالی ہو جاتے ہیں۔



## جسمانی اور روحانی بیماریوں کی علامات

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جسمانی بیماریوں کی علامات ہوتی ہیں۔ مثلاً:

☆..... جس بندے کو ہائی بلڈ پریشر کی بیماری ہے وہ محسوس کرے گا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے، چہرہ پھول رہا ہے، کانوں میں کچھ محسوس ہوگا۔ اس کو ڈاکٹر کہے گا: جی! آپ کو بلڈ پریشر ہائی ہو چکا ہے۔

☆..... ایک بندے کو بار بار بیت الخلاء میں جانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ بھی ایک بیماری کی علامت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کہے گا: جی! آپ کو شوگر ہے۔

☆..... ایک بندہ چند منٹ چلتا ہے اور سانس پھول جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسے کہے گا: جی! آپ کو دل کی بیماری ہے۔

ان علامات کی بنیاد پر جب انسان جسمانی طور پر بیمار ہوتا ہے اس کے لئے کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کی علامت یہ ہے کہ جو انسان روحانی طور پر بیمار ہوتا ہے اس کے لئے اعمال کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ نماز کے لئے اس کا دل نہیں کرتا۔ تلاوت نہیں ہو سکتی۔ تہجد کیلئے آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ سچ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرنا مصیبت نظر آتا ہے۔ اس لئے انسان اپنی جسمانی بیماریوں سے زیادہ اپنی روحانی بیماریوں کے علاج پر توجہ دے۔

### ”سلسلہ“ کس کو کہتے ہیں؟

یہ جو ”سلسلہ“ کہا جاتا ہے، یہ ان روحانی طبیبوں کی ایک چین (زنجیر) ہے جو روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ ہمارے طبیب اعظم، مرشد اعظم، اور معلم اعظم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان سے روحانی بیماریوں کا علاج صحابہ نے سیکھا۔ پہلے خود مریض تھے لیکن جب اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں آئے تو علاج ہو گیا۔ اور علاج بھی کیسا ہوا؟

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے وہ کیا نظر تھے جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

روحانی طور پر مردہ لوگ آتے تھے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ پھر صحابہؓ سے تابعینؓ نے اپنا روحانی علاج کروایا۔ پھر ان سے تبع تابعینؓ نے کروایا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہ سلسلہ ہمارے پاس آج تک محفوظ ہے۔ لوگ اپنے نسب کو محفوظ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں: جی! ہم حسنی حسینی سید ہیں اور پھر اس سلسلے کو نبی ﷺ سے شروع کر کے نیچے تک لے کے آتے ہیں۔ جو علوی حضرات ہیں وہ کہتے ہیں: جی! ہم محمد بن حنیفہؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح ہمارے روحانی سلسلہ میں ہمارے تمام مشائخ کے نام موجود ہیں کہ کن حضرات نے کن سے دین سیکھا؟ پھر ان سے کن حضرات نے دین سیکھا؟

### بے استاد بے بنیاد

بھئی! دین تو سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ خود بخود نہیں آ جاتا۔ عجیب بات ہے کہ آج کے زمانے میں انٹرنیٹ سے دین سیکھتے ہیں۔ اور کئی لوگوں کا تو سنا سنا دین ہوتا ہے۔ ان کا استاد کوئی نہیں ہوتا۔ ادھر سے بات سن لی، ادھر سے بات سن لی، اخبار سے خبریں پڑھ لیں اور یہیں سے دین سمجھ لیا۔

یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد

”ہر وہ کام جو بے استاد ہوتا ہے، سمجھ لو کہ وہ بے بنیاد ہوتا ہے۔“

کیا تصوف بدعت ہے؟

آج کچھ لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ تصوف بدعت ہے۔ بھی! یہ بدعت کہاں ہے، یہ تو روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ شریعت نے کہا کہ اگر تمہارے اندر تکبر ہوگا تو تمہیں جنت میں داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ اب بتائیں کہ یہ تکبر کیسے ختم کریں؟ جو محنت تکبر ختم کرنے کا طریقہ بتائے وہ کہاں بدعت بن گئی۔

روحانی بیماروں کے قرآنی نسخے کا ثبوت

ہاں! علماء و مشائخ نے قرآن و حدیث پر غور کر کے وہاں سے کچھ اعمال نکالے اور ہمیں نسخہ دے دیا کہ اس نسخے پر عمل کر لو، تمہیں روحانی شفا نصیب ہو جائے گی۔ ان اعمال کا خذ اور مبداء قرآن عظیم الشان اور نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی بندہ ہمارے سلسلہ میں بیعت ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ یہ چھ اعمال کرنا شروع کر دو۔ ان کو ہم معمولات کا نام دیتے ہیں۔ ان سب معمولات کا حکم قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ ہمارے مشائخ تو ایمان کے ذریعے ان کو پہچانا اور یہ میرے موتی نکال کر ہمیں دے دیئے۔ اب ذرا ان کی تفصیل سنئے۔

(۱) ایک تو ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام درود شریف پڑھو۔ نبی پر درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (اب ۵۶) ”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر ﷺ پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجی کرو اور خوب سلام بھیجا کرو“

اس آیت شریفہ کو ”اَنْ“ کے لفظ سے شروع فرمایا گیا جو نہایت تاکید کی دلیل ہے۔ مزید برآں مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا جو استمرار اور دوام کی دلیل ہے۔ اس کے بعد بتائے کہ ”صَلُّوا“ کون سا صیغہ ہے؟ مرکب صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرما رہے ہیں۔ چنانچہ جو بندہ صبح اور شام درود شریف پڑھے گا وہ قرآن مجید کے حکم پر عمل کر رہا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من صلی علی صلوۃ واحده صلی اللہ علیہ عشرۃ“ (اب ۱۰۸) ”حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں“۔ طبرانی کی روایت سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر ”براءۃ من النفاق وبراءۃ من النار“ لکھ دیتے ہیں۔“

... امام مستغفریؒ نے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو کوئی ہر روز مجھ پر سو دفعہ درود شریف بھیجے اس کی سوجا جنتیں پوری کی

جائیں۔ تیس دنیا کی باقی آخرت کی۔

☆..... علامہ سخاویؒ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے۔ ایک جو مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے، دوسرے جو میری سنت زندہ کرے، تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے۔  
 مشائخ نقشبندی اسی لئے سالکین طریقت کو صبح و شام سو سو دفعہ درجہ ذیل درود پاک پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں ”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ“

درود شریف کے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: جب اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہر رے درود کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ہمارا نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا اس وجہ سے نہیں کہ نبی کو اس کی احتیاج ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارا درود تو نبی ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ مزید برآں ہمارا درود شریف پڑھنا تو ہمارے اپنے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا درود شریف میں ”صَلِّتْ عَلٰی مُحَمَّدٍ“ یا ”اُصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ“ پڑھ سکتے ہیں۔

جواب: نہیں پڑھ سکتے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات عیب سے پاک ہے جبکہ ہم سراپا عیوب و نقائص ہیں پس جو سراپا عیب ہو وہ سراپا پاک کی کیا ثناء بیان کر سکتا ہے۔ لہذا ”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ“ میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں تاکہ رب ظاہر کی طرف سے نبی ظاہر ﷺ پر درود وصلوۃ ہو۔

سوال نمبر ۳: درود ابراہیمی میں ”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ“ کے بعد ساتھ ”کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ“ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو فضیلت نصیب ہے۔

جواب: عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ ”کَمَا“ کا لفظ کبھی اعلیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے کبھی ادنیٰ کے لئے۔ جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾ (النور: ۳۵) ”اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو“ حالانکہ اللہ جل شانہ کے نور کو چراغوں سے کیا نسبت، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس سوال کے دس جواب لکھے ہیں مکتوبات مجدد الف ثانی میں بھی اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں (تصوف و سلوک: ۱۳۰-۱۳۲)

(۲)..... صبح اور شام سو سو مرتبہ استغفار پڑھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں استغفار پڑھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَسْتَغْفِرُكُمْ لِذَنبِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ (نوح: ۱۰) ”اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو، بیشک بخشش ان کی دایمی صفت ہے۔“  
 ﴿اَسْتَغْفِرُكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا اِلَيْهِ﴾ (هود: ۵۲) ”تم استغفار کرو اپنے رب کے سامنے اور توبہ کرو“

(نیز ملاحظہ فرمائیں الانفال ۳۳، الذاریہ ۸۰، ۸۱، ۸۲ وغیرہ بہت سے احادیث سے ثابت ہے)

یہاں ”استغفروا“ کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ استغفار کرو۔ اگر کسی کو کہہ دیا جائے کہ صبح و شام استغفار کیا کرو تو یہ کہاں سے بدعت ہو گئی۔ بھئی! یہ تو منشاء قرآن پر عمل ہے۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں تلاوت کرنے کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (الزلزلہ: ۲۰) ”قرآن پاکی تلاوت کرو، جتنا قدر تم سے ہو سکے۔“

بتائیں یہ ”اقروا“ کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ کیا ہمیں اس آیت پر عمل کرنا چاہئے؟ اگر کسی کو کہا جائے کہ ایک پارہ یا آدھا پارہ روزانہ تلاوت کیا کرو تو یہ قرآن کی منشا پر عمل ہو یا بدعت تو نہ بنی۔

(۴) چلتے پھرتے، بیٹے، بیٹھے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حکم خدا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ (النساء: ۱۰)

یہ ”اذکروا“ کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ کھڑے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرو۔ اب اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ تم وقوف قلبی رکھو، یعنی لیٹے، بیٹھے کھڑے اللہ کو یاد رکھو، تو یہ قرآن کی منشا پر ہی عمل ہوگا۔

(۵) رے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی (مراقبہ) کرو۔ اس ذکر قلبی کا بھی قرآن مجید میں حکم ہوا ہے۔ وہ کیسے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ (الاعراف: ۲۰۵) ”اور ذکر کرو اپنے رب کا اپنے نفس میں“ مفسرین نے لکھا ہے: ”ای فی قلبک“ اپنے دس میں اپنے رب کو یاد کرو“ کیسے یاد کریں؟ آگے فرمایا: ﴿تَضَرَّعًا وَخِيفَةً﴾ ”گڑگڑاتے ہوئے بہت خفیہ انداز سے“

تفسیر معارف قرآن میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ ”تضرعاً وخیفۃ“ کے الفاظ سے قرآن مجید سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں ”واذکر“ بھی امر کا صیغہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو کہا جائے کہ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کرو تو یہ کہاں سے بدعت بن جائے گا۔

(۶) چھپے نمبر پر بتایا جاتا ہے کہ مشائخ کی صحبت اختیار کرو۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم بھی قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

یہ ”کونوا“ بھی امر کا صیغہ ہے۔ تو جو لوگ مشائخ کی صحبت اختیار کرتے ہیں وہ بھی منشاء قرآنی پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان چچا اعمال کے بارے میں کسی کو کہہ دیا جائے تو یہ کہاں سے بدعت بن جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ان اعمال کو بدعت کہتے ہیں وہ یا تو جاہل ہیں یا متجاہل ہیں۔ عالم ہوتے تو کبھی بدعت نہ کہتے۔

یاد رکھیں! ہمارے مشائخ نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کیا ان اعمال کو قرآن و حدیث سے نہ لے کر بتا دیا کہ بھئی! تم اس پر عمل کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان میں برکت رکھ دیتے ہیں اور بندے کو شفا مل جاتی ہے۔ آپ ان چھ معنوں کی بات کا بیا قاعدگی سے کر کے دیکھیں، آپ کو اپنی زندگی میں واضح فرق نظر آئے گا۔ آپ کا اپنا دل گواہی دے گا کہ ہاں! اب میرے دل میں اللہ کی محبت پہلے کی نسبت بڑھ گئی ہے۔

## روحانی بیماریوں کی حقیقت

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی یہ روحانی بیماریاں ہوتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! روحانی بیماریاں ہوتی ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید سے۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ کی بیویوں! پردے میں رہو، ایسا نہ ہو کہ ﴿فَلْيَطْمَعِ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الحزاب: ۳۲) ”کہ تمہیں دیکھ کر طمع کرے وہ بندہ جس کے اندر بیماری ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب غیر عورت کو دیکھ کر کسی کے دل میں طمع پیدا ہوتا ہے اور شہوت انشتی ہے تو یہ ایک بیماری ہوتی ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ ”فِي قَلْبِهِ“ اب اگر ایک بندہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتا ہے اور اس کے لئے آنکھ پر کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے، ادھر بھی عورت کو چلتے دیکھتا ہے اور ادھر بھی دیکھتا ہے تو بھی! یہ تو کنفرم ہو گیا کہ اندر روگ ہے۔ ہم لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن رب کو تو دھوکہ نہیں دے سکتے، ہمارا رب تو جانتا ہے نا، کہ یہ ادھر بھی دیکھتا ہے اور ادھر بھی دیکھتا ہے۔

☆ ..... ہوائی جہاز پر سفر کرتے ہوئے ایئر ہوسٹس کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆ ..... بسوں اور وینکوں میں سفر کرتے ہوئے مسافر عورتوں کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆ ..... راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆ ..... دکاندار صاحب آنے والی گاہک عورتوں کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

اگر ہوس بھری نظر اٹھتی ہے اور پیچھا کرتی ہے تو یہ کنفرم ہو گیا کہ روحانی بیماری ہے۔ اب اگر روحانی بیماری کی کنفرمیشن بھی ہو اور بندہ علاج نہ کر دے تو پھر وہ تو قابل رحم ہوگا۔ بلکہ اطبا کہتے ہیں کہ سب سے بڑا مریض بھی وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مریض نہ سمجھے۔ چنانچہ جن لوگوں کو ہسپتال میں لے کر آئے ہیں اور وہ اپنا علاج نہیں کرواتے کہ ٹھیک ہو جائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ چند مہینوں کے اندر ان کے جسم کے اعضا سکڑ جاتے ہیں، جن پر اثر ہوتا ہے، بالآخر وہ بندہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

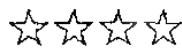
یہی مثل روحانی بیماری کی بھی ہے کہ جب سمجھتا ہے کہ میری آنکھ پاک نہیں، اور پھر علاج نہیں کرواتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بے ایمان مرنے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ علما نے لکھا ہے کہ بدنظری کے بڑے نقصانات ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ موت کے وقت بندہ کلمے سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ موت کے وقت کلمے سے محروم ہوتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہوتے ہیں جو بدنظری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ انسان کا سن بیمار ہے۔ اب جب بیمار ہے تو پھر علاج کروائے۔

باطنی بیماری ہونے کی ایک اور دلیل بھی ہے، جب ہم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو اس نماز میں ہمارا دھیان نماز کی طرف ہوتا ہے یا دنیا کی طرف ہوتا ہے؟ اپنا دل گواہی دے گا۔ اگر تکبیر تحریر یعنی شروع میں اللہ اکبر کہنے سے سام پیھرنے تک اللہ تعالیٰ کا دھیان رہتا ہے، اور ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ والی کیفیت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ من سنوار ہوا ہے، اور اگر کھڑے ہوتے ہی پچھلے قصے بھی یاد آنے لگ جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ من بیمار ہے۔ کئی مرتبہ تو دنیا کے کام کاج تو کیا، نماز میں کھڑے ہوتے بندہ گناہوں کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر جسمانی بیماریوں کا علاج کروانا ضروری ہے تو روحانی بیماریوں کا علاج کروانا اس سے

بھی زیادہ ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان ایمان سے محروم ہو جائے۔ (خطبات فقیر: ۲۲/۲۳۱-۲۳۲)

خلاصہ کلام یہ ہے:

- (۱)۔ کہ جس طرح ظاہری بیماریاں ہوتی ہیں۔
- (۲)۔ ... اور ان بیماریوں کے لئے دوائیاں ہوتی ہیں۔
- (۳)۔ ... اور ان بیماریوں کے علاج کے لئے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔
- (۴)۔ ... اور اس کا ایک فن ہوتا ہے جیسے علم الطب۔
- (۵)۔ ... اسی طرح باطن کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔
- (۶)۔ ... ان بیماریوں کے لئے دوائیاں ہیں (ان دوائیوں کا نام: ذکر اللہ ہے)
- (۷)۔ ... اور ان کے علاج کے لئے ڈاکٹر ہوتے ہیں (ان ڈاکٹروں کا نام: صوفیاء کرام ہے)
- (۸)۔ ... اور ان بیماریوں میں مبتلا مریض بھی ہوتے ہیں (ان مریضوں کو: مریدین کہتے ہیں)
- (۹)۔ ... اور اس کا ایک فن ہوتا ہے (اس فن کو: فن تصوف و سلوک اور طریقت کہتے ہیں)۔



## محنت کی جگہ قلب (دل)

تین نعمتیں: اللہ رب العزت نے انسان کو تین نعمتوں سے نوازا ہے، ایک انسان کا دل اور دوسرا انسان کا دماغ اور تیسرا انسان کا نفس، یہ تین الگ الگ نعمتیں ہیں، تینوں کی اپنی اپنی شناخت ہے۔

(۱) ... قلب: قلب جذبات کا مقام ہے، بہادری کا جذبہ، بزدلی کا جذبہ، محبت کا جذبہ، نفرت کا جذبہ، یہ تمام جذبات الگ الگ ہیں۔ اسی لئے جو بہادر ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ بڑا شیر دل انسان ہے، گویا دل کی طرف بہادری کو منسوب کیا جاتا ہے۔

(۲) ... عقل: انسان کی عقل خیالات کا مقام ہے۔ جتنے بھی خیالات انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق دماغ سے ہے۔ کیا پروگرام بنانا ہے، کہاں جانا ہے، نفع کیسے حاصل کرنا ہے، نقصان سے کیسے بچنا ہے، ہر قسم کے خیالات دماغ میں آتے ہیں۔

(۳) ... نفس: اور انسان کا نفس خواہشات کا مقام ہے، جتنی خواہشات انسان کے جسم میں پیدا ہوتی ہیں وہ نفس سے اٹھتی ہیں۔ یہ خواہشات اچھی بھی ہو سکتی ہیں اور بری بھی ہو سکتی ہیں۔ اچھی خواہش یہ کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں، میں عالم دین بن جاؤں، میں دین کا داعی بن جاؤں، میں تہجد گزار بن جاؤں، میں لوگوں کا خدمت گار بن جاؤں۔ یہ سب اچھی خواہشات ہیں۔

اور بری خواہشات یہ ہے کہ لوگ مجھے پہچاننے لگ جائیں، مجھے میرا مقام ملنا چاہئے، میں سب سے بہتر ہوں لہذا میرا مشورہ قبول ہونا چاہئے، یہ سب باتیں جن کا تعلق میں سے ہے، دنیا سے ہے، یہ سب بری خواہشات ہیں۔

☆ ... دماغ کی حیثیت: دماغ کی حیثیت ایسی ہے جیسے کمپیوٹر کے اندر ایک میٹھ کو پروسیسر ہوتا ہے اس پروسیسر کو آپ کوئی بھی سوال دے دیں وہ اسے حل کر کے جواب حاضر کر دے گا۔ اسی طرح آپ دماغ کو کوئی خیال دے دیں، یہ اسی خیال کے تانے بانے بننے شروع کر دے گا۔ اس خیال کو بنیاد بنا کر اسی پر سوچنا شروع کر دے گا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور پھر انسان شیخ چلی کی طرح، ایک کہانی ہی سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اچھے خیال بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً گناہوں کے خیال برے خیال ہیں اور نیکی کے خیال، اچھے خیال ہیں۔ مگر دماغ کو جو خیال دے دیں گے وہ اسی کو پروسیس کرنا شروع کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے دماغ کو ایسا بنایا کہ اس میں ہٹ کر خیال آتے رہتے ہیں۔ یہ ہٹ کر خیال کا آنا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انسان کسی بھی کام میں مصروف ہو تو اس کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ خیال خود بخود آتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خود کا نظام ہے، یہ اس کی رحمت ہے۔

خیالات کا آنا برا نہیں ہوتا، خیال کا لانا اور دل میں جمانا یہ برا ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کو بھی اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور برے خیالات بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک چور ہے کہ اوپر ٹریفک ہوتی ہے، کبھی کار آرہی ہے، تو کبھی ٹرک آرہا ہے، کبھی ٹریلر آرہا ہے، جیسی بھی گاڑی آرہی ہے، پولیس والے کا کام ہوتا ہے اُدھر کو اُدھر جانے دے، اُدھر کو اُدھر جانے دے، گاڑی کو روکنے نہ دے۔ اسی طرح مومن کے دل میں کبھی نیکی



کا خیال، کبھی برائی کا خیال آتا رہتا ہے مگر اس دماغ کو چوراہا بنائے اور اس کو چلنے دے، آئے اور جائے، نکلنے نہ پائے۔ اگر ٹریفک جام ہو جائے تو پولیس کی وردی اتار دیتے ہیں کہ تو نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں گناہ کی ٹریفک جام ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنی ولایت کا لباس اتار لیتے ہیں۔ چنانچہ گندے خیالات کا دماغ میں جمنے نہیں دینا چاہئے، اول تو آئیں نہیں، اگر آئیں تو جائیں، نکلنے نہ پائیں۔ اس طرح خیال کے آنے کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں اس کے جمانے پر اس سے لطف اندوز ہونے پر بندے سے مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ یہ انسان اپنی جو اس سے کرتا ہے۔

### جیسے دل کے جذبات ویسے خیالات

عام طور پر دیکھا ہے کہ جیسے دل میں جذبات ہوتے ہیں ویسے بندے کے خیالات ہوتے ہیں۔ کیونکہ جذبات خیالات کے تابع ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک آدمی اگر خوش ہوگا تو خیال بھی خوشی کے آئیں گے۔ اور اگر غم زدہ ہوگا تو خیال بھی ویسے ہی آئیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ دس بڑا خوش ہو اور خیالات غم کے آرہے ہوں یا دل غم زدہ ہو اور خیالات خوشیوں کے آرہے ہوں، ایسا نہیں ہوتا، جیسے جذبات ویسے خیالات۔ اس سے معلوم ہوا کہ دماغ انسان کے قلب کے تابع ہے۔

### انبیاء اور اولیاء نے دلوں پر محنت کی

چنانچہ انبیاء کرام نے دنیا میں آکر لوگوں کے دلوں کو محنت کا میدان بنایا۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ جب دل بدل گئے اور نیکی پر گئے تو سوچیں خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ خود بخود پاک ہو جائیں گے۔ جب دل کی گندگی دور ہو جائے گی تو کفر کی گندگی بھی دور ہو جائے گی۔ اویسا کرام بھی ان لوگوں کے دلوں پر محنت کرتے ہیں، دلوں کو سنوارتے ہیں دلوں کو بناتے ہیں۔ ان کی محنت کا میدان بھی انسان کا دل ہوتا ہے، تاکہ دل سنور جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے۔

### قلوب مختلف ہوتے ہیں

مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف طرح کے دل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

❖ ... بعض اوقات انسان کا دل ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ہی نہیں مانتا، دین کو ہی نہیں مانتا، ایسے بندے کو ”دھریہ“ کہتے ہیں۔

❖ ... یا خدا کو مانتا ہے، رسالت کو نہیں مانتا، ایسے بندے کو ”کافر“ کہتے ہیں

❖ ... یا خدا کو تو مانتا ہے لیکن اور خداؤں کو بھی مانتا ہے، ایسے بندے کو ”مشرک“ کہتے ہیں۔

❖ ... یا ظاہر میں لوگوں کے اندر دین کو مانتا ہے اور تنہائیوں میں جا کر دین کے خلاف باتیں کرتا ہے، ایسے بندے کو ”منافق“ کہتے ہیں۔ تو لوگوں کے قلب کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

## قلب کی حقیقت

انسان کی سینے میں بائیں جانب گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ عربی کی زبان میں اس کو مضغہ کہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أَلَا إِنَّ فِى السِّجِّدِ مِضْغَةً إِذَا صَلَّحْتَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهَى الْقَلْبُ** ”جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم فاسد ہو جائے۔ آگاہ ہو وہ ”قلب“ ہے۔ تو اس مقام کا نام مضغہ ہے، یہ قلب بمنزلہ مکان کے ہے ایک اس کے اندر روح ہے جو اس کی مکین ہے اس کو ”فؤاد“ کہتے ہیں۔

جیسے قرآن مجید میں فرمایا: **﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾** (نبی اسرائیل ۳۶) ”بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔“ یہاں قلب کا لفظ نہیں آیا ”فؤاد“ کا لفظ آیا۔ **﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا﴾** (الانعام: ۱۱۰) ”اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے۔“ **﴿نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ﴾** (التی تَطْلُعُ عَلَى الْأُفْئِدَةِ) (ہمزہ: ۶-۷) ”وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے“

تویہ ”افئدۃ“ اور فؤاد کا جو نام لیا گیا یہ اس مکان کے اندر جو مکین ہے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ تاہم کبھی کبھی مکان کا بھی نام لے لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی ملک کا تذکرہ کرنا ہو تو اس ملک کے دار الخلافہ کا نام لے لو کہ فلاں اپنا رویہ ٹھیک کر لے۔ حالانکہ وہ تو شہر کا نام ہے مگر مقصود ہوتا ہے کہ اس شہر میں رہنے والے ارباب اقتدار اپنا رویہ ٹھیک کر لیں۔ تو اسی طرح قلب کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود اس قلب کے اندر اس کا وہ ”فؤاد“ فہم ہوتا ہے۔

## قلب کے اقسام

بنیادی طور پر قلوب تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱)..... قلب میت (۲) قلب مریض (۳)..... قلب سلیم۔  
☆..... قلب کی پہلی قسم:

### قلب میت (مردہ دل)

کفار کے سینوں میں جو دل ہوتا ہے اس کو قلب میت کہتے ہیں، یعنی مرا ہوا دل۔ دل کا لوتھڑا تو زندہ ہوتا ہے لیکن اس لوتھڑے کے زرارہ جو فہم ہوتی ہے، جو قوت ادراک ہوتی ہے، وہ نہیں ہوتی۔ فہم و فراست کا فرق ہوتا ہے، وہی قلب زندہ ہوتا ہے اور وہی مردہ ہوتا ہے۔ وہی قلب بینا ہوتا ہے اور وہی قلب نابینا ہوتا ہے، اس کے اندر اگر فراست آگئی تو وہ بینا ہو گیا، فراست چھین گئی تو نابینا ہو گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **﴿لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾** ”کاش ان کے دل ہوتے انہیں عقل سکھاتے یا ان کا کان ہوتے جن سے یہ ہدایت کی بات سنتے۔“

**﴿إِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُورِ﴾** ”بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، یہ تو سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں۔“

تو انسان کے سینے میں کئی مرتبہ دل اندھا ہوتا ہے۔ خواہشات کی پٹی بندھ جاتی ہے۔ جیسے بندے کی آنکھیں پر پٹی باندھ دو تو وہ اندھا ہو جاتا ہے، اسی طرح خواہشات کی پٹی آنکھوں پر آ جاتی ہے تو بندے کا دل اس وقت صحیح کام نہیں کرتا۔ تو وہ خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے تو کافر کا دل، مردہ دل ہوتا ہے۔ تو ایسا دل حقیقت میں رسل ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

لَا تَسْتَفْتِ فُلُوكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ سَائِقٌ يُخْرِجُ مِنْهُ الْمَاءَ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (البقرة: ۷۴)

”پھر اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہو گئے، یہ پتھر کی مانند ہو گئے یا پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، بیشک پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بیشک پتھر پھٹتے ہیں اور ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے ہیں۔“

اے انسان! جب تیرا دل سخت ہوتا ہے، یہ خوف خدا سے نہیں کانپتا، پھر یہ پتھروں سے بھی پار ہو جاتا ہے۔

### مردہ دل کی پہچان

مرد دل کی کیا پہچان کہ ایسے دل کو اللہ تعالیٰ کی جانب کوئی کھنچاؤ محسوس نہیں ہوتا، اس کے دل میں آخرت کی طرف رجحان ہی پیدا نہیں ہوتا، بس وہ دنیا کے جمیلوں میں رگا ہوتا ہے، اس کے لئے کوشش، اسی دنیا کی زندگی میں انجوائے کرنے میں لگن۔ ﴿ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے“ اتنی ہی ان کی دوڑ ہوتی ہے۔ لذات کے پجاری، شہوات کے پجاری بنے ہوتے ہیں خواہش پوری ہو گئی تو یہ خوش ہو گیا، اور خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ غم زدہ ہو گیا۔ خواہش کے پورے ہونے کو یہ کامیابی سمجھتا ہے اور خواہش کے پورے نہ ہونے کو یہ ناکامی سمجھتا ہے، اس بندے کے قلب کو قلب میت کہتے ہیں۔

### قلب میت کی علامات

ایسے قلب کی تین علامتیں ہیں:

(۱) ... گناہ کرنے میں جھجک (شرم) نہ ہونا: پہلی علامت کہ جس کا دل مردہ ہوا ہے اسے گناہ کرنے سے جھجک (شرم) محسوس نہیں ہوتی۔ مومن گناہ بھی کرے گا تو اس کے دل میں جھجک ہوگی، ندامت ہوگی۔ لیکن اگر کافر کوئی گناہ کرے گا تو بڑے اعتماد کے ساتھ کرے گا، اس کو کوئی عار نہیں ہوگی۔

(۲) ... نیکی بوجھ لگتی ہے: دوسری علامت یہ کہ نیک کام کرنا ایسے بندے کو مصیبت نظر آتا ہے۔ آپ اس کو ادھر ادھر کی جس محفل میں چاہیں لے جائیں، ذرا نام تولیں کہ نیک بندے سے ملنا ہے یا نیک محفل میں جانا ہے، اس کے اوپر مصیبت ٹوٹ پڑے گی اس کو وحشت ہوگی، اس کا دل ہی نہیں چاہے گا جانے کو۔ یہ وحشت کا ہونا دل کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔

(۳) ... انیہیت کا براگن: اور تیسری علامت یہ کہ اس کو نصیحت کی بات بری لگتی ہے۔ آپ اس کو نصیحت کر کے دیکھیں وہ برا منائے گا۔ کہے گا: آپ کون ہوتے ہیں مجھے نصیحت کرنے والے؟ آپ نے یہ بات کی ہی کیوں ہے؟ آپ کو یہ بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

☆... قلب کی دوسری قسم:

### قلب مریض

ایک دل اس سے کچھ نسبتاً بہتر ہوتا ہے اس کو ”قَلْبُ الْمَرِيضِ“ کہتے ہیں۔ بیمار دل۔ زندہ ہے مگر بیمار ہوتا ہے۔ یہ کس کا دل ہوتا ہے؟ یہ مومن گناہ گار کا دل ہوتا ہے۔ مومن گناہ گار کا دل بیمار ہوتا ہے، وہ مریض دل ہوتا ہے، ہوتا زندہ ہے مگر مریض ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید فرمایا: اے نبی ﷺ کی بیویو! ﴿فَلَا تَحْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے تو تم ذرا مناسب انداز سے گفتگو کرو آواز کے اندر نرمی نہ ہو، لوج نہ ہو، کیوں؟ ایسا نہ ہو کہ ﴿فَيَطْمَعَ الدِّي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲) ”طمع کرے وہ بندہ جس کے دل میں مرض ہے“

طبع کرنے کا کیا مطلب؟ یہ کہ اس کے دل میں تمہاری طرف خواہش اور میلان پیدا ہو جائے گا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ کتنی نرم بات کی، کتنے اچھے انداز سے بات کی، وہ تم سے ملنے کی راہیں ڈھونڈنا شروع کر دے گا۔ تو یہ کون شخص ہوگا؟ ﴿فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ جس کے دل کے اندر بیماری ہے۔ تو جب دل میں شہوات غالب ہوتی ہیں تو وہ دل بیمار ہوتا ہے۔ اسی طرح فاسق کا دل، منافق کا دل، وہ بھی مریض ہوتا ہے۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ (البقرة: ۱۰) ”ان کے دلوں میں بیماری ہے، اللہ ان کی بیماری کو اور بڑھاتا ہے۔“

☆... قلب مریض کی علامات:

تو ایسے دل کی پہچان یہ کہ اس میں ایمان بھی ہوتا ہے لیکن اس میں حرص بھی ہے، حسد بھی ہے، تکبر بھی ہے، بخل بھی ہے، یہ ساری کی ساری باطنی بیماریاں بھی اس میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک لمحے اس پر رحمن کی محبت غالب آئے گی اور دوسرے لمحے اس پر شیطان کی خواہش غالب آئے گی۔ کبھی کبھی تو اولیاء والی کیفیت ہوگی، بیٹھے رو رہے ہیں، مانگ رہے ہیں، اللہ کے قریب ہیں۔ اور کبھی فرض نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ وغیرہ۔ تو یہ دل کے مریض ہونے کی علامت ہے۔

☆... قلب مریض کا علاج:

جس طرح بیمار آدمی اپنی جسمانی بیماریوں کا علاج کروائے تو صحت پالیتا ہے، اسی طرح اگر ایسا انسان روحانی بیماریوں کا علاج کروائے تو یہ قلب بھی صحت پالیتا ہے۔

☆..... جو جسمانی بیماریوں کے سپیشلٹ ہوتے ہیں ان کو ڈاکٹر کہتے ہیں اور جو روحانی بیماریوں کے سپیشلٹ ہوتے ہیں، ان کو شیخ کہتے ہیں۔

☆..... جسمانی بیماری کیلئے جہاں مریض جا کر رہتے ہیں اس کو ہسپتال کہتے ہیں۔ روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے جہاں جا کر رہتے ہیں اس کو خانقاہ کہتے ہیں۔

☆..... جسمانی بیماریوں کا علاج بسا اوقات شعاؤں کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ جیسے کینسر کا علاج شعاؤں سے کرتے ہیں۔ پتھری اگر

ہے تو شعاعوں سے توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کا علاج نگاہوں سے کیا جاتا ہے۔

### تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

جیسے جسمانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان قوی ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کا ولی ہو جاتا ہے۔

جسمانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو زیادہ سے زیادہ انسان موت کے منہ میں چلا جائے گا، روحانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔

(۲) قلب کی تیسری قسم:

### قلب سلیم

قلب کی ایک سب سے بہتر قسم ہے اس کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ سلامتی والا دل، زندہ دل، نور سے بھرا ہوا دل، ایمان سے بھرا ہوا دل، محبت الہی سے بھرا ہوا دل۔

قلب سلیم کی کیا مطلب؟ کہ ماسوا کی محبت سے وہ بچا ہوا ہو، محفوظ ہو۔ ماسوا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ماسوا ہے۔ تو ماسوا کی محبت سے جو دس محفوظ ہو ایسے دل کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ جو شیطان کے حملوں سے، نفسانی خواہشات سے، گناہوں کے ارادوں سے سلامتی میں ہو، اس کو قلب سلیم کہتے ہیں۔

اب جس بندے کا نام سلیم ہو وہ تو بڑا خوش ہو رہا ہوگا کہ سب سے اچھا دل تو میرا ہے۔ بھئی! قلب سلیم کی بات ہو رہی ہے تو یہ کسی بندے سلیم کا دل نہیں ہے، بلکہ وہ دل جو گناہوں کے اثرات سے سلامتی میں ہو۔ اس کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ اور یہی چیز اللہ تعالیٰ بندے سے مانگتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾ (88) اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۸۸﴾ (۸۹)

”قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے کام آئیں گے، جو انسان قلب سلیم لایا، وہ دل اسے کام آئے گا۔“

تو ہر مومن کے دل کی تمنا یہ ہونی چاہئے، اے اللہ! ہمارے قلب کو قلب سلیم بنا دے۔ قلب سلیم جو غیر کی بندگی سے سلامتی ہو یا جس دل کے اندر محبت ہو اور انابت الی اللہ، خشوع الی اللہ، اخلاص عمل ہو، تو اس قلب کو قلب سلیم کہتے ہیں۔

قلب سلیم کی علامات:

اس قلب کی کچھ نشانیاں ہیں:

(۱) ... اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہونا: حدیث پاک میں ہے فرمایا گیا: ”مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ“ ”کہ جو محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے۔“

اللہ کے لئے محبت کے واقعات تو کئی سنیں ہوں گے۔ نبی ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان مواخات بھائی چارہ کروانے کا واقعہ مشہور ہے، یہ اللہ

کی محبت کی انمول مثال ہے۔

اسی لئے اللہ کے لئے محبت اتنا اچھا عمل ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سات بندے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان سات میں سے دو بندے وہ ہوں گے۔ ”هُمْ مُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ“ ”جو اللہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوں گے۔“ مثال کے طور پر یہ جو دینی محبتیں ہوتی ہیں سلسلے کے لوگ ہوں، ذکر کے لوگ ہوں، یا تبلیغی جماعت والے لوگ ہوں، علم والے لوگ ہوں، مجاہد فی سبیل اللہ ہو، دین کے کسی شعبے میں کام کرنے والے ہوں، ان میں آپس میں محبتیں ہوتی ہیں۔ یہ محبتیں دین کی بنیاد پر ہوتی ہیں اللہ کی نسبت سے ہوتی ہیں اسلئے یہ تمام محبتیں رکھنے والے لوگ قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے۔

(۲)..... اللہ تعالیٰ کیلئے دشمنی ہونا: دوسرا فرمایا: ”وَأَبْغَضَ لِلَّهِ“ ”اور بغض رکھے تو بھی اللہ کے لئے بغض رکھے۔“ اس سے کیا مراد؟ مثال کے طور پر: ایک مومن کے دل میں کفر یا کافری سے بغض ہونا چاہئے ہمیں کفار کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے، ہمیں نبی ﷺ کی مبارک سنتوں سے عمل کرنا اچھا لگتا ہے۔ اب ان طریقوں کی ناپسندیدگی یہ بغض فی اللہ کی مد میں شامل ہے۔ ہماری ان سے کوئی ذاتی لڑائی تو نہیں، کوئی جائیداد تو تقسیم نہیں کرنی، ہم کیوں ان طریقوں کو ناپسند کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ناپسند کرتے ہیں، اسے بغض فی اللہ کہتے ہیں، جیسے احب فی اللہ ضروری ہے، ابغض فی اللہ بھی ضروری ہے۔

اس کے مثالیں بہت ہیں جیسا کہ آپ کو یاد ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے باپ ابو سفیان کو مدینہ طیبہ آنے کا موقع ملا ام حبیبہؓ کے حجرے میں آگیا۔ باپ تھا، یہ جب اچانک گھر میں آگیا تو ام حبیبہؓ بھی اپنے والد کو دیکھ کر حیران ہو گئیں، یہ چونکہ سفر سے آئے ہوئے تھے، تھکے ہوئے تھے، ایک چار پائی پر بستر بچھا ہوا تھا، یہ وہاں بیٹھنے لگے۔ ام حبیبہؓ ڈرا آگے بڑھیں اور انہوں نے جلدی سے بستر اس چار پائی سے لپیٹ لیا اور والد کو کہا کہ آپ چار پائی پر بیٹھ جائیں۔ اب یہ بھی سردار تھا۔ سمجھا رہا تھا، کہنے لگا: بیٹی! باپ کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں، بستر اٹھاتے تو نہیں ہیں، تو نے، بستر کیوں اٹھایا؟ میں بستر کے قابل نہیں تھا یا بستر میرے قابل نہیں تھا؟ تو ام حبیبہؓ نے صاف کہہ دیا کہ یہ اللہ رب العزت کے سچے محبوب ﷺ کا بستر ہے اور اللہ کے قرآن نے کہا: مشرک نجس ہوتے ہیں۔ ایک نجس بندہ پاک نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھ نہیں سکتا۔ تو باپ بیٹی کا تعلق ایک الگ چیز ہے لیکن اللہ کے تعلق کو پہلے دیکھا۔ اس کو کہا جائے گا۔ ”أَبْغَضَ لِلَّهِ“

سیدنا صدیق اکبرؓ کے ایک بیٹے تھے جو غزوہ بدر میں مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپس میں گفتگو ہونے لگی تو بیٹے نے کہا کہ ابو! بدر والے دن آپ دو دفعہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو ابو سمجھ کر چھوڑ دیا، ابو بکر صدیقؓ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: بیٹا! اللہ کی قسم اگر تو اس دن میری تلوار کی زد میں آتا تو میں تجھے اپنا بیٹا سمجھ کے کبھی معاف نہ کرتا۔ اس کو کہتے ہیں ”وَأَبْغَضَ لِلَّهِ“۔

(۳)..... اللہ کے لئے دینا: تیسرا فرمایا: ”وَأَعْطَى لِلَّهِ“ ”اگر کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے۔ نام و نمود کے لئے نہ دے کہ لوگوں میں میرے چرچے ہوں، لوگوں میں میری تعریفیں ہوں، نہیں فقط اللہ کی رضا کیلئے دے۔“

(۴) ... اللہ کے لیے منع کرنا: چوتھا فرمایا: ”وَمَنْعَ لِلّٰہِ“ ”اور اگر منع کرے تو اللہ کے لئے منع کرے۔ تو یہ زندہ دل کی قلب سلیم کی نشانیا ہوتی ہیں۔

### قلب عبد اللہ عرش اللہ

دل انسان کے جسم کا سب سے اہم عضو ہے، یہ پورے جسم کا صدر مقام ہے اس کو حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر کہا۔ قلب عبد اللہ اس کو عرش اللہ کہا ہے، فرمایا: ”لَا يَسْعَىٰ اَرْضِي وَلَا سَمَآئِي“ نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں، میں مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ تو جب اس مومن کا دل منور ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا گھر بن جاتا ہے۔

### اللہ تعالیٰ کو صاف دل پسند ہے

بھئی! ہر بندہ چاہتا ہے کہ گھر صاف ہو۔ عورت کا معمولی خاوند بھی ہو تو وہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ میرے گھر کا آنگن صاف رہنا چاہئے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ میرا گھر صاف رہنا چاہئے۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ کے لئے صاف کر لیں۔

اگر ایک مکان کسی کو کرائے پہ دیا ہو یا ادھار دیا ہو تو مالک مکان کیسے خوش ہوتا ہے؟ مکان کو گندہ رکھنے پر یا مکان کو صاف رکھنے پر۔ جتنا مکان کو وہ صاف رکھے گا مالک مکان اتنا زیادہ خوش ہوگا۔ اسی طرح یہ دل بھی اللہ کی ملک ہے، ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، ہم اسے جتنا صاف کر لیں گے، اللہ رب العزت اتنا زیادہ ہم سے خوش ہوں گے۔ لوگ مہمانوں کے آنے پر گھر دلوں کو صاف کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں مہمان آئیں تو ہمیں بھی دل کے گھر کو صاف رکھنا پڑے گا۔

یہاں اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ جی اللہ تعالیٰ اگر صاف دل کو پسند کرتے ہیں تو خود ہی صاف کر دیں، تو علما نے اس کا جواب دیا کہ اللہ رب العزت کی حیثیت مہمان کی ہے اور بندے کی حیثیت میزبان کی ہے۔ گھر کی صفائی مہمان کے ذمے نہیں ہوتی میزبان کے ذمے ہوتی ہے۔ تو ہمیشہ ہم اس دل کو صاف رکھیں۔

### دل اللہ کے لئے وقف ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ: ۱۱۱) ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے مالوں کو اور ان کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔“

تو جنت کے بدلے دو چیزیں خریدیں، ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مالوں کو اور ﴿أَنْفُسَهُمْ﴾ اور ان کے نفوس کو۔ تو یہاں حالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال کو بھی خریدا اور نفوس کو بھی خریدا، حالانکہ سب سے پہلے خریدنے والا تو مکان خریدتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دل کا تذکرہ تو کیا ہی نہیں کہ میں مومن سے اس کا دل خریدتا ہے۔ تو دل کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا؟ یہاں مفسرین نے ایک نکتہ لکھا وہ فرماتے ہیں: دل اللہ رب العزت نے اپنے لئے خاص کر لیا، دل کی مثال وقف کی جائیداد کے مانند ہوتی ہے اور کوئی وقف کی جائیداد بن جائے تو اسے بیچا اور خریدا نہیں جاتا۔ یہ دل بھی کیونکہ وقف کی جائیداد ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے وقف ہو چکا، اس لئے اللہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس



کے سوا بندے کے پاس مال اور جان تھی۔ اللہ نے جنت کے بدلے اس کو بھی خرید لیا ہے۔ میرے بندے دل کا تذکرہ کیا کرنا یہ تو ہے ہی وقف کا مال، یہ تو ہے ہی میرے لئے۔

### دل کو اللہ کا گھر کیوں کہا؟

اچھا بھئی! بیت اللہ، اللہ کا گھر ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ معاذ اللہ اس کو ٹھسے کے اندر رہتے ہیں؟ پھر کیوں اس کو بیت اللہ کہتے ہیں؟ اس کو بیت اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ وارد ہوتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ کے وارد ہونے کی وجہ سے اس کو اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اسی طرح مومن جب اس دل کو سنوارتا ہے تو یہ دل بھی اللہ کی گزر گاہ بن جاتا ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ کا ورود ہوتا ہے۔ یہ پھر اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔

### دل کے ابرہہ پر لا الہ کی کنکریاں

جب اللہ کے گھر پر ابرہہ نے ہاتھی لے کر چڑھائی شروع کی تھی تو پھر اس لشکر کو اللہ نے کس کے ذریعے سے مروایا تھا؟ ﴿تَرَوْهُمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ (النہل: ۴) پرندوں نے کنکریاں پھینکیں اور ان کنکریوں نے اس ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ بالکل اسی طرح آج کے دور میں بھی شیطان کی مثال ابرہہ کی مانند ہے اور یہ اس بیت اللہ کو ہم سے چھیننا چاہتا ہے، اللہ والو! اب تم اس کے اوپر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی کنکریاں کی ایسی بارش کرو کہ اس شیطان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دے۔ اس لئے مشائخ کہتے ہیں: یہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کیا ہوتا ہے؟ شیطان کو کنکریاں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ تو اس گھر کی حفاظت رب کریم نے پرندوں سے کر لی تھی اور ان گھروں کی حفاظت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذریعے فرماتے ہیں۔ ان پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں اور یہ بندے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی ضربوں سے اس شیطان کے اوپر پتھر اور کنکریوں کو پھینک رہے ہوتے ہیں۔

### قلب سلیم کی کچھ اور علامات

اس صحت مند قلب کی علامات علما نے کتابوں میں لکھی ہیں۔ کچھ علامات بتائی گئیں اب اور بھی علامات سن لیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی یہ پہچان ہے:

☆ ..... ”التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ“ یہ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے بندے کا دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔

☆ .. ”وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ“ ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف اس کا رجوع زیادہ ہو جاتا ہے۔

☆ .. ”وَالِاسْتِعْذَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُولِ“ اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

یہ تینوں نشانیاں اس زندہ دل کی ہوا کرتی ہیں۔ یہ نشانیاں بھی لکھی ہیں کہ انسان کا دل جب زندہ ہوتا ہے تو:

☆ ..... ”وَيَسْتَعْنِي بِعَجْبِهِ عَنْ حُبِّ مَا سِوَا“ ”اللہ رب العزت کی محبت کی وجہ سے، ماسوا کی محبت سے دل کو الگ کر لیتا ہے۔

☆ ..... ”وَيَذْكُرُهُ عَنْ ذِكْرِ مَا سِوَا“ ”اللہ کے ذکر کی وجہ سے باقی ذکروں سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے۔

☆ ..... ”وَيَخْدُمُهُ عَنْ خِدْمَةِ مَا سِوَا“ ”اور اللہ تعالیٰ کی خدمت کی وجہ سے باقی تمام کاموں سے اپنے آپ کو فارغ کر لیتا ہے۔“

ہر وقت اللہ کے دین کے کام میں یہ بندہ آپ کو لگا نظر آئے گا۔

ایک اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے وظائف اور اعمال فوت ہو جائیں تو اس بندے کو اس طرح افسوس اور دکھ ہوتا ہے جس طرح حریص آدمی کو اپنے مال کے ضائع ہونے پر دکھ ہوا کرتا ہے۔ تکبیر ادلی فوت ہو جائے تو دکھ ہوتا ہے، کوئی اور در و وظیفہ رہ جائے تو دکھ ہوتا ہے، دل کو غم ہوتا ہے۔ جس طرح بھوکے کے پیاسے انسان کو روٹی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح قلب سلیم رکھنے والے انسان کو عبادت کی طلب محسوس ہوتی ہے۔

ایک اس کی پہچان یہ کہ ایسا دل رکھنے والا انسان اپنے وقت کو اس طرح احتیاط سے خرچ کرتا ہے، جس طرح بخیل انسان اپنے مال کو احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔

ایک ان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نماز میں داخل ہوتے ہی دنیا کے غم ختم اور دل کا سرور شروع ہو جاتا ہے۔ بس اللہ اکبر کہا، تو اللہ اکبر کہتے ہی دنیا کے جھگڑے ختم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل کی ایک نئی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو نماز میں لطف ملتا ہے، یہ نماز سے انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے کہ جس بندے کا دل زندہ ہوتا ہے اس بندے کی پہچان یہ کہ اس کو عمل سے زیادہ عمل کی نیت کی فکر ہوا کرتی ہے کہ میں کس نیت سے عمل کر رہا ہوں۔

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زندہ دل کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتا ہے اور عبادتیں کر کے بھی یو کہتا ہے: ”مَا عْبَدْنَكَ حَقًّا عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَتِكَ“ ”اے اللہ جیسی تیری عبادت کا حق تھا میں ادا نہیں کر سکا، جیسے تیری معرفت کو پانا چاہئے تھا میں پا نہیں سکا۔“

تو یہ زندہ قلب کی علامتیں ہوتی ہیں۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم کوشش کریں کہ ہمارے بیمار دل کا علاج ہو جائے اور ہمارا دل زندہ دل بن جائے۔

### دل کے مزے

ایک بات کی سمجھنے کی کوشش فرمائیں! انسان کے مختلف اعضا ہیں، ہر ایک کے ساتھ کچھ لذتیں وابستہ ہیں۔ کچھ لذتیں دیکھنے سے ملتی ہیں، انسان خوبصورت شخصیت کو دیکھے، لباس کو دیکھے، مکان کو دیکھے، سینر کو دیکھے، پھول کو دیکھے، دل خوش ہو جاتا ہے۔ دیکھنے سے لذت ملتی ہے۔ کچھ لذتیں انسان کو کان کے ذریعے سے ملتی ہیں، جیسے کوئی اچھا قرآن پڑھے تو کانوں میں رس گھل جاتا ہے، دل میں سرور آ جاتا ہے، تو کانوں کے ذریعے بھی لذت ملتی ہے۔ ... ناک کے ذریعے سے بھی لذت ملتی ہے، مشک کی خوشبو کوئی بندہ سونگھے، کستوری کی خوشبو کوئی سونگھے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ ... زبان سے بھی مزے ملتے ہیں، اسی طرح کچھ مزے انسان کی شرم گاہ سے وابستہ ہیں اور سب بالغ مرد لطف جانتے ہیں کہ وہ ایسے مزے ہیں کہ بسا اوقات وہ انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔

یہ تمام مزے ان اعضا کے مزے ہیں جو دل کے ماتحت ہیں۔ جب ماتحت اعضا سے ایسے مزے ملتے ہیں تو جوان سب اعضا کا حاکم اور

سردار انسان کا دل ہے، اس سے جو مزے ملیں گے وہ کتنے عظیم ہوں گے۔ اس لئے جس کو دل کے مزے ملنے شروع ہو جاتے ہیں، اس کے لئے دنیا کے مزے بے رونق ہو جاتے ہیں۔ یہ زلفِ فتنہ گر پھر اللہ والوں کی نظر میں دمِ خربن جاتی ہے۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ ابھی ہمیں وہ مزے ملنے نہیں شروع ہوئے

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

یہ آشنائی کی لذت بھی بڑی عجیب ہے، بس ذرا ایک مرتبہ دل کے مزے ملنے شروع ہو جائیں، ذکرِ قلبی کے مزے شروع ہو جائیں پھر انسان دنیا کی لذتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

خلاصہ کلام:

تو قلب کی تین قسمیں مردہ دل، بیمار دل اور زندہ دل۔ جب قرآن مجید میں فرما دیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کو نہیں دیکھے گا، فقط دل کو دیکھے گا، فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“ ”اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہاری شکلوں کو اور تمہارے اموال کو“ (وہ تمہاری ظاہری خوبصورت اور مال پیے کو نہیں دیکھتا) وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو، تو جیسے دفتروں میں باس یا افسر نے جس چیز کو دیکھنا ہوتا ہے تو اس کو ذرا سجا کر پیش کرتے ہیں۔ کوئی فائل دیکھنی ہو تو فائل کو بھی ذرا ٹھیک ٹھاک کر کے پیش کرتے ہیں۔ تو جب قیامت کے دن اللہ نے ہی ہمارے دل کو دیکھنا ہے تو آج ہمیں چاہئے کہ آج ہم اس چیز کو صاف کرنے کی محنت کر لیں تاکہ قیامت کے دن ہمارے نجات ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری قبولیت ہو جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قلبِ سلیم عطا فرمائے۔ (خطبات فقیر ۳۵/۲۷-۵۸)

☆ . حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں:

دل تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱)۔ ایک دل پہاڑ کی طرح ہوتا ہے جس کوئی چیز زائل نہیں کر سکتی۔ (۲)۔ اور ایک دل کھجور کی مانند ہوتا ہے جس کی جڑ ثابت رہتی ہے اور تنے کو ہوا ہلاتی رہتی ہے۔ (۳)۔ اور ایک دل لہر کی طرح ہوتا ہے جس کو ہوا دائیں بائیں جھکا دیتی ہے۔

تشریح: سب سے افضل پہلی قسم کا دل ہے جو نفس و شیطان کی خواہشات کو چھوڑ کر صرف رحمن کی خوشنودی طلب کرتا ہے، دوسرے درجے کا دل بھی محمود ہے کہ شیطان کے اثرات کے باوجود اس کی جڑ اور حقیقت اللہ کی اطاعت سے وابستہ رہتی ہے تیسرے درجے کا دل کے درجہ کو خطرات لاحق ہوتے ہیں کبھی شیطان کی خوشنودی اور کبھی رحمن کی خوشنودی طلب کرتا ہے اگر نیک حالت میں موت آگئی تو سبحان اللہ اگر حالت بد میں آگئی تو بڑے خطرے کی بات ہے۔ (طبقات اصفیہ مترجم اردو ۸۲-۸۳)

## اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول

دل کی حفاظت اور اصلاح بہت اہم ہے اور اس کا معاملہ بقیہ اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس کا اثر تمام اعضاء پر پڑتا ہے اور پھر اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے۔ اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول بیان کرتا ہوں جن کے مطابق عمل سے انشاء اللہ دل کی اصلاح ہو جائے گی۔

۱۔ پہلا اصول:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المومن: ۱۹) ”اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے راز ہائے پوشیدہ کو بھی جانتا ہے“ ایک جگہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (الاحزاب: ۵۱) ”تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں“۔ ایک مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (پ: ۱۰، آیت: ۴۳) ”بے شک اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپی باتیں جانتا ہے“۔

اب دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بات کو قرآن مجید میں مکرر ارشاد فرمایا (اس لئے کہ بات دل میں پیوست ہو جائے) اس کا سینے کے راز ہائے پوشیدہ کو جاننا ہی ڈرنے کے لئے کافی ہے۔ وہ عالم الغیوب ہے اور اس کا معاملہ نازک ہے اس لئے کہ تمہارے دل کے رازوں کو وہ جانتا ہے اگر برے اور شیطانی خیالات دل میں چھپے ہوں تو اللہ تعالیٰ سے تمہیں حیا کرنی چاہئے۔

۲۔ دوسرا اصول:

یہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورَتِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَاعْمَالِكُمْ“ ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور چہروں مہروں کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو بس تمہارے قلوب ہی کو دیکھتے ہیں“

حدیث بالا کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ رب العالمین کی نظر دل پر ہوتی ہے اب اگر کوئی ظاہری جسم پر توجہ دے اسے صاف کر کے آراستہ کرے تاکہ لوگ اس کے ظاہر پر کوئی عیب نہ دیکھ پائیں لیکن دل کی صفائی کا کوئی اہتمام نہ کرے جو کہ رب العالمین کی نظر کا مقام ہے تو اس پر افسوس و تعجب ہی کیا جاسکتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ صفائی قلب کا اہتمام کرتا اسے آراستہ پیراستہ کرنے کی فکر کرتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے عیوب نظر نہ آئیں۔ لیکن وائے افسوس! کہ وہ تو شیطانی خیالات، گندے وساوس، اور غلاظت کی آماجگاہ ہے اور صرف ظاہری جسم پر توجہ دی جا رہی ہے اور مخلوق کی نظر سے اپنے عیوب کو چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

۳۔ تیسرا اصول:

یہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور بقیہ اعضاء اس کے رعایا ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اگر سردار اور بادشاہ صحیح اور درست ہو تو تمام رعایا بھی درست رہتی ہے۔ اس کی وضاحت حضور ﷺ کی حدیث ذیل سے ہوتی ہے: ”أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ“ ”جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹوٹرا ہے اگر وہ صحیح

ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم فاسد ہو جائے۔ آگاہ ہو وہ ”قلب“ ہے۔ تو تمام جسم کی اصلاح جب ”قلب“ پر منحصر ہے تو اس کی اصلاح نہایت ہی ضروری ہے۔

☆... چوتھا اصول

قلب انسانی جواہر کا خزانہ ہے اور ان جواہر میں سب سے اعلیٰ جوہر ”معرفت الہی“ ہے جو سعادت داریں کا ذریعہ ہے۔ وہ بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربار خداوندی میں انسان کو بزرگی اور شرافت کا مرتبہ عطا ہوتا ہے اور ایک اور اہم اور اعلیٰ چیز دل سے متعلق اطاعات و عبادت میں ”اخلاص نیت“ ہے جو جزا اور سزا کا مدار ہے۔ اس کے علاوہ دل سے متعلقہ علم و حکمت کے جواہر پارے ہیں جو انسان کے شرف و کمال کی علامت ہیں۔ اخلاق طیبہ اور خصائل حمیدہ ہیں جو انسانی عظمت و فضیلت کا سبب ہیں اس کی مکمل تفصیل کتاب ”اسرار معاملات دین“ میں بیان کر دی گئی ہے لہذا جب دل اس قدر گراں اور قیمتی جواہر کا خزانہ ہے تو اس خزانہ کی ہر مصیبت اور آفت سے حفاظت ضروری ہے تاکہ اس کے جواہر خراب نہ ہونے پائیں اور نہ کسی دشمن کا ان پر قبضہ ہو سکے۔

☆..... پانچواں اصول

یہ ہے کہ جب میں نے دل کے حالات پر غور کیا تو پانچ باتیں ایسی پائیں جو کسی اور عضو میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱) ... دل کی پہلی حالت یہ ہے کہ دشمن ہر وقت اسے گمراہ کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ قلب منزل ہے الہام کی بھی اور وسوسہ کی بھی فرشتہ اور شیطان دونوں اسے اپنی طرف بلارہے ہیں۔

(۲) ... دوسری بات یہ ہے کہ قلب کو کسی حال میں آرام نہیں ہے۔ عقل اور شہوت دونوں اپنے لشکروں کو اس میں دوڑا رہے ہیں تو قلب ان دونوں کے لئے میدان کا رزار ہے اور ان کے باہمی مقابلہ کی منزل ہے لہذا دونوں دشمنوں کے درمیان اس حد کی نگہداشت ضروری ہے۔

(۳) ... قلب کی تیسری حالت یہ ہے کہ یہ مستقل عوارض و خطرات میں گھرا ہوا ہے یہ عوارض تیروں کی طرح لمبا رخس کی طرح اس پر برستے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ کبھی رکتا نہیں جب کہ انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس سلسلہ کو بند کر سکے کیونکہ دل کی کوئی آنکھ تو ہے نہیں کہ خطرہ کے وقت اسے بند کر لیا جائے اور امن کے وقت کھول لیا جائے اور نہ ہی یہ کسی دور دراز تنہائی میں ہے نہ ہی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہے کہ دشمنوں کی زد سے محفوظ رہے اور نہ ہی زبان کی طرح دانتوں اور لبوں کی حفاظت میں ہے کہ اسے بچا سکے بلکہ یہ وساوس و خیالات کی آماجگاہ ہے اور تمہارے اندر ان وساوس کو روکنے کی قدرت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان وساوس و خطرات کو تقویت پہنچتی رہتی ہے اس بناء پر قلب سے متعلقہ وساوس و خطرات کا مقابلہ بہت محنت طلب ہے اور بڑی جہد و جہد کا متقاضی ہے۔

(۴) ... قلب کی چوتھی حالت یہ ہے کہ دل بہت جلدی تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے اور جلدی جلدی اس پر مختلف وساوس کا حملہ ہوتا رہتا ہے، بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ دل میں انقلاب آنے میں اتنی بھی دیر نہیں لگتی جتنی ہندیا کے ایلنے میں لگتی ہے اور اسے ”قلب“ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر گھڑی منقلب ہو رہا رہتا ہے اور نئی نئی آراء پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اس صورت میں اگر دل لغزش کھا گیا تو بڑی مشکل پیش آئے گی اور اس کا بگاڑ بہت پریشان کن مسئلہ بن جائے گا کیونکہ لغزش قلب اور فساد قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل پھر گناہ کی طرف مائل

ہو جاتا ہے اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ دل پر مہر لگ جاتی ہے کفر کی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ "شیطان نے انکار کیا (سجدہ سے) اور تکبر و غرور کیا اور کفار میں سے ہو گیا۔" اس قلب میں استکبار اور غرور پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے حکم الہی سے روگردانی کی۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ "لیکن وہ تو زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا اور اپنی خواہش کا اتباع کرنے لگا۔" آیت مذکورہ میں اس کے دل میں خواہش نفس کی اتباع کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک بدترین گناہ میں مبتلا ہو گیا۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْسِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ فَتَنَاتُ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْسِفُونَ﴾ "اور ہم پلٹ بھی دیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کو لیکن جس طرح وہ پہلے اس قرآن کریم پر ایمان نہیں لائے تھے ایسے ہی اب بھی نہ لائیں گے۔ اور ہم انہیں اس کی سرکشی میں اندھے مست چھوڑ دیں گے۔"

اے عزیز! اسی وجہ سے جو اہل اللہ حضرات ہیں وہ دل کے معاملہ میں نہایت ہوشیار رہتے ہیں اور گریہ و زاری کر کے اس کی اصلاح کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ (انور - ۳) "وہ ڈرتے ہیں اس دن کی (بیت) سے جس دن کہ دل اور آنکھیں پلٹ دی جاویں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے عبرت پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے وہو ارحم الراحمین۔"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دل کی اصلاح کا معاملہ اس قدر اہم ہے تو اس کی اصلاح کیسے لئے جو اصول اختیار کرنے چاہئیں اور انکی جو آفات و مہلکات ہیں اور وہ امور جو خرابی قلب کا سبب بنتے ہیں ان کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا ہیں؟ جان لیجئے کہ اصلاح قلب کے بہت سے اسباب ہیں۔ اور اس رسالہ میں ان کی تفصیل ذکر کرنا ممکن نہیں ہے لیکن مشائخ اس کی تفصیل میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے اور دل کی اصلاح کے لئے نوے خصائل حمیدہ اور اتنے ہی اخلاق و خصائل رؤیہ بیان کئے ہیں جو فساد قلب کا باعث ہیں۔ اور پھر اصلاح سے متعلقہ امور اور اس طریقہ کار اور قابل احترام باتوں کو بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ بہت تفصیلی مباحث ہیں لیکن خدا کی قسم دین کی اہمیت جس کے دل میں ہے اور وہ خواب غفلت میں گرفتار نہیں ہے اور بیداری کے ساتھ اپنی آخرت کی فکر کے کاموں میں لگا ہوا ہے تو اس کے لئے ان تمام تفصیلات کو جاننا اتنا مشکل نہیں ہوگا۔

اس کی تفصیل حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالیؒ کی کتاب "احیاء علوم الدین" اور "اسرار معاملات دین" اور منهاج العابدین میں ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: پہلے دو کتابوں سے وہ لوگ استفادہ کر سکتے ہیں جو "راسخین فی العلم" ہوں اور تیسری کتاب میں ہم نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو ہر مبتدی و مثنوی، قوی و ضعیف سب کے لئے یکساں مفید ہو اور اس میں زیادہ باریکی اور گہرائی کی باتیں نہیں بیان کیں۔

علاج قلب کے سلسلہ میں خوب غور و فکر کے بعد اس کی اصلاح کے لئے چار اصول ہمیں معلوم ہوئے اور اسی طرح فساد قلب کے بھی چار اصول معلوم ہوئے جو زاہدین و عابدین کے لئے فتنہ، نفس کے لئے ایک مصیبت اور اصلاح میں رکاوٹ بنتے ہیں اور دل کو بربادی تک پہنچا دیتے ہیں جب کہ چار اور اصول ان کے مقابلہ میں ہیں جو عبادت و اطاعت اور اصلاح قلب میں مدد و معاون ہیں۔

### فساد قلب سے متعلق چار اصول

فساد قلب سے متعلق چار اصول یہ ہیں: (۱)..... دنیا کی امید (۲)..... عبادات میں جلد بازی (۳)..... حسد (۴) تکبر۔

### اصلاح قلب سے متعلق چار اصول

اصلاح قلب سے متعلق چار اصول یہ ہیں: (۱)..... امید منقطع کرنا (۲)..... معاملات و عبادات میں تحمل و بردباری (۳)..... خلق خدا سے خیر خواہی (۴)..... اور دل میں تواضع اور انکساری پیدا کرنا۔

یہ آٹھ اصول ہیں جن پر قلب کی اصلاح و فساد کا دار مدار ہے۔ لہذا اسباب فساد سے بچ کر اصول اصلاح کو اختیار کر کے آخرت کی ہلاکت و بربادی سے محفوظ رہنے کی فکر کریں اور منزل مقصود پر پہنچ جائیں، آگے ان اصولوں کی مختصر اور جامع شرح بیان کی جاتی ہے۔

### طول اہل کا بیان

دنیا کی راہ میں طویل امیدیں وابستہ رکھنا نیکی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے یہ ایک لاعلاج اور متعدی مرض ہے جو لوگوں کو دوسری آفات و امراض میں مبتلا کر دیتا ہے۔

### طول اہل سے چار چیزیں زیادہ ہو جائیں گے

جب تم طویل امیدوں میں گھیر جاؤ گے تو چار چیزیں زیادہ ہو جائیں گے۔

(۱)..... ایک تو عبادت کا ترک آسان اور عبادت کرنے میں سستی پیدا ہوگی اور عبادت کے وقت دل یہ کہے گا کہ کچھ دیر میں کر لیں گے ایسی کیا جلدی پڑی ہے بس عبادت کا موقع ضائع نہیں کروں گا۔

حضرت داؤد طائی فرماتے ہیں: ”مَنْ خَافَ الْوَعِيدَ قَرَّبَ عَلَيْهِ الْبُعِيدَ وَمَنْ طَالَ أَفْلُهُ سَاءَ عَمَلُهُ“ ”جو شخص وعید خداوندی سے ڈرتا ہے اسے دور کی باتیں بھی قریب محسوس ہوتی ہیں اور جو طویل اور لمبی امیدوں اور تمناؤں میں کھو جاتا ہے اس کا عمل بیکار ہو جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں: ”الْأَمَلُ قَاطِعٌ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ، وَالطَّمَعُ مَانِعٌ مِنْ كُلِّ حَقٍّ، وَالصَّنَرُ صَانِدٌ إِلَى كُلِّ خَيْرٍ، وَالنَّفْسُ ذَاعِيَةٌ إِلَى كُلِّ شَرٍّ“ ”دنیا کے بارے میں بڑی بڑی امیدیں ہر خیر سے منقطع کر دیتی ہیں اور لالچ و حرص ہر حق بات کو قبول کرنے سے روکتا ہے اور ہر خیر کی طرف لے جاتا ہے جب کہ نفس ہر برائی کی دعوت دیتا ہے۔

(۲)..... اہل میں زیادتی کرنے والی دوسری چیز ”ترک توبہ“ ہے اس کی وجہ سے انسان توبہ میں تاخیر سے کام لیتا ہے دل میں کہتا ہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے توبہ کر لوں گا ابھی تو میں جوان ہوں کم عمری ہے یہ تو اپنے اختیار کی بات ہے جب چاہے توبہ کر لوں گا اس قسم کے بیکار خیالات میں پڑ کر اصلاح احوال سے غافل ہو جاتا ہے اور اچانک موت کا کوڑا اسے اچک لیتا ہے۔ اور ”خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ کا مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔



(۳) طول اہل کی زیادتی کی تیسری وجہ ”مال و دولت کی حرص“ ہے اس نشے میں انسان آخرت سے غافل ہو کر دنیا کے معاملات میں منہمک ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو یوں بہلاتا ہے کہ شاید بڑھاپے میں احتیاج بڑھ جائے اور پھر اس وقت کمزوری اور ضعیف العمری کے باعث کمانے پر قادر نہ ہوں لہذا از انداز ضرورت مال جمع کر لوں تاکہ بڑھاپے اور بیماری میں کام آئے۔

غرض اس قسم کے سینکڑوں خیالات و توہمات دنیا کی رغبت، مال کی حرص، اور مزید کی محبت اور موجودہ کا بخل اس میں پیدا کر دیتے ہیں اور وہ ان امیدوں میں پھنس کر اپنا قیمتی وقت اور عمر عزیزان کی نذر کر بیٹھتا ہے اور غویہودہ آلام و تفکرات اسے لاحق ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے: ”قَتَلَسِيْ هُمْ يَوْمَ لَمْ اَذْرُكُهُ قَيْلٌ وَ كَيْفَ ذَا لِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ؟ قَالَ اِنَّ اَمَلِيْ جَاوَزَ اَجَلِيْ“ ”آنے والے ایام کی فکر نے مجھے مار ڈالا ہے لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ میری طویل امیدیں اور تمنائیں میری موت سے تجاوز کر چکی ہیں۔

(۴) امیدوں اور تمنائوں میں اضافہ کی ایک چوتھی وجہ یہ بھی کہ دل میں سختی اور آخرت سے غفلت اسے لمبی امیدوں میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ جب انسان کو عیش و آرام کے واسطے تمنائیں ہونے لگتی ہیں تو موت اسے بھول جاتی ہے قبر کا گڑھایا دیکھ نہیں رہتا۔

”اِنَّ الْخَوْفَ مَا اخَافَ عَلَيْكُمْ اِثْنَانِ طَوْلُ الْاَمَلِ وَ اتِّبَاعُ الْهَوَى الْاَوَّلِ وَ اِنَّ طَوْلَ الْاَمَلِ يُنْسِي الْاٰخِرَةَ وَ اتِّبَاعُ الْهَوَى يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ“ ”تم لوگوں پر جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے وہ دو ہیں ایک طول اہل اور دوسری خواہش نفسانی کی اتباع، یاد رکھو طول اہل تو آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور نفسانی خواہشات کی اتباع حق بات کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔

جن انسان طول اہل کا شکار ہو جاتا ہے تو اسکی تمام تر توجہات اور خیالات کا مرکز دنیا اور اس کے عیش و تنعم کے اسباب بن جاتے ہیں، عوام سے اختلاط بڑھ جاتا ہے، قلب پر قساوت چھا جاتی ہے کیونکہ قلب تو فکر آخرت، ذکر موت اور قبر کی تنہائی یا درکھنے سے نرم ہوتا ہے۔ آخرت کے عذاب و ثواب کی فکر اور وہاں کے ہمیشہ ناک واقعات کی یاد سے ہی دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔

## حسد کا بیان

حسد نیکوں کو تباہ و برباد کرتا اور گناہوں پر ابھارتا ہے یہ بڑا ہی بدترین مرض ہے جس میں اکثر بڑے بڑے علماء قراء، حضرات بھی مبتلا ہیں عوام انسان اور جہلاء کا تو ذکر ہی کیا۔ اس نے ہلاکت و بربادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

”سَنَّةٌ يَدْخُلُونَ النَّارَ بِسَنَةِ الْعَرَبِ بِالْعَصْبِيَّةِ، وَالْأَمْرَاءُ بِالْجَوْرِ، وَالذُّهَاقِيُّنَ بِالْكِبَرِ، وَالتَّجَارُ بِالْخِيَانَةِ، وَاهْلُ الرِّسَالَةِ بِالْجَهْلِ، وَالْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ“ ”چھ طرح کے لوگ چھ وجوہات سے جہنم میں داخل ہوں گے اہل عرب تعصب کی وجہ سے، مالدار لوگ ظلم و جور کی وجہ سے، سردار اور وڈیرے تکبر کی وجہ سے، تاجر برادری خیانت کی وجہ سے، اور دیہاتی لوگ جہالت کی وجہ سے اور علماء حسد کی وجہ سے۔“ ”تو جو مصیبت علماء کو بھی جہنم میں لیجانے کا باعث ہو اس سے بچنا تو نہایت ہی ضروری ہے۔

حسد کی وجہ سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

جان لوں کہ حسد کی وجہ سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

(۱) ... عبادت میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا قول ہے: ”الْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبُ“  
”حسد نیکوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔“

حاسد کی تین علامات

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حاسد کی تین علامات ہیں: (الف) .. جب سامنے آئے تو خوشامد کرے۔ (ب) .. پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ (ج) .... کسی دوسرے کی تکلیف پر خوش ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ حسد کی برائی کا سب سے بڑا اور واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے فرمایا: ﴿وَمِنْ شَرِّ خَاسِدٍ إِذَا خَسَدَ﴾ (لق: ۵) ”اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرنے لگے پناہ مانگتا ہوں۔“

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے حاسد کے حسد کو شیطان اور جادوگر کے ساتھ ذکر فرمایا اور ان سب سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ اب خود اندازہ کرو کہ حسد کس قدر برا اور خراب عمل ہے اور اسی واسطے اس کی برائی سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری مدد طلب کرو اور میری پناہ پکڑو۔  
(۳) ... حسد سے تیسری خرابی جو پیدا ہوتی ہے وہ بلا وجہ کے غم و آلام کا پیش آنا ہے بلکہ اس کیساتھ ساتھ طبعیت پر بوجھ اور گناہ کی رغبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

☆ ..... ابن مساکؒ فرماتے ہیں کہ: ”لَمْ أَرَ ظَالِمًا أَشْبَهَ بِالْمَظْلُومِ مِنَ الْخَاسِدِ، نَفْسُ الْإِمِّ وَعَقْلُ هَالِمٍ وَ غَمٌّ لَازِمٌ“ ”میں نے حسد سے زیادہ کسی ظالم کو مظلوم سے مشابہ نہیں پایا ہے۔ جب دیکھو ہمہ وقت افسردگی اس پر غالب رہتی ہے عقل اڑی اڑی رہتی ہے اور متعدد غم و آلام ہمہ وقت لاحق رہتے ہیں۔“

(۴) ..... حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان کا دل بصیرت سے خالی ہو جاتا ہے اور کسی بھی حکم الہی کو سوچنے سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے: ہمیشہ خاموشی اور سکوت اختیار کرو، تقویٰ اور بزرگی پیدا ہوگی، حریص نہ بنو تاکہ فتنوں سے محفوظ رہو، نکتہ چینی سے احتراز کرو تاکہ دوسروں کے طعن و تشنیع سے محفوظ رہو، حسد نہ کرو تاکہ بصیرت اور فہم و ذکاوت حاصل ہو۔“

(۵) ... حسد کی پانچویں خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوتی اور انسان ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا ہے نہ دشمن پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت حاتمِ اصمؒ فرماتے ہیں: ”کینہ پرور کبھی دیندار نہیں ہو سکتا، عیب جوئی کرنے والا عابد و زاہد نہیں ہو سکتا اور چغل خوری کرنے والا چین سے نہیں رہ سکتا جبکہ حاسد اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ حاسد ہرگز اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں سلب ہو کر مجھے نصیب ہو جائیں اور ناممکن ہے اس طرح وہ اپنے دشمنوں پر بھی فتح یاب نہیں ہو سکتا کیونکہ جو اس کے دشمن ہوتے ہیں وہ تو درحقیقت خدا کی محبوب بندے ہوتے ہیں۔

### عجالت اور جلد بازی

عجالت اور جلد بازی گناہوں میں مبتلا کر کے نیک مقاصد کو ختم کر دیتی ہے اس کے مضر اثرات چار طرح کے ہوتے ہیں۔

#### جلد بازی سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

(۱) پہلی خرابی تو یہ پیدا ہوتی ہے کہ راہ عبادت پر چلنے والا جب بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور استقامت کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو عموماً جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے لئے ابھی اس مقام استقامت کے حصول کا وقت نہیں ہوتا لہذا جب وہ مقام مرتبہ نہیں ملتا تو یا اس بناء پر اس کی عبادت میں سستی اور غفلت پیدا ہوتی ہے جو ترک مجاہدہ تک منہج ہوتی ہے اور ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر افراط پیدا ہو جاتا ہے کہ غلو اور افراط کے باعث وہ اس بلند مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتا۔ اور افراط تفریط دونوں میں خرابیاں جلد بازی کے نتائج ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”ان دیننا هذا متین فأوغل فيه برفق فان المنبت لا ارضاً قطع ولا تظهر ابقى“

”ہمارا مذہب اور دین بہت متانت اور وقار والا ہے اس لئے اس کو نرمی اور متانت سے ہی حاصل کرو کیونکہ کسان (فصل کاٹنے وقت) نہ زمین کو مکمل ادبھرتا ہے اور نہ ہی اس کی سطح کو پہلے کی طرح رہنے دیتا ہے (بلکہ کچھ ہل چلا کر قابل کاشت کرتا ہے)

عربی کا مشہور مقولہ ہے: ”ان لم تستعجل تصل“ ”اگر جلد بازی سے کام نہیں لو گے تو منزل تک پہنچ جاؤ گے“

(۲) دوسری خرابی یہ ہے کہ بعض اوقات سالک اپنی ضروریات و حوائج کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا و زاری کرتا ہے اور خوب اہتمام سے دعا کرتا ہے اور پھر اس کی جلدی قبول ہونے کی آرزو لگا بیٹھتا ہے۔ لیکن علم الہی میں وہ قبولیت دعا کا موقع نہیں ہوتا اور دعا کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے تو قبولیت دعا میں تاخیر ہونے کی بنا پر وہ سالک دل برداشتہ ہو کر مجاہدہ کی کوشش کو ترک کر دیتا ہے اور دعا بھی چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح اپنے مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔

(۳) عجالت کی تیسری خرابی یہ ہے کہ بسا اوقات سالک راہ عبادت میں کسی مسلمان کی اذیت سے مجبور ہو کر غصہ میں اس کے لئے بدعا کر دیتا ہے اور اس کی بدعاء سے وہ مسلمان ہلاک ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں وہ کیونکہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو (آخرت کے اعتبار سے) ہلاکت اس کا نصیب بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿وَيَذُغُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱) ”انسان (تکلیف میں) بدعائیں کرنے لگتا ہے جیسے (خوشحالی میں) خیر مانگتا تھا۔ اور انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔“

(۴) اور اس کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ عبادت کی اصل حقیقت ”ورع و تقویٰ“ ہے اور اس کا حصول موقوف ہے تمام معاملات میں خوب غور و فکر اور دقت نظر پر لیکن جلد بازی اور غیر متحمل مزاج انسان کسی بھی معاملہ میں بربادی اور تھل کا اظہار نہیں کرتا اور غور و فکر کے بجائے ہر کام

کے انجام میں جلد بازی سے کام لیتا ہے جب وہ اس قدر عجلت کرے گا تو یقیناً ٹھوکر کھائے گا اور کھانے پینے اور بقیہ تمام امور میں بھی عجلت کرے گا اور یہ عمل اس کے لئے نقصان دہ ہوگا کیونکہ جلد بازی کی وجہ سے بعض اوقات حرام غذا بھی استعمال کرے گا جس کی بناء پر اس کا تقویٰ اور ورع ختم ہو جائے گا اور جب عبادت میں ”تقویٰ“ ہی نہ رہے تو وہ بیکار رہے تو جس مصیبت کی وجہ سے انسان اپنے ورع و تقویٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے خیر کے اعلیٰ درجات سے محروم رہ جائے اور حوائج ضروریہ کے حصول میں ناکام رہے اور اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنے تو ایسی خرابی کا فوری ازالہ اور اس کے بعد اصلاح نفس بہت ضروری ہے۔

## کبر کا بیان

تکبر اور بڑائی نیکی اور حسنات کے نام و نشان تک کو ختم کر دیتی ہے اعمال دینیہ کو نقصان پہنچانے والے تمام مفاسد میں سب سے خطرناک مفسدہ ”تکبر“ ہے کیونکہ یہ مفسدہ براہ راست عقائد و اصول دین پر حملہ کرتا ہے اور جب یہ مرض بڑھ جائے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں اور خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور کم از کم چار خرابیاں تو پیدا ہو ہی جاتی ہیں۔

### تکبر سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

(۱) ..... حق و صداقت سے محرومی، معرفت الہی کی آیات سے دل کا اندھا ہو جانا اور فہم دین سے ذہن کندہ ہو جانا تو سب سے بڑی خرابی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿سَاصْرِفْ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ”میں عنقریب اپنی آیات (کے سمجھنے) سے ناحق زمین میں تکبر کرنے والوں کو روک دوں گا۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٌ﴾ (المومن ۳۵) ”اس طرح اللہ تعالیٰ ہر سرکش اور متکبر کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں۔“

(۲) ..... تکبر کی دوسری برائی یہ ہے کہ متکبر پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور قہر نازل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔“

روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ اے مالک! آپ کی ناراضگی اور غصہ کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ تَكَبَّرَ قَلْبُهُ، وَغَلَطَ لِسَانُهُ، وَصَفَّقَ عَيْنُهُ، وَبَخَلَتْ يَدُهُ، وَمَسَاءَ خُلُقُهُ“ ”جس کا قلب تکبر سے بھرا ہوا اور زبان جس کی غلاظت آلودہ ہو (گالیاں بکنے والی زبان) اور جس کی آنکھوں میں حیا کا پانی نہ ہو اور جسکے ہاتھ کنجوس اور بخیل ہوں اور جو برے اخلاق والا ہو۔“

(۳) ..... تکبر سے تیسری خرابی جو پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں متکبر کو ذلیل و رسوا فرمائیں گے۔

حاتم اصفہم فرماتے ہیں: تکبر، حرص، اور غرور کی حالتوں پر اپنے آپ کو موت نہ آنے دو کیونکہ متکبر کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک اسے اپنے اہل و عیال اور خدام سے ہی ذلیل و خوار کر کے نہ دکھلا دیں۔ اور حریص کو اس وقت موت نہیں دیتے جب تک اسے روٹی

کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک گھونٹ کیلئے تڑپا نہ لے۔ اور غرور کرنے والے کو اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک اسے اس کے پیشاب و پاخانہ میں آلودہ کر کے ذلیل نہ کر دے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر کو ضرور ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ (۳) .. متکبر پر چوتھی آفت یہ پڑتی ہے کہ وہ آخرت میں نار جہنم کا مستحق ہوگا۔

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: ”الْكِبْرِيَاءُ رَدَائِيٌّ وَالْعُظْمَةُ إِزَارِيٌّ فَمَنْ نَارَ عَيْنِي فِي وَاحِدٍ مِنْهَا أَدْخَلْتُهُ نَارَ جَهَنَّمَ“ ”کہ کبریائی میری چادر ہے اور بزرگی و عظمت میرا ازار ہے پس جو بھی مجھ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کبریائی اور عظمت و بزرائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے ہیں اور کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا جو چیز معرفت الہیہ کے زوال اور احکام الہیہ کے فہم سے محرومی کا سبب بنے اور رب العالمین کی ناراضگی و نیا و آخرت میں ذلت و خواری اور عذاب الیم کا باعث ہو ایسی خطرناک اور مہلک آفت سے بچنا نہایت ضروری ہے کوئی عقلمند شخص اتنے مضر اور نقصان دہ چیز سے غفلت برت نہیں سکتا۔ لہذا اس نقصان دہ چیز سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنے کی فکر کرنا چاہئے۔

یہ مختصر سی تفصیل آفات اربعہ کی بیان کی گئی۔ اور اہل دانش اور عقلمند لوگ جنہیں اپنے قلب کی اصلاح کی اہمیت کا علم ہے ان کے نزدیک ان آفات اربعہ میں سے ہر ایک آفت نہایت خطرناک ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَلِيُّ الْعُصْمَةِ وَالتَّوْفِیْقِ۔

اب تک تو ہم نے ان آفات اربعہ کی برائی اور خرابی کو بیان کیا ہے۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ امراض قلب اتنے مضر ہیں اور ان سے بچاؤ نہایت ضروری ہے تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان آفات کی حقیقت اور ماہیت کو پہچان لیں اور پھر ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی جان لیں لہذا اب ہم ان آفات اربعہ کی حقیقت ہیئت اور ان سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر بیان کرتے ہیں۔

اگرچہ یہ بڑا تفصیلی موضوع ہے اور اسکی تمام تفصیل ”احیاء العلوم“ اور ”اسرار معاملات دین“ میں ملاحظہ فرمائیں۔ لہذا یہاں صرف انتہائی ضروری گفتگو کریں گے۔

### اہل کی حقیقت

... بطول اہل اور قصر اہل کے درمیان فرق

اکثر علماء کرام کے نزدیک طویل العمری کا یقین ”اہل“ کہلاتا ہے اور اگر دل میں ایسا خیال نہ ہو بلکہ یہ یقین دل میں جاگزیں ہو جائے کہ میری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے مجھے تو بس اس دنیا میں (جب تک زندگی ہے) اعمال صالحہ کی فکر کرنی چاہئے تو اس خیال و یقین کو ”قصر اہل“ کہا جاتا ہے یعنی اپنی امیدوں کو کم کرنا، اگر کوئی یہ خیال رکھے کہ میں اس سانس کے بعد اگلے سانس تک ضرور زندہ ہوں گا تو ایسے شخص کو ”طول اہل“ (لمبی امیدوں سے وابستہ) کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ و یقین گناہ ہے کیونکہ یہ تو ایک خفیہ معاملہ کی خبر دینا ہے ہاں اگر کوئی اپنی حیات کو اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت اور ارادہ سے مقید کر لے اور کہے کہ میں انشاء اللہ زندہ رہوں گا تو یہ صحیح ہے اور ایسے شخص کو ”تارک اہل“ کہا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی نیک تمناؤں کے ساتھ طویل زندگی کی امید رکھے تو یہ طول اہل نہیں ہے بلکہ

ایسا شخص قاصر الامل کہلائے کیونکہ یہ کسی ایک معاملہ پر حکم قطعی نہیں لگا رہا ہے بس تمہیں بھی یہی روش اختیار کرنی چاہئے اور ہمہ وقت طول امل کے برے انجام کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

### امل کے اقسام

☆..... امید اور امل کی دو قسمیں ہیں: (۱)۔ امل العوام (عوام کی امید)۔ (۲)۔ امل الخواص (خواص کی امید)

☆..... امل العوام: عام لوگوں کی امیدیں تو یہ ہیں: اسباب دنیا جمع کرنے کی آرزو، عمر دراز تک زندہ رہنے کے پروگرام وغیرہ یہ اور اس قسم کی امیدیں بالکل گناہ ہیں اور اس کے برخلاف ثواب یہ ہے کہ انسان معاملات دنیا سے متعلقہ امیدیں کم کرے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذُرْهُمْ يَا أَكْلُوا وَيَسْمَعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (النجر: ۳)

” (آپ ﷺ) ان مغفل بے خبر لوگوں کو چھوڑ دیں (ان کے حال پر) کہ وہ کھاتے پیتے رہیں اور دنیا سے لطف اندوز ہوتے رہیں، یہ آرزوؤں اور امیدوں میں پڑے ہوئے ہیں تو عنقریب انہیں (حقائق کا) علم ہو جائے گا۔

☆..... امل الخواص: جبکہ خواص کی امید اور امل یہ ہے کہ انسان نیک اعمال کرنے میں زندگی کی آس و امید لگائے بیٹھا رہے اور انہیں خطرہ زیادہ اور درستی کی امید کم ہو۔

بسا اوقات انسان کے سامنے ایک متعین عمل ہوتا ہے لیکن اسے کرنے کی استعداد سے وہ محروم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اس میں عجب وریا کاری کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے اس واسطے کسی نیک عمل کو کرتے وقت مثلاً: نماز، روزہ یا کوئی اور عمل کرتے وقت اسے پورا کرنے کا یقین اور اعتقاد دل میں پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک مخفی امر پر حکم قطعی لگانا ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ درست طریقہ یہ ہے کہ بندہ ہر نیک عمل کی ابتداء میں یہ خیال کرے کہ اگر میرے لئے یہ کام مناسب اور میرے حق میں بہتر ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کے کرنے اور تکمیل تک پہنچانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے یا یوں کہے کہ انشاء اللہ میں اس کام کو کروں گا یا اس کی تکمیل کو مشیت الہی پر موقوف و منحصر کروں اور ان قیود کا لحاظ طول امل سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكْ غَدًا﴾ (23) (الاحکاف: ۲۳) ”اور آپ ہر گز کسی کام کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل ضرور کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں۔“

علماء کرام فرماتے ہیں کہ ”طول امل“ کے مقابلہ میں مجازی طور پر نیت حسنہ کو پیش کیا کیونکہ اکثر و بیشتر صحیح نیت والا انسان طول امل سے احتراز کرتا ہے اور نیت محمودہ کی ضرورت کی وجہ سے اس کی معرفت بھی ضروری ہے لہذا علماء نے اس کی ایک جامع تعریف یوں بیان کی ہے کہ ”کسی عمل صالح کی ابتداء پختہ عزم اور اس اعتقاد کیساتھ کرنا کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ اس کی تکمیل و اختتام پر موقوف ہے۔“

..... سوال: اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمل صالح کی ابتداء تو عزم صمیم سے کی جائے لیکن اس کے اختتام کو مشیت الہی پر کیوں معلق کیا جائے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب اس عمل کی تکمیل الہی پر موقوف ہے تو اس کی ابتداء کو بھی مشیت الہی پر چھوڑ دینا چاہئے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں عزم مصمم کرنا اس لئے صحیح ہے کہ ابھی تو کام کا وجود ہی نہیں ہے تو ریاء و عجب کا اندیشہ بھی نہیں رہا لیکن ان کے اختتام کے وقت تو نیکی کا عمل وجود میں آ جاتا ہے تو اس وقت دوشدید خطرات پیدا ہو جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کی تکمیل میں کرسکوں یا نہ کرسکوں۔ دوسرا یہ کہ دوران عمل یا انتہاء عمل میں ریا اور کبر نہ پیدا ہو جائے اور عمل ضائع ہو جائے تو مذکورہ بالا خطرات سے بچنے کیسے انشاء اللہ کہنا اور مشیت الہی پر موقوف کرنا ضروری ہے انشاء اللہ تو اس کی تکمیل کی خاطر اور مشیت الہی پر موقوف کرنا اس عمل کے ریا وغیرہ سے بچنے کی خاطر ہوگا، تو تمام اعمال صالحہ کیلئے اس ارادہ کرنے کو ”نیت محمودہ“ کہا جاتا ہے۔

پھر اے عزیز! یہ بھی جان لو کہ ”طول اہل“ سے بچنے اور ”قصر اہل“ کے اختیار کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ انسان ہمہ وقت موت کو یاد رکھے اور موت کو یاد رکھنے کے لئے اچانک موت کا خیال غفلت اور لاپرواہی میں بے خبر کے عالم میں موت کا خیال ماننا ضروری ہے۔ یہ تمام باتیں ذہن نشین کرنا نہایت ہی ضروری ہے تاکہ تمہارا وقت بلاوجہ فضول گفتگو اور قیل قال میں صرف نہ ہو جائے اور اختلاط عوام کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے۔

### حسد کی حقیقت

کسی مسلمان سے اس کی بھلائی اور بہتری والے انعامات کے چھین جانے کی تمنا اور ارادہ کرنا ”حسد“ کہلاتا ہے۔ لیکن اگر چھیننے کی تمنا نہ ہو بلکہ یہ تمنا ہو کہ وہ نعمت اس سے چھینے بغیر مجھے بھی نصیب ہو جائے تو اسے ”غبطہ“ کہتے ہیں جسے اردو میں رشک کہا جاتا ہے اور یہ حسد نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کے اس قول کہ ”دو چیزوں کے علاوہ کسی میں حسد جائز نہیں“ میں حسد سے مراد ”غبطہ“ ہی ہے اور آپ ﷺ نے مجازاً غبطہ کے حسد سے تعبیر فرمادیا کیونکہ معنی دونوں کے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

اور اگر کسی ایسی نعمت کے چھیننے کی تمنا کرے جو اس مسلمان بھائی کے لئے مناسب اور بہتر نہ ہو تو اس تمنا اور ارادہ کا نام ”غیرت“ ہے اور یہی فرق ہے حسد، غبطہ، اور غیرت میں اور ”حسد“ کے مقابل لفظ ”نصیحت“ ہے خیر خواہی یعنی اس نعمت کی بقا کی تمنا ”نصیحت“ کہلاتی ہے۔

اب یہ معلوم ہونا کہ مسلمان کے پاس جو نعمت ہے اس کے لئے خیر ہے یہ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ نصیحت یا حسد کرنے کے لئے اس کا علم ہونا چاہئے تو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بسا اوقات ہمیں کسی کام کے یا نعمت کے بارے میں غلبہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کام مسلمان بھائی کے لئے بہتر ہے تو اس صورت میں نصیحت پہ عمل کرنا چاہئے اور اگر اس نعمت کے خیر ہونے کا پتہ نہ چلے تو بھی اس کے ضائع ہونے یا چھین جانے کی تمنا جائز نہیں بلکہ اسے علم الہی کے حوالہ کرو دینا چاہئے۔ اور حسد سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ نصیحت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان تاکید کی احکامات کو یاد کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے و مودت اور دوستی کے بیان فرمائے ہیں اور اس کے لئے اسے چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کا تصور کرے اس کی جان، اس کے مال کی حرمت نگاہ میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ کتنی حرمت والا ہے اور یہ خیال رکھے کہ دنیا میں مسلمانوں کیساتھ تعاون، مدد و اور ان کے اجتماعات میں شرکت میں (آخرت کے) کیا فوائد عظیم ہیں اور سب سے اہم فائدہ تو یہ ہے کہ مسلمان آخرت میں ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔ لہذا اس قسم کے خیالات سے اپنے آپ کو مسلمان بھائی کے حسد و کینہ سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔



### عجلت کی حقیقت

عجلت اصل میں ایک جذبہ دل میں موجود ہوتا ہے جو انسان کو بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل ”انانت“ ہے یعنی بروہاری اور تخیل سے کام کرنا اور یہ ایسے جذبہ کو کہتے ہیں جو تمام معاملات کو غور و فکر اور اہتمام سے کرنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے اور ایک صفت ”توقف“ ہے اس کے مقابلہ میں ایک صفت ”تعسف“ ہے۔ (توقف اور انانت دونوں تقریباً مترادف الٰہی ہیں اور عجلت و تعسف بھی مترادف ہیں) میرے شیخ (شیخ امام غزالیؒ) نے توقف اور انانت کے درمیان ایک فرق بیان کیا ہے وہ یہ کہ کسی بھی کام سے پہلے غور و فکر کرنے کو ”توقف“ کہتے ہیں۔ اور کسی کام کے شروع کرنے کے بعد اس میں میانہ روی اور تخیل اختیار کرنے کو ”انانت“ کہتے ہیں۔

دل میں ”انانت“ پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان عجلت اور جلد بازی کے نقصانات اور خرابیوں کا تصور کرے اور تعسف کی وجہ سے کسی بھی معاملہ میں جو ندامت و شرمندگی بعد میں اٹھانا پڑے گی اس کو سوچے اس طرح انشاء اللہ توقف اور تخیل کا وصف دل میں پیدا ہو جائے گا اور عجلت پسندی بھی ختم ہو جائے گی۔

### کبر کی حقیقت

اپنے نفس کو بڑا اور بلند خیال کرنے کو ”تکبر“ کہا جاتا ہے جب کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر اور حقیر خیال کرنا ”تواضع و انکساری“ کہلاتا ہے۔

### تکبر اور تواضع کے اقسام

پھر تکبر و تواضع دونوں کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... تکبر عام (۲)..... تکبر خاص (۳) تواضع عام (۴) تواضع خاص۔

☆..... تواضع عام: تو یہ ہے کہ انسان بہت ہی معمولی معیار کے لباس، مکان اور سواری اختیار کرے اور دنیا کے اسباب میں کم معیار پر قائم رہے۔

☆..... تکبر عام: اس کے بالکل متضاد ہے کہ انسان رہائش، لباس، سواری وغیرہ میں اعلیٰ و ارفع معیار اور امتیازی حیثیت رکھے۔

☆..... تواضع خاص: یہ ہے کہ انسان نفس کو مغلوب کر کے اسے شیع حق بنانے کی کوشش کرے۔

☆..... تکبر خاص: یہ ہے کہ انسان نفس کو آزاد چھوڑ دے اور یہ تکبر گناہ ہے۔

پھر تواضع عام کو اپنے دل میں پختہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت اپنی اصل اور اپنی پیدائش و موت کے وقت کی پریشانیوں اور گندگیوں کو یاد رکھے۔

ایک بزرگؒ نے فرمایا: ”أُولَٰئِكَ نُطْفَةُ مَذْرُوءٍ وَاجْرُكَ جَنْفَةُ قَدْرَةٍ وَأَنْتَ فِيمَا بَيْنَهُمَا حَامِلُ الْعَذْرَةِ“ ”کہ تیرا ابتدا اور اصل

تو یہ ہے کہ تو رحم مادر میں پڑا ہوا ایک گندا قطرہ ہے اور انتہا اور انجام تیرا یہ ہوگا کہ ایک متعفن اور بدبودار مردار ہوگا اور ان دونوں حالتوں کے درمیان تو اپنے اندر گندگی اٹھائے پھر رہا ہے۔

اور تو اضع خاص کو مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حق سے روگردانی اور انحراف اور باطل پر قائم رہنے والے شخص کی حالت اور انجام اور اسکی جزا اور سزا کا حشر یاد کرے۔ کسی بھی صاحب بصیرت کیلئے اپنے قلب کی اصلاح کے واسطے اس قدر بیان کافی ہے۔

(منہاج العابدین اردو: ۱۰۴-۱۲۵)



## دل کی دوا ”ذکر اللہ“

آج کا ایک نیا فتنہ: ہر دور اور ہر زمانہ کے فتنے مختلف ہوتے ہیں، آج کا ایک نیا فتنہ یہ ہے کہ ذکر و سلوک کی محنت کو تزکیہ نفس کی محنت کو تصفیہ قلب کی محنت کو، عجمی سمجھا جا رہا ہے، اور یہ بات کبھی جا رہی ہے کہ ہمیں تو احادیث میں کہیں یہ بات نظر آتی ہی نہیں، اور ہر بندہ پوچھتا ہے جی! قرآن میں کہاں ہے اس لئے آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیت پیش کی جائیں گی امید ہے کہ آپ اسے دل کے کانوں سے سنیں گے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ (ق: ۳۷) ان باتوں میں نصیحت ہے ان کے لیے جن کے اندر دل ہو اور اگر سینے میں پتھر کی سل ہو تو پھر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

لفظ ذکر کا استعمال قرآن پاک میں

ذکر لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا، ایک تو قرآن مجید کیلئے استعمال ہوا،

- (۱) .... جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (النجم: ۹) تو یہاں قرآن مجید کیلئے ذکر کا لفظ استعمال ہوا، نصیحت نامہ۔
- (۲) ... ایک ذکر کا معنی اللہ تعالیٰ کی یاد، جیسے ہم بات کرتے ہوئے کہتے ہیں اس نے آپ کا ذکر کیا فلاں جگہ آپ کا ذکر ہو رہا تھا، تو ذکر کا معنی ہے یاد۔

کثرت ذکر کا حکم قرآن میں

قرآن مجید میں ذکر کے متعلق بہت ساری آیات ہیں، یہ وہ عمل ہے کہ اللہ رب العزت نے جس کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ (الحزاب: ۴۱)

قلبی ذکر کا ثبوت قرآن پاک سے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قلبی ذکر کہاں سے آگیا سنئے قرآن پاک میں فرمایا: ﴿وَلَا تُطِيعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ (النمل: ۲۸) ”اس کی بات ہی نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا“ اب یہاں قلب کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ کم ذکر کرنے والے کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء: ۱۳۷)

☆..... شیطان کا ساتھی کون؟

فرمایا: ﴿وَمَنْ يَغْفُلْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُفَيْضُ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ (الحرف: ۳۶) ”اور جو آنکھ چرائے رحمن کی یاد سے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“

شیطان کی حملوں کا دفاع ذکر ہے

فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾ (الاعراف: ۲۰۱) ”بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں، جب شیطان کی جماعت ان پر حملہ آور ہوتی ہے، تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ کے ذکر کی وجہ سے اللہ ان کو محفوظ فرما دیتے ہیں۔“

شیطان حملہ کیسے کرتا ہے

فرمایا: ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۹) ”شیطان نے اس پر غلبہ پایا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کیا۔“

دل کا سکون ذکر میں ہے

فرمایا: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸) ”جان لو! اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان واسطہ ہے۔“

تقلمند لوگ کون ہے

فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ (ال عمران: ۱۹) ”وہ لوگ ہے جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، مجھے یاد کرتے ہیں یہ بڑے تقلمند بندے ہیں۔“

ذکر خفی کا ثبوت قرآن پاک سے

فرمایا: ﴿وَإِذْ نَكَّرَ رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً﴾ (الاعراف: ۲۰۵) مفسرین نے لکھا ہے ”ای فی قلبک“ ذکر کراپنے رب کا اپنے دل میں گڑ گڑاتے ہوئے اور بہت خفی انداز میں کہ دوسرے کو پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت مفتی شفیع اس آیت کے تحت معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ: ”تضرعاً وخيفة“ کے لفظ سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے آے بتایا ہے کہ ذکر کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے فرمایا: ﴿وَإِذْ نَكَّرَ اسْمَ رَبِّكَ﴾ (الزلزل: ۸) ”ذکر کراپنے رب کے نام کا۔ تو رب کا نام اللہ ہے۔“

دعوت کی ابتداء اور انتہاء میں ذکر کا حکم

یہ ذکر اتنا عظیم الشان کام ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء کو دعوت کے ابتداء اور انتہاء میں ذکر کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے: ﴿إِذْ هَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾ (طہ: ۲۲) ”جائے آپ اور آپکا بھائی میری نشانیوں کو لے کر، (پھر آگے تثنیہ کا صیغہ، دونوں کو خطاب فرمایا) کہ تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا۔ تو دعوت الی اللہ کی ابتداء بھی ذکر سے ہوئی۔“

حالات جہاد میں ذکر کا حکم

ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الانفال: ۴۵) ”اے ایمان والو! جب تمہارا آمناسا منہ ہو کفار کی جماعت کے ساتھ، تم ڈٹ جاؤ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔“

☆ کام کاج کے وقت ذکر کا حکم

ارشاد فرمایا: ﴿رَجَالٌ لَا تُلْهِهُمُ بَيْعَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (النور: ۳۷) ”میرے جوان مرد بندے وہ ہیں کہ تجارت، خرید و فروخت بھی اللہ کی یاد سے انہیں غافل نہیں کرتی اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا یہ میرے ہمت والے لوگ ہیں۔“

☆..... ذکر نہ کرنے پر وعید

ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ (النجن: ۱۷) ”جو اعراض کرے گارب کی یاد سے اسے چڑھتا ہوا عذاب ہوگا۔“

سارے مفسرین نے ”ذکرِ ربّہ“ سے رب کی یاد مراد لی ہے یہاں قرآن مراد نہیں ہے۔ تو ذکر کرنے کا حکم ہے اور نہ کرنے پر سزا ہے۔

☆..... دواہم لفظ: ﴿فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۷۲) ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“

☆..... یاد کرنے کا مطلب

۱..... تم مجھے فرش پر یاد کرو، میں تمہیں عرش پر یاد کروں گا۔

۲..... تم میری اطاعت کرو، میں مخلوق کو تمہارا مطیع بنادوں گا۔

۳..... تم میری عزت کرو گے، میں مخلوق میں تمہیں عزتیں دے دوں گا۔

۴..... اگر تم راحت کے وقت مجھے یاد کرو گے، میں تمہیں زحمت کے وقت یاد کروں گا۔

۵..... اگر تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو گے میں پروردگار تمہیں مغفرت کیساتھ یاد کروں گا۔

۶..... تم مجھے اپنے بستروں پر یاد کرو گے، میں پروردگار تمہیں قبروں میں یاد کروں گا۔

۷..... تم مجھ سے محبت کرنا، میں تم سے محبت کروں گا۔

۸..... تم مجھے یاد کرنا میں تمہیں یاد کروں گا۔

۹..... تم مجھے منانا میں تمہیں مناؤں گا۔

۱۰..... تم عبادات لے کے آؤ گے، میں پروردگار قبول کر لوں گا۔

۱۱..... تم دعا کیلئے ہاتھ پھیلاؤ گے، میں پروردگار جھولیاں بھر کے رکھ دوں گا۔

۱۲..... تم قیامت کے دن ایمان کا تحفہ لے کر آنا، میں پروردگار اپنے جمال کے حسن کا دیدار عطا فرما دوں گا۔

۱۳..... تم میرے بن جاؤ گے میں پروردگار تمہارا ہو جاؤں۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی یاد کی توفیق عطا فرما دے

## ذکر کی اقسام

ذکر کی تین قسمیں ہیں: (۱) ... ”ذکر لسانی“ یہ ذکر کا تیسری درجہ ہے۔ (۲) ... ”ذکر قلبی“ یہ ذکر کا دوسری درجہ ہے۔ (۳) ... ”دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا“ یہ بہتر ذکر ہے۔

(۱) ذکر لسانی یہ ہے: کہ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے جیسے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ وغیرہ۔

(۲) ... ذکر قلبی (ذکر قلبی کو ذکر خفی، ذکر ستری، ذکر خال بھی کہتے ہیں) یہ ہے: کہ انسان اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

یاد کا مقام انسان کا دل ہے

اگر آپ غور کریں! تو کسی کی یاد ہمیشہ انسان کے دل میں ہوتی ہے، زبان سے تو اس کا اظہار ہوتا ہے، آپ غور کیجئے! جب کوئی ماں اپنے بچے کو خط لکھوائے، جو دور گیا ہوا ہو، تو ہمیشہ یہ لکھواتی ہے کہ بیٹا! میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے، اس نے کبھی یہ نہیں لکھوایا کہ بیٹا! میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے؟ کبھی کسی دوست نے دوسرے دوست کو لکھا کہ میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے؟ ہمیشہ یہی بسا ت کہی جائے گی کہ بھائی میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے، تو یہاں سے معلوم ہوا کہ یاد کا مقام انسان کا دل ہے، زبان سے تو اس کا اظہار ہوتا ہے، اصل یاد دل میں ہوتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں لیوں پہ مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

تو جب انسان کے دل میں سچی محبت ہوتی ہے، تو زبان خاموش ہوتی ہے اور دل میں یاد ہوتی ہے۔

... دونوں قسموں کا قرآن پاک سے ثبوت

قرآن مجید میں بھی ذکر کی یہی دو قسمیں بتائی گئیں:

(۱) ... ذکر خفی کا ثبوت: ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ (ای فی قلبک) تَضَرُّعًا وَخِيفَةً ﴿(الاعراف: ۲۰۵)

ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس، اپنی سوچ میں، اپنے دھیان میں، اور اپنے دل میں گڑ گڑاتے ہوئے اور بہت خفی انداز سے کسی کو پتہ نہ چلے۔ ان الفاظ سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) ... ذکر لسانی کا ثبوت: اور اس کے بعد فرمایا کہ: ﴿ذُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”اور تم آہستہ مناسب آواز سے بھی ذکر

کر سکتے ہو ان الفاظ سے ذکر لسانی کا ثبوت ملتا ہے۔

... ذکر قلبی کو ذکر لسانی پر فضیلت ہے

ذکر قلبی کا تذکرہ چونکہ پہلے کیا گیا، اس لئے ذکر قلبی کو ذکر لسانی کے اوپر فضیلت ہے۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے جس ذکر کو فرشتے سنتے ہیں اور جس کو فرشتے نہیں سنتے یعنی ذکر لسانی کو وہ سنتے ہیں اور ذکر قلبی کو نہیں سنتے تو حدیث پاک میں فرمایا کہ جس ذکر کو فرشتے نہیں سنتے اس ذکر سے جس کو وہ سن لیتے ہیں ستر (۷۰) گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے تو گویا دل میں اللہ کو یاد

رکھنا اس کی ستر گنا فضیلت زیادہ ہے۔

☆..... ذکر قلبی ہر حال میں

یہ ذکر قلبی انسان لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے، ہر وقت کر سکتا ہے، لیکن زبان کو تو اور بہت سارے کام کرنے ہیں۔  
اسکو وقف قلبی کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ﴿كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُذَكِّرُ اللَّهَ تَعَالَى فِي كُلِّ أَحْيَانٍ﴾ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحہ اللہ کو یاد کرتے تھے اس سے مراد قلبی ذکر ہے۔ اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿تَسَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي﴾ یعنی میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں میرا دل نہیں سوتا، دل ذکر کرتا رہتا ہے۔ (خانہ دل آباد ہے: ص: ۱۰-۱۹)

☆..... ذکر کا مقصد

سالک کو چاہئے کہ کثرت ذکر کو اپنائے حتیٰ کہ دل کی گرہ کھل جائے اور دل بیدار ہو جائے اتنا ذکر کرے کہ اللہ کی حفاظت میں آجائے۔  
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (الحجر: ۴۲) میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جن پر اے شیطان تیرا ہرگز قبو نہیں چلے گا، جس سالک نے اپنا ذکر اس نقطہ تک پہنچا دیا کہ اللہ کی حفاظت میں آگیا، اس کا ایمان بچ گیا۔ (خانہ دل آباد ہے: ص: ۷۳)

☆..... قلب جاری ہونے کا مطلب

ایک آدمی سکٹ بناتا ہے تو وہ ساری چیزوں کو ملا کر پھر ایک خاص درجہ حرارت پر اسکو کچھ وقت کیلئے رکھ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے جی کیک بن گیا اب کیک کتنا مزے دار ہوتا ہے لیکن وہ بنتا کب ہے؟ جب حرارت کے اندر کچھ وقت کے لئے رکھا جاتا ہے اسی طرح جب انسان کے دل کو ذکر کی حرارت میں کچھ وقت کے لئے رکھا جاتا ہے تب اس کا دل بھی کیک کی مانند لذیذ بن جاتا ہے اللہ رب العزت کے یہاں قبولیت پالیتا ہے تو ذکر کے ماحول میں ہر بندے کو رہ کر محنت کرنی پڑتی ہے تاکہ اس کا اپنے اوپر قبو آجائے اس کی زندگی میں شریعت و سنت کے احکام لاگو ہو جائیں اور اس انسان کو اپنے آپ پر قدرت حاصل ہو جائے اسی کو بعض مشائخ نے کہا دل کا جاری ہونا۔ بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ فقط دل کا جاری ہونا یہ کوئی ظاہر میں دھڑکن ہوگی دل کی، یہ دل کی اللہ اللہ بھی محسوس ہوتی ہے مگر فقط اللہ اللہ کی وہ کیفیت مطلوب نہیں جب تک کہ اعضاء اس کا ثبوت نہیں دیتے اگر کوئی آدمی اللہ اللہ کی کیفیت تو کہتا ہے کہ مجھے حاصل ہے مگر اپنے جسم سے شریعت و سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کے اس اللہ اللہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا تو مشائخ کے نزدیک دل کا جاری ہونا اس کی ابتدا یہ ہے کہ انسان کو اپنے دل سے اللہ اللہ کا ادراک محسوس ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کے جسم کے اوپر اللہ کے احکام جاری ہو جائیں اس کا جسم اس کے دل کے قابو میں آجائے پھر اس بندے کا قلب جاری ہو گیا، یعنی اس بندے کے قلب کا حکم جاری ہو گیا یہ قلب کا جاری ہونا جو اصل مقصود ہے وہ یہ کہ اتنا ذکر کریں کہ ہماری رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ (خانہ دل آباد ہے: ص: ۱۰۶)

## ذکر لسانی کے اقسام

ذکر کے بارے میں حضرت مولانا پیر طریقت مفتی مختار الدین دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق ذکر لسانی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذکر سری یا خفی۔ (۲) ... ذکر جہری یا جلی۔

(۱) ذکر سری یا خفی یہ ہے: کہ زبان سے بالکل آہستہ اس طرح ذکر کیا جائے کہ منہ سے آواز نہ نکلے۔

(۲) ذکر جہری یا جلی یہ ہے: کہ منہ سے آواز نکلے۔

ہذا ... ذکر جہری کے اقسام:

ذکر جہری کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ پوری قوت اور زور کے ساتھ آواز کو منہ سے نکالا جائے جیسا کہ کوئی اعلان کرتا ہے یا نعرہ لگاتا ہے یا اذان دیتا ہے اس کو قرآن مجید کی اصطلاح میں ”الجہر“ کہا جاتا ہے اور علماء اس جہر کیلئے ”رفع الصوت“ جہر شدید، پکار، چیخنے، چلانے کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جہر کی یہ قسم اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اسی میں علماء کا اختلاف ہے۔

دوسری قسم وہ کمزور اور ہلکی آواز ہے جو منہ سے تو نکلے لیکن دوسروں کی سمجھ نہ آئے جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ یہ صورت جہر کی کمزور ترین صورت ہے جس کو بعض علماء خفی اور سر کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم وہ ہے کہ جو سری اور جہر شدید کے درمیان ہو بالفاظ دیگر یہ وہ ذکر ہے جو کہ سر اور خفی کی حد سے نکل جائے لیکن جہر شدید یعنی چیخنے چلانے کی حد تک نہ پہنچے بلکہ اس سے کم ہو اس کو علماء اسلام ”جہر معتدل یا جہر متوسط“ اور قرآن مجید کی اصطلاح میں ”دون الجہر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے جہر کی دونوں صورتیں یعنی دوسری اور تیسری شرائط کے ساتھ متفقہ طور پر جائز ہیں۔

جہر کی چوتھی قسم جہر مضرب ہے۔ یہ جہر کی وہ قسم ہے جس میں خود ذکر کو نقصان پہنچے یا دوسرے مسلمان کو نقصان ہو یا کسی مسلمان کے سونے اور آرام میں خلل آجائے جس طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ کا انعقاد کرنا جس سے لوگوں کی نیند خراب ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ ذکر جہر جس سے مسلمانوں کو ایذا پہنچے وہ جہر مضرب ہے جس کو بعض علماء جہر مضرب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

## ذکر سری و جہری کے احکام

دین اسلام میں بعض مواقع اور حالات ایسے ہیں جس میں شریعت مطہرہ نے ذکر بالجہر کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کیلئے جہر قراءت کا حکم ہے اسی طرح تکبیرات تشریق جو کہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں فرض نمازوں کے بعد جہر پڑھی جاتی ہیں ان صورتوں میں بجائے جہر کے سری قراءت کرنا یا تکبیرات تشریق آہستہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے اسی طرح جن مواقع اور حالات میں شریعت مطہرہ نے جہر کی بجائے سری ذکر کا حکم دیا ہے مثلاً ظہر و عصر کی نمازوں میں قراءت کرنا تو ایسی صورت میں جہر قراءت کرنا شریعت کے خلاف ہے۔



☆ .... عام حالات میں جبر معتدل کا حکم

جن حالات و مواقع میں شریعت نے ذکر کی کسی قسم یعنی سری یا جبری کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً ذکر کا حکم دیا ہے اور ترغیب بھی دی ہے ایسے عام حالات و مواقع میں تلاوت قرآن کریم، دعا، تہلیل، تسبیح اور استغفار اور دیگر اذکار وغیرہ سراہوں یا جبراً اعتدال کے ساتھ انکی ادائیگی قرآن و حدیث اور نبی اکرم ﷺ کے اپنے اعمال مبارکہ، صحابہ کرامؓ اور اسلاف سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔

جبر اور سبب دونوں ذکر کی شکلیں اور صورتیں ہیں یہ بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ یہ صرف عبادت اور ذکر الہی کے ادا کرنے کی صورتیں ہیں لہذا ثواب کا تعلق شکلوں، صورتوں اور طریقوں سے نہیں بلکہ ثواب کا تعلق صرف ذکر و عبادت سے ہے چونکہ ذکر الہی صورتوں میں ادا کیا جاتا ہے اس لئے علمائے کرام جب ان شکلوں کی نسبت ذکر کی طرف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ذکر جبری اور ذکر سری دونوں عبادت ہیں ان کا مطلب اس سے یہی ہوتا ہے کہ ذکر جو کہ مقصود ہے وہ عبادت ہے خواہ جبر کی صورت میں ہو یا سری کی صورت میں ہو اور جب ذکر کی طرف ان صورتوں کی نسبت نہیں کرتے تو وہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جبر اور سر دونوں عبادت نہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جبر اور سر بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ عبادت اور کار ثواب تو ذکر ہے اور جبر و سر ذکر الہی کی ادائیگی کی صورتیں ہیں۔

☆ .... مثال: اس کی مثال یوں سمجھیں کہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کے رکھنے کا ثواب ہے لیکن روزہ کسی نہ کسی دن تو رکھنا ہوگا چاہے وہ دن اتوار کا ہو یا منگل کا یا ان کے علاوہ کوئی اور دن ہو لیکن ثواب اتوار یا منگل کے دن کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ مطلق روزہ رکھنے کی وجہ سے ملتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ منگل کے روزہ زیادہ ثواب ہے تو یہ ایک عقیدہ بن جائے گا جس کی وجہ سے وہ عمل بدعت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر جبری و سری کے اندر جبر یا سری کی کسی ایک صورت کو عبادت اور کار ثواب سمجھے تو پھر اس عقیدے کے ساتھ ذکر کا عمل بدعت بن جائے البتہ اگر کسی خاص موقع پر شریعت نے خود کسی صورت کی تعین کر دی ہو یا ترغیب دی ہو یا فضیلت بیان کی ہو تو پھر اس صورت معینہ میں ثواب زیادہ ہوگا جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزوں کا ثواب بوجہ اتباع عام دنوں کی نسبت زیادہ ہوگا۔

اسی طرح اگر مطلق جبر و سر کے ساتھ کوئی باعث ثواب و فضیلت چیز لاحق ہو جائے تو پھر نفس جبر و سر پر بھی ثواب ملتا ہے مثلاً جہاں جبر کا حکم ہے یعنی اذان، تکبیرات تشریق وغیرہ میں تو وہاں نفس جبر پر ثواب ملے گا اسی طرح جہاں سر کا حکم ہے وہاں نفس سر پر ثواب ملے گا۔

اسی طرح چند آدمی کسی سواری پر سوار ہونے لگیں تو کوئی ایک شخص جبراً سواری کی دعا پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ دوسرے بھی پڑھ لیں گے تو اس جبر پر بھی ثواب ملے گا اور اس ثواب کا باعث نیک نیت ہے۔

☆ . ذکر کی اقسام کا خلاصہ:

خلاصہ یہ نکلا کہ جبر مضرب بالاتفاق ناجائز ہے خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اسی طرح جبر معتدل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بالاتفاق جائز ہے اور جبر شدید بالاتفاق وہاں ناجائز ہے جہاں شریعت نے حکم دیا ہو یا اس کی ضرورت ہو لیکن اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء اس کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں، خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء مسجد میں ناجائز اور خارج مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں اسکی تفصیل جبر شدید کی شرائط کے ذیل میں آرہی ہے۔

### جہر معتدل کا جواز اور اس کے شرائط

تداوت و تسبیح، تہلیل، دعائیں جہر معتدل کا جواز قرآن مجید و سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے متفقہ طور پر ثابت ہے لہذا اس کا انکار کرنا قرآن مجید و سنت الرسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا انکار کرنا ہے البتہ جہر معتدل کیلئے کچھ شرائط ہیں جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔

(۱) ذکر کو صرف جہر ہی میں منحصر نہ کیا جائے مثلاً جو شخص ذکر جہر نہیں کرتا اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذکرین میں سے نہیں۔  
(۲) جہر معتدل کسی کیلئے ایذا و تکلیف کا باعث نہ بنے مثلاً سونے کی جگہ یا سونے کے وقت میں ذکر کرنا تو ایسے وقت قرآن مجید کی تلاوت، تہلیل و تسبیح وغیرہ معتدل جہر کی ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) جہر معتدل ایسے وقت میں نہ ہو کہ جس وقت لوگ عموماً نوافل میں مشغول ہوں کہ کسی شخص کی سنت یا نفل نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس وقت میں بعض علماء کے نزدیک بیان تعلیم و تدریس بھی درست نہیں۔

(۴) ذکر کیساتھ خواہ سری ہو یا جہری کسی ایسی چیز یا کام کو شامل نہ کیا جائے جو شریعت مطہرہ میں ممنوع یا ناجائز ہو۔ مثلاً: رباب باجے اور آلات موسیقی وغیرہ۔

(۵) جہر معتدل سے ریا کا اندیشہ ہو اس کا تعلق خود انسان کے اپنے نفس کے ساتھ ہے یعنی اگر لوگ ذکر جہر کرنے والوں کو بزرگ سمجھتے ہے بڑا ذکر شغل سمجھتے ہوں اور اس کا غالب گمان بھی ہو کہ ذکر جہر کی وجہ سے لوگ میری مدح اور تعریف کریں گے اور میں ریا کاری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسی صورت میں اچھا یہی ہے کہ ذکر جہری کو اختیار نہ کیا جائے البتہ اگر صرف ریا کا وسوسہ ہو تو یہ یاد رہے کہ ریا کاری کا وسوسہ ریا کاری نہیں۔

(۶) نیز اگر کہیں ذکر جہر کرنے والوں پر فقرے کسے جاتے ہوں مثلاً انہیں ریا کا رکھا جاتا ہو تو ایسی صورت میں ذکر جہر کو اس لئے اختیار نہ کرنا کہ لوگ مجھے ریا کار کہیں گے تو یہ خود ریا کاری ہے کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ ریا کار نہیں بلکہ مخلص سمجھیں۔

(۷) جس موقع پر نبی کریم ﷺ سے ذکر ثابت ہو لیکن ذکر جہر ثابت نہ ہو اس موقع پر سنت سمجھ کر ذکر جہر کرنا یا جہر کو سنت تو نہ سمجھا جائے مگر خطرہ یہ ہو کہ لوگ اس موقع پر جہر کو سنت قرار دیں گے، مثلاً: عید الفطر کے موقع پر جہر انکبیریں پڑھنا تو ایسی صورت میں علماء احناف ذکر جہر کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس وقت لوگ جو ذکر جہر کریں گے تو وہ جہر کو سنت سمجھ کر کریں گے۔ (آراء کے فحائل و مسائل ۱۶۲-۱۶۳)

خلاصہ:

مذکورہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کی عبارتوں میں غور کیا جائے اور قرآن و حدیث کی طرف مخلصانہ رجوع کیا جائے تو یہی وہ امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا ذکر میں ضروری ہے اور کوئی بھی سنجیدہ عالم یا فقیہ ایسا نہیں جس نے جہر معتدل کا انکار مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہو آخر وہ انکار کیسے کر سکتا ہے جبکہ قرآن و حدیث اور نبی کریم ﷺ کے عمل مبارک اور اسلاف سے ان شرائط کے ساتھ جہر معتدل ثابت ہے اور جس کسی نے انکار کیا اسکے پیش نظر یہی شرائط ہوتے ہیں جیسا کہ فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوا ہے کہ ان کا اخلاف مطلقاً ذکر جہر میں نہیں بلکہ ان کا اختلاف ایسے مواقع میں ہے جہاں کوئی اس ذکر کی شرائط کا خیال نہ رکھتا ہو موقع کے ساتھ خاص کرتا ہو جس موقع کی

خصوصیت شریعت مطہرہ میں ثابت نہ ہو مثلاً: ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو تکبیرات کے ساتھ خاص کرنا اس خصوصیت کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔

### جہر شدید کب جائز ہے

شریعت مطہرہ نے بعض حالات اور بعض ضرورتوں کے تحت ذکر جہر یعنی شدید جہر کی بھی اجازت دی ہے بلکہ بعض موقعوں پر اس کی ترغیب بھی دی ہے جن مواقع میں جہر شدید بہتر یا جائز ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ... اذان دیتے وقت بہتر یہ ہے کہ پورے زور اور قوت سے اذان کی جائے۔

(۲) حج اور عمرہ کے وقت تلبیہ میں بھی بہتر یہ ہے کہ پوری قوت اور خوب اوپچی آواز سے تلبیہ کہا جائے۔

(۳) ... تکبیرات تشریق یعنی عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے وقت راستوں میں پوری قوت اور خوب اوپچی آواز کے ساتھ ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ الخ“ کہیں کی اجازت ہے اور جہر معتدل سنت ہے، نیز اس موقع پر فرض نمازوں کے بعد جہر سے تکبیریں کہنا سنت موکدہ بلکہ واجب ہیں۔

(۴) ... درس و تدریس، وعظ و بیان، خطبہ و قرات میں جہر شدید جائز ہے بلکہ مجمع بڑا ہو تو اچھا اور بہتر یہ ہے کہ پوری قوت سے آواز نکالی جائے تاکہ سننے والے وعظ و نصیحت اور قرأت کو سن سکیں۔

(۵) ... کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ عین لڑتے وقت تکبیر وغیرہ جیسے ذکر و اذکار پکار کر کہنا بھی جائز ہے تاکہ مسلمانوں کا شوق بڑھے اور کفار پر رعب طاری ہو۔

(۶) ... چونکہ ضرورت کے تحت ذکر جہر شدید بھی جائز ہے اس لئے اگر کوئی مسلمان ایسا ہے کہ جو سوا دس کا شکار ہو اور نماز میں اور ذکر میں دھیان نہیں رہتا جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی عام حالت یہی ہے تو ایسی صورت میں بھی جہر شدید حسب ضرورت جائز ہے، تاکہ یکسوئی حاصل ہو جائے اور نماز، ذکر میں خشوع اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد حاصل ہو جائے۔

(۷) ... عام حالات میں بھی جہاں سراور جہر کا تعین نہ ہو اور ذکر جہر سے کسی خرابی اور نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو اس وقت بھی بعض علماء کے نزدیک یہ جہر جائز ہے لیکن اس صورت میں چونکہ خود اپنے آپ کو فضول اور بلا وجہ مشقت اور سختی میں ڈالنا ہے اس لئے بلا ضرورت اور بلا کسی خاص کیفیت اور حالات خاصہ کے قصد اپنی اور چلا کر ذکر و تلاوت کرنا درست نہیں خصوصاً دعا میں اگر زیادہ زور سے آواز نکالی جائے تو اس میں تذلل اور عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اس لئے اس میں مذکورہ بالا امور کی زیادہ رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے۔

### جہر شدید کیساتھ ذکر بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے

جہر شدید کے حکم کا خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں ذکر جہر شدید میں کسی کا اختلاف نہیں وہ بالاتفاق جائز ہے لیکن بلا ضرورت جہر شدید بعض کے نزدیک خارج مسجد و داخل مسجد دونوں میں ناجائز ہے اور بعض حضرات کے ہاں داخل مسجد میں ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور خارج مسجد میں جائز ہے بعض علماء سے جہر شدید کی ممانعت کی جو عبارات منقول ہیں اس کا مطلب بھی یہی

ہے کہ وہاں شرائط مذکورہ کے بغیر ذکر جہر بدعت یا ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

### مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام

علامہ علاء الدین ہکفی حنفیؒ احکام مسجد کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: مسجد میں سوال حرام ہے اور (سائل کو) دے دینا مطلقاً مکروہ ہے اور کہا گیا ہے کہ (لوگوں کی) گردنیں پھلانگ کر سائل کو دینا مکروہ ہے (کیونکہ اس صورت میں نمازیوں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے) اور یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فقیر کو مسجد میں صدقہ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم (در نہ نہیں) نیز مسجد میں گم شدہ چیز اور سوائے ایسے اشعار جن میں ذکر و نصیحت ہو (دوسرے فضول) اشعار اور ذکر پر آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے

(الدر المختار مع حاشیہ، المختار ج ۳ ص ۴۴۴)

### مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد

مساجد میں ذکر پر آواز بلند کرنے کی حرمت یا کراہت کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیثوں پر ہے۔

- (۱) حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی شخص نے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ ہیں تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ (جو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے ہیں) میں نے ان کو بلایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ یا یوں فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو یا یوں فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "لَوْ كُنْتُمْ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَجَعْتُكُمْ رَفْعَانَ أَصْوَاتِكُمْ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ" اگر تم مدینہ (منورہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا یعنی پٹائی کرتا (لیکن چونکہ تم مسافر ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں افسوس کی بات ہے کہ) تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صحیح بخاری)
- (۲) نبی کریم ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے چند نشانیاں اور علامات بیان کی ہیں ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ: "وظہرت الاصوات فی المساجد" اور مسجدوں آوازیں بلند ہو جائیں گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح سنن ترمذی)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ: "وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام" اور ہمارے بعض علماء (یعنی بعض علمائے احناف) نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا حرام ہے اگرچہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں ہو۔ (المرقاۃ ج ۱۰ ص ۱۷۱)

جن علماء نے مسجد میں زور زور سے باتیں کرنے کو حرام کیا ہے حتیٰ کہ اگر ذکر (یعنی قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح و تہلیل وغیرہ) بھی زور زور اور بلند آواز سے کیا جائے اس کو بھی حرام بتلایا ہے اگر ان علماء کا مطلب یہی ہو کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کی نمازوں میں اور اوراد میں خلل اور تشویش واقع ہو جاتی ہے پھر تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی کو ایذا دینا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا حرام ہے۔

لیکن اگر حرمت والے حکم کو مطلقاً مانا جائے تو پھر یہ بات ذکر کے علاوہ باتوں کے متعلق بھی قابل نظر ہے کیونکہ حدیثوں میں یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی نماز، تلاوت اور ذکر کیلئے مسجد میں آجاتا ہے پھر وہاں کسی سے مباح دنیوی بات بھی کرتا ہے تو اس کی جازت ہے بلکہ بعض دفعہ نبی

کریم ﷺ نے مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنے والوں کی آواز کو سنا تو ان پر غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق بطور نمونہ صرف دو حدیثوں کو نقل کئے دیتا ہوں۔

(۱) ... حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جس مصلے پر فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک سورج (اچھی طرح) نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ ﷺ (نماز اشراق کیلئے یا گھر میں تشریف لے جانے کیلئے) کھڑے ہو جاتے اور (اس بیٹھنے کے دوران) صحابہ کرامؓ (بطور استہزاء اور مذمت) زمانہ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور (ان پر) ہنسا کرتے تھے اور آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ (صحیح مسلم)

اور ترمذی کی روایت یوں ہے کہ (اس دوران) صحابہ اشعار پڑھتے اور سنتے (مشکوٰۃ کتاب الادب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز اور تلاوت میں کوئی مشغول نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مباح بات کرے بشرطیکہ وہ صرف باتوں کیلئے مسجد میں نہ آیا ہو یا ایسے اشعار پڑھے جائیں جن میں توحید یا نبی کریم ﷺ کی مدح کی جاتی ہو تو یہ جائز ہیں اور اشعار پڑھتے وقت آواز بلند ہوتی ہے۔

(۲) حضرت کعب بن ملکؓ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبویؐ میں ابن ابی حدردؓ اپنا قرض مانگا "فَارْتَفَعْتُ اصْوَاتِيْهَا" یعنی دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں ان کی آوازیں سنیں جب کہ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے کعب! کعبؓ نے عرض کیا: "لَيْسَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ" تو آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کر دو کعب ابن مالکؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے ابن حدردؓ سے فرمایا کہ اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کرو۔ (صحیح بخاری، دیکھئے مشکوٰۃ کتاب البیوع)

یہاں دونوں حضرات کی آوازیں مسجد میں دنیا کے معاملہ میں اس قدر بلند ہو گئیں حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ کے اندران کی ٹرائی کی پوری تفصیل کو سمجھ گئے اس لئے تو کعبؓ سے فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دو لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں آواز بلند کرنے پر نہیں ڈانٹا۔

☆..... تنبیہ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد میں لڑنا یا اونچی آواز سے باتیں کرنا مطلقاً جائز ہے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ مطلقاً باتوں یا بلند آواز سے باتوں کو حرام کہہ دینا صحیح نہیں کیونکہ حرام ایک ایسا حکم شرعی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا ایسا حکم ہونا ضروری ہے جو صراحت کے ساتھ حرام ہونے پر دلالت کرے نیز وہ حکم ایسا ہو جو یقینی طور پر ثابت بھی ہو البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آواز بلند کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ بہر حال یہ بات تو دنیوی باتوں کے متعلق تھی رہا ذکر کا معاملہ تو اس پر حرام کا حکم لگانے میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ مساجد بنی ہی اس لئے ہیں کہ ان میں نماز اور تلاوت و ذکر جیسے امور خیر ہوں۔

☆..... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ: ﴿فَإِنِّي نَبِيْتُ أَذِّنُ اللّٰهَ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكِّرَ فِيْهَا اسْمُهُ﴾ (البقرہ ۳۱) ایسے گھروں میں جنگی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔

☆..... نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ (البقرہ ۱۱۳) اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے منع کرتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور ان کی بربادی میں کوشش

کرتا ہے۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اس وعید سے ذریعہ مسجدوں میں اللہ کا نام مبارک لینے سے نہیں روکے گا الا یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا نام ایسے انداز میں لے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی ہوتی ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے انداز میں کرے جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں یا ذکر تلاوت کرنیوالوں کے ذکر تلاوت میں خلل واقع ہو۔ رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ دنیا کی باتیں بلند آواز سے کرتے تھے نیز وہ وقت بھی ایسا تھا کہ لوگ نماز کیلئے مسجد میں بیٹھے تھے پھر نبی کریم ﷺ کے حجرے کا پاس ہونا بھی ملحوظ تھا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو۔ اور رہی یہ حدیث جس میں علامات قیامت کے بارے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ: ﴿ظَهَرَ بَتِ الْأَصْوَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہو جائیں (المحدث) تو اس میں ذکر کو داخل کرنا قابلِ نظر ہے کیونکہ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں مسجدیں اذانوں سے گونجتی تھیں ان میں ذکر و تلاوت قرآن کی جاتی تھی اور خطبے انہی مساجد میں پڑھے جاتے تھے اور آج تک امت کا یہی معمول چلا آرہا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر اشعار بھی پڑھے جاتے تھے بلکہ شعر پڑھنے والے کیلئے منبر بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی آواز تمام بیٹھنے والوں کو پہنچ سکے۔ یہاں اس کے متعلق بطور نمونہ ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ (رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کیلئے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ اپنے اشعار سناتے اور ان اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اظہارِ فخر کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (کفار و مشرکین کے مخالفانہ اشعار کا) مقابلہ کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ انکے اشعار سے خوش ہو کر) فرماتے تھے کہ: ”اللہ تعالیٰ حضرت جبریلؑ کے ذریعہ حسانؓ کی مدد اور تائید فرماتے ہیں جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقابلہ یا اظہارِ فخر کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب البیہ والشر)۔

بہر حال قیامت کی نشانیوں میں جو آوازیں ظاہر ہوں گی وہ وہی آوازیں ہو سکتی ہیں جو خود دین اسلام کے مخالف ہوں جیسا کہ آجکل مساجد کے لاؤڈ سپیکروں میں سے دنیا کی آوازیں آتی رہتی ہیں اور مساجد میں زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے قائدین اور لیڈروں کے نام بلند کئے جاتے ہیں۔ نیز مسجد کے مناروں سے ایک دوسرے کے خلاف گالیاں دی جاتی ہیں بلاشبہ یہ ایسے امور ہیں جو عصر حاضر کی پیداوار ہیں اور گویا کہ مساجد ہی لڑائی، تفاخر اور اپنی دلی بھڑاس نکالنے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے لیڈروں کے ناموں کو اونچا کرنے کے مراکز اور ذرائع ابلاغ بن سکے ہیں۔

☆..... تنبیہ: میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بلند آواز اور جہر مفرط کے ساتھ ذکر جہر یا العیاذ باللہ آواز سے باتیں کرنا مسجد میں مطلقاً بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا اور اس کے لئے ایسی مجمل بلکہ مبہم روایت سے حرمت ثابت کرنا قطعاً صحیح نہیں خصوصاً نبی کریم ﷺ سے مسجد میں باتوں پر خاموشی ثابت ہے اور آپ ﷺ خود اشعار پڑھوانے کیلئے منبر رکھواتے تھے۔

جہر شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے

یہی وجہ ہے کہ محققین علماء بلند آواز کے ساتھ ذکر یا علم کی مجلس درس و تدریس یا وعظ و نصیحت کو اس وقت ناجائز سمجھتے ہیں جب نمازیوں کی نماز میں خلل یا تشویش پیدا ہو، لیکن اگر خلل واقع نہیں ہوتا تو مسجد میں جہری ذکر و تلاوت درس و تدریس اور علمی مذاکرہ جیسے امور خیر اگر معتدل آواز کے ساتھ ہوں تو یہ بالاتفاق جائز ہیں البتہ علماء کا اختلاف بلا ضرورت جہر شدید میں ہے۔ اس کے متعلق علماء کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

(۱)..... حضرت امام نوویؒ کی تحقیق

حضرت امام نوویؒ شرح مسلم میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وغیرہ کے دن مساجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور یہ کہ جب لوگ نماز کیلئے جمع ہوں اس وقت بھی (علم وغیرہ ذکر و تلاوت کے ساتھ) آواز بلند نہ کی جائے کیونکہ اس کی وجہ سے (مسجد میں) جمع ہونے والوں اور نمازیوں (جو سنت و نوافل ادا کر رہے ہوں) اور ذکر کرنے والوں (یعنی جو لوگ ذکر و فکر اور اپنے اور ادا میں مشغول ہوں انکو) تشویش ہوتی ہے اور انکی نمازوں اور ذکر و تلاوت میں خلل پڑ جاتا ہے واللہ اعلم۔ (شرح منہج، ج ۲ ص ۱۳۶)

(۲)..... الف: فتاویٰ عالمگیریہ کی تحقیق

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: اور چھٹا وہ یہ ہے کہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی آواز بلند نہ کی جائے۔ (فتاویٰ، ص ۳۲)۔  
..... ب: فتاویٰ عالمگیری میں دوسری جگہ میں ہے کہ: کسی قاضی یا داعی کے پاس عظیم جماعت ہو وہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" اور "مُبْحَانِ اللَّهِ" کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اخفاء افضل ہے۔ (ایضاً، ص ۲۱۵)  
..... ج: نیز عالمگیریہ میں فتاویٰ قیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ: ایک امام کا معمول یہ ہو کہ وہ صبح اپنی جماعت (والوں) کے ساتھ مل کر آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کی آخری آیت اور شہد اللہ..... اور اس طرح کی اور آیات جہر پڑھتا ہو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ افضل اخفاء ہی ہے۔

(یضاً، ص ۲۱۵)

یہاں امام کے معمول کو بتایا جا رہا ہے کہ امام مسجد میں جب صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنی جماعت کے ساتھ بلند آواز میں تسبیح تہلیل کر سکتا ہے صبح کی نماز کی قید غالباً اس لئے لگائی کہ اس وقت بعض علماء کا یہ معمول ہو گا کہ وہ نماز کے بعد بل کر بلند آواز کے ساتھ ذکر و تلاوت کرتے ہوں گے یا اس لئے لگائی کہ صبح کی نماز کے بعد چونکہ سنت و نفل نمازیں نہیں ہوتیں لہذا کسی کی نماز وغیرہ میں خلل نہیں پڑتا نیز صبح کا وقت نیند کا وقت ہوتا ہے چپکے چپکے اور خفی ذکر میں نیند آنے لگتی ہے اس لئے اس وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کا معمول رکھا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال اتنی بات ان عبارتوں سے معلوم ہو گئی کہ مسجد میں بلند آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر فتاویٰ عالمگیریہ کی رو سے جائز ہے۔

(۳)..... علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ کی تحقیق

علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ فتاویٰ بزاز یہ میں لکھتے ہیں کہ: فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک قوم کے متعلق سنا کہ وہ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور بلند آواز کے ساتھ کلمہ اور درود شریف پڑھتے ہیں تو وہ ان کے پاس

گئے اور ان سے فرمایا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا اور میں تمہیں بدعتی لوگ خیال کرتا ہوں انہوں نے یہی کہا حتیٰ کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا (اس کے بعد علامہ کروریؒ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اگر تم یہ کہو کہ فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے نہ روکا جائے تاکہ روکنے والا ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ (البقرہ: ۱۱۴) اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے نام سے روکے کی وعید میں نہ آجائے اور حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا تو تمہارے قول کے مخالف ہے۔ تو میں جواب میں کہتا ہوں: کہ حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا اگر ثابت ہے (یاد رہے یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لئے علامہؒ نے یوں فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہے تو.....) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس جہر (کی صفت) کو عبادت سمجھ لیا تھا (یعنی یہ کہ صرف ذکر جہری ہی عبادت ہے) یہ بات تھی اور حضرت ابن مسعودؓ لوگوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ یہ (اعتقاد) بدعت ہے اور یہ ممکن ہے کہ جائز کام کسی خارجی سبب سے ناجائز ہو جائے جس طرح ناجائز کام کسی خارجی سبب سے جائز ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز کیلئے افضل امور کو ترک کرنا، اور سورۃ اعراف میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اپنی حاجتیں اسی سے منگا کرو، تضرع کے معنی عاجزی اور "خیفہ" کا مطلب ہے کہ اس میں ریاء کا دخل نہ ہو، ﴿يَلْبِثُ الْمُتَعَبِدِينَ﴾ میں معتدین سے مراد مشرکین ہے، اور وہ حدیث جو صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز بکیر کہنے والوں سے فرمایا اپنے ساتھ نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو مسیح دقرب کو پکارتے ہو (الحديث) (تو یہاں منع کرنے کی وجہ) یہ ہوگی کہ یہاں جہر میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ یہ معاملہ کسی غزوہ اور جنگ کے موقع میں پیش آیا تھا اور ایسی حالت میں جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے اور جنگ کے ایک دھوکہ (دشمن کو دھوکہ دہی سے لڑی جاتی ہے) ہے۔ اسی وجہ سے غزوات میں گھنٹی سے منع کیا گیا ہے (یعنی ایسے مواقع میں جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ڈالنا بھی منع کیا گیا ہے) بہر حال ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جس طرح اذان، خطبہ اور حج میں ہوتا ہے اور تکبیرات تشریق جہر اپڑھنے میں عدد کا جو اختلاف ہے وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو جہر اپڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے اصل فعل پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتیں ایک سلام سے اولیٰ ہیں یا دو سلاموں سے اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ سنتیں دو سلاموں سے پڑھی جائیں تو وہ بدعت یا حرام ہیں (فتاویٰ بزاز علی حاشیہ عالمگیر ج ۶ ص ۳۷۴ تا ۳۷۸)۔

خلاصہ عبارت

الف: علامہ کروریؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کا جواب دیا کہ شاید وہ ذکر کی عبادت کو جہری میں منحصر سمجھتے تھے۔

ب: اور حدیث "اربعو" کا جواب دیا کہ وہاں جہر مصلحت کے خلاف تھا۔

ج: اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ کا جواب دیا کہ خیفہ کا مطلب بے ریاء عبادت ہے

د: اسی طرح جوابات دیکر ذکر بالجہر کو صرف اس وقت منع کیا کہ کوئی اس کو یعنی ذکر اور تلاوت کو جہری میں منحصر سمجھے اور جہری کو



عبادت خیال کرے

☆.....ھ: نیز ایسی حالت میں بھی ذکر جہر سے روکا جائیگا جبکہ ذکر جہر مصلحت کے خلاف ہو مثلاً جنگ کے موقع پر یا یہ کہ جہر سے کسی کی نماز وغیرہ میں خلل آجاتا ہو۔

(۴)..... اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے

اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے اور علامہ کر درنیؒ کی عبارت کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ: اور اس مسئلہ کو (علامہ خیر الدین رملیؒ نے بھی) فتاویٰ خیر یہ میں تحریر کیا ہے (فتاویٰ خیر یہ میں ہے کہ: جہری ذکر کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ افضل ہے) اور فتاویٰ قاضی خان میں جس ذکر جہر کو حرام کہا گیا ہے۔ اس کو (انہوں نے) جہر مضر پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں ذکر جہر کی ترغیب ہے اور ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں سہی ذکر کی ترغیب ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سہی اختلاف اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے لہذا جب ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند میں خلل پڑ جانے کا خوف ہو تو سہی افضل ہے اور جب یہ خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے۔ کیونکہ اس جہر کا فائدہ سامعین (سننے والوں کو) پہنچتا ہے اور یہ (جہری ذکر) ذکر کے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس طریقہ سے وہ اپنی دل جمعی سے فکر کرے گا اپنا کان اس کی طرف لگا دے گا اور نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط اور سرور پیدا کرتا ہے۔ (رد المحتار: ج ۵، ص ۲۵۵) نیز دیکھئے فتاویٰ خیر یہ علیٰ حدیث متفق الخالد یہ: ج ۲، ص ۲۸۱

خلاصہ عبارت:

☆... الف: علامہ خیر الدین رملیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی نقل کردہ اس عبارت سے بالکل یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی شرائط کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات و اشخاص کے اعتبار سے افضل ہے۔

☆... ب: نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف بھی تیز جہر اور زیادہ بلند آواز میں ہے یا بالفاظ دیگر جہر کامل میں ہے کہ جہر کامل ضرر کا سبب نہ بن جائے تو بعض محققین علماء کے نزدیک یہ جائز ہے جیسا کہ مذکور بالا عبارت سے بھی واضح ہے کہ اس کا فائدہ سامعین کو پہنچتا ہے اور ذکر جہری دل بیدار کرتا ہے اور اس سے فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیطانی وساوس اور افکار کو زیادہ تیز جہری دور کر سکتا ہے نہ کہ معمولی یا معتدل جہر۔

البتہ بعض محققین علماء جہر مفرط اور جہر شدید کے قائل نہیں، وہ فرماتے ہیں جب حاجت نہ ہو یعنی کوئی مصلحت (مثلاً اذان، تلبیہ، یا وساوس کو دور کرنے اور سوچ کو مجتمع کرنے یا اس طرح کی کوئی اور مصلحت پیش نظر نہ ہو) تیز جہر میں نہ ہو تو بلا ضرورت جہر شدید صحیح نہیں۔

☆..... تنبیہ:

میری مراد جہر شدید سے وہ جہر ہے کہ جو مضر نہ ہو یعنی وہ کسی کو ضرر نہ دے اور حدود شرعیہ کے اندر ہو چنانچہ اگر جہر شدید مضر بن جائے تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۵)۔ .... امام ابن حجر کی شافعی کے نزدیک مجالس ذکر اور ذکر جہری

امام ابن حجر کی شافعی صوفیاء کرام کے اوراد و اذکار اور مجالس ذکر کے متعلق کچھ دلائل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ صوفیاء کا جو نماز فجر وغیرہ کے بعد جمع ہو کر ذکر و اوراد (جہر کے ساتھ) کرنے کا معمول ہے اس کی اصل سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے لہذا ان کے اس طرح ذکر کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر اگر وہاں ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً نماز پڑھنے یا سونے والے (کی نماز اور نیند میں خلل آجاتا ہے) تو پھر ان کیلئے مستحب یہی ہے کہ آہستہ ذکر کریں۔  
(دیکھئے مفصل و مدلل حوالہ فی حدیث ج ۱۵: ۱۵)

(۶)۔ .... علامہ ابن حجر اللمستانی شافعی کی رائے میں مساجد میں ذکر جہری کی مجالس

فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ: مسجدوں میں ذکر کے حلقوں اور جہری ذکر کا صوفیاء کرام کے ہاں معمول ہے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا کہ کیا اس میں کوئی کراہت ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے اپنے اس جواب کو خوب مدلل کیا ہے۔  
(دیکھئے الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر اللمستانی الشافعی)

(۷)۔ .... (الف) محقق علامہ آلوسی حنفی کے نزدیک ذکر جہری

محقق (اذْعُوا رَنُكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً) کے تحت بحث کر کے آخر میں فرماتے ہیں: اور دوسرے علماء نے تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ چپکے (ذکر و دعا کرنا) اس حالت میں افضل ہے جبکہ ریاء کا خوف ہو اور اظہار (یعنی جہری ذکر) اس وقت افضل ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور اس سے اولیٰ اور بہتر قول یہ ہے کہ (یوں کہا جائے کہ) اخفاء جہر پر اس وقت مقدم ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے نمازی، سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا شرعی علم میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہے۔

اور جہر اخفاء پر اس وقت مقدم ہوگا جبکہ وہ ان سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے شخص کی وحشت اور گھبراہٹ کو یا کسی اونگھنے والے کی اونگھ کو دور کرنا مقصود ہو یا دعا کرنے والے کو اپنے نفس سے سستی دور کرنا مقصود ہو، یا کسی مومن کے دل کو مسرور اور خوشی پہنچانے یا کسی بدعتی کو اس کی بدعت سے باز رکھنا یا اس جیسی کوئی اور وجہ موجود ہو (تو پھر جہر اخفاء پر مقدم ہے)۔ (روح المعانی ج ۸، ص ۱۴۰)

(ب) نیز حضرت علامہ آلوسی، علامہ نووی کے حوالہ سے دوسرے مذاہب کو بھی اس سلسلے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اور جس پر امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو امام شافعی کے مذہب میں جہری ذکر نہ صرف جائز و مستحسن ہے بلکہ چپکے چپکے ذکر سے افضل ہے اور یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں امام مالک کی بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے (کہ ان کے نزدیک بھی سری سے جہری افضل ہے) اور قاضی خان نے بھی اپنے فتاویٰ کے مسائل قرأت کے بیان میں یہی قول اختیار کیا ہے اور انہوں نے جو باب غسل میت میں یہ کہا ہے کہ ذکر جہر مکروہ ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ قول صرف جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے کے متعلق ہے جیسا کہ شافعیہ کا مسلک ہے اور انہوں نے مطلقاً جہری ذکر سے منع نہیں کیا ہے۔ (روح المعانی ج ۱۶، ص ۱۶۲)

حضرت علامہ آلوسی نے اس کے بعد ذکر جہر پر آخر تک بہت مفصل بحث کی ہے اور امور جہر کو بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جہر و اخفاء

میں سے کوئی صورت افضل ہے، جہر یا اخفاء، اس میں علماء کا اختلاف بھی اور اشارۃ اپنے رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ان کے نزدیک اگر جہری دعا میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر جہر دعا کے بجائے اخفی دعا افضل ہے۔

(۸)..... علامہ سید احمد طحاوی حنفی کے نزدیک ذکر جہری کی مجالس

علامہ سید احمد طحاوی حنفی لکھتے ہیں کہ: امام شعرانی نے (اپنی کتاب) ”ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور“ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں بغیر کسی نکیر کے جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے، مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی اور تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو (تو پھر جہر درست نہیں ہے)، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (محطوی علی المرتبی اشراج ص ۳۷۱، افضل ص ۱۰۷، لادکار)

تقریباً اسی طرح کی عبارت علامہ ابن عابدین شامی نے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھئے رد المحتار: ج ۱، ص ۴۴۴، مطلب فی رفع الصوت بالذکر)

☆..... تنبیہ: یاد رہے کہ علامہ شعرانی جو اجماع قول نقل کرتے ہیں وہ جہر مفطر اور جہر شدید کے متعلق نہیں بلکہ یہ جہر معتدل اور اس جہر کے متعلق ہے جو کہ جہر شدید (جیسا کہ اذان وغیرہ میں ہوتا ہے) اس سے کم ہو ورنہ جہر مفطر میں تو اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پہلے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۹)..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہر

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو کہ مسلک دیوبند کے اکابرین میں سے ہیں بلکہ دیوبند کے مسلک کی بنیاد انہی کو سمجھا جاتا ہے وہ اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: امام صاحبؒ نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے وہاں جہر ثابت نہیں جیسا کہ عید الفطر کی نماز کو جاتے ہیں مطلقاً ذکر جہر کو منع نہیں فرمایا، ذکر ہر طرح درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۵۹۵)

(۱۰)..... اکابر علماء دیوبند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس

صوفیاء کرام جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں کو دتے چلاتے اور ”ھو حق“ کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے جواب دیا:

جواب: بعض علماء نے مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ہو کر وہ لکھا ہے لہذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر جہر یا بکاء اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۵۹۵)۔

سوال میں جو صورت لکھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے کہ کو دتے ہیں چلاتے ہیں جس کے تماشے میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور شور و غل ہو جاتا ہے اور جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے ”رفع الصوت“ یعنی بلند آواز کے متعلق فرمایا کہ یہ بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے یعنی ”چلانا“ جو کہ جہر مفطر ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد میں مکروہ ہے یا بلا کراہت جائز ہے تو حضرت نے مذکورہ صورت جبکہ اس میں چلانے کے ساتھ کو دنا وغیرہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ جبکہ ”رفع الصوت“ یعنی بلند آواز میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد

میں ہونی چاہئے یا کہ نہیں تو جب اسی کے ساتھ دوسری برائیاں بھی شامل ہو جائیں۔ تو اس کے غیر مستحسن یا ناجائز ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اور اس فتوے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا اختلاف اس جہر شدید و جہر مفطرط میں ہے جو کہ بلا ضرورت ہو ورنہ حضرت گنگوہیؒ یوں کہتے کہ چلانا تو جہر مفطرط ہے یہ تو بالاتفاق مکروہ ہے اور پھر مسجد میں مکروہ پر مکروہ ہے اور جب اس کے ساتھ کوونا وغیرہ بھی شامل ہو جائے پھر تو بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ لیکن ان کے فتویٰ کو خوب غور سے پڑھیں تو اس میں کوئی ایسا لفظ آپ کو نظر نہیں آئے گا بلکہ یہاں چلانے کو جبکہ اس میں کوونا بھی شامل ہو جائے غیر مستحسن امر قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

☆..... بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے

بعض لوگ جب بھی بعض صوفیاء کے متعلق ایسے فتویٰ کو دیکھتے ہیں کہ ان کی نازیبا حرکت پر کسی عالم یا فقیہ نے تنقید فرمائی ہے تو وہ جب کسی سے سنتے ہیں کہ فلاں جگہ مسجد یا خانقاہ میں لوگ آکر جہر ذکر کرتے ہیں تو وہ ان پر فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے خلاف جھوٹ اور بہتان باندھ کر یوں کہتے ہیں کہ وہ کو دتے ہیں، چھلانگیں لگاتے ہیں ایک دوسرے کے گریبانوں اور اپنے گریبانوں کو پھاڑتے ہیں وغیرہ تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی سزا سے ڈرنا چاہئے کہ بن دیکھے سنی سنائی باتوں پر کسی کے متعلق ایسی رائے قائم کرتے ہیں اور پھر لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات اور پروپیگنڈہ خالص جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے، اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برسی ہے اور جو لوگ بغیر کسی تحقیق کے کسی کی بات دوسروں میں پھیلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ پھیلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں برابر کے شریک ہیں۔

☆..... چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا.....﴾ (الایۃ ۶۰) (النحرۃ ۶۰) ”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔“

☆..... نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ”كُفْسِي بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَسْمُوعٍ“ آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو (بلا تحقیق کے) بیان کرتا ہے۔

(۱۲)..... مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دیوبندیؒ:

مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز میں یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور و شغب اور افعال مکروہہ پر مشتمل نہ ہو (کفایت المفتی ج ۳ ص ۶۵)

زیادہ شور و شغب سے مراد یہی مفطرط ذکر اور چلانا ہے اس سے زیادہ کی قید لگائی یعنی ذکر میں آواز تو ہوتی ہے جس سے گونج بھی پیدا ہوتی ہے لیکن زیادہ چیخ چیخ کر ذکر نہیں کرن چاہئے اور افعال مکروہہ وہی کوونا اور چھلانگیں لگانا وغیرہ ہیں۔

(۱۳) خیر المدارس کے دارالافتاء:

خیر مدارس کے دارالافتاء سے کسی سائل نے چند سوالات کئے کہ: بلند آواز سے ذکر کیسا ہے اور جہر کتنا اونچا ہونا چاہئے، لائٹ بند کر کے حلقہ باندھ کر ذکر جائز ہے یا کہ نہیں؟ سلسلہ اربعہ کے اذکار کے متعلق پوچھا کہ جائز ہیں کہ نہیں، تو ان سوالات کا جواب سائل کو یوں ملا ہے۔

جواب ۱-۲: ذکر جہر ہر طور پر جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہیں کرنا چاہئے، ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق اولہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجمع میں حلقہ باندھ کر یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے اس کے بعد مفتی صاحب نے چند حدیثیں وغیرہ پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں کہ البتہ اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو اور جہر نہایت مفراط نہ ہو۔

اس کے بعد مفتی صاحب ادنیٰ جہر اور اعلیٰ جہر کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ: ”وَأَذْنَى الْجَهْرِ اسْتِمَاعٌ غَيْرُهُ مِنْ لَيْسَ بِفَرْجٍ“ ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں۔ (کن فی الشریعہ جلد ۱: ۵۹۹) ”وَأَعْلَاهُ لَا حَدَّ لَهُ فَافْهَمْ“ لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں (شامی ج ۱: ۳۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصنیٰ و نائم کو تشویش نہ ہو کما صرح به الفقهاء۔ (۳)..... سلاسل اربعہ حق ہیں۔

(۴)..... جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر تکبر نہ کی جائے اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو (ذکر کی کسی صفت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھے جیسا کہ اس کی وضاحت بار بار بندہ نے کی ہے) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ۔ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۷-۰۳-۲۳ھ۔ اس فتویٰ کے اوپر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری جو کہ اکابر دیوبند میں سے ایک عظیم شخصیت گذری ہیں کی تصدیق موجود ہے۔ (خیر الفتاویٰ، جلد ۱: ۳۲۹)۔

### جہر کی حد کیا ہے؟

نیز یہاں یہ بات یاد رہے کہ ادنیٰ جہر کے معنی میں بہت اختلاف ہے کہ کم از کم جہر کی حد کیا ہے، فقہائے کرام اس کیلئے جو حد متعین فرماتے ہیں یہ اسلئے نہیں کہ گویا وہ اس سے زیادہ جہر کے قائل نہیں بلکہ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر جہری اور سری نمازوں کا اور طلاق عتاق اور سجدہ تلاوت وغیرہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جہری نماز میں اگر کسی نے جہر کیا تو ادنیٰ جہر کی مقدار کیا ہے جس سے نماز صحیح ہو جائے اور خفی ذکر و تلاوت کی حد کیا ہے کہ اس سے سری نمازوں میں قراءت صحیح ہو جائے۔ غرض وہ جہر اور خفی کی حد جو متعین کرتے ہیں وہ اس لئے کہ واجب جہر جو نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے وہ کونسا جہر ہے تو اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں اس مسئلہ پر علامہ ابن عابدینؒ نے تحقیق کی ہے۔ اور فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے اور بعض کے متعلق فرمایا کہ ان سے اس تعریف میں سبو ہو گیا اور بالآخر وہ جس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اسکے متعلق لکھتے ہیں: پس اس بحث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اخفاء کی ادنیٰ حد (جس حد کے ساتھ سری نماز جیسے ظہر کی نماز صحیح ہوتی ہے وہ) یہ ہے کہ (نمازی) خود اپنے نفس یا پاس والوں میں سے ایک یا دو کو سنا سکے۔ (یعنی اس سے سری نماز میں فرق نہیں آئے گا) اور اخفاء کی اعلیٰ حد (یعنی جس کے بعد سری نماز بھی صحیح نہیں ہو سکتی وہ) یہ ہے کہ صرف حروف کی صحیح کریں (یعنی اگر کسی نے صرف دل ہی دل میں قرائت کی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی) اور ادنیٰ جہر (جس کے بغیر جہری نماز جیسا کہ مغرب کی نماز صحیح نہیں ہوتی وہ یہ کہ) جو خود کو بھی اور پاس والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سنا سکے جیسا کہ صف اول کے لوگ اور اعلیٰ جہر کی کوئی حد نہیں۔ (شامی ج ۱: ۳۵۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں کم از کم اتنا جہر تو ضروری ہے کہ قریب والوں کے علاوہ صف اول کے لوگ بھی سن سکیں۔ اس

کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تمام صف اول والے اگرچہ صف ایک میل ہو تو پھر بھی جب تک وہ اس تمام صف والوں کو نہ سناے تو ادنیٰ جہر نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صف اول کے آس پاس کچھ لوگ سن لیں۔

علامہ ابن عابدینؒ اس پر بحث کر کے مسئلہ کو یوں بتلاتے ہیں کہ جہری نمازوں میں ادنیٰ جہر جو کہ ضروری اور واجب ہے اور جو کہ سری نمازوں میں نہیں ہونا چاہئے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پاس والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں اور جو اس حد تک نہ پہنچا ہو بلکہ اگر صرف بالکل پاس والے ایک دو آدمی بھی سن لیں تو وہ اخفاء میں داخل ہے جس سے جہری نمازیں مثلاً مغرب، عشاء وغیرہ صحیح نہیں ہو سکتی تو جہر اور سری کی یہ جو تعریف علماء کرام کرتے ہیں اس کا تعلق نمازوں کے صحیح ہونے کے ساتھ ہے نہ کہ اس ذکر جہری کے ساتھ (جس پر نماز کی صحت اور عدم صحت کا مدار نہیں ہے) اس لئے علامہ ابن عابدینؒ ذکر جہری کے ساتھ وہ اعلیٰ اور ادنیٰ قرأت کی کوئی حد مقرر نہیں فرماتے کیونکہ کسی کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور کسی کی پست اس لئے حضرت مفتی صاحب نے بھی جواب میں جو فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اپنے نشاط پر موقوف ہے کہ جس قدر اونچی آواز سے نشاط اور سرور حاصل ہوتا ہے اتنا کریں اور ضرورت سے زیادہ نہ کریں۔

☆..... ب: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ: طریقہ شاذلیہ میں ذکر جلی با افراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ نے جہر (یعنی شدید اور بلند آواز جیسا کہ سوال اور طریقہ شاذلیہ اور کھڑے ہو کر تینوں باتوں سے اچھی طرح واضح ہے) کے جواز اور عدم جواز دونوں طرف کے دلائل کو ذکر کر کے جس نتیجے پر وہ خود پہنچے ہیں لکھتے ہیں یہ: پس بعد ثبوت مشرعیّت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق اولہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵۱ تا ۱۵۳)

☆..... ج: خیر الفتاویٰ میں حضرت مفتی عبدالنار صاحب زید مجدہم کا ایک فتویٰ موجود ہے وہ یہ کہ جب مستفتی نے مساجد میں اجتماعی اور انفرادی طور پر معتدل جہر کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے یوں جواب دیا:

(الجواب) قرآن حکیم اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے مجالس ذکر کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن و سنت اور حدیث کے کچھ دلائل لکھ دئے اور دلائل ممانعت کے مدلل جواب دیدئے اور اس مضمون میں انہوں نے فقہاء اور علماء کے اقوال بھی نقل کر کے آخر میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے فتویٰ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ: بعد ثبوت مشرعیّت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق اولہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵۳)

ہاں حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اس کی فضیلت میں اختلاف ہو سکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں شرط یہ ہے کہ بطور ریاء نہ ہو کسی ناظم یا مصلیٰ کو اذیت نہ ہو بلا تجویز شیخ کے جہر مفرط نہ ہو پھر اس جہر مفرط اور اس کی ہیئات خاصہ کو قربت (یعنی ذکر تو کار ثواب ہے لیکن جہر مفرط کی

صورت اور اس کی بیانات مثلاً کھڑے ہونا یا بیٹھنا یا حلقہ باندھنا یا سر ہلانا وغیرہ کو بالذات عبادت نہ سمجھئے بلکہ ذریعہ (مقصود نہ سمجھئے تارک پر نکیر نہ ہو۔ (خیر الفتاویٰ: ۴۲، ۵۳)۔

اس فتویٰ پر مفتی محمد اسحاق صاحب، حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد انور صاحب تینوں نے الجواب صحیح لکھا ہے۔ اس جواب میں غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے اور جو حضرات شدید جہر یعنی زیادہ تیز آواز کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ بھی صرف اس وقت جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اور وہ جہر شدید یعنی جس سے لوگوں کو یعنی نمازیوں وغیرہ کو تکلیف پہنچے وہ تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ (۱۴)..... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

”ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: پس ذکر جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو اور اگر قصد ریاء نہ ہو محض وسوسہ ریاء کا ہو تو وہ ریاء نہیں ہے اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے خلاصہ یہ کہ ذکر جہر کیلئے حد یہ ہے کہ جس سے اپنے کو ایذا ہو نہ دوسروں کو ایذا ہو اور اگر کسی نے ذکر جہر کو حد کے اندر شروع کیا پھر بے اختیار رک بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز من الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں ”فَإِنَّ الْأُمُورَ الْغَيْرَ الْاِخْتِيَارِيَّةَ خَارِجَةٌ عَنِ التَّكْلِيفِ كَمَا لَا يَخْفَى“ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۳۲۱)۔

اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے جہر میں افراط آئے اور حد سے تجاوز کر جائے پھر بھی مضائقہ نہیں۔

(۱۵)..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ

مسک دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ: ذکر باخفاء افضل ہے یا جہر اور حالت ذکر میں بعض مرتبہ وجد میں آکر زانوں پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، کودنا، چلانا وغیرہ امور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر الہی خواہ بالاخفاء یا بالجہر ہو عبادت ہے اور اگر چہ ذکر خفی بوجہ مظنہ جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکر جہر خالی از ریاء و دیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ سے خالی ہو تو بوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہوتا ہے، اس کے بعد دلیل میں حضرت سہارنپوریؒ نے شامی سے ایک حوالہ نقل کیا، اور اس کے بعد فرماتے ہیں: اور بحالت ذکر اگر چہ وجد (یعنی شور و غل وغیرہ) ریاء سمعہ کے طور پر ہو تو مذموم اور حرام ہے اور بلا اختیار بلا ریاء اور بلا سمعہ کے ہو (تو) مضائقہ نہیں، اس کے بعد دلیل میں حضرت نے علامہ ابن عابدینؒ کا ایک دوسرا حوالہ پیش کیا اور حضرت سہارنپوریؒ کے فتویٰ پر حضرت مفتی عنایت الہی، حضرت مفتی سحبی گنگوہیؒ، حضرت مفتی نور محسن اور حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے ”الجواب صحیح“ لکھا ہے۔ (فتاویٰ خلیہ ص ۳۲۷-۳۲۸)۔

مذکورہ بالا فتویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے باقی وجد اور شور و غل اگر ریاء کاری اور شہرت کی وجہ سے ہو تو پھر تو حرام ہے اگر بلا اختیار، بلا ریاء کاری، و سمعہ کے ہو تو مضائقہ نہیں کے الفاظ کس قدر محتاط ہیں اور آج کل کے غیر محتاط فتاویٰ ملاحظہ کیجئے، اس کو خوف

خدا کہتے ہیں کیونکہ ریاکاری اور شہرت پسندی کیلئے کوئی کام کرنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں اور وہ تو یقینی حرام ہے لیکن یہ بات تو معلوم ہے کہ ریاکاری اور شہرت پسندی کا تعلق دل اور نیت سے ہے اس لئے حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ اگر ریا کی وجہ سے کرتا ہے تو حرام کرتا ہے اور اگر بلا اختیار یعنی بغیر ریا اور شہرت پسندی کے کرتا ہے تو مضائقہ نہیں اور آج کل بے احتیاطی یہ ہے کہ جہاں ذکر جہر دیکھا تو اس کی نیت پر حملہ کر کے اور بغیر کسی قید و بند کے اس کے فعل کو حرام کہنے لگتے ہیں۔

(۱۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

اس مسئلہ پر تحقیق کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ: جس کسی نے ذکر جہر کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات (جہر مفرط عرفی امر ہے اس کا کوئی بیانا مقرر نہیں کیا جاسکتا عرف میں جس کو جہر مفرط سمجھا جائے وہ مفرط ہے اور جس کو متوسط سمجھا جائے وہ متوسط ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کیلئے اس کا شیخ جس قدر جہر کو تجویز کرے اتنا جہر کرنا چاہئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے البتہ کسی وقت غیر اختیاری ہو جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔) کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے۔ مطلق جہر بالذکر بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں جبکہ روایات صحیح میں اس کا جواز و استحسان ثابت ہے آگے چل کر حضرت مفتی صاحب "افضل اور غیر افضل اور جہر مفرط کے متعلق فرماتے ہیں کہ: رہا افضل اور غیر افضل کا سوال سو وہ احوال و اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کیلئے جہر افضل ہے اور کسی کیلئے سزا افضل اور کسی وقت جہر کسی وقت سزا افضل ہے تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہیے کسی شیخ کامل سے کرنا چاہئے۔ بہر حال یہ امر قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز، تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر انکی اجازت کے نہ آئے۔ (الہدیین ص ۲۳۹-۲۴۰)۔ حضرت مولانا مفتی محمد رالدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ: عصر حاضر کے جید علماء اور مفتیان کرام سے میرے چچا زاد بھائی صاحب زادہ زاہد زمان، کر بونہ شریف والے نے شرائط کے ساتھ ذکر جہری کے متعلق سوال پوچھا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور مفتیان کرام نے جو جوابات دئے ہیں ان کے چند اقتباسات بھی ذیل میں درج ہیں۔

### استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے کہ ایک شخص لاؤڈ اسپیکر پر یہ کہتا ہے کہ ذکر جہر بدعت اور حرام ہے اور ذکر جہر کرنے والا بدعتی ہے، اور دوسرا شخص اس کے جواب میں کہتا ہے کہ مطلق ذکر جہر بدعت اور حرام نہیں بلکہ بہت سے محققین جن میں علماء دیوبند بھی شامل ہیں وہ سب ذکر جہر کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) ریا کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(۳) چیخ و پکار کیے بغیر متوسط جہر کے ساتھ ذکر ہو۔

اب سوال یہ کہ کیا واقعی بہت سے محققین جن میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا رشید احمد



گنگوہیؒ، حضرت، مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں ان کے نزدیک ذکر جہر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے؟ نیز آپ کے نزدیک ذکر جہری مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے یا حرام؟ اور ذکر جہر کر نیوالا یا اس کو جائز قرار دینے والا بدعتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کو بدعتی کہنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟ بیوقوف تو جروا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ المستفتی زاہد زمان۔

(۱).... دارالعلوم کراچی کا جواب:

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ نے اس سلسلے میں جو جواب دیا وہ یہ ہے۔

”مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر بالجہر بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور ان شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کرنے والے کو بدعتی قرار دینے والا خود غلطی پر ہے اور راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے“..... واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد اسحاق ساقی، مفادہ عنہ، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، ۱۴۱۶ھ)

(۲).... دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ:

مذکورہ سوال کے جواب میں اکوڑہ خٹک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ سے دو جواب آئے ایک جواب حضرت اقدس مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کا اور دوسرے مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم کا ہے دونوں کا جواب پڑھ لیجئے۔ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کا جواب: ”ذکر جہر جب ایذا سے خالی ہو تو علامہ شامیؒ نے امام عبدالواہاب شمرانیؒ سے روایت ہے کہ یہ مستحب۔“ (محمد فرید غنی عنہ)

مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم کا جواب: ”ذکر بالجہر جب کسی کیلئے یعنی نام، مریض اور مصلیٰ وغیرہ کیلئے مضر نہ ہو تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے..... لہذا ذکر بالجہر غیر مضر کو حرام اور بدعت کہنے والا غلطی پر ہے“ (سوال مفتی سیف اللہ حقانی، مفتی دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک۔)

(۳).... جامعہ خیر المدارس کا فتویٰ:

پاکستان کے قدیم اور مشہور مدرسہ جامعہ خیر المدارس سے اس کا جواب یوں دیا گیا: ”عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے، البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہئے۔“ (فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق مفتی، جامعہ خیر المدارس، ۲/۵/۱۴۱۶ھ)

اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کی تصدیق موجود ہے۔

(۴).... دارالعلوم فیصل آباد کا جواب:

حضرت اقدس مولانا مفتی زین العابدین دامت برکاتہم کے مدرسہ دارالعلوم فیصل آباد کا اس سلسلہ میں یہ جواب آیا: ”عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ اگر ذکر ان مذکورہ شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جائے تو جائز ہے تمام علماء کے نزدیک۔ (جو شرائط سوال میں درج ہیں) اگر ان شرائط سے ہٹ کر ہو تو پھر بدعت ہے“ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (منظر اقبال، دارالافتاء، دارالعلوم فیصل آباد، ۳۰ ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵/۵/۳۰۔)

(۵) مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب:

مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کے مہتمم اور دارالعلوم فیصل آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم نے اس کا جواب یوں دیا ہے: ”مذکورہ شرائط کیساتھ ذکر جبری ہونے پر بلکہ مسجد میں اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے پر علامہ شعرائی نے اجماع نقل فرمایا ہے..... تو اسے بدعت کہنے والا فاسق ہے نیز اکابر علمائے دیوبند (جن کا ذکر استفتاء میں کیا گیا ہے) کے مسلک سے منحرف ہے۔ فقط واللہ اعلم، (جاوید حسین عفا اللہ عنہ، (استاذ الحدیث) دارالعلوم فیصل آباد)

(۶) جامعہ امداد العلوم پشاور:

جامعہ امداد العلوم پشاور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف الرحمن بنوی صاحب نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ: ذکر جبر غیر مفرط مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے بالخصوص جبکہ متوسلین کی مشق اور تمرین کیلئے ہو، حوالہ جات مشہور معروف ہیں، الطاف الرحمن، امداد العلوم پشاور۔

(۷) صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت:

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد امین اور کزئی صاحب دامت برکاتہم، جامعہ یوسفیہ شاہودام والے، ان کا جواب مندرجہ ذیل ہے: مندرجہ بالا تفصیل و شروط کے ساتھ ذکر باجماع کو حرام یا بدعت کہہ دینے والا جاہل ہے یا مفسد و زانی، حضرت امام ابو حنیفہؒ و دیگر اہل علم نے ایسے ذکر جبر کو مکروہ و بدعت قرار دیا ہو جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو یعنی کسی موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن جبر منقول نہ ہو ایسے موقع پر باعتقاد قربت جبر کو مکروہ فرمایا جبکہ صاحبین اور دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک یہ جبر بھی بلا کراہت جائز ہے اور مفتی بہ حنفیہ کے نزدیک یہی قول ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاہودام)

حضرت شیخ الحدیث اور کزئی صاحب دامت برکاتہم نے اس سلسلہ میں ایک اور جواب بھی دیا ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ بہر حال جو شخص ذکر جبری کو مطلقاً بدعت قرار دیتا ہے اور وہ بھی لاوڈ سپیکر پر یقیناً خود مبتدع اور مفسد ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

(محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاہودام، یکم ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ)

اس باب کے آخر میں مناسب یہ ہے کہ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اپنا عمل بھی پیش کیا جائے جو دعا کے بارے میں آپؒ سے منقول ہے۔

(۸) حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد میں جبری دعا:

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد کے مؤذن کا بیان ہے کہ: جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل گئے تو امام صاحبؒ نے نماز شروع کی۔ پھر میں واپس آیا تو فجر طلوع ہونے کے قریب تھی میں نے دیکھا کہ آپؒ گھرے ہوئے اپنی دائی کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں: ”يَا مَنْ يَجْزِي بِمَشْقَالِ ذَرَّةٍ خَيْرٍ خَيْرًا وَيَا مَنْ يَجْزِي بِمَشْقَالِ ذَرَّةٍ شَرًّا شَرًّا أَجْرُ التُّعْمَانِ عَبْدَكَ مِنَ النَّارِ وَمَا يَقْرُبُ مِنْهَا وَإِذَا خَلَتْ سَاعَةُ رَحْمَتِكَ“ اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کے بدلے خیر دیتا ہے اور ذرہ برابر شر کے بدلے شر (اور سزا) دیتا ہے۔ اپنے بندے

نعمان کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب فرما اور جو عمل اس آگ کو قریب کر نیوالا (اور پہنچانے والا) ہے اس (قول و فعل) سے بھی بچا اور اسے اپنی وسیع رحمت میں داخل فرما۔ (فتاویٰ ابن ہنبل ۲۲۵)

نیز قاضی صمیریؒ نے بکرؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک رات ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے رو کر دعا مانگ رہے ہیں کہ: ”رَبِّ ارْحَنِي يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَفِيَّ غَدَابَكَ وَاعْفِرْ لِي ذُنُوبِي يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهُادُ“ اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما اس دن جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ اور مجھے اپنے عذاب سے بچا اور میری خطاؤں کو معاف فرما اس دن جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے۔ (فتاویٰ ابن ہنبل ۲۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں جہری دعا اور ذکر جائز ہے۔ اور آپؒ کی یہ دعا جہری ہی تھی کیونکہ مؤذن اور قاضی صمیریؒ نے ان کی دعا کو سن بھی لیا تھا اور یاد بھی کیا تھا۔

### خلاصہ

مذکورہ بالا عبارتوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہوئی نیز یہ کہ جب جہر معتدل ہو اس کے جواز پر اور جہر مفراط (یعنی جس جہر سے خود کو نقصان ہو یا نمازیوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہو) کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء و علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ جن علماء کی عبارتیں مجمل ہیں ان کے کلام اور عبارتوں کو اسی جہر مفراط یا کسی خارج سبب مثلاً تخصیص و التزام پر محمول کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص صراحت کیساتھ مطلقاً ذکر معتدل کی نفی ایسی جگہ میں کرتا ہے جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر جہر اور ذکر سر میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہیں کیا ہے تو ایسے شخص کا یہ قول قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات اور عمل سے ٹکراتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جہر مفراط میں وہ جہر جو آواز کی انتہائی حد ہو یا یوں کہہ دیجئے کہ شدید جہر ہو تو وہ بھی اذان، تبلیہ اور جہاں دین کا اظہار یا کفار و مشرکین پر رعب جمانے کی خاطر ہو یا مسلمانوں کے اندر جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ہو تو یہ بھی بالاتفاق جائز ہے مثلاً حملہ کے وقت نعرہ تکبیر لگا کر کفار پر ٹوٹ پڑنا وغیرہ البتہ جہاں اتنے جہر کی شرعی ضرورت نہ ہو وہاں اس قدر جہر میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء اس کا یہ فائدہ بتلاتے ہیں کہ یہ آواز جس حد تک جائیگی وہاں تک جڑی بوٹیاں پتھر ڈھیلے وغیرہ اور حیوانات وغیرہ سب اس کے ذکر پر گواہ بن جائیں گے اور ذکر کی آواز ان کو پہنچ جائیگی۔

نیز اس ذکر کا ولولہ دوسرے سننے والوں میں پیدا ہو جائیگا جو لوگ ذکر کی آواز سن لیں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی درجہ میں تو یہ ذکر میں سے اسی طرح کے فوائد کے پیش نظر وہ بغیر کسی ضرورت کے جہر شدید کے بھی قائل ہیں اور بلا کسی کیفیت خاصہ کے۔

لیکن بہت سے محققین بلا ضرورت جہر شدید کو اگرچہ ریاء وغیرہ جیسے مفاسد سے خالی ہو تو بھی صحیح نہیں سمجھتے ان کے پیش نظر ”دون الجہر“ والی آیت اور ”اربعوا“ وغیرہ جیسی حدیث ہے اس لیے وہ اس سے صرف ضرورت کے وقت جہر شدید کو مستثنیٰ کرتے ہیں مثلاً اذان، تبلیہ، اظہار دین اور عین حملہ کے وقت یا جس شخص کے ہجوم اور غلط افکار کو دفع کرنے کیلئے ضرورت کے تحت جہر شدید کریں تو جائز ہے اور ضرورت کے بغیر ناجائز۔

کونسا ذکر ہے افضل ہے جہری یا سری

جہر افضل ہے یا سر: اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کی جب کوئی صاحب بصیرت عالم اور فقیہ یہ کہتا ہے کہ جہر افضل ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ بس جہری ہی کرنا ہے یا اگر سری کے متعلق کہتا ہے کہ سر افضل ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ بس سری ذکر کرتا رہے حالانکہ تمام علماء قرآن مجید کی تلاوت جہر کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو چپکے چپکے پڑھتے ہیں۔ نہ تو انسان ہمیشہ چپکے چپکے ذکر و تلاوت و دعا کر سکتا ہے اور نہ جہر بلکہ نبی کریم ﷺ خود چپکے چپکے ذکر بھی کرتے تھے اور جہر بھی ذکر و تلاوت کرتے تھے لہذا ایسی صورت میں کہ جب سری یا جہری ذکر کی افضلیت کا بیان ہو تو علماء کا مطلب صرف سر اور جہر کی اپنی ذاتی حیثیت کو واضح کرنا ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ سری ریاء سے دور تر ہے اور اس کے برعکس دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ریاء ایک قلبی کیفیت اور نیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر ریاء سے خالی ہو تو جہر میں مشقت اور دوسرے فوائد ہیں جو کہ ذکر سری میں نہیں۔ اس لئے جہر افضل ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہو گیا ہے کہ بعض کے نزدیک جہر افضل ہے اور بعض کے نزدیک اخفاء۔

(تفصیل سیکھ دیکھئے ذکر اہل و مسائل مصنف حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب دمت برکاتہم کریمہ شریف ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۰ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا قول

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: تیرہ محرم الحرام کے رسالہ ”خدام الدین“ (لاہور) میں یہ لکھا ہے کہ ذکر جہری مبتدیوں کیلئے ہے اور اس کے کئی فائدے ہیں، مثلاً زبان، دماغ، دل متوجہ ہو جاتا ہے اور خیال غیر کی طرف نہیں جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کھیلنے والوں کا ذکر قبول نہیں فرماتا، اور انتہی دو طرح کے ذکر کرتے ہیں، مگر مبتدیوں کیلئے یہی ایک طریقہ ہے، کیونکہ ابتداء میں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، بعد میں تربیت کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس پر میرے ایک دوست نے کہا کہ یہ بدعت ہے، میں نے بڑے بڑے علماء کا ثبوت دیا مگر اس نے کہا یہ بدعت ہندوستان، پاکستان ہی میں ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں یہ چیزیں نہ تھیں؟ کیا ذکر جہر اور ادنیٰ دونوں طرح جائز ہے اور اس میں افضل کونسا ہے؟

جواب: اس معاملے میں محقق علماء کا مسلک یہ ہے کہ ذکر دونوں طرح جائز ہے، سرّاً بھی اور جہراً بھی، پھر مختلف حالات و مواقع کے اعتبار سے افضلیت بدلتی رہتی ہے، کہیں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے اور کہیں جہراً، لہذا کسی پابند شریعت شیخ کامل نے مرید کے حالات کے پیش نظر ذکر جہر کیلئے کہا ہو تو اسے جہراً ذکر کرنا جائز ہے، لیکن دوشروطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ اس کا یہ ذکر جہر کسی شخص کی نیند میں خلل یا کسی اور معقول تکلیف کا موجب نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہراً ذکر کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علاج کے طور پر اختیار کیا جائے۔ آپ کے دوست کا ذکر جہر کو بدعت کہنا درست نہیں، قرآن وحدیث میں ذکر جہر کا بھی ثبوت ملتا ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمِنْ أَظْلَمُ مَثَلٍ مَّنْ جَدَّ لِلَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فَيُهَا أَسْمُهُ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۱۴) ظاہر ہے کہ ذکر جہر سے منع کرنا، اطلاع ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔

اور اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے بعد بلند آواز سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (صحیح مسلم، باب درود، ص ۲۸۰) پڑھا کرتے تھے، اس طرح اور بھی کئی روایات سے ذکر جہر کا ثبوت ملتا ہے، تفصیلی دلائل حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ ج: ۵، ص: ۱۵۹ مطبوعہ کراچی میں کتاب السلوک کے تحت بیان فرمائے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۲۶۰)

## تحقیق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ”راہ سنت صفحہ ۱۷۴“ میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عمدہ ترین عبادت ہے اور دع کرنا بھی ایک اعلیٰ ترین نیکی اور قربت ہے، مگر اسی طریقہ سے جس سے شریعتِ حقہ نے راہنمائی کی ہے، جس موقع پر جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم ہے (مثلاً عرفہ کی فجر سے لے کر آخر ایام تشریک تک، اور حج کے دنوں میں تلبیہ وغیرہ) تو وہاں جہر کرنا سنت ہے۔ اور جہاں جہر کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہوگا۔ اور اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہوگی۔ اور یہی حکم ہے دعاء کا۔ اگرچہ حضراتِ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے اور ان کے علاوہ بعض مقامات میں ام ابن حزمؒ اور اکثر صوفیاء کرامؒ نے اکثر مقامات پر جہر سے ذکر کرنے کو صرف پسند کیا ہے لیکن نہ کرنے والوں کو نہ تو ملامت کی اور نہ وہابی کہا۔ مگر دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ذکر اور دعاء آہستہ طریقہ سے بہتر ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک ہے۔ جب حضراتِ ائمہ اربعہؒ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو یہی امید رکھنی چاہئے کہ حق ان کے ساتھ ہے اور پھر آج اگر صرف ذکر بالجہر کو پسند ہی کیا جاتا اور دوسرے پہلو کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا، تب بھی ایک بات ہوتی۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والے کو وہابی وغیرہ کہہ کر اسے ملامت کی جاتی ہے اور محل طعن بنایا جاتا ہے، اور آج مسلمان اور اہل سنت ہونے کی یہ علامت قرار دی جا رہی ہے، کہ اگر ذکر بالجہر کرتا ہو تو سنی ورنہ وہابی۔ اس لئے اس مسئلہ پر غور کی ضرورت ہے۔ (راہ سنت ص ۷۴-۷۵)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کتاب ”حکم الذکر بالجہر صفحہ نمبر ۱۴“ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضراتِ صوفیاء کرامؒ کے بعض سرائل (مثلاً قادریہ اور اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کیلئے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ جہر مفرط نہ ہو صرف تعلیم کی حد تک ہو کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو اگر یہ شرطیں کھلیا بعضاً مفقود ہوں تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔ (عم الذکر بالجہر ص ۱۴)

آئے دلائل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ہر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم سے صریح ثبوت ملتا ہو وہ مسئلہ نہایت ہی قوی اور بہت ہی مدلل ہوتا ہے زیادہ مناسب معصوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے اس کا ثبوت عرض کر دیں تاکہ کسی کو علمی اور تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

## پہلی آیت کریمہ

﴿ادْعُو رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ﴾ (پارہ ۸، اعراف)

ترجمہ: تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

اس آیت کریمہ میں دو امر صراحت سے بیان ہوئے ہیں ایک ”تَضَرُّعًا“ اور دوسرا ”خُفْيَةً“ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ عاجزی، زاری اور رکھ رے کے ساتھ دعاء ہو اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجاوز کی مد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو عادتاً یا شرعاً محال ہوں جن کو کوئی مانگے یا معاصی اور لغو چیزیں طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی حیثیت اور شان کے مناسب ہی نہ ہو اور ایسے مقام پر جہاں شرعاً ثابت نہیں بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنا، یہ سب امور اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں، باقی امور تو واضح ہیں ان میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر کچھ شک و شبہ اور اختلاف ہو سکتا ہے تو بلند آواز سے دعاء اور ذکر بالجہر میں ہو سکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ضروری حوالے ہم یہاں عرض کریں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب اور معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔

(الف) ..... حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۳۳ھ) اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر کی ممانعت سمجھتے تھے۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پڑھ کر قرآن کریم کی تفسیر کو زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔

(ب) ... فقیہ الامت سراج الامم حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ علامہ الشیخ ابراہیم الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ادْعُو رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے، مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی مقدار میں دلائل متعارض ہیں تو اقل لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل کیا جائے گا احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے دلائل بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں ہے۔“ (نذیہ المستنبی: ۵۲۱-۵۲۲، طبع رحمیہ دیوبند)

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی ﴿ادْعُو رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ سے ذکر بالجہر کی ممانعت ہی سمجھی ہے اور وہ اس کو بدعت فرماتے ہیں کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں صرف اس مقام میں جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے وہاں جہر ہوگا ورنہ عمل اصل پر ہوگا حضرت امام صاحبؒ کے اس ضابطہ کو فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ امام محمد بن احمد سرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۳۸ھ) حج و عمرہ کے موقع پر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اذکار اور دعاء میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر جس چیز کا اظہار و اعلان مقصود ہو جیسے اذان اعلان کیلئے اور خطبہ و عظ کے لئے اور نماز کی تکبیریں تحریرہ صلوة اور انتقال ارکان بتانے کیلئے اور قراءۃ مقتدی کے سنانے کیلئے پس تلبیہ اس چیز کے شروع کیلئے ہے جس کا دین میں اظہار مقصود ہے پس تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔“ (مبسوط، ۶: ۱۳، طبع مصر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء احناف کا یہ ضابطہ ہے کہ جہاں اذکار میں مقصود اعلان و اظہار ہے مثلاً اذان و تلبیہ اور خطبہ وغیرہ تو ایسے مواقع میں بلند آواز سے پڑھنا مقصود ہے ورنہ ذکر اور دعائیں احناف کے ہاں مستحب طریقہ ہی یہ ہے کہ آہستہ ہو اور جہر نہ کیا جائے ☆..... امام اکمل الدین محمد بن محمود الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک دعاء اور اذکار میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر وہاں جس کا اظہار مقصود، جیسے اذان اور خطبہ وغیرہ اور تلبیہ اسی چیز کے شروع کرنے کی علامت ہے جس کا اظہار دین کی نشانیوں سے ہے سو اس

میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ (اعنایہ: ۸۴۶/۲، برہامش فتح القدیر طبع مصر)۔

... حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی (المتوفی: ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ: اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے۔  
(فتح القدیر: ۴۳۰/۱، طبع مصر)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ: اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر اس جگہ جہاں شریعت میں جہر کی تخصیص وارد ہو۔ (المبدئ النہای: ۷۷۹/۷، طبع مصر)

حضرت مولانا عبدالحی اللکھنوی الحنفی (المتوفی: ۱۳۰۴ھ) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے تکبیر عید الفطر کے بارے لکھتے ہیں کہ: امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”و اذ کسر ربک فسی نفسک الایۃ“ دلالت کرتا ہے اور شریعت میں جہر عید الاضحیٰ کے موقع پر وارد ہوا ہے اس لئے جہر اپنے مورد پر بند رہیگا۔ (عمدة الراعی: ۲۴۶/۱)

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذکر کے لئے اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ اور اس پر وہ قرآن کریم کی نص قطعی سے دلالت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں خود شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے اور لفظ اذْعُوا سے امام صاحبؒ اس کا اہم فرد ذکر مراد لے رہے ہیں جس طرح کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اس سے ذکر مراد لی ہے۔

(ج) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفی اس آیت کریمہ کی طویل تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں: اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جن میں خصوصیت سے جہر کی حاجت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور تکبیرات تشریق اور امام کیلئے نماز میں انتقال کیلئے تکبیریں اور جب کوئی ضرورت پیش آئے تو مقتدی کا تسبیح کہنا اور حج میں تلبیہ اور اسی کی مانند اور مواقع۔ (تفسیر مظہری: ۴۰۸/۳)

آگے قاضی صاحبؒ تصریح فرماتے ہیں: اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے پس جب جہر کے سلسلہ میں تعارض واقع ہو تو اقل کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر کہ آہستہ ذکر افضل ہے اور اس پر کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کا اس پر اجماع ہے دلیل حسن بصریؒ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آہستہ دعاء میں اور بلند آواز سے دعاء میں ستر (۷۰) گنا فرق ہے اور بلاشبہ مسلمان دعائیں کوشش کرتے تھے اور حال یہ تھا کہ ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی ان کی دعاء ان کے اور ان کے رب کے درمیان نہایت آہستہ ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ“ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نیک بندے (حضرت زکریاؑ) کا ذکر فرمایا جس کے فعل پر وہ راضی ہے کہ ”اذ نادى ربہ ذللاً خفیاً“ کہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا تو آہستہ پکارا اور نیز ذکر خفی کے افضل ہونے پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کر سکے۔ (تفسیر مظہری: ۴۰۸/۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس اجماع سے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؓ کا اجماع مراد ہے اور حضرت حسن بصریؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ مسلمان نہایت کوشش اور دلجمعی کے ساتھ دعاء کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ان کی عاجزی و زاری اور



مناجات جو کچھ بھی ہوتی تھی وہ صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتی تھی اور اس کی صفت ”عَلَيْهِم بِذَاتِ الصُّدُورِ“ اور ”يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى“ ہے کہ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور آہستہ تر بات کو بھی جانتا ہے تو اس کے سامنے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں: تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالاجماع مکروہ ہے مگر وہاں جہاں جہری ضرورت پیش آئے اور حکمت بھی اس کا تقاضا کرے پس اس وقت جہر اخفاء سے بلاشبہ افضل ہے مثلاً اذان اور تلبیہ وغیرہ۔

(تفسیر مظہری ۳۰۹)

اس کے بعد انہوں نے دوسرا مرتبہ زبان کے ساتھ ذکر کا بیان کیا ہے۔ اگے فرماتے ہیں: اور تیسرا درجہ دل، روح اور نفس وغیرہ کے ساتھ ذکر کرنا ہے کہ زبان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور وہ ذکر خفی ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے چنانچہ محدث ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جس کو کرنا کاتبین بھی نہیں سنتے قیامت کے دن ستر (۷۰) گن بڑا ہوا ہوگا۔ (تفسیر مظہری ۳۱۰/۳)

اس سے معلوم ہوا کہ دل اور نفس میں جو ذکر ہوتا ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں دی جاتی وہ بھی تحقیق حضرت قاضی وغیرہ ذکر ہے اور اس کو کرنا کاتبین بھی نہیں سنتے اس ذکر کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو علیم وخبیر اور علیم بذات الصدور ہے اور اس سے دل کے وساوس اور خطرات بھی مخفی نہیں۔ حضرات صوفیاء کرامؒ کے ہاں دل کی صفائی کیلئے یہ ذکر معمول ہے چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (المتوفی ۸۰۰ھ)۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدینؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر خفی میں دم بند کر کے ذکر کرے جب تنگ ہو آہستہ سے ناک کی راہ سے سانس لے پھر منہ بند ہی رکھے ایسے اشغال سے دل صاف ہو جاتا ہے۔ (فتح احشاشین ۸۰) ذکر باسہ پر استدلال کا تذکرہ تفسیر خازن ۲/۲۳۱، طبع مصر تفسیر روح البانی ۸/۱۳۹، طبع مصر تفسیر ابن کثیر ۲/۲۳۱، طبع مصر اور تفسیر کبیر ۱۳/۱۳۱، طبع مصر میں بھی موجود ہے۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی موجود ہے: چوتھی جہت آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آہستہ ایک دفعہ کی دعاء بلند آواز سے ستر (۷۰) مرتبہ دعاء کے برابر ہے اور نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

(د)..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اس آیت کریمہ سے اخفاء دعا پر استدلال اس قدر واضح ہے کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) نے فقہی مسلک کے اختلاف اور منطقی اور فلسفی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کے استدلال کو صرف صحیح اور درست ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ سپر ڈال کر ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا افضل ہے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے کہ آمین میں دو وجہیں ہیں پہلی یہ کہ وہ دعاء ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ہو تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے سوا اگر وجوب ثابت نہ ہو تو استحباب سے کیا کم ہوگا؟ اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔ (تفسیر کبیر ۱۳/۱۳۱، طبع مصر)

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ امام فخر الدین الرازی کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دونوں آیتوں سے اس بات پر استدلال صحیح ہے کہ دعاء بھی آہستہ ہوا اور ذکر اللہ بھی آہستہ ہو۔

حافظ ابن القیم ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر (المتوفی ۷۵۰ھ) آہستہ دعا کرنے کے بارے میں دس فوائد اور حکمتیں بیان کرتے ہیں، جن کا نہایت مختصر سا خلاصہ یہ ہے: (۱)..... آہستہ دعا کرنا ایمان کی بڑی عظمت ہے (۲)..... اس سے ادب کا بہت بڑا پہلو نمایاں ہوتا۔ (۳)..... عاجزی اور خشوع میں یہ بہت بڑا دخل رکھتا ہے۔ (۴)..... اخلاص میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۵)..... اس سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جمعیت قلب ہوتی ہے۔ (۶)..... آہستہ دعا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے۔ (۷)..... یہ دوام طلب کی طرف بہت داعی ہے۔ (۸)..... یہ خشوع کو قطع کرنے والے اسباب اور مشوشات سے بعید تر ہے۔ (۹)..... حسد کے مکر سے بعید تر ہے۔ (۱۰)..... دعا چونکہ ذکر ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے لہذا دعاء بھی آہستہ ہو۔

(مجموعہ بدائع الفوائد: ۳، ۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸، حکم الذکر: مجر ۲۵۳۱۵)

## دوسری آیت

وَإِذْ تَخْرُجُ رُبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿۱۰۰﴾ (پارہ ۱۹، ج ۲)

امام زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی (المتوفی ۹۰ھ) تحریر فرماتے ہیں: سو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے ﴿وَإِذْ تَخْرُجُ رُبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ پس جبر وہاں بند ہوگا جہاں شریعت نے جبر کا حکم دیا ہے۔

امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی (المتوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ﴿وَإِذْ تَخْرُجُ رُبُّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ ارشاد تمام اذکار میں عام ہے قراءت قرآن، دعاء، تسبیح اور تہلیل وغیرہ سب کو یہ شامل ہے۔ (تفسیر مدارک ۹۲/۲ طبع مصر)

صاحب مدارک اس کے بعد لکھتے ہیں: ﴿دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جبر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے فکر کرنے کے بھی یہ زیادہ قریب ہے۔ (ایضاً)

مشہور مفسر امام محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۲۵۵ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طویل تشریح کرتے ہوئے معروف تابعی مجاہد (ابن جبر جو الامام اور الحافظ تھے) (المتوفی ۱۰۳ھ) کی تفسیر پوئ نقل کرتے ہیں: کہ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے دلوں میں عاجزی اور ڈرتے ہوئے ذکر کریں۔ (تفسیر ابن جریر ۱۶۶/۹ طبع مصر)

امام الحافظ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریر (المتوفی ۱۵۰ھ) سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں: کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا اور چلا نا مکروہ ہے۔

(ایضاً ۹/۱۶۷، دینیاتی تفسیر غارن ۳۳۲/۲، طبع مصر، روح المعانی ۳۳۲/۲، برعاش افکار)

☆... امام فخر الدین الرازی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ﴿ذَوْنُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے نفس کو سنا سکے کیونکہ مراد تو یہ ہے کہ زبانی ذکر حاصل ہو اور زبانی ذکر جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو اس ذکر سے خیال متاثر ہوگا اور خیال کا متاثر ہونا قلبی و روحانی ذکر کی قوت کا موجب ہے۔ (تفسیر کبیرہ ۱۰۸: ۱۵، طبع مصر)

اس تفسیر میں امام رازیؒ نے جہر کی ایک نوع یا الفاظ دیگر ادنیٰ جہر کا تذکرہ فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرمادی کہ خود ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے اور یہی ذکر لسانی اور ﴿ذَوْنُ الْجَهْرِ﴾ کا مصداق ہے۔

☆... علامہ محمد بن محمد العمادی الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں: یہ تمام اذکار میں عام ہے اس لئے کہ آہستہ ذکر کرنے کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر بوس ۲۳۰: ۲، طبع مصر)

☆... قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پٹیؒ لکھتے ہیں: ﴿ذَوْنُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ اس انداز سے کلام کیا جائے جو آہستہ سے اوپر اور جہر سے کم ہو اور اس سے مراد جہری نماز ہے مطلب یہ ہے کہ زیادہ شدت سے جہر نہ کرو بلکہ آہستہ اور سکون سے ہوتا کہ جو تمہارے پیچھے اقتداء میں ہیں وہ سن لیں اسی طرح اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ (تفسیر مشرقی ۳: ۵۰، ۵۱) غور فرمائے کہ جہری نماز میں بھی جس میں مطلوب ہی جہر ہے جہر شدید منوع اور ناپسندیدہ ہے حالانکہ اس میں مقتدیوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسی حد تک جہر جو جس حد تک نماز میں شامل مقتدی سن سکیں ضرورت سے زیادہ درست نہیں ہے۔

☆... علامہ محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ: یہ ہر ذکر کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور وہ قبولیت کے بھی قریب تر ہے۔ اور ﴿ذَوْنُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اور مراد جہر سے افراط سے آواز بلند کرنا ہے اور ”ذَوْنُ الْجَهْرِ“ سے جہر کی ایک اور قسم مراد ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ذکر جہر اور آہستہ کے درمیان ہو۔ (تفسیر روح المعانی ۱۵۲: ۹، طبع مصر)۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اذکار میں جہر مفراط (جن مقامات میں ثابت نہیں) مطلوب نہیں بلکہ جہر کی ایک ایسی نوع اور قسم مطلوب ہے جو جہر مفراط اور آہستہ کے درمیان ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ وہ یوں ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے الغرض ﴿ذَوْنُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ میں ایسا جہر مراد نہیں کہ دوسرے لوگ سن سکیں اور ان کے مشاغل میں خلل پڑے بلکہ ایسا جہر مراد ہے ”هُوَ أَنْ يَسْمَعَ نَفْسَهُ“ کہ اپنے آپ کو سنا سکے اسی کو بعض حضرات نے جہر کے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بعض دیگر حضرات نے بالترکیب کیا تبصر کر دیا ہے، مقصود دونوں قسم کے بزرگوں کا صرف ایک ہے البتہ تعبیر جدا جدا ہے۔

☆... حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۱۲ھ) نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) سوال و جواب کی صورت میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: پچھتر وال (۷۵) سوال: کیا ذکر بالجہر شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟ اور کونسا گناہ ہے؟

الجواب: ذکر بالجہر مذہب حنفیہ میں بدعت ہے مگر اس جگہ جہاں ذکر بالجہر آیا ہے مثلاً اذان وغیرہ کہ اس میں آواز بلند کرنا بدعت نہیں اور اس

کے علاوہ بدعت ہے۔ (۱)۔ فتح القدیر میں ہے کہ اذکار میں اصل اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی جس مقام پر حضرات فقہاء کرام بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں اس مقام میں بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ (۲)۔ اور ہدایہ کی شرح غایۃ البیان میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیل اور علت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿أَذْعُرُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ ان کی بات ختم ہوئی۔ (۳)۔ اور ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ (۴)۔ اور بحر اراغ میں ہے کہ تمام اوقات بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں شرعاً استثناء آئی ہے۔ (۵)۔ اور امام قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے۔ (۶)۔ اور مصنف المصطفیٰ نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔ (۷)۔ اور فتاویٰ العلانیہ میں ہے کہ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور تالیں بجانے سے منع کیا جائے گا۔ (۸)۔ اور تحفہ کی شرح بحرۃ المغنی میں ہے کہ جو لوگ صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو اس کا روائی سے روکا جائے گا۔ (۹)۔ اور برہان شرح مواہب الرحمن میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے۔ ﴿وَإِذْ نَحْنُ رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور تو اپنے رب (جل جلالہ) کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کر اور ایسی آواز سے ذکر کر جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو تو بلند آواز سے ذکر اسی مورد پر بند ہوگا جہاں وارد ہوا ہے اور بلاشبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جہر آیا ہے۔ (۱۰)۔ اسی طرح علامہ محمد عابد الہی اللہ تعالیٰ کے رسالہ میں آیا ہے اور جن بعض احادیث سے ان جگہوں کے علاوہ جہر ثابت ہوتا ہے جن میں جہر مقرر ہوا ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی تصریح فرمائی ہے جس کا جی چاہے اس کو دیکھ لے۔ (ماہ مسائل، صفحہ ۹۳، ۹۵، ۹۶، طبع مصطفیٰ محمد حسین خان ۱۴۲۳ھ)

حضرت شیخ احمد المعروبہ ملا جیونؒ لکھتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ﴿وَإِذْ نَحْنُ رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ تو اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر تمام اذکار کو شامل ہے قراءۃ القرآن دعاء تسبیح اور تہلیل وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کر جو نسا ذکر ہو عاجزی کرتے اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کا یہ معنی ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ حسن تفکر کے بھی زیادہ قریب ہے صبح اور شام کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں وقتوں میں ذکر کی فضیلت زیادہ ہے اور یہ دوام سے کنایہ ہے اور نہ ہو تو غافلوں میں سے یعنی ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہیں، اسی طرح حضرات مفسرین کرامؒ نے کہا ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ آیت کریمہ ذکر خفی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی لئے بعض اہل سلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت یا مباح ہے اور بعض کے نزدیک جہر اصل ہے اور یہ بحث ہمارے زمانہ میں لوگوں میں مختلف فیہ چلی آرہی ہے لیکن اس میں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مقصود سب کا وصول الی اللہ ہے جس طریقہ سے بھی ہو اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے مگر امام کیلئے نماز میں اور ایام تشریق میں اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اکابر نے فرمایا ہے کہ آہستہ دعاء بہت جلدی قبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبُّهُ نَادًا﴾

خَفِيًّا ﴿جب اس (یعنی حضرت زکریا) نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿ادْعُو رَبَّكُمْ قَضَرُ غَاوٍ خِيفَةً﴾ کہ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی اور ڈرتے ہوئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ (تفسیرات المجمعہ ۲۸۱: ۲۸۲ ج ۱ ص ۱۰۰)۔

اکثر اہل سلوک اور جمہور حضرات فقہاء کرام کا مسلک آہستہ ذکر کرنے کا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کو چھوڑ کر کوئی معتبر فقہ بھلا جا بھی کہاں سکتا ہے؟۔ کاش کہ حضرت شیخ ملا جیونؒ اس وقت موجود ہوتے اور لاؤڈ سپیکروں پر ذکر بالجہر کا دن رات شور و غل سنتے تو پھر اس کو وہ وصول الی اللہ تعالیٰ کا طریقہ بتاتے تو پتہ چلتا؟ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی متعدد آیات آہستہ ذکر پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں۔ (علم الذکر بالجہر: ۲۹-۳۶)

## پہلی حدیث

حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعریؒ (متوفی ۵۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ: جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر کیلئے نکلے یا یہ کہا کہ آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے سوانہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ الحدیث۔ (بخاری ۲۰۵۲، والفظ ۲، دسم ۳۲۶/۲، مسند احمد ۳۹۴/۲)

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ (بجز مستثنیٰ مواقع کے) بلند آواز سے تکبیر اور ذکر آنحضرت ﷺ کو پسند نہیں اور اسی لئے آپ نے حضرات صحابہ کرام کو اس سے منع فرمایا ہے۔

☆..... چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام محی الدین ابو زکریا شرف الدین النووی الشافعیؒ (متوفی ۶۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جہر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے تو ذکر میں آواز پست رکھنی چاہئے، کیونکہ آہستہ آواز اس کی توقیر و تعظیم پر زیادہ دلالت کرتی ہے ہاں اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پھر آواز بلند کرنی چاہئے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔ (ذی شرح دسم ۳۲۶)

☆..... علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ (متوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: کیونکہ اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے ذکر اور دعائوں کو مکروہ سمجھا ہے۔ (مدقہ القاری ۲۴۴/۱)

☆..... حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں: امام طبری نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں اکثر سلف اسی کے قائل تھے۔ (ذی لبری ۵: ۵۷۵) (ضمیمہ: ج ۱ ص ۸۵-۸۶)

☆..... قائدہ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارات میں جہاں بھی ذکر بالجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی صریح عبارت (حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ: ۵۳/۱) ﴿ذُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کے تشریح میں فرماتے ہیں کہ: دونوں الجہر بھی جہر ہی کہ ادنیٰ درجہ ہے) کے پیش نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پر حمل کرے گا تو یہ توجید القول بمالا

رضی بہ قائلہ کا مصداق ہوگا۔ جو اہل علم اور اہل انصاف کے نزدیک قابل التفات نہیں اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس صراحت کے پیش نظر حضرات فقہاء احنافؒ کے باہمی اختلاف میں بھی تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ یوں کہ جن حضرات نے ذکر ب لہجہ کو مکروہ کہا ہے وہ ان مقامات میں ہے جہاں شرعاً ثابت نہیں اور اس جہر سے جہر مفرط اور جہر متوسط دونوں مراد ہوگی جس سے مثلاً نمازیوں، بیہ روں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہو اور جن حضرات نے جہر کی اجازت دی ہے وہ ادنیٰ جہر مراد ہے جس کا ذکر خود سن لے اور کسی دوسرے کو کوئی اذیت اور تشویش لاحق نہ ہو اور انہوں نے ترجیح بھی اسی قول کو دی ہے علمی طور پر اس تطبیق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (حکم الذکر بالجہر ۳۱-۳۲)

## دوسری حدیث

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فتح ایران: (التوفی ۵۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی“ (مسند احمد ۱۷۳۱، مسند ابی یوسف ۵۷۷، التوفی فی شعب الایمان لکذا فی التفسیر لمطہری ۳۰۹/۳۰) بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (ذبیح المغیر ۸/۲) علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں بائنا صحیح (السراج المہیر ۲۶۲/۲)

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ ذکر کی بلند آواز سے ذکر کرنے پر بڑی فضیلت ہے اگر ذکر باجہر جائز اور مشروع بھی ہو تب بھی درجہ و رتبہ کے لحاظ سے آہستہ ذکر اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ یہ واضح اور صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔ ہاں جہاں شرعاً جہر مطلوب ہے اس کا معاملہ جدا ہے۔

## تیسری حدیث

مشہور ثقہ تابعی حضرت قیسؒ بن عبادؒ (توفی: ۸۰ھ) سے روایت ہے کہ: ”کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یکرہون الصوت عند ثلاثة الجنان والقتال والذکر... وقد ذکر الحسن ان رسول اللہ ﷺ کان یکرہ رفع الصوت عند ثلاثة عند قراءة القرآن وعند الجنان وعند الزحف“ (اسیر اکبر لایام محمدؐ شرح السرخسی ۸۵/۱) ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے حضرات صحابہ کرامؓ تین جگہوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے: (۱)..... جنازہ۔ (۲)..... لڑائی (۳)..... اور ذکر کے وقت۔ اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین مواقع پر آواز بلند کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے تلاوت قرآن، جنازہ، اور قتال کے وقت۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ علامہ ابن نجیم مصریؒ الحنفیؒ کے بحث پر فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: (۱)..... صوفیا کرام جو ذکر کے وقت آواز بلند کرتے ہیں اور وجد میں آکر اچھلتے کودتے ہیں اور خوشی میں آکر تالیاں بجاتے ہیں ان کو اس کاروائی سے شرعاً منع کیا جائے گا اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے (جیسا کہ گذر چکا) اور ایسے صوفیاء کی بہت

برائی اور قباحت بیان کی ہے۔

(ز)..... اما زہدی (صاحب قنیہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض ائمہ صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کی جماعت سے مل کر آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کا آخری حصہ اور ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ: نوٹ: صاحب قنیہ کی مراد اگر یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر امام یہ دعائیں پڑھے اور مقتدی بھی ساتھ پڑھتے جائیں تاکہ ان کو یہ یاد ہو جائیں بشرطیکہ نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو تو یہ صحیح ہے لیکن جب دعائیں یاد ہو جائیں تو پھر ترک کر دیں اور اگر ان کی مراد عام ہے تو دیگر مستند فقہاء احناف کی عبارتیں اس کی تائید نہیں کرتیں۔

☆..... چنانچہ امام حافظ الدین انکروی الحنفی تحریر فرماتے ہیں: یاد کرنے والے (یعنی امام) نے اگر اس اردہ سے ماثور دعاء بلند آواز سے کی تاکہ لوگ دعاء سیکھ لیں اور لوگوں نے بھی ساتھ جبر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سیکھ چکنے کے بعد قوم کا جبر کرنا بدعت ہے۔ (ذی ہجریہ ۳۷۷، ۳۷۸، علی ہاشم الہندی، طبع مصر) یہ عبارت بزاز یہ کے حوالہ سے فتاویٰ عالمگیری: ۵/۳۵۳، طبع مصر میں بھی منقول ہے۔

اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ جب قوم دعائیں یاد کر چکی تو پھر ان کیلئے جبر سے دعا کرنا بدعت ہے جبر کا جواز صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو دعائیں یاد نہ ہوئی ہوں اور اب تو جبر سے ذکر اور دعائیں کرنے والے جبر کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ بدعت ہے۔

☆..... چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدری القاسی المالکی الشبیری بابن الحاج (ابتدی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جبر سے رک جائے اور یہ اس کا روائی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔ (المذلل ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳)

(ی)..... اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف بھی آہستہ پڑھنی افضل ہے اور اس کی وجہ سلف صالحین کی کمال اتباع ہے اور نجات اسی میں ہے۔

(ک)..... اگر کوئی مقرر اور واعظ پند و نصیحت اور عبرت کیلئے صحیح قصے بیان کر رہا ہوں اور اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی مؤثر اور بلیغ بات نکلوا دی تو حاضرین مجلس اگر داد دیتے ہوئے بے ساختہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یا ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ وغیرہ کلمہ یک زبان ہو کر کہہ دیں (جیسا کہ آج کل قاریوں کی قرأت سے متاثر ہو کر یا کسی شعلہ بیان مقرر کی تقریر میں ایسا کرتے ہیں) تو اس میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

(ل)..... اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ اگر جمع ہو کر ذکر کرنا چاہیں تو ذکر آہستہ کریں اور اسی طرح تسبیح و تہلیل بھی آہستہ کہیں کیونکہ ذکر کا اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو تو بلا کسی شرعی جواز کے جبراً ذکر نہ کریں۔ (حکم الذکر بالجمہ: ۱۸)

## بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا

کون مسلمان اس بات میں تردد کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سننا ایک بہت بڑی عبادت کا ثواب اور سعادت ہے، لیکن جہاں جبر کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے مثلاً کسی کی نماز یا کسی بیمار یا سونے والے کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس مقام پر بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں خود آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایات بھی موجود ہیں (علاوہ اس حوالہ کے جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے) اور حضرت فقہاء کرام کی تصریحات بھی صراحۃً موجود ہیں۔

☆ چنانچہ حضرت البیاضی (حضرت ابو حازم الانصاری) فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے جو نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ ان کی آوازیں قرآن کریم کی قرأت کیلئے بلند ہو رہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نمازی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرتا ہے اور قرآن کریم پڑھتے وقت تم میں سے کوئی شخص کسی پر آواز بلند نہ کرے۔ (رواہ احمد رجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ۲/۲۶۵)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر جہر سے نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن حذافہ تو مجھے نہ سنا بلکہ اللہ تعالیٰ کو سنا (یعنی آہستہ پڑھ)۔ (مجمع الزوائد ۲/۲۶۵)

ان صحیح روایت کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام نے بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سے بھی منع کیا ہے جب کہ اس طرح پڑھنے سے کسی کے سکون شغل اور آرام میں خلل پڑتا ہو۔

☆ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہو اور اس کے پہلو میں کوئی شخص فقہ کے مسائل لکھتا ہو اور بدیں وجہ اس کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ قاری پر ہوگا کیونکہ وہ ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور لکھنے والے پر (ترک سماع کی وجہ سے) کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (۷۸۱/۱ طبع نول مشرق)

اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا جہر سے پڑھتا ہو اگر آہستہ پڑھتا ہو تو پھر بالکل جائز ہے، کیونکہ اس طرح کسی کے کام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔

☆ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: کہ لوگ کام میں مشغول ہوں ان کے پاس بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے اور یہ بھی قرآن کریم کی تعظیم میں شامل ہے کہ بازاروں میں اور کھیل کی جگہ قرآن کریم نہ پڑھا جائے قنویہ میں ایسا ہی ہے۔ (ماثیری: ۲۵۰/۵، مجمع مہر)۔

☆ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفیؒ نے جب زوردار الفاظ میں ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت قرار دیا تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ احادیث و آثار میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت آئی ہے پھر کس طرح یہ صحیح ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ آخر قرآن کریم بھی تو ایک ذکر (بلکہ عمدہ ذکر) ہے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے کے بارے میں بہت احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے آثار موجود ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ جہراں لوگوں کیلئے ہے جو ریاء اور خود پسندی وغیرہ بُری صفات کا خوف نہ کریں اور نمازیوں کی جماعت کو اس سے اذیت نہ ہوتی اور



نہ ان کی نماز میں اشتباہ اور التباس واقع ہوتا ہو پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف کرتا ہو تو اس کیلئے بلند آواز قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔ (تیسرے نظری ۵۱۲/۲)

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مشروع ہے، اگر اس کی شرطیں پائی جائیں تو جہر مستحب ہے ورنہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور خصوصاً جب کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور اشتباہ کا احتمال اور خطرہ ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں کتاب حکم الذکر بالجہر مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صندرز صفحہ ۵۲-۵۵)

## جہر اور اخفاء کی تعیین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صندرز (حکم الذکر بالجہر) کتاب میں جہر اور اخفاء کی تعیین کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

جہر اور اخفاء کے مفہوم کی تعیین کے بارے میں حضرات فقہاء احناف کی عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں، لیکن اس بات میں تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تکلم اور تلفظ سے ہے ان میں جب تک تکلم اور تلفظ نہ ہو اس وقت تک شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ شرعاً ان پر کوئی فقہی حکم مرتب ہوتا ہے مطلقاً (عقاق) وغیرہ اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے بشرطیکہ گونگانہ ہو (گونگے کی اشارہ سے طلاق شرعاً معتبر ہے، ہدایہ: ۳۳۹/۲ اور اسی طرح واضح کتابت سے بھی جو پانی اور ہوا وغیرہ پر نہ ہو طلاق واقع نہیں ہوتی، فتاویٰ قاضی خان: ۲۱۸) جب تک زبان سے نہ بولے تو طلاق واقع نہیں ہوتی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: "اذا طلق فی نفسه فلیس بشیء" (بخاری ۹۳۶/۲) یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں طلاق دیدے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واقع نہیں ہوتی۔

☆ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتی (التونی: ۱۰۵۲) تحریر فرماتے ہیں کہ: اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور یہی قول مختار ہے اور اس کے سوا ذکر معتبر نہیں ہے چنانچہ قراءت اور طلاق (وغیرہ) میں اور جو ذکر دل میں ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم سے ہے وہ ذکر نہیں جیسا کہ وہ قراءت نہیں اور ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کا فعل ہے۔ (امحۃ المصنوعات: ۱۷۷/۲)

اس عبارت کا یہ معنی لینا کہ دل کا ذکر ذکر ہی نہیں اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے قلت تدبر کا نتیجہ ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ طلاق و قراءت وغیرہ امور جن میں تلفظ اور نطق شرط ہے ایسے ذکر کا اعتبار دل سے نہیں ہوگا ان میں زبان کا تلفظ اور اپنے آپ کو سنانا شرط۔ اور یہی حکم ہے ان اذکار کا ہے جن کا تلفظ شرعاً مطلوب ہے، عام اس سے وہ نماز میں ہوں یا خارج از نماز۔

☆ ... حضرت امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں: قاضی عیاضؒ الماکی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دو قسم کا ہے ایک ذکر دل کا دوسرا زبان کا اور دل کا ذکر بھی دو قسم کا ہے ایک ان میں تمام اذکار سے ارفع اور بلند پایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اس کے جبر اور اس کے عجائبات اور اس کے آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا اور خیر الذکر لکھنے کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے اور دوسرا دل کا ذکر یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی کے موقع پر مامور کو بجالائے اور منہی عنہ کو ترک کر دے اور جہاں اشکال واقع ہو وہاں توقف کرے بہر حال خالی زبان کا

ذکر تو وہ کمزور ترین اذکار میں سے ہے لیکن اس میں بھی بری فضیلت ہے جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ امام ابن جریر الطبری وغیرہ نے سلف کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ دل اور زبان کے ذکر میں سے افضل کونسا ہے؟ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اختلاف صرف اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ محض دل میں تسبیح اور تہلیل وغیرہ کا خیال آئے (بغیر ذکر زبان کے) اس میں کوئی فضیلت ہے یا نہیں؟ اسی پر ان کا کلام دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ سلف ذکر خفی میں مختلف ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ ایسا ذکر ہے کہ زبان کا ذکر اس کا ہم پہلہ نہیں ہو سکتا تو اس سے بڑھے گا کیسے؟ اختلاف اس میں ہے کہ دل میں محض تسبیح وغیرہ آیا ذکر ہے یا نہیں؟ اور زبان کے ذکر سے بھی وہ ذکر مراد ہے جس میں دل حاضر ہو سوا اگر دل غافل ہو تو وہ بھی کچھ نہیں اور جنہوں نے دل کے ذکر کو ترجیح دی انہوں نے کہا کہ محض عمل افضل ہے اور جنہوں نے زبان کے ذکر کو رائج کہا انہوں نے کہا کہ اس میں عمل زیادہ ہے جب اس میں زبان کے استعمال کی زیادت آئی تو اجر بھی زیادہ ہوگا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دل کے ذکر کو فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے لئے ایسی عداوت مقرر کر دیتا ہے جس سے وہ شناخت کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں لکھتے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مطلع نہیں (امام نوویؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتے لکھتے ہیں اور زبان کا ذکر حضور قلب کے ساتھ محض دل کے ذکر سے افضل ہے۔ (نووی شرح مسلم ۳۴۴/۲)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: فصل: ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ان میں افضل وہ ذکر ہے جو دل اور زبان دونوں سے ہو پس اگر ان میں سے ایک پر اقتصار کیا جائے تو دل کا ذکر افضل ہے۔ (کتاب الاذکار: ۸)

حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ: ہر وہ ذکر جس کا شریعت میں حکم آیا ہے واجب ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک تلفظ نہ ہو۔ (مرقۃ: ۴۹/۵)

ایسے اذکار سے وہ اذکار مراد ہیں جن میں نطق اور تلفظ شرط ہے مثلاً تسمیہ عند الذبح، قراءت اور تسبیحات نماز وغیرہ۔

امام محمد بن محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ: مؤثر اور نافع وہ ذکر ہے جو ہمیشہ ہو اور اس میں دل حاضر ہو بہر حال زبان کے ساتھ ایسا ذکر جس میں دل غافل ہو تو اس کا نفع کم ہے اور احادیث میں ایسا بیان آیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے ذکر میں دل کا حاضر ہونا اور پھر دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا بھی بہت کم مفید ہے بلکہ ہر وقت یا اکثر اوقات میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے لوگ نا عبادات پر مقدم ہے۔ (احیاء العلوم مع تخریج العراقی: ۳۰۹/۱، طبع مصر)

امام غزالیؒ نے ”وفی الاخبار ما یدل علیہ“ سے ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں بغیر حضور قلب کے دعا کی عدم قبولیت کا ذکر آتا ہے جن میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے پکارو کہ تم یہ یقین رکھو کہ وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائے گا اور تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل سے دعا قبول نہیں فرماتا۔

(رداء الترمذی: ۱۸۶/۲، مشکوٰۃ: ۱۹۵/۱، طبع اصحاط)

جن بعض بزرگوں کی عبارات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تنہا ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں مثلاً امام احمد بن محمد بن حجر مکی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:

ہمارے آئمہ وغیرہم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ محض دل کے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ۶۳)

تو اس سے ایسا ذکر مراد ہے جس کا تلفظ اور تکلم شرعاً مامور اور مطلوب ہے، ورنہ امام قاضی عیاضؒ کی حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہی دل کا ہے اور اسی طرح امام نوویؒ کا ارشاد بھی گزر چکا ہے اور حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ بیان ہوا ☆... علامہ سید محمود آلوسیؒ نے ایک اور لطیف بات فرمائی ہے: اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دل میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان اذکار کے معانی کو ماننے والا ہو جن کو وہ زبان سے پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کمال عزت، عظمت اور جلال وغیرہ کو متحضر رکھے کیونکہ زبان کا ایسا ذکر جو دل کی موافقت سے خالی ہو گویا اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ زبان کے سادہ ذکر میں (جس میں دل شریک نہ ہو) بالکل کوئی ثواب نہیں ہے۔ (تفسیر روح المعانی ۱۵۴:۹، طبع مصر)

ان بعض حضرات نے تو یہ کہا مگر حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں فقہاء نے جو اعتبار نہیں کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدوں اس کے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا (الزوار: ۱۸۳)

اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ ذکر لسانی بھی زبان کا ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کا عمل ضائع نہیں کرتا اگر نفاق کے طور پر زبان سے کہے اور دل ساتھ نہ ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

☆... امام محمد بن الجزری الدمشقی الشافعی (اتوفی ۵۸۳ھ) نے اپنی کتاب حصن حصین میں ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: یعنی جو اجرا اور ثواب شریعت نے ذکر پر مرتب کیا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اس کا تلفظ نہ کرے اور اپنے آپ کو نہ سنائے۔ (حسن حصین)

☆... اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں کہ تلفظ کا اعتبار تو آنحضرت ﷺ کے صریح اقوال سے معلوم ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسا کہا تو اس کو اتنا اجر ملے گا تو اس کو اسی صورت میں مل سکتا ہے جس پر قول کا معنی صادق آئے اور قول زبان کے ساتھ تلفظ کے بغیر نہیں ہوتا باقی رہی یہ شرط کہ اپنے آپ کو نہ سنائے تب اس کو ثواب ملے گا تو اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی کیونکہ ثواب قول پر مرتب ہے اور وہ محض تلفظ سے پورا ہو جاتا ہے اور تلفظ کا معنی زبان کو حرکت دینا ہے اگرچہ اپنے آپ کو نہ سنائے سو غور کرنا چاہئے کہ اپنے آپ کو نہ سنانے کی شرط کی کیا وجہ ہے؟ (تحفۃ لذاکرین ۴۰، ۳۹، طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ تلفظ کرنے سے ذکر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے گو ذکر کے اپنے کان بھی نہ سنیں اور اگر اس انداز کا تلفظ ہو کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچائی جائے تو یہ بعض اکابر کی تعریف کے لحاظ سے ادنیٰ جہر کہلائے گا جیسا کہ امام کرخیؒ وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

☆... اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے اپنے دونوں کانوں کو آواز سنادی اس نے ابستہ نہیں پڑھا۔

(مجمع الزوائد ۲: ۲۶۷) (علم الذاکر بالجہر مع فضائل اللہ عز و جل، تأملہ و فرائض مفیدہ ۹۸: ۵۹)

## تنبیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر تحریر فرماتے ہیں:

پہلی بات: حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سینکڑوں مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کیساتھ اختلاف کرتے ہیں حتیٰ کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز تک کے احکام میں اختلاف ہے ایک امام ایک چیز کو جائز اور حلال کہتے ہیں اور دوسرے اس کا ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں علماء کرامؒ کو تو کہنا کیا ہے کتب فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں ہمارے دلوں میں تمام ائمہ کرامؒ کی قدر و عظمت ہے اور ہمارے قلوب ان کی تعظیم و تکریم سے بھرا اللہ تعالیٰ بھر پور ہیں لیکن جب دلائل اور براہین کی قوت اور فقہت کی گہرائیوں کا سوال اور تقابل سامنے آتا ہے تو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل کی قوت اور ان کی خداداد فقہت کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمارے دلوں میں تمام سلاسل کے اکابر کی بے پناہ محبت و عقیدت ہے وہ نقشبندی ہوں یا چشتی قادری ہوں یا سہروردی ہوں یا کسی اور سلسلہ سے وابستہ ہوں تمام ہمارے لئے قابل ہزار احترام ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ ان حضرات کی محبت نجات کا بہترین ذریعہ ہے اور ان میں سے اہل اجتہاد حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں گو وہ فی نفسہ غلط بھی ہوں مگر ان میں نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہوں گے بلکہ بفضلہ تعالیٰ ماجور بھی ہوں گے لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی فتویٰ یا عمل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل سے متصادم ہوگا تو اس میں ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کا نرا اجتہاد بھی بڑی وزنی دلیل ہے اور پھر ان کا استدلال نص قطعی سے ہے کما مر۔ اور حضرات صوفیاء کرامؒ کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کر دیا جائے گا نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرات ائمہ قضاء اور خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جاسکتی ہے

## مجدد الف ثانیؒ کے چند عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف الثانیؒ الحنفیؒ (۱۰۲۳ھ) کی چند عبارتیں بھی نقل کر دیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور ذکر بالجہر کرنے والے کو حضرات صوفیائے کرامؒ کے استدلال کا معیار بھی معلوم ہو جائے:

(۱) ... حضرات صوفیاء کرامؒ کے طریقوں میں سے اونچے طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب تر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کا التزام کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے اسلئے اگر اتباع سنت کی دولت رکھتے ہوں اور احوال حضرات صوفیہ سے کچھ بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود اتباع سنت میں فتور دیکھتے ہیں تو ان احوال کو وہ پسند نہیں کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سماع اور رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال سماع و رقص پر مرتب ہوتے ہیں ان کو وہ معتبر نہیں سمجھتے بلکہ ذکر بالجہر کو بدعت سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور ان ثمرات کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں ایک دن ہم حضرت خواجہ باقی باللہ

صاحبؒ کے دولت کدہ میں دعوت طعام پر حاضر تھے، آپ کے مخلص مریدوں میں سے ایک شخص شیخ کمالؒ نے کھانا شروع ہونے کے وقت آپ کے سامنے بسم اللہ بلند آواز سے کہہ دی، آپ کو یہ ناگوار گزرا حتیٰ کہ اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ اسے منع کر دیں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہو اور آپ سے میں نے سنا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کے دربار میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے روکیں علماء نے حضرت امیر کلالؒ سے کہا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کریں انہوں نے جواب میں فرمایا (بہت اچھا) ہم نہیں کریں گے جب اس طریقہ کے اکابر ذکر بالجہر سے منع کرنے میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں تو سماع اور رقص و وجد اور تواجد کا کیا ذکر؟ حال و وجد جو ناجائز اسباب پر مرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے۔ (مکتوب ۲۶۶، حصہ چہارم، دفتر ۱۱، ۱۷۸، ۱۷۹، طبع نور سینی، لاہور)

(۲)..... اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکام شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے جواہراتِ نفیسہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اخروٹ اور مٹھی کے عوض ضائع نہیں کرتے اور حضراتِ صوفیاءؒ کے سکریہ کلمات کے گرویدہ نہیں ہوتے اور ان احوال کو شرعی ممنوعات پر عمل کرنے سے حاصل ہیں اور بلند مرتبہ سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں کرتے اور نہ ان کو چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا حال ہمیشہ ایک طرز پر رہتا ہے۔ (مکتوب ۲۲۱، دفتر اول، حصہ چہارم، ۸۰)

(۳)..... اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں جو بدعت ہے حالانکہ ذکر بالجہر ذوق و شوق بخشتا ہے اور یہ حضرات دوسری چیزوں سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں کیوں منع نہیں کرتے جیسے کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ۔ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے باوجودیکہ یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ اے میرے مخدوم! آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور ہم اس کے روکنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور آپ کا وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر تھا اس کی مخالفت کو ہم بدعت نہیں سمجھتے اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین پر اور ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف و رسم بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے اور سی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں کے بدلنے سے عرف بھی متفاوت ہو جاتا ہے اس بات کے باوجود بھی اگر اس سنتِ عادی کی پابندی کی جائے تو یہ بھی سعادتوں اور عمدہ نتیجوں کا پھل لانے والی ہے (مکتوب ۲۲۱، دفتر اول، حصہ چہارم، ۲۴ و ۲۵)

(۴)..... پس ہر وہ طریقہ کہ نفس کی مخالفت اس میں زیادہ ہو (اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں) وہ سب راستوں سے قریب تر ہے اور شک نہیں کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں باقی سب طریقوں سے نفس کی مخالفت زیادہ ہے کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے اور رخصت سے اجتناب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عزیمت میں حرام اور فالتوں کاموں سے پرہیز کے دونوں اجزاء کی رعایت رکھی گئی ہے بخلاف

رخصت کے کہ اس میں صرف حرام ہی سے پرہیز کا لحاظ ہے اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ باقی سب طریقوں میں بھی عزیمت ہی اختیار کی گئی ہو تو میں کہوں گا کہ باقی اکثر طریقوں میں سماع اور رقص بے شمار حیلوں سے رخصت تک پہنچتا ہے عزیمت کا دہاں کیا ٹھکانہ اور اسی طرح ذکر بالجہر کا حال ہے کہ رخصت سے زیادہ اس میں کسی چیز کا خیال نہیں کیا جاسکتا اور نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے طریقوں میں اپنی کچھ نیک نیتی کے باعث نئے کام پیدا کر لئے ہیں نہایت تصحیح کے ساتھ ان میں حکم صرف رخصت تک ہی لگایا جاسکتا ہے بخلاف اس سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کے کہ انہوں ایک بال برابر بھی سنت کی مخالفت کو تجویز نہیں کیا اور بدعات کے گھڑنے اور ان پر عمل کرنے کو رو انہیں رکھا تو اسی سلسلہ میں نفس کی مخالفت پورے طریقہ پر پائی جاتی ہے پس یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے قریب تر ہے سو طالب کیلئے اس طریقہ کا اختیار کرنا زیادہ اولیٰ اور مناسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت قریب ہے اور مقصد نہایت بلند ہے (اس بات کی تشریح اسی کتاب کے ”سلسلہ نقشبندیہ کے فضائل“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں) ان بزرگوں کے طور و طریقہ کو چھوڑ کر بعض کام اس طریقہ میں گھڑ لئے گئے ہیں اور سماع و رقص اور ذکر بالجہر اختیار کر لیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بزرگ خاندان کی نیوٹوں کی حقیقت کو ہی نہیں پہنچے اور اس گھرانے کے ان خلفاء نے یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ ان بدعات اور محدثات کے ذریعہ اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ اس طریقہ کو بگاڑنے اور ضائع کرنے میں پوری کوشش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی (صحیح) راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ (مکتوب ۲۸۶، دفتر اول حصہ چہارم ۵۸۵/۵۸۶)

اور نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کو فقہ شافعی سے موافقت اور نبوت کے کمالات کو فقہ حنفی سے مطابقت ہے اگر بالفرض اس امت میں کوئی نبی مبعوث ہو تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کریگا اور اس موقع پر حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کی اس بات کی حقیقت معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنی کتاب فصل ستہ میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔

(مکتوب ۲۸۷، دفتر اول حصہ پنجم ۲۰۰)

یعنی چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کمالات نبوت میں سے ہے اور عین سنت کے مطابق ہے اس لئے جب حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی غیر منصوص احکام میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کی بدولت جو احکام سنت سے مستنبط کئے تھے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی براہ راست سنت سے استنباط کریں گے۔ گویا دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں تو اوروں کا فرق یہ نکلے گا کہ ایک اجتہاد معصوم کا ہوگا اور ایک غیر معصوم کا مگر دونوں کی کڑی سنت سے جا ملے گی۔ (حکم الذکر بالجہر: ۱۹۷/۲۰۴)

☆..... دوسری بات: ہو سکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ذکر بالجہر ابتدائی مراحل اور مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کیلئے جائز رکھا ہوتا کہ اس طریقہ سے وساوس شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلت نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت کی حرارت اور جذبہ سلوک پیدا ہو اور بعد کے حضرات نے ہو سکتا ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے کما مر) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا تصور ہے؟ اور پہلے گزر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتادی

بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آجکل ذکر جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اگر ہماری اس تاویل اور توجیہ پر کسی کا یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پٹی سے سن لیں (دیکھئے تفسیر مظہری: ۳/۴۰۹)

حضرت خواجہ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک خفی دوسری جلی لیکن ساک کو پہلے جلی شروع کرنا چاہئے پھر خفی ذکر جلی زبان سے تعلق رکھتا ہے زبان سے ذکر جلی کی کثرت کرنے چاہئے تاکہ اس کثرت سے خفی حاصل ہو۔

(مفتاح العشاقین اردو ترجمہ ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ص ۸ طبع ر. بور)

☆..... تیسری بات: جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے (گو ان میں اکثریت حضرات شوافع اور حضرات صوفیاء کی ہے مگر) انہوں نے بھی ذکر جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کیساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں۔

(مثلاً) امام ابن حجر کی الشافعی حضرات صوفیاء کرامؒ کے اذکار و اوراد کے اثبات پر پہلے چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں: اور جب یہ ثابت ہوا کہ حضرات صوفیاءؒ جس بات کے معناد ہیں یعنی ان کا اذکار و اوراد پر صبح وغیرہ کے بعد جمع ہونا اس کی سنت سے صحیح

اصل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے سو اس سلسلہ میں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اگر اس مقام پر ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے اذیت ہوتی ہے مثلاً نماز یا سونے والا تو پھر ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ آہستہ ذکر کریں ورنہ اس حکم کی طرف رجوع کریں جو ان کو ان کا شریعت اور حقیقت کا جامع استاد دیتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے بیان چکی ہے کہ وہ حکیم کی مانند ہے سودہ اسی چیز کا حکم دے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اس میں بیمار کی علت کی شفاء ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بعض ردی قسم کے وساوس اور کیفیات نفسانیہ کے دفع کرنے اور غافل دلوں کو بیدار کرنے اور کامل اعمال کے اظہار کیلئے جہر کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو اخلاق کے طریقوں کی تعلیم اور گناہی کی زندگی کو ترجیح دینے کیلئے آہستہ ذکر اختیار کرتے ہیں۔ (نوی: ص ۲۵۰ تا ۲۵۱)

اس عبارت میں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں نمازیوں اور سونے والوں کی نیند اور آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

(۲)..... علامہ خیر الدین رملی الحنفیؒ کا حوالہ گذر چکا ہے جس میں ذکر بالجہر کی بعض شرائط اور قیود کا تذکرہ موجود ہے۔ (۳)..... علامہ شامیؒ

(۴)..... علامہ سید احمد طحاویؒ (۵)..... اور حضرت تھانویؒ کے مفصل حوالے پہلے گذر چکے ہیں جن میں ذکر بالجہر میں لوگوں کی عدم اذیت

کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (لوگوں کو تکلیف دینا حرام ہے اگر ذکر بالجہر کی وجہ سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو تو پھر اس کا ترک واجب ہے

) ذکر بالجہر تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ زیادہ سے زیادہ رخصت ثابت کیا جاسکتا ہے اور بعض دیگر حضرات کی تحقیق سے مباح یا مستحب یا

صرف جائز ثابت ہوتا ہے اندریں حالات ایک رخصت یا مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور جائز کو ادا کرنے کیلئے واجب کو نظر انداز کر دینا

فقہی طور پر کس طرح درست ہوگا۔ (ماخذ حکم الذکر بالجہر مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رفیع ازخان صندر صاحب تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔)

## تصوف کیا ہے؟

لوگوں نے تصوف کے معنی سے بحث کی ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے اور اس پر بھی کہ صوفی کون ہے؟

پہلے سوال کے مشارح نے کئی جوابات دیئے ہیں ابراہیم بن مولد رقی نے اپنی کتاب میں اس کے ایک سو سے زائد جوابات جمع کئے ہیں، ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیل اور ذوق کے مطابق کی ہے، اور چونکہ ہمارا مقصد اختصار سے کام لینا ہے، اس لئے اگر ان تمام اقوال کا ذکر کریں، جو اس سلسلہ میں کہے گئے ہیں، تو ہم اصل مقصد سے دور ہو جائیں گے، البتہ ہم چند اقوال کا ذکر انشاء اللہ کریں گے۔

### اقوال مشارح

- (۱) ابو محمد جریری کا قول: فرمایا: یہ اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ۴۱۷)
- (۲) حضرت رویم کا قول: نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کریں۔ (ایضاً: ۴۱۸)
- (۳) ... حضرت محمد بن علی القصاب کا قول: فرمایا تصوف ان کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی کریم زمانہ میں کسی کریم شخص سے شریف لوگوں کے سامنے ظہر پذیر ہوں۔ (ایضاً: ۴۱۸)
- (۴) حضرت جنید کا قول: کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔ (ایضاً: ۴۱۸)
- (۵) ... حضرت جنید کا ایک اور قول: فرمایا اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ (ایضاً: ۴۱۸)
- (۶) حضرت معروف کرخی کا قول: تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔ (ایضاً: ۴۱۸)
- (۷) حضرت رویم بن احمد بغدادی کا قول: کہ تصوف کی بناء تین چیزوں پر ہے، جو یہ ہیں: (الف): فقر و افتقار کو مضبوط پکڑنا۔ (ب) بذل و ایثار کے ساتھ متصف ہونا۔ (ج) اور کسی چیز سے تعرض کرنے یا کسی چیز اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ۴۱۸)
- (۸) ... حضرت سنون کا قول: تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔ (ایضاً)
- (۹) ... حضرت ابو حفص نیشاپوری کا قول: تصوف آداب ہے ہر وقت کا ادب، ہر جگہ کا ادب، ہر حال کا ادب۔ (تصوف و سلوک: ص ۱۲)
- (۱۰) ... حضرت مجدد الف ثانی کا قول: تصوف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔ (تصوف و سلوک: ص ۱۳)
- (۱۱) حضرت احمد خضرویہ کا قول: تصوف باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے۔ (ایضاً: ص ۱۲)
- (۱۲) ... حضرت ابو حمزہ بغدادی کا قول: تصوف درگزر کو اختیار کرنا، اچھے کاموں کا حکم دین اور جاہلوں سے اعراض کرنا ہے۔ (ایضاً)
- (۱۳) حضرت ابوالحسن شہد کا قول: ایک وقت تھا کہ تصوف حقیقت تھی بے نام آج نام ہے بے حقیقت۔ (ایضاً)
- (۱۴) ... حضرت عمر بن عثمان مکی کا قول: تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے، جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ۴۱۸)
- (۱۵) حضرت محمد بن احمد امکزی کا قول: تصوف اپنے احوال کو بیچ پر قائم رکھنے کا نام ہے۔ (تصوف و سلوک)



- (۱۶)..... حضرت نوریؒ کا قول: کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو، تو ایثار کر دے۔ (ایضاً: ص ۳۱۹)
- (۱۷)..... حضرت مرتعشؒ کا قول: تصوف اچھے اخلاق کا مجموعہ کا نام ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۱۲)
- (۱۸)..... حضرت کتائیؒ کا قول: کہ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے، جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے، وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ص ۳۱۹)
- (۱۹)..... حضرت ابوعلیٰ قزوینیؒ کا قول: تصوف ایسے اخلاق کو کہتے ہیں جن سے رب راضی ہو۔ (تصوف و سلوک: ص ۱۲)
- (۲۰)..... حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علیؒ بن ابی طالب کا قول: تصوف اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے جو اچھے اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں زیادہ ہے۔ (ایضاً)
- (۲۱)..... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول: تصوف اپنے کو مٹا دینے کا نام ہے۔ (ایضاً: ص ۱۳)
- (۲۲)..... حضرت حسین بن منصورؒ کا قول: صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے، نہ کوئی اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ص ۳۱۷)
- (۲۳)..... حضرت ابو حمزہ بغدادیؒ کا قول: کہ صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے اور باوجود ذمی عزت ہونے کے حقیر بنے اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے، حقیر کے بعد عزت والا بنے اور گناہ ہونے کے بعد شہرت والا ہو۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ص ۳۱۷)
- (۲۴)..... حضرت محمد زکریاؒ کا قول: تصوف کی ابتداء ہے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (بیشک اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے) اور تصوف کی انتہا: ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ (یہ کہ اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے)۔ (ایضاً)
- (۲۵)..... حضرت احمد علی لاہوریؒ کا قول: تصوف یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسول اللہ ﷺ کو اطاعت سے اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کرو۔ (ایضاً)
- (۲۶)..... حضرت سہل بن عبد اللہؒ کا قول: کہ صوفی وہ ہے، جو اپنے خون کو رازیگان سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔ (ایضاً)
- (۲۷)..... حضرت شبلیؒ کا قول: کہ صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کیساتھ متصل ہو گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَاضْطَبَّ عُنْكَ لِنَفْسِي“ میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ (یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو) ہر غیر سے منقطع کر دیا۔ مگر پھر (جب موسیٰ نے دیدار کی درخواست کی تو) فرمایا: ”لَنْ تَرَانِي“ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا (تاکہ اس کا اشتیاق بڑھے)۔ (ایضاً)
- (۲۸)..... حضرت شبلیؒ کا دوسرا قول ہے: کہ اللہ کے ساتھ غم کے بغیر بیٹھنا تصوف کہلاتا ہے۔ (ایضاً: ص ۳۲۰)
- (۲۹)..... حضرت ابوتراب نخشیؒ کا قول: کہ صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی، مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔ (ایضاً)
- (۳۰)..... حضرت ابو نصر السراجؒ کا قول: وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر

ترجیح دی ہے۔ (ایضاً)

(۳۱)۔ حضرت جریریؒ کا قول: کہ اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب رکھنے کا نام تصوف ہے۔ (ایضاً)

(۳۲) حضرت رویؒ کا قول: کہ جب تک صوفیاء (ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے)، آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں، ٹھیک رہیں گے، مگر جو نبی انہوں نے آپس میں صلح کر لی (اور تنبیہ چھوڑ دی)، تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

(۳۳) حضرت ابوالعلیٰ رودباریؒ کا قول: کہ محبوب کے در پر ذریعہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے، خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔

نیز فرمایا کہ بعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم: ۴۲۰)

(۳۴)۔ حضرت جنیدؒ کا دوسرا قول: کہ تصوف جبر و قہر ہے، اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔ (ایضاً)

(۳۵)۔ حضرت حرازؒ کا قول: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے سرفراز کیا اور وسیع پیمانہ پر انعامات دیئے اور جب انہیں غیر اللہ سے روکا گیا، تو خود سے بھی گم ہو گئے۔ پھر تو انہیں انکے باطن نے پکار کر کہا کہ لوگوں سے کہو کہ اب تم ہم پر رولو۔ (ایضاً)

(۳۶) حضرت حمدون قسارؒ کا قول: کہ صوفیاء کی صحبت میں رہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک بری باتوں کا عذر پیش کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں اور ان کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں۔ (ایضاً)

(۳۷)۔ حضرت مزینؒ کا قول: کہ حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوف ہے۔ (ایضاً)

(۳۸)۔ مروی ہے کہ اہل تصوف ایسے گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں غیر داخل نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً)

(۳۹)۔ مروی ہے کہ تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔ (ایضاً)

(۴۰)۔ مروی ہے کہ خالی ہاتھ، دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔ (ایضاً)

(۴۱)۔ مروی ہے کہ صوفیاء حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہیں۔ (کیونکہ حق تعالیٰ ان کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے)۔ نیز مروی ہے کہ تصوف جلادینے والی بجلی ہے۔ (ایضاً)

(۴۲)۔ مروی ہے کہ کائنات کو دیکھنے سے محفوظ رہنے کا نام تصوف ہے۔ (ایضاً)

(۴۳)۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ بخاریؒ کا قول: تصوف یہ ہے کہ اجمالی معاملہ تفصیلی ہو جائے اور استدلالی معاملہ کشفی ہو جائے۔ (تصوف و سلوک، ص ۳۱۰)

(۴۴)۔ سید احمد کبیر رنائیؒ نے اپنے کتاب بنیان المشید میں تصوف کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا ہے: (۱) شریعت پر مضبوطی کے ساتھ چلنا۔ (۲) صرف اللہ وحدہ کا طالب بننا (یعنی اللہ کے سوا تمام چیزوں کی طلب دل سے نکال دینا)۔

خلاصہ کلام: انسانی زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشا انسان کا اپنا کام ہے۔ رب کائنات نے حضرت انسان کو کہیں ﴿جَاعِلُ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾ سے خطاب کیا۔ کہیں ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا﴾ کا تاج پہنایا اور کہیں ﴿فَضَّلْنَا﴾ کا ہار گلے میں ڈال کر عزت افزائی کی۔ انسان چاہئے کہ ﴿الْأَنفُسَ بِرَبِّكُمْ﴾ کے میثاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ﴿وَتَبْتَغِیْ إِلَیْهِ تَبْتَغِیْ﴾ کے راستے پر چلے اور ﴿إِلَیَّ رَبِّکَ﴾

مُسْتَهْفَا کی منزل پر پہنچ کر دم لے۔ کسی بھی گاڑی کو منزل پر پہنچنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو سڑک ٹھیک ہو، دوسرا گاڑی میں پٹرول بھرا ہوا ہو، اگر سڑک ٹھیک نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اگر پٹرول نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں پس انسان کی مثال گاڑی کی سی ہے شریعت کی مثال راستے کی سی اور طریقت کی مثال پٹرول کی سی ہے۔ انسان اگر وصول الی اللہ کی منزل پر پہنچنا چاہے تو اسے شریعت کے راستے اور طریقت کے پٹرول کی ضرورت پڑے گی لہذا جو لوگ شریعت میں سے کسی ایک چیز کے بھی منکر ہیں وہ اپنی گاڑی کو راستے ہی میں رکا ہوا پائیں گے، کامیاب زندگی یہ ہے کہ انسان ﴿فَقْفِرُوا إِلَى اللَّهِ﴾ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے "تَخْلَقُوا بِاخْلَاقِ اللَّهِ" کے مطابق اخلاق خداوندی سے متعلق اور اوصاف محمدی ﷺ سے متعلق ہو کر زندگی گزارے تاکہ ﴿إِنَّا بَوَّاءُ إِلَى اللَّهِ﴾ کی جماعت میں شامل ہو کر ﴿لَهُمُ الْبُشْرَى﴾ کی بشارت اور ﴿وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ الْأَكْبَرِ﴾ کی منزل پر پہنچے۔ اسی کا نام تصوف ہے۔ (تصوف و سلوک ۱۳)

### لفظ صوفی کی تحقیق

☆..... عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں مومنین کو مخاطب کرنے کے لئے کئی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً: "ذَاكِرِينَ، صَابِرِينَ، خَاشِعِينَ، صَادِقِينَ، قَانِتِينَ، مُوقِنِينَ، مُخْلِصِينَ، مُحْسِنِينَ، خَائِفِينَ، وَجِلِينَ، عَابِدِينَ، مُتَوَكِّلِينَ، مُتَّقِينَ، مَقْرَبِينَ، أَبْرَارَ، فَقَرَاءَ، أَوْلِيَاءَ۔" سلف صالحین ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے ان میں سے مختلف الفاظ و قافو استعمال کی کرتے تھے تاہم دو الفاظ "فقراء، عباد" نے زیادہ قبولیت پائی۔ دونوں کی ایک ایک مثال درج ذیل ہے۔

(۱)..... ایک موقع پر حضرت حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا: اے فقراء کی جماعت! بے شک تم اللہ کو پہچانتے ہو اور اللہ کی تعظیم کرتے ہو، پس دیکھو کہ جب تم خلوت میں ہو تو اللہ کے ساتھ کیسے ہو۔

(۲)..... علامہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے: شفاء (بنت عبد اللہ) چند نوجوانوں کو دیکھا کہ ان کی رفتار اور گفتار میں آہستگی پائی جا رہی تھی دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں، بتایا گیا کہ یہ عباد ہیں۔ (سیرت مزین خطاب ص ۲۱۶)

☆..... فقراء ان لوگوں کو کہتے ہیں جن میں فقر ہو اور عباد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو عبادت گزار ہوں۔ صفت کی طرف اشارہ کرتے تھے لہذا سلف صالحین اپنی صفات و مقامات پر نام رکھتے۔

انشرح اور ادب کا تقاضا یہی تھا کہ عادات ظاہرہ پر نام پکارا جائے۔ ظہنہ تھے وہ احادیث درج ذیل ہیں۔

(۱)..... شیخ ابو زرہ طاہر بن محمد بن طاہر نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالے

النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُ الصُّوفَ وَيَرْكُبُ الْحِمَارَ "نبی اکرم ﷺ ادن کا لباس

(۲)..... حضرت علیؒ جویریؒ نے کشف الحجب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ

☆  
آداب تصوف

ماہی ہے۔ مثال کے طور پر

خَلَائِفَةُ فِي قُلُوبِكُمْ“ تم اون کا لباس پہنوں ایمان کی حلاوت اپنے دلوں میں پاؤ گے۔

☆..... چونکہ صوف کا لباس (پیشینہ) پہننا انبیاء علیہم السلام کی عادت اور اولیاء و اصفیاء کا شعار تھا لہذا انہیں ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ پس صوفی ایک مجمل اور عام نام ہوا جو ان کے تمام علوم، اعمال، اخلاق، اور تمام شریف اور قابل ستائش احوال کی خبر دیتا ہے۔ حضرت ابونصر سراج طوسیؒ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے خاص اصحاب کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ﴾ ”جب حواریوں نے کہا“ یہ لوگ سفید لباس پہنا کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی طرف منسوب کر دیا اور جن علوم و احوال سے یہ موسوم تھے ان میں سے کسی نوع کی طرف منسوب نہیں کیا۔ میرے نزدیک صوفیہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔“ (کتاب اللع فی التصوف ص ۵۵ ماخذ: تصوف و سلوک ص ۱۶)۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صوفی کا لفظ صوف سے مشتق ہے یہی قول اقویٰ ہے۔ (تصوف و سلوک ص: ۱۷) شیخ ابوبکر ابراہیم بخاری القلا بازی نے اپنی کتاب ”التعارف المذہب التصوف“ میں لغوی تحقیق کے حوالے سے اس بات کو ثابت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ (ایضاً)

☆..... پہلا قول: جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ ”صف“ سے مشتق ہے، باین معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صف اول میں ہیں، تو یہ معنی تو درست ہیں، مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت ”صفی“ آتا ہے، ”صوفی“ نہیں آتا۔ (ایضاً)۔

☆..... دوسرا قول: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ”صوف“ کا لفظ مسجد رسول اللہ ﷺ کے ”صفہ“ کی طرف منسوب ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ ”اصحاب صفہ“ کی یادگار ہیں، تو یہ درست نہیں، کیونکہ ”صفہ“ کا اسم نسبت ”صفی“ آتا ہے، ”صوفی“ نہیں آتا۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم ص ۴۶)۔

☆..... تیسرا قول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”صوفی“ کا لفظ ”صففا“ سے بنا ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صوفی کا مقصود صفائی باطن کا حاصل کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لفظ ”صفافی“ ہونا چاہئے تھا۔

☆..... چوتھا قول: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ”صوف“ سے اور ”تصوف“ سے نکلا ہے، کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنتا تو اس کے لئے ”تصوف“ کا لفظ بولتے ہیں۔ جس طرح قمیص پہننے کے لئے ”قمص“ کا لفظ بولا جاتا ہے، تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے، مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا، البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے۔ (الرسالۃ القشیر یہ ص ۴۶)

☆..... پانچواں قول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”صوفی“ کا لفظ ”صوف“ سے بنا ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اگر ایسا ہے تو یہ لفظ ”صوفی“ ہی ہونا چاہئے تھا معلوم ہوا کہ صوفی کا لفظ مشتق ”صوف“ سے ہے مقصود اس کا ”صففا“ ہے نسبت اسے اصحاب ”صفہ“ سے ہے اور قیامت کہ دن اس کا مقام ”صف“ اول ہوگا۔ (تصوف و سلوک ص: ۱۷)

صوفی کے لفظ کی نسبت صوف (پشمینہ) سے ہونے میں کئی حکمتیں بھی ہیں

- (۱) ... پشمینہ نرم ہوتا ہے پس صوفی وہ شخص ہے جو دل کو نرم بنانے کے لئے محنت کر رہا ہو۔
- (۲) ... پشمینہ سفید ہوتا ہے پس صوفی وہ شخص ہے جو اپنے دل کو صوف کی طرح سفید کرنے کے لئے محنت کر رہا ہو۔
- (۳) ... پشمینہ کسی رنگ کو جلدی قبول نہیں کرتا، پس صوفی وہ شخص ہے جو ”صِبْغَةُ اللّٰهِ“ اللہ کے رنگ میں ایسا رنگا جا چکا ہو کہ اب ماسوا کا رنگ اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً)

صوفی کے عنوان سے سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: صوفی کا لفظ جن الفاظ سے ماخوذ ہے کیا ان کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں ملتا ہے؟

جواب: جی ہاں، صوفی کا لفظ جن الفاظ سے ماخوذ ہے ان کا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ... ایک قول کے مطابق صوفی کا لفظ ”صف“ سے ماخوذ ہے تو قرآن پاک میں ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُومٌ** (تغ ۴) بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اللہ کے راستہ میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں یوں لگتا ہے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(۲) دوسرے قول کے مطابق صوفی کا لفظ ”صفہ“ سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک میں ہے۔

”عن ابن عباسؓ وقف رسول اللہ ﷺ علی اصحاب الصفة فرأى فقرهم وجهدهم وطهس قلوبهم فقال ابشروا يا اصحاب الصفة فمن بقى من امتى على النعت الذى انتم عليه راضيا بما فيه فانه من رفقائى فى الجنة“ (بخاری) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اصحاب صفہ پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان کے فقر اور مشقت کو محسوس کیا تو فرمایا خوش ہو جاؤ اہل صفہ پس جو شخص میری امت سے تمہاری روش پر رہنا پسند کریگا وہ بہشت میں میرا ساتھی ہوگا۔

(۳) ... تیسرے قول کے مطابق ”صوفی“ کا لفظ ”صفنا“ سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک میں ہے۔ ”عن ابی جحیفۃ قال خرج علينا رسول اللہ ﷺ متغیر اللون فقال ذهب صفو الدنيا وبقي كدرها فالموت اليوم تحفة لكل مسلم“ (بخاری) حضرت ابو جحیفۃؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہم پر نکلے آپ کا رنگ متغیر تھا آپ نے فرمایا کہ دنیا کی صفائی چلی گئی اور میل پکیں رہ گئی ہیں آج تو موت ہر مسلمان کیلئے تحفہ ہے۔

(۵) ... پانچویں قول کے مطابق ”صوفی“ کا لفظ ”صوف“ سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک ہے: ”كان النبی ﷺ یلبس الصوف ویركب الحمار“ (بخاری) نبی اکرم ﷺ صوف کا لباس پہنتے اور گدھے کی سواری کرتے تھے۔

سوال نمبر ۲: لفظ صوفی کی کوئی اہمیت ہوتی تو قرآن میں من و عن موجود ہوتا۔

جواب: کسی لفظ کا من و عن قرآن و حدیث میں موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ لفظ غیر اہم یا غیر اسلامی ہے۔ مثال کے طور پر

مشکملین کا لفظ قرآن وحدیث میں من وعن کہیں موجود نہیں تو کیا علم کلام غیر اسلامی ہو گیا۔ اس کے بغیر تو اسلامی عقائد بھی ثابت نہیں کئے جاسکتے۔ اسی طرح نحو کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو کیا علم النحو فضول اور غیر اہم ہے اس کے بغیر تو قرآن وحدیث کو سمجھنا بھی ممکن نہیں۔

سوال نمبر ۳:- صحابہ کرامؓ کے دور میں تو کسی کو صوفی نہیں کہا جاتا تھا۔

جواب: رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی ایک خاص عظمت اور خصوصیت تھی۔ جیسے یہ نعمت نصیب ہوگئی اس پر کوئی اور نام چسپان کرنا گستاخی تھی صحابہ کرامؓ تو نسبت اور صحبت کی وجہ سے زاہدوں، عابدوں، متوکلوں، صابروں، اطاعت گزاروں اور فقراء کے پیشوا ہیں تمام احوال میں سے بہترین اور بزرگ ترین حال ان کو نصیب تھا۔ اب انہیں کسی اور فضیلت کی وجہ سے فضیلت دینا ناروا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”خَيْرُ الْقُرُونِ قُرُونِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ“ [بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ اسی طرح پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے] پس ساری دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں اس کر بھی صحبت رسول ﷺ کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔ امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ سیدنا امیر معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ سیدنا امیر معاویہؓ جب نبی ﷺ کی معیت میں جہاد پر نکلے تو ان کے گھوڑے کی ناک میں جو مٹی لگی وہ مٹی بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ ساری دنیا کے اقیاء، اصفیاء اور اولیاء مل کر بھی کسی ادنیٰ صحابیؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

پس جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی وہ خوش نصیب حضرات صحابیؓ کہلائے، جنہوں نے صحابہؓ کی صحبت پائی وہ تابعین کہلائے اور جنہوں نے تابعین کی صحبت پائی وہ تبع تابعین کہلائے یہ تینوں نسبتیں مندرجہ بالا فرمان نبوی ﷺ کی بنا پر خیر کی غمازی کرتی تھیں۔ لہذا ہر شخص اس نسبت کے ساتھ پکارا جانا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ پس صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد امت کے مشائخ صوفیاء کے نام سے مشہور ہوئے حضرت امام قشیریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ دوسری صدی ہجری سے پہلے عام تھا۔

سوال نمبر ۴: صوفی کا لفظ سب سے پہلے کب استعمال ہوا؟ سنا ہے کہ یہ اہل بغداد کی ایجاد ہے؟

جواب: حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ نے تاریخ مکہ کے حوالے سے محمد بن اسحاق بن یسارؒ اور دیگر لوگوں کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ”اسلام سے پہلے ایک بار مکہ خالی ہو گیا تھا یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا دور دراز سے ایک صوفی آتا اور بیت اللہ کا طواف کر کے واپس چلا جاتا“۔ تاریخ کے اس حوالے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نام اہل عرب کو اسلام سے پہلے بھی معلوم تھا صاحب فضیلت اور صالح لوگ اسی نام سے موصوف ہوتے تھے ”واللہ اعلم“۔

حضرت حسن بصریؒ جنہوں نے اٹھارہ بدری صحابہؓ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے باطنی فیضان پایا۔ ان کے وقت میں صوفی کے لفظ کا مستعمل ہونا تو یقینی امر ہے۔ حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں۔ ”لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ نام بغدادیوں نے گھڑ لیا ہے

نفلط ہے۔ چونکہ یہ نام تو حسن بصریؒ کے عہد میں بھی مستعمل تھا۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ میں نے طواف کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اسے کچھ دیا۔ اس نے نہیں لیا اور کہنے لگا، میرے پاس چار دانق پڑے ہیں اور کافی ہیں“ (کتب المعانی تصوف ص ۶۵)۔

معلوم ہوا کہ صوفی کا لفظ تابعین کے دور میں احیاناً استعمال ہوتا تھا تبع تابعین کے دور میں نسبتاً زیادہ استعمال ہونے لگا اور ان کے بعد دوسری صدی ہجری سے پہلے زبان زد عام ہو گیا۔

امام سفیان ثوریؒ اپنے وقت کے ایک شیخ کو ابو ہاشم صوفی کہا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے ایک شیخ ابو حمزہ بغدادیؒ کو صوفی کہتے تھے۔

### صوفی کون ہے؟

(۱)۔۔۔ نوریؒ سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا، تو فرمایا: صوفی وہ ہے، جس نے سماعِ سنا اور ان ذرائع کو پسند کیا۔ (جو اللہ تک لے جائیں)۔

(۲)۔۔۔ ابو نصر السراجؒ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت حصریؒ سے کہا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ فرمایا: جسے نہ زمین اٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کئے ہو (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو)۔ استاد ابو القاسمؒ سے مروی ہے کہ حصریؒ کا اشارہ محویت کی حالت کی طرف ہے۔

(۳)۔۔۔۔۔ مروی ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو حالتیں، یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں، تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے۔

(۴)۔۔۔۔۔ ابو منصورؒ سے مروی ہے کہ صوفی اللہ کی طرف اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۵)۔۔۔ مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے، جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں۔۔۔۔۔ بادل کی سی ہے، جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے۔

(۶)۔۔۔۔۔ مروی ہے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

(۷)۔۔۔۔۔ مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ ہر بری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے۔

(۸)۔۔۔۔۔ مروی ہے کہ بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔ (الرسالۃ القشیر یہ مترجم ص ۲۲۱)۔

(۹)۔۔۔ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عبد الواحد بن زیدؒ سے پوچھا گیا صوفیا کون ہوتے ہیں؟ فرمایا جو اپنی عقنوں کے ذریعے اپنے

ارادوں پر قائم ہوتے ہیں اور اپنے دلوں سے اس پر ڈٹے رہتے ہیں اور اپنے شر سے بچنے کی خاطر اپنے آقا کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں۔

(۱۰)۔۔۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ”صوفی وہ ہے جسے جستجو تھکا نہ سکے اور محرومیت کی وجہ سے بے چین نہ ہو۔“

(۱۱)۔۔۔ حضرت ابو محمد رومیؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ”جس کا کردار اس کی گفتار کے موافق ہو۔“

(۱۲) کسی عارف نے اسی سوال کا جواب دیا:

صوفی آں بہ شد کہ صافی شود از کدر پر شود از فکر  
در قرب خدا منقطع شود از بشر  
یکساں شود در چشم او خاک وزر

”صوفی وہ ہوتا ہے، جو میل سے صاف ہو، فکر سے پر ہو، خدا کے قرب میں مخلوق سے دور ہو اور اس کی نگاہ میں سونا اور مٹی برابر ہو۔“

(۱۳) حضرت شبلیؒ نے فرمایا: ”صوفی وہ ہے جو مخلوق سے کٹے، در اللہ سے جڑے۔“

پس صوفی وہ ہوتا ہے جس کو جانوروں کی آواز، ہر ایک سوز و ساز، چڑیوں کی چمک، سماء ہمک، درختوں کے رنگ، شیشہ و سنگ، پتھر کی سختی، خوشحالی و بدبختی، زمین کی نرمی، آتش کی گرمی، دریا کی روانی، کواکب آسمانی، پہاڑوں کے ابھار، بیابان و مرغزار، خزان و بہار، غرض ہر چیز ایک نادیہ ہستی کی یاد دلائے۔ اللہ اللہ اللہ۔ (تصوف، سوک ص ۲۲۲)

### صوفی کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ابو نصر السراجؒ سے مروی ہے کہ ابن جلاء سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: کسی علم میں اس کے معنی نہیں پائے جاتے، مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے: صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے، جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے، حق سبحانہ و تعالیٰ اسے ہر مکان و حالت کے عم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے اسے صوفی کہا جاتا ہے۔

(۲) کسی کا قول ہے کہ تصوف جاہ و جلال کے ساقط کرنے اور دنیا و آخرت میں رسوائی پانے کا نام ہے۔ (یعنی انہیں اللہ کے سوا کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لہذا دنیا و آخرت کی کسی چیز میں کامیابی نہیں چاہتے)

(۳) ابو یعقوب مزائیؒ سے مروی ہے: تصوف ایسی حالت کا نام ہے، جس میں انسانی علامتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

(۴) ابوالحسن سیروانیؒ سے مروی ہے کہ صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے، اور اد کے ساتھ نہیں۔

(۵) ابوبلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو صرف ان لوگوں کے لیے موزون ہے جنکی ارواح کے ذریعہ سے اللہ نے گندگیوں کو صاف کر دیا۔ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ اگر فقیر کے پاس سوائے روح کے کچھ بھی نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس سلسلہ کے کتوں، یعنی مخالفین کے سامنے پیش کرے تو بھی کوئی کتا (اسے قبول کرنا تو درکنار) دیکھے گا بھی نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حال مخالفین سے چھپائے رکھتا ہے اور مخالفین کے نزدیک ان کی روح نہایت حقیر ہوتی ہے)۔

(۶) استاد ابوسہل صعلوکیؒ سے مروی ہے کہ تصوف (اللہ کی قضاء پر) اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

(۷) حصریؒ سے مروی ہے کہ صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

(۸) استاد ابوالقاسم قشیریؒ سے مروی ہے کہ حصریؒ کے مذکورہ بالا قول میں اشکال پایا جاتا ہے، انکا یہ کہنا کہ معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں، تو پھر واپس نہیں لوٹیں اور ان کا یہ کہنا کہ وجود میں آنے کے بعد معدوم



نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تو مخلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا، لہذا حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

(۹)۔ مروی ہے کہ صوفی وہ ہے جو ان احوال کی وجہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔

(۱۰)۔ مروی ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔

(۱۱) مروی ہے کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آ بھی جائے۔ تو اس میں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)۔

(۱۲)۔ ابو بکر المصریٰ نے خرازؒ سے روایت کی کہ میں جمعہ کے دن قیروان کی جامع مسجد میں تھا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں چہر لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ خیرات کے طور پر دو، میں ایک صوفی تھا اب کمزور ہو چکا ہوں (یعنی اپنی اصل حالت کو کھو چکا ہوں)۔ میں نے اسے کچھ دینا چاہا تو اس نے کہا: جاؤ! میں اس قسم کی خیرات نہیں مانگتا (بلکہ اللہ کی راہ میں ایسی خیرات مانگتا ہوں جو مجھے پھر اپنی حالت پر لے جائے) اور اس نے وہ خیرات قبول نہیں کی۔ (الرسالة القشیر یہ مترجم ۴۲۱-۴۲۲)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## تصوف (علم الاحسان) کے شرعی ثبوت کے دلائل

اگر کوئی یہ پوچھے کہ علم الاحسان کا کہاں سے ثبوت ملتا ہے؟ علم الشرائع کے بارے میں تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اَطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ السَّنَدِ إِلَى اللَّهِ“ اور یہ بھی فرمایا: ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ“، ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم کو سیکھنا چاہئے پھر یہ علم الاحسان کہاں سے آگیا؟ علم الاحسان (تصوف) کے شرعی ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) . دلیل اول: اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے“

یعنی ظاہر اور باطن میں عقیدوں اور اخلاق میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی خفگی کا سبب ہو۔ تقویٰ کو کامل طریقے سے اختیار کرنا چاہئے، آیت مذکورہ میں امر کا صیغہ ہے اور امر واجب ہونے کی دلیل ہے، لہذا ہر مسلمان پر تقویٰ لازم ہوگی اور تقویٰ کمال ولایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حسد، کینہ، غیبت، ریا، غرور، تکبر وغیرہ نفس کی برائیاں ہیں کہ جن کا حرام ہونا قرآن مجید، اور احادیث مبارکہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ پس جب تک یہ نفس کی برائیاں دور نہ ہو جائیں پورا پورا تقویٰ حاصل نہیں ہوتا اور نفس کا فنا ہونا اور گناہوں سے بچنا جسم کی اصلاح سے حاصل ہوتا ہے اور جسم کی اصلاح دل کی اصلاح پر منحصر ہے اور اسی کا نام ولایت ہے اور اس علم کا نام طریقت اور تصوف ہے۔ چنانچہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“

(۲) . دلیل دوم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) تحقیق تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے۔

نیز فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (اعناب: ۱۲) پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سے ہو سکے۔

نیز صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنْ اتَّقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُم بِاللَّهِ أَنَا“ (بخاری ج ۱، ص ۱۶، رقم ۲۰) تحقیق میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتے ہوں۔

پس ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے تقویٰ کہلاتا ہے۔ جتنا زیادہ پرہیز کرے گا اتنا ہی متقی ہوگا، اتنی ہی نفس کی برائیاں فنا ہوں گی اور قلب کی صفائی حاصل ہوگی۔

(۳) . دلیل سوم: اللہ تعالیٰ فرمان ہے: ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (۱۱۳: ۱) اور کہئے اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما۔

جب نبی کریم ﷺ کو علم یعنی علم ظاہر و باطن کی زیادتی طلب کرنے کی تعلیم کی جا رہی ہے تو دوسروں کو تو بدرجہ اولیٰ لازم ہو کہ ظاہری اور باطنی قرب کے مرتبوں کی طلب کرتے رہیں اور کاملوں کے لئے قرب کے مراتب پر قناعت کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس لئے اس کی طلب کا راستہ بھی لامحدود ہے پس کامل شخص اپنے وصول الی اللہ کے اعتبار سے کامل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طلب

کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے جتنا کوئی آگے بڑھتا جائے گا اتنی ہی اس کی وسعت بڑھتی جائیگی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے:

نہ خُشنش غایتے واروندہ سعدی را خنن پایاں  
بمیرد تشنه مستحقّی و دریاہم چنایاں

نہ اس کا حسن کوئی حد رکھتا ہے اور نہ سعدیؒ کے کلام کی انتہا ہے، پیاس کی بیماری والا پیاسا ہی مرجاتا ہے اور دریا بھی بدستور باقی رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ اس پر کھلی دلیل ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: ﴿هَلْ أَتَبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تَعْلَمَنَ مِمَّا عَلَّمْتُ رُشْدًا﴾ (الکہف ۶۶) (موسیٰ نے کہا) کیا (اجازت ہے کہ) میں تیری پیروی کروں اس بات کے واسطے کہ جو کچھ تجھے علم دیا گیا ہے تو وہ مجھ کو بھی دکھا دے۔

(۴) .... دلیل چہارم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل ۶۴)

پس ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طریقہ حاصل کرو۔ (مذہب سبک ۱۰۲۰) (۵) .... دلیل پنجم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَلْثَمِ وَبَاطِنَهُ﴾ (نور ۲۰) اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ سب چھوڑ دو۔ تفسیر حازن میں اس آیت کے تحت مرقوم ہے: ”الْمُرَادُ بِظَاهِرِ الْأَلْثَمِ أَعْمَالُ الْجَوَارِحِ، وَبَاطِنُهُ أَعْمَالُ الْقُلُوبِ“ (تفسیر حازن ۲ ص ۱۳۶) ”ظاہری گناہ سے مراد اعضاء و جوارح کے اعمال اور باطنی گناہوں سے مراد دل کے اعمال ہیں۔“

## فقہ الظاہر اور فقہ الباطن

شریعت نے کچھ کام کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ کام نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو ”مَأْمُورَات“ کہتے ہیں اور جن کاموں کو نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان کو ”مَنْہیات“ کہتے ہیں۔

## انسانی اعمال کے اقسام

لہذا انسانی اعمال کی تین قسمیں ہیں: اب مامورات میں دو طرح کے احکام ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا تعلق باطن سے ہے۔ ☆.... نمبر اولہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے ظاہر سے ہے۔ مثلاً: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو ظاہر سے تعلق۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ آپ کہہ دیجئے ایمان والوں سے کہ نگاہیں نیچی رکھیں۔ ظاہر سے تعلق۔

﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ فِي مَا تَدْرُسُونَ﴾ عورتوں سے حیض کے دوران علیحدہ رہو۔ ظاہر سے تعلق۔

نماز پڑھو..... ظاہر سے تعلق۔

روزہ رکھو..... ظاہر سے تعلق۔

جج کرو۔۔۔ ظاہر سے تعلق۔

زکوٰۃ ادا کرو۔۔۔۔۔ ظاہر سے تعلق۔

قربانی کرو۔۔۔۔۔ ظاہر سے تعلق۔

ج۲۔۔۔۔۔ نمبر ۲۔ وہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے باطن سے ہے۔ مثلاً: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ پر توکل کرو۔ باطن سے تعلق ہے۔

﴿وَأَفْضَلُ أَمْرٍ إِلَى اللَّهِ﴾ میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ ﴿لَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي﴾ ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اس کا تعلق باطن سے ہے۔

توکل کرو۔۔۔۔۔ اس کا تعلق باطن سے ہے

صبر کرو۔۔۔۔۔ اس کا تعلق باطن سے ہے

شکر کرو۔۔۔۔۔ اس کا تعلق باطن سے ہے

اس لیے کہ یہ چیزیں بندے کو نظر تو نہیں آتیں۔ یہ تو من کی کیفیتوں کے نام ہیں۔

اسی طرح منہیات کا معاملہ ہے۔ ان میں بھی دو طرح کے اعمال ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً:

چوری نہ کرو۔۔۔۔۔ ظاہر سے تعلق

شراب نہ پیو۔۔۔۔۔ ظاہر سے تعلق

قتل نہ کرو۔۔۔۔۔ ظاہر سے تعلق

ان تمام کا تعلق ظاہر سے ہے اور شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔

اور شریعت کی کچھ منع کردہ باتوں کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً:

۔۔۔۔۔ حسد نہ کرو۔ اب بتائیں کہ کیا کسی کو آنکھ سے حسد نظر آتا ہے۔ آنکھ سے تو نظر نہیں آتا۔ اللہ ہی جانے کسی کے دل میں کیا ہے۔

۔۔۔۔۔ دل میں کینہ نہ رکھو۔ کیا پتہ کے کس کے دل میں کینہ بھرا ہوا ہے۔ اپنے دل میں کسی کے بارے میں بیر رکھنا۔ اس کو شریعت میں کینہ کہتے

ہیں۔

۔۔۔۔۔ تکبر سے بچو۔ یہ باطنی بیماری بھی نظر نہ آنے والی چیز ہے۔

یہ سب کے سب باطن کے وہ اعمال ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ج۳۔۔۔۔۔ نمبر ۳۔ وہ اعمال جن کا تعلق انسان کے ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی مثلاً نماز کے ظاہر کے متعلق فرمایا: ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى

الصَّلَاةِ قَامُوا تَكْسَالِي﴾ اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز میں تو کھڑے ہوتے ہیں سستی کے ساتھ۔ اور باطن کے متعلق فرمایا: ”یراء

ون الناس“ انسانوں کے دکھانے کے لئے۔

وہ تمام مامورات یا منہیات جن کا تعلق ظاہر سے بنتا ہے ان کو شریعت کی نظر میں فقہ کہتے ہیں یہ فقہ الظاہر ہے۔ اور وہ تمام مامورات یا منہیات جن کا تعلق باطن سے ہے ان تمام کے علم کو تصوف کہتے ہیں اور یہ فقہ الباطن ہے۔ بالفاظ دیگر: اعمال کے ظاہری حصے کا تعلق علم قال (فقہ) اور باطنی حصے کا تعلق علم حال (تصوف) سے ہے۔

یہ دونوں علوم صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے سیکھے ہیں

جس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

☆..... حدیث نمبر ۱: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن حفاظت میں لئے۔ ایک کو لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرا اگر پھیلاؤں تو یہ گردن کاٹ دی جائے۔“

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دو علوم سیکھے یعنی ایک علم قال (فقہ) اور دوسرا علم حال (تصوف)۔

☆..... حدیث نمبر ۲: سیدنا عمر بن الخطابؓ کو جب دفن کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک محفل میں کہا ”آج دس میں سے نو حصے علم فوت ہو گیا“ اس پر بعض صحابہ کرامؓ نے ناگواری کا اظہار کیا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ”اس سے مراد حیض و نفاس کا علم نہیں بلکہ علم باللہ ہے“ یہ جواب سن کر سب حضرات مطمئن اور خاموش ہو گئے۔ پس اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع سکوتی ثابت ہوا اور صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کسی غیر شرعی بات پر ہرگز خاموش نہ رہتے۔ وہ تو باطل کے خلاف ننگی تلوار تھے۔

☆..... حدیث نمبر ۳: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کے ستر ابواب بتا رکھے ہیں اور میرے سوا یہ علم کسی اور کو نہیں بتایا۔“ (کتاب الامع ص ۵۴)

☆ صحابہ کرامؓ میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہیں ایک خاص قسم کا علم خصوصیت کے ساتھ حاصل تھا۔ حضرت حذیفہؓ کو جملہ اور کئی باتوں کے منافقین کے ناموں کا علم تھا۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ علم راز میں بتایا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی ان سے دریافت کرتے تھے کہ کہیں میں تو ان میں سے نہیں ہوں۔

☆ بعض تابعین حضرات علم قال (فقہ) میں صحابہ کرامؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بعض اوقات مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے ”جابر بن عبداللہؓ سے پوچھو، اہل بصری ان کے فتویٰ پر عمل کریں“

☆..... حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ”سعید بن المسیبؓ سے پوچھو“ حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے ”حسن بصریؓ سے پوچھو انہوں نے مسئلہ یاد کر رکھے ہیں ہم بھول گئے“ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کو یقین و معرفت (علم حال) میں تابعین پر ایسی فضیلت حاصل تھی جیسا کہ سورج کو چرائیغ شب پر۔

صحابہ کرامؓ کے یقین کامل کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے جسے حکیم ترندیؒ نے ”شان الصلوٰۃ“ اور ابن الاثیرؒ نے ”اسد الغابہ“ میں نقل کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ایک صحابیؓ سے پوچھا: اے حارث! صبح کیسے کی؟ تو حارثؓ نے جواب دیا کہ اے

اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اللہ پر سچے ایمان کی حالت میں صبح کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اے حارث! بیشک ہر ایک شے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو حارث نے جواب دیا، میں نے اپنے نفس سے علیحدگی اختیار کی اور اسے دنیا سے پھیر دیا، جس کے نتیجہ میں میری نظر میں اس دنیا کے پتھر، مٹی، سونا اور چاندی برابر ہو گئے ہیں۔ میں رات کو جاگتا ہوں اور دن میں پیاسا رہتا ہوں، میری یہ کیفیت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو اپنے سامنے ظاہر دیکھ رہا ہوں اور گویا میں جنت میں اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور اہل جہنم کو چلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”عَرَفْتَ فَلَنْزَمَ“ (تو جان گیا ہے وراستی پر جمار ہے)۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے ”اگر جنت اور جہنم مجھے نظر بھی آجائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں ان کی اہلیہ سے منقول ہے ”ابو بکرؓ کو لوگوں پر فضیلت نماز اور روزہ کی کثرت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ دل کے یقین (معرفت) کی وجہ سے تھی“ اسی یقین و معرفت کا نام علم حال (تصوف) ہوتا ہے۔ یہ نعم کتنا بڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ خواہشات نفسانی کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے ”ہم نے تصوف کا علم قیل و قال کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا بلکہ دنیا اور اس کی لذتوں کے ترک کرنے سے حاصل کیا ہے“۔ پس ثابت ہوا کہ علم قال اور علم حال کی ندیاں سرچشمہ عموم نبوت ہی سے نکلی ہیں۔

(۶)۔ دلیل ششم: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ سے (دین کی باتیں) پوچھا کرو“ لیکن حضرات صحابہ کرامؓ ہیبت نبوی ﷺ کے غلبہ کی وجہ سے سوال نہ کر سکے۔

چنانچہ ایک اجنبی آدمی مجلس میں آئے، بیٹھ گئے اور پوچھ ”مَا الْإِيْمَانُ“ ”مَا الْإِسْلَامُ“ ”مَا الْإِحْسَانُ“ ”ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟“

یہ سوالات و جوابات حدیث جبرئیلؑ میں معروف ہیں۔ مطلب یہ کہ غلبہ ہیبت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو سوالات کرنے کی جرات بہت کم ہوتی تھی۔ تعلیم حقائق دینیہ کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو انسانی شکل میں بھیجا تا کہ وہ سوال کریں اور معلم کائنات ﷺ جواب میں گویا فاشانی فرمائیں اور اس انداز سے صحابہ کرامؓ کا دامن علمی جواہر پاروں سے بھر پور ہو جائے۔

سوالات کے جوابات دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فَبَأْنَةُ جِبْرِئِيلُ“ اَنَا كُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ”یہ جبرئیلؑ آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے“ اس تعبیر میں یہ بات بتادی گئی کہ علوم دینیہ کا خلاصہ ان جوابات میں موجود ہے۔

حدیث جبرئیلؑ کے جزئیات پر ایک نظر

اب اس حدیث پاک پر تھوڑا سا غور کریں کہ اس میں تین اہم اور بنیادی سواں پوچھے گئے۔ ایک ایمان کے متعلق، دوسرا اسلام کے متعلق اور تیسرا احسان کے متعلق۔

ایمان کے متعلق جواباتیں ہوتی ہیں وہ ”ماننے کی باتیں“ ہوتی ہیں۔ ایمان کہتے ہی ماننے کو ہیں۔

☆ ... اسلام کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں وہ ”کرنے کی باتیں“ ہوتی ہیں۔

☆ احسان کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں وہ ”سمجھنے کی باتیں“ ہوتی ہیں۔

اب اگر انسان کا ایمان بغیر سمجھ کے ہو تو وہ کمزور ہوتا ہے اور اگر سمجھ کے ساتھ ایمان ہو تو وہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

تمام احادیث کے علوم تین حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں

☆ ... حصہ اول: وہ احادیث جن میں دین کے اصول اور نظریات کی تعلیم ہے۔

☆ ... حصہ دوم: وہ احادیث جو اعمال ظاہرہ کی اصلاح سے متعلق ہیں۔

☆ ... حصہ سوم: وہ احادیث جو اصلاح باطن سے متعلق ہیں۔

حدیث جبریل میں ان تینوں قسموں کا ذکر آگیا۔ (۱)..... ”مَا لَا يُمَانُ“ میں اصلاح عقائد کا مضمون آگیا۔ (۲)..... ”مَا لَا مُسْلِمُ“ میں

اعمال ظاہرہ کی اصلاح کا مضمون آگیا۔ (۳)..... ”مَا لَا أَحْسَانُ“ میں اصلاح اخلاق کا مضمون آگیا۔

چند جملوں میں پورے دین کا خلاصہ بیان کر دینا پیغمبرانہ اعجاز ہے، لہذا یہ حدیث ”جو ابع کلمہ“ میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت انتہائی جامعیت کی حامل تھی۔ آپ ﷺ نے دین کے ان تینوں حصوں کی مکاحقہ تشریح اور اشاعت کی۔ صحابہ

کرامؓ میں بھی جامعیت کی شان کافی حد تک تھی۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جامعیت میں کمی آتی گئی۔ اس لئے علماء امت نے دین کی

حفاظت و خدمت کے لئے ان شعبوں کو تین مستقل علیحدہ علیحدہ علوم میں مدون کر دیا.....

(۱)..... علم اول: تصحیح عقائد کے سلسلہ میں کتاب و سنت میں جو ہدایات دی گئیں ان کی حفاظت و خدمت کے لئے ”علم الکیم“ مدون

ہوا۔

(۲)..... علم دوم: اعمال ظاہرہ کے متعلق جو راہنمائی کتاب و سنت نے کی ہے اسکی تشریح کیلئے ”علم الفقہ“ گو مدون کیا۔

(۳)..... اصلاح باطن: کے متعلق جو باتیں کتاب و سنت نے بتائی ہیں ان کی تفصیلات کے لئے ”علم الاحسان، علم الاحلاق،

علم التصوف“ مدون ہوا۔

اخلاص نیت کا نام تصوف ہے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصوف بدعت ہے، ان سے اتنی سی بات پوچھنے کی ضرورت ہے کہ اعمال کا دار و مدار کس پر ہے؟ حالانکہ بخاری شریف

کی پہلی حدیث ہی اس کے بارے میں ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“۔ تو پھر نیت کو صحیح کرنا ضروری ہوا کہ نہ ہوا؟ وہ بے چارے بخاری

شریف کا نام تو لیتے ہیں، کیا ہی بہتر ہوتا اگر وہ پہلی حدیث ہی غور سے پڑھ لیتے۔ پہلی حدیث ہی یہ بتا رہی ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر

ہے اور نیت کو خالص کرنے کا نام ہی تو تصوف ہے۔ ہمارے مشائخ آٹھ آٹھ سال اپنے مشائخ کی خدمت کرتے تھے اور اتنے طویل

عرصے کے بعد فرماتے تھے کہ ہم ابھی تک فقط نیت کرنا سیکھی ہے۔ یہ نیت ایسے ہی تھوڑا سیکھی جاتی ہے۔ یہ نیت مشائخ کی جو تیاں سیدھی

کرنے سے آتی ہے۔

یہ درکھیں! ہندوستان میں تو اسلام آیا ہی مشائخ کے ذریعے سے اور پھر اللہ نے اسلام کو چمکایا علما کے ذریعے سے۔ اس لئے ہم علما کے بھی قدردان ہیں اور مشائخ کے بھی۔ (خطبات فقیر ۲۲/۲۶۳)

### یہ علوم قرآن و سنت سے کوئی الگ چیز نہیں

ان علوم ثلاثہ میں کامل دسترس رکھنے والا ہی محقق اور کامل عالم دین کہلانے کا حقدار ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگی کہ یہ تینوں علوم ”تیسیر علی الامۃ“ کے لئے مدون کئے گئے۔ (تصوف و سبک ص ۶۴۱)

یہ علوم قرآن و سنت سے کوئی الگ چیز یا ان کے خلاف کوئی محاذ نہیں بلکہ کتاب و سنت کی روح اور ان کے ثمرات ہیں۔

شیخ زروق اپنی کتاب ”ایقاظ الہم“ میں لکھتے ہیں: ”تصوف کا دین کے ساتھ نسبت اسی طرح ہے جیسے روح کی نسبت جسم کے ساتھ۔“

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں: شریعت کے تین حصے ہیں علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ جب شریعت متحقق ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو کہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے طریقت و حقیقت جس سے کہ صوفیاء ممتاز ہوئے ہیں دونوں (شریعت کے تیسرے حصے) یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے۔ وہ احوال و مواجید اور علوم و معارف جو اثناء راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں، ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہئے۔ جو کہ سلوک کا آخری مقام ہے اس لئے طریقت و حقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص (احسان) کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(مجدد اول مکتوب سہ ششم۔ ماخذ تصوف و سبک ص ۶۴۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ”مقصود صوفیہ کے طریقہ علیہ کا مشاہدہ حق کا حصول ہے ”کانک تراء“ اور اس حضور کا نام انہوں نے ”مشاہدہ بالقلب“ رکھا ہے“ (انتباہ فی سلاسل ادیان اللہ ص ۳۹، غز: ایضاً)

(۷)۔۔۔ دلیل ہفتم: حدیث متواتر کی تعریف اور اس کے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل میں اہل اصول لکھتے ہیں: حدیث متواتر وہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد نے ہر زمانے میں اس کی روایت کی ہو کہ عقل سلیم اور انسانی عادات اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اور افتراء پر دازی پر اتفاق کر لیا ہے اور یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے کثیر التعداد و مخصوص بندوں نے علم تصوف کو حاصل کیا۔ خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو پہنچایا۔ یہی دلیل علم تصوف کی حقانیت کو جاگر کرنے کیلئے کافی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ہماری صحبت اور ہماری تعلیم جو آداب تصوف و سلوک سے تعلق رکھتی ہے یہ حضور ﷺ سے سند متصل صحیح اور جاری کے ذریعے ملتی ہے۔

خلاصہ کا، م: صحابہ کرامؓ نے علم ظاہری و علم باطنی یعنی علم قال و عم حال رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور اس وقت سے امت میں ان علوم کی



اشاعت و ترویج جاری و ساری ہے آج کے دور میں علم قال کو فقہ یا شریعت اور علم حال کو تصوف یا طریقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ دونوں علوم انسان کی ایمانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح کنز و ہدایہ اور شرح وقایہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ابونصر سراج کی ”کتاب اللع“ ابوطالب مکی کی ”قوت القلوب“ امام غزالی کی ”اربعین“ شیخ سہروردی کے ”عوارف المعارف“ اور حضرت مجدد کے ”مکتوبات“ پڑھنا ضروری ہیں۔ اگر روایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے عقلائی اور قسطلائی سے استفادہ ضروری ہے تو درایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے جنید و بایزید سے فیض یاب ہونا ناگزیر ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۷)

### علم قال (فقہ) اور علم حال (تصوف) کے درمیان نسبت تلازم ہے

(۱)..... علامہ شامی فرماتے ہیں: طریقت و شریعت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

(۲)..... شیخ الاسلام زکریا انصاری لکھتے ہیں: شریعت حقیقت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی۔

(۳)..... شیخ ابوطالب مکی لکھتے ہیں: دونوں علوم اصلی ہیں جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہیں بمنزلہ اسلام اور ایمان کے۔ ہر ایک دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے، جیسے جسم اور قلب کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔

(۴)..... حضرت امام مالک بن انس فرماتے ہیں: جس نے (علم) فقہ حاصل کیا مگر (علم) تصوف حاصل نہ کیا اس نے فسق کیا۔ جس نے (علم) تصوف حاصل کیا مگر (علم) فقہ حاصل نہ کیا وہ زندیق ہوا۔ جس نے ان دونوں (علوم) کو جمع کیا پس وہ محقق ہوا۔

(۵)..... سید احمد کبیر رفاعی اپنے کتاب بنیان المشید میں لکھتے ہیں: جس حقیقت کو شریعت رد کر دے وہ زندہ قد (اور بے دینی) ہے۔ اگر تم کسی کو ہوا میں چار زانو بیٹھا ہوا بھی دیکھو تو (ہرگز) اس کی طرف التفات نہ کرو، جب تک (شریعت کے) امر و نہی کے موقع پر اس کی حالت کو نہ جانچ لو۔ (بنیان المشید ص ۱۹۷)

(۶)..... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی تحریر فرماتے ہیں: ”بعض جہلا جو کہہ دیتے ہیں شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے محض انکی کم فہمی ہے۔ طریقت بے شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں۔ صفائی قلب کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے۔ آئینہ رنگ آلودہ ہے تو پیشاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے اور گلاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے لیکن فرق نجاست و طہارت کا ہے۔ ولی اللہ کو پہچاننے کیلئے اتباع سنت کوئی ہے۔ جو جمع سنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر مبتدع ہے تو محض بے ہودہ ہے خرق عادات تو دجال سے بھی ہوں گے“

(رجوم المؤمن ص ۲۹۔۔۔ نہ تصوف، ص ۹)

(۷)..... سید احمد کبیر رفاعی اپنے کتاب بنیان المشید میں لکھتے ہیں: عزیز من! یہ شریعت تیرے سامنے ہے۔ دیکھ لے تیرے نبی ﷺ کس طرح رہتے تھے، کیونکر باتیں کرتے تھے، اور لوگوں سے خواہ وہ نیک ہوں یا بد کن اخلاق سے پیش آتے تھے، پھر تو بھی آپ ﷺ جیسے عمل کر، آپ ﷺ کی طرح باتیں کر، آپ کے اخلاق (حمیدہ کو) اختیار کر، (اور یہی تصوف ہے) اگر تو نہیں جانتا تو علماء سے پوچھ لے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (نحل ۴۳) اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو (بنیان

المشید ص ۱۳۲)

(۸) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: طریقت کی ہر وہ بات جسے شریعت رد کرے زندقہ اور کفر ہے۔  
 حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں: ”ہمارے مشائخ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی مانند وجد و حال کے جوز و میوز کے بدلے نہیں دیتے۔ نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے، فتوحات مدنیہ سے فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ انکا کارخانہ بند ہے۔“ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ”وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو تقلید سنت سے الگ ہو کر اختیار کئے جائیں معتبر نہیں ہیں، اس لئے کہ جو گیاور ہندوستان کے راہبہ اور یونان کے فلاسفہ بھی ان کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ریاضتیں ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتی ہیں“ (۱۔ عمدہ، ۲۔ مکتب، ۳۔ مدہ، ۴۔ یک، ۵۔ مذہب، ۶۔ سوک، ۷۔ س ۱۰)

(۹) امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: شریعت کی ہر وہ بات جس کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور حقیقت کی ہر وہ بات جو شریعت کی قیود میں نہ ہو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔

### اصل تو شریعت ہی ہے

خاصہ یہ کہ طریقت، حقیقت میں شریعت کی محافظہ اور شریعت کی خادمہ ہے۔ یہ شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں۔ احسان ہوگا تو نماز محفوظ، احسان ہوگا تو گناہوں سے محفوظ، اصل تو شریعت ہی ہے۔ (خطبات فقیر ۲۲، ۲۶)

### صوفیہ اور علماء چار قسم کے ہیں

بزرگو! اس جماعت صوفیہ کی تمام حالتیں اسی طرح علماء کی حالتیں بھی چار درجوں منقسم ہیں جماعت (صوفیہ) کی حالت کا:

(۱)..... پہلا درجہ: یہ ہے کہ ایک شخص مرشد کا طالب اس لئے ہوا کہ عام لوگوں کو صوفیہ کی طرف مائل دیکھا تو اس نے بھی عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا، اور خانقاہ سے اور (اپنی) جماعت اور شان سے خوش ہونے لگا۔

(۲)..... دوسرا درجہ: یہ ہے کہ ایک شخص نے مرشد کی تلاش اس لئے کی کہ اس کو اس جماعت کے ساتھ نیک گمان ہے، وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان کے طریقہ سے بھی اور جتنی باتیں ان سے منقول ہیں ان کو تہہ دل سے پاکیزہ اور سچے اعتقاد سے قبول کرتا ہے۔

(۳)..... تیسرا درجہ یہ ہے کہ (مرشد تلاش کرنے کے کے بعد اس نے مقامات میں چلنا شروع کیا، گھاٹیوں کو طے کیا، اور اس راستہ کے بلند درجوں پر پہنچ گیا، مگر کسی وقت حق تعالیٰ کا یہ ارشاد پہنچا: سُبُوْبُهُمْ اِيْتِنَافِي الْاِفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ بُهْ کہ ہم اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اور خود ان کی جانوں میں ان کو دکھلائیں گے سن کر ٹھہر گیا، اب کبھی تو مخلوق کو خدائی نشان سمجھ کر اس کے مشاہدہ میں پڑھا اور ایسا مشغول ہو ا کہ (اس خالق) سے بھی غافل ہو گیا جس نے یہ نشان دکھلایا تھا، اور کبھی اپنے نفس پر یہ سمجھ کر نظر کرنے لگا کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا نشان (قدرت و حکمت) دکھلایا ہے، اور اس میں پڑ کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا، اور یہ مقام مقام ادلال (دناز) ہے اسی سے شطحات (دعویٰ) اور حد سے تجاوز پیدا ہوتا اور اونچے درجات میں پہنچنے کا اظہار اور شاہی حالت اور قول و فعل اور طاقت و قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

(۴)..... چوتھا درجہ یہ ہے: کہ آدمی ہر فعل و قول اور ہر حالت و عادات میں رسول اللہ ﷺ کا قدم قدم پر اتباع کرتا ہو عبدیت

کا جھنڈا بلند کرتا ہو دربار الہی میں ذلت کے ساتھ اپنی پیشانی کو بچھاتا ہو طریق کو طے کر کے ہر چیز کے سر پر ہر شے، ہالک الا و جہلہ ہر چیز خدا کی ذات کے سوا فنا ہو نیوالی ہے) کا مشاہدہ کرتا، اور مخلوقات میں ہرزہ کی پیشانی پر، (الا للہ الحلق والافتر) (یا درکھو اللہ ہی کا حکم چلنے والا ہے وہی پیدا کرنے والا ہے) لکھا ہوا پاتا ہے، اپنی حد پر ٹھہرا رہتا ہے، اور زمین ادب پر اپنا رخسارہ لگائے رہتا ہے، نشانہائے قدرت کی گھاٹیوں پر درمیان سلوک میں گذرتا ہے، تو ان سے ہٹ کر معبود کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا، (۱)۔ پس پہلے درجہ والا تو محبوب (محروم) ہے۔ (۲) دوسرے درجہ والا محبت (و عاشق) ہے۔ (۳)۔ تیسرے درجہ والا (راستہ طے کرنے میں) مشغول ہے، (ابھی مقصود تک نہیں پہنچا) (۴)۔ چوتھے درجہ والا کامل ہے، پھر ان سب درجوں میں اور بہت سے درجے ہیں جو عارف کو انسان کی حالت (میں غور کرنے) سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

### علماء و فقہاء کے درجات

(۱)۔۔۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان جھگڑنے، بحث کرنے، فخر کرنے، اور مال جمع کرنے بہت باتیں بنانے کے لئے علم حاصل کرے،۔ (۲)۔۔۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی نے بحث و مناظرہ اور بڑا بننے کے لئے تو علم حاصل نہیں کیا، لیکن اس کو یہ خواہش ہے کہ میرا شمار علماء میں ہو جائے تاکہ کنبہ اور خاندان والے مجھے اچھا کہیں، اسی مقصود پر اس نے کفایت کی اور ظاہر شریعت پر چلتا رہا آگے کچھ نہیں۔ (۳)۔۔۔۔۔ تیسرا درجہ: اس شخص کا ہے جس نے مشکل مسائل کو حل کیا منقولات و معقولات کی باریک باتیں معلوم کیں، مناظرہ کے دریاؤں میں گھس گیا، اور ان تمام باتوں میں اس کی نیت یہ ہے کہ (علم حاصل کر کے) شریعت کی مدد کریگا، مگر اس کے اندر غرور سم ہے، علم کی وجہ سے دوسروں کو اپنے سے کم سمجھتا ہے، جب (کسی مسئلہ میں) شریعت کی حمایت کو کھڑا ہوتا ہے، اس وقت اگر کوئی اس کی دلیل پر اعتراض کر دے تو اپنے نفس کی حمایت میں ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ حد سے نکل جاتا، اور مد مقابل کے خلاف دلیلیں قائم کرنے لگتا، اس کو بُرا بھلا کہنے لگتا اور بعض اوقات اس کو کافر بنا دیتا ہے، اس پر طعن کرنے لگتا ہے، اور ایسا حملہ کرتا ہے جیسا درندہ (شکار پر) حملہ کیا کرتا ہے، شریعت کی مقرر کردہ حد کی (بالکل) رعایت نہیں کرتا، نہ اپنے حالات میں، نہ مد مقابل کے معاملات میں۔

(۴)۔۔۔ چوتھا درجہ: اس شخص کا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تو اس نے اپنے آپ کو غافلوں کے جگانے اور جاہلوں کو راستہ بتانے، بھاگنے والوں کو واپس لانے، اور مفید علوم اور نصیحت (کی باتیں) پھیلانے کے لئے وقف کر دیا، جو باتیں شرعاً بری ہیں (نفسانی) غرض سے پوری طرح الگ ہو کر ان پر انکار کرتا ہے۔ اور جو شرعاً پسندیدہ ہیں ان کو پسند کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اچھی بات وہی ہے جس کو شریعت نے اچھا بتلایا، اور بُری وہی ہے جس کو شریعت نے برا بتلایا، (اپنی غرض کیلئے کھینچ تان کر کسی چیز کو اچھا بنانے یا برا بنانے سے وہ اچھی یا بُری نہیں ہو جائے گی) عقلمند بن کر (حکمت کے ساتھ) نیک کاموں کا حکم کرتا ہے، نہ بات میں سختی کرتا ہے نہ برتاؤں میں، مہربان بن کر بُرے کاموں سے روکتا ہے نہ حد سے بڑھتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے، پس (۱)۔۔۔ پہلے درجہ والا تو برا ہے (۲)۔ دوسرے درجہ والا محروم ہے۔ (۳)۔۔۔۔۔ تیسرے درجہ والا دھوکہ میں ہے۔ (۴)۔۔۔ چوتھے درجہ والا صاحب معرفت (سچا عالم) ہے۔

پھر ان درجات میں سے بھی ہر درجہ میں بہت سے درجات ہیں جو آدمی کی حالت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور محفوظ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ بپائیں حقیقت تمہارے سامنے ظاہر ہی ہو چکی۔ (بنیان المشید: ص ۱۹۷-۲۰۰)

لہذا اس لک کو چاہئے کہ علم تصوف ان حضرات سے سیکھے جن کا علم و عمل اور قال و حال کتاب و سنت کے عین مطابق ہو۔ جاہل و بے عمل صوفیاء کی بے ہودہ باتوں پر ہرگز ہرگز فریفتہ نہ ہو۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔ ”خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَرَ“ جو صاف ہو وہ لے اور جو میلا ہو وہ چھوڑ دو۔ (تہذیب و سبک ص ۱۰)

### صوفیہ اور علماء کے طریق کا منتہی ایک ہے

بزرگ صوفیہ کے طریق کا منتہی وہی ہے جو فقہاء کے طریق کا منتہی وہی ہے جو صوفیہ کے طریق کا منتہی ہے، جن گھائیوں میں پھنس کر فقہاء (مقصود کی) طلب سے رہ جاتے ہیں انہی گھائیوں میں صوفیہ بھی اپنے سلوک میں مبتلا ہوتے ہیں (دونوں کو مقصود سے روکنے والی) ایک ہی چیز ہے یعنی غرض نفسانی اور حُب دنیا و حب جاہ اور دونوں کو مقصود تک پہنچانے والی بھی ایک ہی چیز ہے یعنی اخلاص اور ماسوائے حق سے رخ پھیر لیتا۔

### طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے

دونوں میں صرف لفظی فرق ہے اصل اور مقصود اور نتیجہ (دونوں کا) ایک ہے میرے نزدیک جو صوفی فقیہ (عالم) کی حالت پر انکار کرے (اس کو برا کہے) یقیناً مبتلائے قہر ہے اور جو فقیہ صوفی کی حالت پر انکار کرے (اس کو برا کہے) وہ بھی راندہ درگاہ ہے، ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر (ایک دوسرے کو برا کہنے میں) کسی پر گنہ نہیں۔ (بنیان المشید: ص ۲۰۰)

### مشائخ کے ہاں علم کی قدر و منزلت

مشائخ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ علم کے مخالف ہوتے ہیں۔ بھئی! مشائخ صوفیاء علم کے مخالف نہیں ہوتے۔ ہاں! اگر کسی بندے نے کسی خاص جذبے میں اور کسی خاص کیفیت میں ایسی بات کر دی تو انفرادی بات کہی جائے گی۔ اور جو لوگ کہیں ”عالموں بس کریں او یا“ ہم ان کے پیچھے چلنے والے نہیں۔ ہمارے جتنے بھی مشائخ تھے وہ سب کے سب علم کے زیور سے آراستہ تھے۔ چنانچہ طبقہ اول کے تمام مشائخ اپنے مریدین کو علم حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ جو کہ اوپر اقوال گذر چکے۔ مثال کے طور پر:

”سید الطائفہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا: ”مَنْ لَمْ يَقْرَأِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيثَ لَا يَقْتَدِي بِهِ فِي هَذَا الْأَمْرِ“ ”جو قرآن اور حدیث نہیں پڑھا وہ ہمارے اس کام کے اندر مقتدا ہی نہیں“ ہمارے مشائخ تو حکم فرماتے تھے۔

”مکتوبات صدی میں بھی لکھا ہے کہ سالک کو علم حاصل کیے بغیر اس راستے پر قدم نہیں رکھنا چاہئے۔

ابن جوزیؒ جیسی ناقد اور محتاط شخصیت بھی فرماتے ہیں: ”وَمَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُونَ فِي التَّصَوُّفِ إِلَّا رُؤُوسًا فِي الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ“ ”تصوف کے متقدمین قرآن، فقہ، اور حدیث میں سردار تھے“۔ انہوں نے عبارت تلبیس ابلیس کے اندر لکھی ہے۔ معلوم ہوا کہ

ایسے حضرات بھی مشائخ اور صوفیا کو ماننے والے تھے۔ (خطبات فقہ: ۲۲/۲۶۶، ۲۶۷)

### مشائخ پر اعتراضات کیوں ہوئے؟

یہاں سوال ذہن میں آتا ہے کہ پھر مشائخ پر اعتراضات کیوں ہوئے؟ بھی! بسا اوقات انسان کے اندر کسی کا کلام سمجھنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ اور جب سمجھ نہیں پاتا تو انسان کی فطرت ہے کہ ”النَّاسُ أَغْلَاءُ لِمَا جَهِلُوا“ جب بات سمجھ میں نہیں آتی تو مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مشائخ کی مخالفت ہوئی۔ مثلاً:

☆ ایک ایسا وقت آیا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی کی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ اور بعد میں جب دوسرے علماء نے ان کی باتوں کو غلط فہمی دور ہونے پر آب زر سے لکھوایا گیا۔ لہذا پتہ چلا کہ جہاں کہیں ایسا ہوا تو وہ بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا۔

☆ کتاب الشفا کے مصنف قاضی عیاضؒ پر بعض لوگوں نے یہودیت کی تہمت لگا دی۔ اور بعد میں حقیقت کھلی تو پھر اس کتاب کو شفاۓ شریعت کہنے لگے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے بارے میں واقعی کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی۔

☆ ... شیخ احمد کبیر رفاعیؒ کو ایک مرتبہ طہر اور کافر کہہ کر سر عام رسوا کیا گیا اور پھر ایک وہ وقت آیا کہ جب ان کو بہت بڑا شیخ مانا گیا۔ وجہ یہی بنی کہ لوگوں نے ان کی باتوں کے اپنے مطلب نکال لیتے تھے۔ بھی! جو صاحب کلام ہوتا ہے، حق اسی کا ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ میرے کلام کی منشا کیا ہے۔ اب یہ تو مناسب نہیں کہ کہنے والا کسی اور مقصد کے لئے بات کہے اور سننے والے نے اپنے مطلب نکال لیا۔ وہ تو پتہ نہیں کیا سے کیا مطلب نکال لیں گے۔ اسی کو تو کہتے ہیں: ”تَوَجَّيْهِ الْقَوْلُ لِمَا لَا يَرْضَى بِهِ الْقَائِلُ“ قول کا ایسا معنی کرنا جس پر قائل راضی نہ ہو“ کہنے والے نے کہا: روکو! مت جانے دو۔ اور مطلب نکالنے والے نے کہا: روکو مت! جانے دو۔ یعنی بات کچھ تھی اور نتیجہ کچھ نکال لیا۔

ان مشائخ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ (ایضاً: ۲۲/۲۶۷-۲۶۸)

### پاکباز مشائخ کا دفاع

چنانچہ اللہ رب العزت نے مختلف ادوار میں ایسی عمبری شخصیات کو پیدا کیا جنہوں نے ان پاکباز مشائخ کا دفاع کیا۔ مثال کے طور پر:

☆ ..... ابن جوزیؒ نے ”صفوة الصفوة“ کتاب لکھی۔

☆ ..... علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے ”سیر اعلام النبلاء“ کتاب لکھی۔

☆ ..... عبد الرحمن جامیؒ نے ”نفحات الانس“ کتاب لکھی۔

☆ ..... شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”اخبار الاخيار“ کتاب لکھی۔

☆ ..... علامہ عبد الوہاب شعرانیؒ نے ”الطبقات الكبرى“ کتاب لکھی۔

ان کتابوں میں ان علمائے مشائخ صوفیا کی زندگیوں کو کھولا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے ذہنوں میں ان مشائخ کے بارے میں جو شکوک و شبہات تھے وہ سب ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس پاک باز جماعت کے دفاع کا خود انتظام فرمادیا۔

اس کے علاوہ تصوف پر جو اور اعتراضات تھے، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے آکر ان تمام اعتراضات کی مٹی کو صاف کر دیا۔ چنانچہ ان کے

مکاتیب کو پڑھ کر دیکھیے، واقعی انہوں نے شریعت و طریقت کے تلازم کو سامنے رکھا۔

قریب کے زمانے میں حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم ظاہری بھی عطا کیا کہ حضرت نے دو ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں اور علم باطن سے بھی اللہ نے نوازا۔ اگر آپ ان کی تفسیر ”بیان القرآن“ کا حاشیہ پڑھیں۔ تو اس میں ”مسائل سلوک“ کے نام سے قرآن کی آیات سے اخذ ہونے والے سلوک کے مسائل کو کھولا گیا ہے۔ بندہ پڑھ کر حیران ہوتا ہے کہ اللہ والوں کو قرآن پڑھ کر واقعی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ (۱۔ ۲۲، ۲۶۸-۲۶۹)

### اعتدال کا راستہ

ہمارا راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ ہم علم کے پیچھے اتنا بھی نہیں پڑتے کہ مشائخ کو برا سمجھیں اور مشائخ کے بھی اتنا پیچھے نہیں لگتے کہ علم کو برا سمجھیں۔

در کتب جہ شریعت و در کتب سندان عشق ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سندان باخشن  
ہر بندہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جو ”العلم حجاب الاکبر“ کا نعرہ لگا کر علماء کا بلین کو گمراہ کہیں۔ اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہیں جو ”تصوف“ کو عجی چیز کہیں اور نماز کی حضوری سے محروم رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ جب مسند حدیث پر بیٹھتے تھے تو عسقلانی اور قسطلانی کی یادیں تازہ کر دیتے تھے اور جب مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو جنید اور بایزیدؒ نظر آیا کرتے تھے۔ (۱۔ ۲۲، ۲۶۹)

### عماء کرام مشائخ کی دہلیز پر

وقت کے بڑے بڑے علمائے آکر مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کی مثال کے طور پر:

- ۱۔ علامہ شامیؒ نے مولانا خالد روٹی کے ہاتھ پر بیعت کی۔
- ۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مرزا جان جانانؒ سے بیعت کی۔
- ۳۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ سے بیعت کی۔
- ۴۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مفتی محمد حسنؒ نے حضرت اقدس تھانویؒ سے بیعت کی۔
- ۵۔ علاوہ ازیں حضرت قاری محمد طیبؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت بنوریؒ اور حضرت جالندھریؒ نے بھی اپنے مشائخ سے علم ظاہر بھی حاصل کیا اور علم باطن سے بھی مزین ہوئے۔

یہ ہمارا راستہ ہے جسے ہم اعتدال کا راستہ کہتے ہیں۔ کیوں! اس لئے کہ ہمیں اعمال بھی نصیب ہوں اور اعمال کی کیفیات بھی نصیب ہوں۔

## مقصود تصوف

تصوف کا مقصد تین باتیں ہیں: (۱) خوف خدا (۲) . اتباع مصطفیٰ (۳) مخالف نفس و ہوی۔ جس کو یہ تین چیزیں حاصل ہیں اس کو تصوف کا مقصود حاصل ہو گیا۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر یہ چیزیں انسان کو نصیب ہوتی ہیں۔ بتائیں! کیا یہ تین چیزیں شریعت سے ہٹ کر ہیں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ پھر کیوں تصوف کی مخالفت کرتے ہیں۔

کسی نے حضرت اقدس تھانویؒ سے پوچھا: حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا: تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ (ایضاً ۲۲، ۲۷)

ایک بزرگ سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف کا کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ صبح سے شام تک ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کو نیت اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں، یہی تصوف ہے۔ صبح سے شام تک جو اعمال بھی ہم کریں، ان کو صحیح نیت کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو اور عمل کرنے کے بعد فراغت نہیں، بلکہ اپنا محاسبہ ہو۔ (خطبہ نمبر ۱۰۳)

## شریعت و طریقت فقیر کی نظر میں

اس عاجز (حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی) نے شریعت و طریقت کو جو سمجھا ہے وہ یہ کہ شریعت میں اعضاء و جوارح کو عبادت پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور طریقت میں لگنے کے بعد اعضاء و جوارح انسان کو عبادت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کھانا کھائے بغیر انسان کا وقت گزر جاتا ہے مگر ذکر و مراقبہ کے بغیر، درود شریف کے بغیر، تہجد کے بغیر، انسان کا پھر وقت نہیں گزرتا۔ (خطبہ نمبر ۱۵۹)

## شریعت، طریقت اور حقیقت

تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: شریعت، طریقت، اور حقیقت۔

☆..... شریعت: وہ تمام کام کہ جن کو کرنے یا نہ کرنے کا مومن کو حکم دیا گیا، یعنی احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام شریعت ہے، اس کو ہمارے مشائخ ”مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالِهَا وَمَا عَلَيْهَا“ کہتے ہیں۔

☆..... طریقت: اعمال باطنی پر استقامت پانے کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔

☆..... حقیقت: حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کا دل صاف ہوتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نور برستا ہے اور اس کو فراست ملتی ہے، نور ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، تو صفائے قلب کی وجہ سے جو احوال منکشف ہوں، ان کو حقیقت کہتے ہیں۔ (خطبہ نمبر ۵۰۲۱، ۱۵۱)

فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے: ”الطریقہ مشتملۃ علی منازل لسا لکین، وتسمى مقامات الیقین، والحقیقة موافقة للشریعة فی جمیع علمها و عملها، اصولها وفروعها وفرضها ومنذوبها، لیس بینہما مخالفة اسلام“

(الفتاویٰ حدیثیہ ۲۰۹، تدریسی، ماخذ حدیثی، مجموعہ، ۳۸۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہ دونوں ایک ہے، ظاہر سے عمل کرنا شرع ہے اور جب قلب میں حکم شرع کا داخل ہو کر

طبعاً عمل شرع پر ہونے لگے وہ طریقت ہے، دونوں کا حکم قرآن وحدیث سے ہے، ادنیٰ درجہ شرع ہے، اس کا ہی اعلیٰ درجہ طریقت کہلاتی ہے۔ (فتاویٰ شیعہ، شریعت، طریقت کا فرق، ۹۱، تالیفات رشیدیہ ادارہ اسلامیات، لاہور، کذابی اعداد فتاویٰ، ۱۶۵/۵، ماخذ حاشیہ (فتاویٰ محمودیہ، ۳۸۲/۴)

وقال ابن عابدین: "الطريقة: سلوك طريق الشريعة، والشريعة: اعمال شرعية محدودة، وهما والحقيقة متلازمة"۔ (رد المحتار مطلب یوجز المختصر مع وجود الفصل المتقدم ۲۰/۱، سعید ماخذہ لا)

### شریعت اور طریقت میں فرق

سوال: یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے، کہاں تک درست ہے؟

جواب: اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ شریعت اور طریقت کے احکام الگ الگ ہیں جیسے دو حکومتوں کے قانون الگ الگ ہوتے ہیں کہ ایک حکومت میں مثلاً: بندوق رکھنا درست ہے، دوسری حکومت میں جرم ہے۔ اسی طرح کچھ چیزیں شریعت میں حرام ہیں: جیسے شراب پینا، ننگے پھرنا، نماز روزہ فرائض کو چھوڑنا، قبروں کو سجدہ کرنا، اکابر کو گالیاں دینا، پیروں سے مرادیں، مانگنا، سازگنا سنا، اور قوالی میں سر دھنا وغیرہ وغیرہ اور طریقت میں یہ سب درست اور جائز ہیں تو یہ اعتقاد سراسر باطل اور گمراہی اور انتہائی بددیہی ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ شریعت میں حکام ظاہرہ: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع، شراء، نکاح، طلاق، وغیرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور طریقت میں حکام باطنہ: صبر، شکر، رضا، تسلیم، تقویٰ، توکل، اخلاص، وغیرہ کے احکام بیان کیئے جاتے ہیں، یعنی شریعت ظاہر کی اصلاح کرتی ہے اور طریقت باطن کی اصلاح کرتی ہے تو یہ صحیح ہے۔ (کذابی نکتہ بہت مورد الف تائی دفتر اول، مکتوب ۱، ۹۷-۹۸، فتاویٰ حنفیہ، ۲۳۳/۲، کتاب السلوک، مدار العلوم فتاویٰ ماخذہ لا)

### کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟

سوال: عوام میں بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی پیر کا مرید نہ ہوگا اور مر جائے تو اس کی بخشش نہ ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت کا راستہ اور حقیقت کا راستہ الگ الگ ہے اور جو فقیر جانے اس کو شریعت والے کیا جانیں، فقیر کی مرض کا بلا مولوی کیا جانے، سمجھے؟

جواب: یہ جہالت در جہالت ہے (کفایت المفتی ۲/۱۰۸، کتاب السلوک، دارالاشاعت۔ کذابی القول الجلیل الفصل الثانی ۱۲، مکتبہ )

ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، ان کی صحبت سم قاتل ہے، مرید ہونے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور نفس و شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے۔

جس حقیقت کا راستہ شریعت کے خلاف ہو وہ ہرگز ائمہ و رسول ﷺ کی مرضی کے موافق نہیں، وہ شیطان کا راستہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ۳۸۲/۴)

### علم تصوف عام فقہ کی طرح مدون ہے

یہ تصوف کوئی عجیب چیز نہیں بلکہ خالص عربی چیز ہے۔ قرآن مجید میں اس کو ترکیہ اور احسان کے نام سے یاد کیا گیا۔ گوکہ وقت کے ساتھ ساتھ جب مشائخ نے اس پورے علم کی تدوین کر دی اس کو مدون کیا تو اس کا نام تصوف مشہور ہو گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم آج کل اعمال ظاہرہ کرتے ہیں ان کے علم کو فقہائے کرام نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن اور احادیث کے اندر سے اکٹھا کر لیا۔



یہ ہیرے اور موتی ہیں جو انہوں نے قرآن وحدیث میں سے نکالے ہیں۔ تو فقہانے کوئی نئی چیز نہیں بنائی بلکہ انہوں نے شریعت کی باتیں ہی بتائی ہیں۔ بنانے میں اور بتانے میں بڑا فرق ہے، انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا۔ جو شریعت میں موجود تھا اور ان تک ہر بندے کا دماغ نہیں پہنچ سکتا تھا انہوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے ان ہیروں اور موتیوں کی یکجا کر دیا۔ چنانچہ چار مذاہب سامنے آ گئے۔ اب دیکھیے! فقہ اور حدیث کی تدوین ہوئی اس میں وقت لگا یہاں تک کہ کھیر پک گئی۔ بعد والوں کا کام صرف اس کو کھانا بن گیا۔ یہی حال تصوف کا ہے کہ مشائخ وقت نے اس کی اصطلاحات اور اصول ضوابط کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اخذ کر کے اس کو باقاعدہ مدوّن کیا۔ چنانچہ چار سلاسل تصوف سامنے آئے۔ (خطبات فقیر: ۱۵۱/۲۶)

### تدوین فقہ کیسے ہوئی؟

آج ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں، اس کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کام کی بنیاد انہوں نے رکھی۔

☆..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبج ڈالا: ہمارے اکابر نے کتابوں میں لکھا ہے بلکہ درمختار و طحاوی نے بھی یہی لکھا ہے: "قد قالوا الفقه زرع ابن مسعود" "فقہ کا بیج عبداللہ بن مسعودؓ نے ڈالا" "زرعہ": کا کیا مطلب؟ "اول من تکلم باستنباط الفروع" "شریعت میں اصول تو موجود تھے لیکن ان میں سے فروع کا استنباط کرنا، مسائل پر اخذ کرنا۔

☆..... علقمہؒ نے پانی دیا: "وسقاه علقمة" اور اس کو علقمہؒ نے پانی دیا۔ پانی دینے کا کیا مطلب؟ یعنی "ایده ووضحه" انہوں نے سیدنا ابن مسعودؓ کے کام کو مضبوط کیا اور زیادہ واضح کر دیا۔

☆..... ابراہیم نخعیؒ نے کاٹا: پھر فرمایا: "وحصده ابراہیم نخعی" اور اس کو ابراہیم نخعیؒ نے کاٹا۔ "حصده" کا مطلب علمائے یہ لکھا ہے کہ "جمع ما تفرق من فوائدہ ونوادره" کہ علقمہؒ نے جتنا بھی کام کیا تھا اس متفرق کام کو انہوں نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ تو انہوں نے گویا کھیتی کافی۔

☆..... حمادؒ نے گاہا: پھر فرمایا: "وداسه حماد" اور حمادؒ نے اس کو بھوسی سے الگ کیا۔ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں گاہنا۔ (پشتوں میں: غوبل کہتے ہیں) گندم کے سٹے ہوتے ہیں نا! اس کو تھریشر کرتے ہیں تو تھریشر کرنے کی وجہ سے اس کا بھوسہ ایک طرف اور دانے دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس نے کیا؟ حمادؒ نے کیا "داسہ" کا مطلب ہوگا "اجتہد فی تنقیحہ وتوضیحہ" اس کی توضیح اور تنقیح میں انہوں نے اجتہاد بھی کیا۔ یہ حماد بن مسلمؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔

☆..... ابوحنیفہؒ نے پیسا: پھر اس کے بعد فرمایا: "وطحنه نعمان بن ثمان" اسے پیسا نعمان بن ثمانؒ نے جو کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام ہے۔ "وطحنه" کا کیا مطلب؟ یعنی انہوں نے اس کو پیسا کیا اور آپ کو پتہ ہے کہ پیسائی کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہوتا۔ "طحنه" کا مطلب علمائے لکھا: "اکثر اصولہ وفرع فروعہ ووضح سبلہ" نے اس کے اصول کو اکٹھا کر کے زیادہ کر دیا۔ یعنی شریعت میں جو اصول فقہ موجود تھے۔ انہوں نے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ بلکہ اس کو بڑھا دیا یعنی اپنے پہلوں کے کام کو

زیادہ کر دیا، اس راستے کو خوب واضح کر دیا۔ چنانچہ ان کے بارے میں لکھا گیا: ”فانہ اول من دون الفقہاء سے پہلے تھے جنہوں نے فقہ کو مدون کیا۔“ ورتبہ ابواب و کتابوں نے دینی علم کے ابواب اور کتب کو مرتب کیا۔ یہ کتاب العلم ہے، یہ کتاب الایمان ہے، یہ کتاب الطہارۃ ہے۔ ایسا مرتب کیا کہ ”علی مانحو علیہ الیوم“ کہ آج تک وہ اسی ترتیب کے اوپر موجود ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے گوندھا: پھر فرمایا: ”وَعَجَنهُ يَعْقُوبُ“ (امام ابو یوسفؒ کا نام یعقوب تھا) ”پھر یعقوب نے اس آٹے کو گوندھا جس کو امام ابو حنیفہؒ نے پیسا تھا۔“ وَاَعَجَنَهُ كَمَا مَطْلَب ”دقیق النظر فی قواعد الامام“ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے قواعد میں دقیق نظری سے کام لیا۔ ”واجتہد فی ریادۃ استنباط الفروع منها“ اور اس میں جو فروعات تھیں انہوں نے ان میں استنباط کر کے ان کو اور زیادہ کر دیا۔ اس لئے اس کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے کہ اصول میں تو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی پیروی کی مگر اجتہاد میں انہوں نے برابر کا اجتہاد کیا۔

امام محمدؒ نے روٹیاں پکائیں: پھر اس کے بعد فرمایا: ”وَحَبَّزَهُ مُحَمَّدٌ“ امام محمدؒ نے پھر اس کی روٹیاں پکائیں۔ جو آٹا گوندھا ہوا تھا اس کی روٹیاں پکائیں۔ ”حَبَّزَهُ“ کا مطلب کیا کہ ”زاد فی استنباط فروع وتنقیحها وتهذيبها بتحریروها حیث لم تحتج الی شیء آخر“ انہوں نے اس کی تنقیح و تہذیب میں اتنا کام کیا کہ ان کے بعد اس کام کے کرنے کی کسی اور کی ضرورت ہی نہ رہی۔

ہمارا کام روٹی کھانا ہے: یقین جانئے کہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں ہی آئندہ پیش آنے والے لاکھوں مسائل کے جواب لکھ کر ہمیں بتا دیئے۔ آج ہمارا کام اس کے اوپر فقط عمل کرنا ہے یعنی پکی پکائی روٹی کھانا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان تمام حضرات کے لئے بلندی درجات کی دعا مانگا کریں۔

### تصوف کی محنت قرآن و حدیث سے ثابت ہے

تو جیسے فقہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سارا علم کھل کر سامنے آ گیا۔ اسی طرح تصوف و سلوک کا اور تدوین حدیث کا معاملہ پیش آیا۔ اب پوری تفصیل تو عاجز (حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی) بتا نہیں سکتا، لہذا اتنی بات ضرور جان لیں کہ یہ تمام اصول و ضوابط قرآن و سنت میں موجود تھے، وہیں سے ہمارے اکابرین نے ان کو یکجا کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسانی فرمادی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کا استعمال بدلتا رہا ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ پہلے زمانے میں اس کو تزکیہ و احسان کہتے تھے، اور احسان تو عام طور پر مشہور تھا، آج تصوف کا لفظ مشہور ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟

دیکھئے سب سے پہلے ”خلیفہ“ کا لفظ حضرت ابو بکر صدیقؓ کیلئے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے ”امیر المؤمنین“ کا لفظ عمرؓ کے لئے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے ”قاضی القضاۃ“ چیف جسٹس کا لفظ امام ابو یوسفؒ کے لئے استعمال ہوا۔ ”وزیر“ کا لفظ ابوسلمی حفص کے لئے استعمال ہوا، ”سلطان“ کا لفظ سب سے پہلے محمود غزنویؒ کے لئے استعمال ہوا، ”صوفی“ کا لفظ سب سے پہلے ابو ہاشمؒ جو کہ امام احمد بن حنبلؒ

کے زمانے میں تھے، ان کے لئے استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو ایسا قبول کیا کہ ان کے بعد یہ لفظ باقاعدہ استعمال ہی ہونے لگ گیا۔ اتنا تو مانیں کہ تصوف کی جو محنت ہے وہ واقعی کتاب و سنت میں سے نکلی ہوئی ہے۔ اگر آپ کو ”تصوف“ کی بجائے کوئی اور لفظ اچھا لگتا ہے تو آپ وہ کہنا شروع کر دیں، ہمارا کوئی جھگڑا ہے؟ ہاں ان سے جھگڑا ضرور ہے جو کہتے ہیں کہ دل میں صفائی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (خطبات فقیر ۲۶: ۱۵۱-۱۶۵)

### اعمال مع التصوف اور اعمال بغیر تصوف کا مثال

☆..... مثال نمبر ۱: دیکھیں! ایک ہوتا ہے، بانس۔ وہ خشک ہوتا ہے اور اس کی ایک خاص شکل ہوتی ہے۔ اور ایک ہوتا ہے، گنا۔ اگر آپ اگنے والے پتلے بانس کا کاٹیں اور ادھر سے گنے کا کاٹیں تو قریب رکھنے سے دونوں بالکل ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ مگر ایک رس سے خالی ہوتا ہے اور دوسرا رس بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو بندے تصوف کو سیکھے بغیر اعمال کرتے ہیں، وہ بانس کی طرح ہیں اور جو سیکھ کر اعمال کرتے ہیں وہ گنے کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی ایمان کی حلاوت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆... مثال نمبر ۲: اگر ایک عام مزدور کو آپ گھر لائیں اور کہیں جی! فرش توڑنا ہے تو وہ آئے گا، ہتھوڑا چلائے گا، اور شام کو اپنی مزدوری لے کر چلا جائیگا۔ البتہ وہ ہتھوڑا چلاتے ہوئے بے دلی سے چلائے گا۔ اور ایک تھرا فراہ، اس کو لوگوں نے کہا تھا کہ اگر تم پہاڑ کو کھود کر دودھ کی نہر نکالو تو تمہارے محبوب سے تمہارا وصل ہو جائے گا۔ وہ بھی پہاڑ توڑتا تھا۔ لیکن جو ضرب مزدور لگاتا ہے وہ بے دلی سے لگاتا ہے اور جو فراہ ضرب لگاتا تھا وہ دل کی محبت سے لگاتا تھا۔ کہنے والے نے کہا:

ہر ضرب تیشہ سا غر کیف وصال دوست  
فراہ میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

”جب فراہ ضرب لگاتا تھا تو ہر تیشے کی ضرب پر اس کو لگتا تھا کہ میں اپنے محبوب کے وصل کا جام پی رہا ہوں۔ اس لئے کہ مزدور میں عشق کی وہ بات ہی نہیں تھی جو فراہ تھی۔“

آج ہم مزدور والی نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ والے فرماتے ہیں: آؤ! فراہ والی نمازیں پڑھو۔ ہم بے ذوق مجدے اور بے سرور نمازیں کب تک پڑھتے رہیں گے۔ اپنے من کو صاف کر لیں تاکہ پھر ایسی نماز نصیب ہو کہ ”اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَانَکَ تَرَاهُ وَاَنْ لَّہُ نَکْرُ تَرَاهُ فَاِنَّہُ یَرَاکَ“ کا مصداق بن جائیں اور صورت کی بجائے سیرت پر زیادہ محنت کریں۔ (ایضاً ۲۲: ۲۷۲-۲۷۳)

### علم تصوف کی حیثیت

یہ بہت اونچا علم ہے، صوفیاء کرام کی بلند حالت اخلاق کی درنگی اور ہمیشہ خدا کی طرف توجہ لگائے رکھنا ہے۔

### تصوف کی حقیقت

تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنے اندر اس طرح پیدا کر لینا کہ اس کے رنگ میں رنگے جائیں، اور اپنے اختیار اور ارادہ کو ختم کر لینا۔ ہر حال میں بندے کا اللہ کی رضا کو قبول کئے رکھنا۔ (امداد السلوک ص: ۲۸)

## تصوف کا حاصل

تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کر لے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچ جاوے۔ (خطبات حکیم ۱۱، ص ۲۱۱)

## حقوق طریقت

یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں خواہ کسی سے بیعت بھی نہ ہوں تمام برادران، اسلام کو عموماً اور اصحاب سلاسل اربعہ کو خصوصاً لازمی ہے کہ: (۱)۔۔۔ حدیث اور فقہ کی اچھی طرح معلومات حاصل کریں (۲)۔۔۔ اور اردو جاننے والے اصحاب معتبر علما کی۔۔۔ اردو میں لکھے ہوئے مسائل کی کتابیں پڑھیں۔ اور جوان پڑھ ہیں وہ پڑھے ہوئے لوگوں سے سنیں اور ان سے فرائض، واجبات، بحر مات، مکروہات اور مشتبہات کی واقفیت حاصل کریں، اور آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور عادتوں اور آپ ﷺ کی عبادتوں کے طریقے معلوم کریں (۵)۔۔۔ اور جہاں تک ہو سکے سنت کی پیروی کریں، (۶)۔۔۔ خاص کر فرضوں اور واجبوں پر اچھی طرح سے پابند رہیں (۷)۔۔۔ مکروہ اور شبہ والے کاموں سے بچنے میں سنت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں، (۸)۔۔۔ لیکن ظاہری پاکیزگیوں کو دوسو سے اور وہم کے درجے تک نہ پہنچائیں، اس لئے کہ دوسو اور وہم کا پیدا کرنا بہت برا ہے، (۹)۔۔۔ پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت سے ادا کریں، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جائے تو شرمندگی کے ساتھ استغفار کریں (۱۰)۔۔۔ اور اس بات کا خیال رکھیں کہ تحریر (تکبیر اولیٰ) نہ جاتی رہے (۱۱)۔۔۔ نمازیوں میں جو سب سے زیادہ بہتر ہو اس کو امام بنائیں، حدیث شریف میں آیا ہے: "الامام ضامنہ" کی مثال کی نماز کا امام ضامن ہے۔ اس لئے جس قدر امام کامل ہوگا اس قدر نماز بھی کامل ہوگی، (۱۲)۔۔۔ جمعہ کی نماز کبھی نہ چھوڑیں (۱۳)۔۔۔ نماز کی سنتوں اور آداب کی اچھی طرح نگرانی کریں اور پورے پورے اطمینان کے ساتھ پڑھیں (۱۴)۔۔۔ قرآن مجید نہایت صحیح اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھیں اور گانہ نہ پڑھیں (۱۵)۔۔۔ نمازوں کو مستحب وقتوں میں ادا کریں (۱۶)۔۔۔ سنت راتہ جو بارہ رکعت ہیں نہ چھوڑیں (۱۷)۔۔۔ نماز تہجد جو سنت ہے نہ چھوڑیں (۱۸)۔۔۔ اور نہایت احتیاط کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے ادا کریں (۱۹)۔۔۔ تراویح ختم قرآن اور رمضان کے آخری دس دن میں اعتکاف کی پابندی کریں (۲۰)۔۔۔ لیلۃ القدر کا خیال رکھیں (۲۱)۔۔۔ اور ذکر و اذکار کے وقتوں میں کوئی اور کام نہ کریں (۲۲)۔۔۔ اگر شرعی نصاب کے مالک ہوں تو زکوٰۃ ادا کریں، کیونکہ یہ بھی فرض ہے، لیکن اس معاملے سنت یہی ہے کہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ مال نہ رکھیں، (۲۳)۔۔۔ اور گنجائش کی صورت میں عید الفطر کو صدقہ فطر اور بقر عید کو قربانی ضرور کریں (۲۴)۔۔۔ حج کی استطاعت ہو تو حج ادا کریں، (۲۵)۔۔۔ حلال روزی کمائیں، (۲۶)۔۔۔ خرید و فروخت کے وقت فقہ کے مسئلوں کا خیال رکھیں (۲۷)۔۔۔ اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کریں۔ (۲۸)۔۔۔ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں پوری پوری کوشش سے کام لیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اگر کوئی کمی یا قصور واقع ہو جائے تو وہ آنحضرت ﷺ اور دوسرے بزرگوں اور ولیوں کی سفارش اور وسیلے سے معاف ہو سکتے ہیں۔ برخلاف لوگوں کے حقوق کے کہ وہ معاف نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ بندے خود معاف نہ کریں اور آخرت میں یہ مشکل ہوگا۔ اس لئے اگر کمی ہو جائے تو زندگی میں ہی معاف

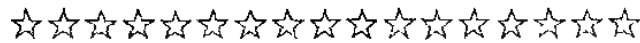
کر لیا جائے۔ (۲۹)..... نکاح کرنا نبیوں کی سنت ہے لیکن اگر اس کے حقوق پورے طور پر ادا نہ کر سکیں تو نکاح نہ کریں، اگر نکاح کر لیں تو بہتر ہے اس لئے کہ نکاح نہ کرنے سے اکثر بڑے گناہوں میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ اس کے متعلق صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے، زیادہ تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں سے معلوم کریں۔ (۳۰)..... اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کریں، ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتاتے رہیں۔ پڑھے ہوؤں کے لئے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں تھوڑا سا وقت مقرر کر کے کوئی اردو کی مسکوں کی کتاب (جو کسی مستند عالم کی ہو) شروع سے آخر تک پڑھ کر سنائیں اور سمجھائیں اور جب وہ ختم ہو جائے تو پھر شروع کر دیں اور جب تک ان کو مسئلے خوب پختہ یاد نہ ہو جائیں سناتے رہیں اور ان پڑھایا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنیں اس کو یاد کر کے گھر والوں کو ضرور سنا دیا کریں۔

☆..... مندرجہ ذیل کاموں کو چھوڑ دیں:

- (۱)..... ڈاڑھی منڈانا، ڈاڑھی کٹانا، جبکہ چار انگلی سے زیادہ نہ ہو، ڈاڑھی چڑھانا، (۲) ... سر میں چاند کھلوانا، (۳) ... کھڑی رکھنا (۴)..... یاسر آگے آگے سے منڈانا یا اونچے نیچے (غیر ہموار) بال کٹوانا (جس کو انگریزی حجامت کہتے ہیں) (۵) ... ٹخنے سے نیچے پانچواں پہننا (۶)..... یا لنگی (تہبند) یا کرتہ، چغہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا (۷)..... یا شملہ (صافہ کی لاٹک) آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا، (۸)..... یا کرتے کی آستین پنچے سے آگے لمبی کرنا (۹)..... یا لال یا زعفران کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا، (۱۰)..... یا ریشمی یا زری کا لباس چار انگلی سے زیادہ پہننا (۱۱)..... یا لڑکوں کو پہننا، یا کافر کا مخصوص لباس پہننا، (۱۲) ... یا مردوں کو چاندی کی انگوٹھی ایک مشقال یا زائد یا سونے کی انگوٹھی پہننا، (۱۳)..... یا عورتوں کے لئے مردانہ وضع کا کھڑا جوتا یا مردانہ لباس یا بجنے والا زیور پہننا (۱۴)..... یا ایسا باریک یا چھوٹا کپڑا پہننا جس میں بدن کھلا رہے، (۱۵)..... کسی عورت یا نابالغ لڑکے کو بری نگاہ سے دیکھنا (۱۶)..... یا عورتوں اور لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا (۱۷)..... یا تنہائی میں مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا (۱۸)..... یا کسی سخت مجبوری کے بغیر سامنے آجانا خواہ وہ پیر یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں بھی سر، کلائی، پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے، منہ کے سامنے بھی گھونگٹ رہنا بہتر ہے اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے (۱۹)..... اسی طرح نامحرم مرد اور عورت کا باہم ہنسنا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہئے۔ (۲۰) ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا یا برات میں جانا البتہ نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کو جمع کر لینے میں مضائقہ نہیں، (۲۱) ... یا کوئی کام دکھاوے، اور فخر کے لئے کرنا جیسا کہ آج کل رسم و رواج کا کھانا کھانا لینا دینا ہوتا ہے، اسی میں نیوتا بھی آگیا اس کو چھوڑنا ضروری ہے (۲۲)..... اسی طرح فضول خرچ کرنا یا کپڑے میں بہت اسراف کرنا کیونکہ یہ بھی فخر اور دکھاوے میں داخل ہے، (۲۳) ... مردے پر چلا کر رونا، (۲۴)..... تر کے کوورٹا میں تقسیم کرنے سے پہلے ان کی رضا مندی کے بغیر خیرات کر دینا، خصوصاً نابالغوں کا حصہ خیرات میں دینا حرام ہے، (۲۵)..... تر کے میں لڑکیوں کا حصہ نہ دینا (۲۶)..... اور بیاہ شادی اور موت کے وقت کی دوسری بدعتوں کا کرنا، (۲۷)..... حکومت اور ریاست والوں کا غریب پر ظلم کرنا، (۲۸)..... جھوٹی نالاش کرنا، (۲۹)..... رہن یا رشوت کی آمدنی کھانا، (۳۰)..... تصویر، اور فوٹو

بنانا بنوانا یا رکھنا، (۳۱)۔ یا شوق کے لئے کتے پالنا (۳۲)۔ یا پتنگ اڑانا، (۳۳)۔ آتش بازی، (۳۴)۔ کبوتر بازی و مرغ بازی وغیرہ کرنا، (۳۵)۔ یا بچوں کو ان کاموں کے لئے پیسے یا اجازت دینا، (۳۶)۔ گانا سننا باجے سے یا بغیر باجے کے، اسی میں گراموفون وغیرہ بھی داخل ہیں۔ (۳۷)۔ ایسے غُرسوں میں جانا جہاں گانا بجانا اور دوسری قسم کی بدعتیں ہوتی ہیں۔ (۳۸)۔ ٹونے ٹونکے یا سیٹلا وغیرہ کو ماننا (۳۹)۔ یا فال وغیرہ کھلوانا کسی نجومی یا آسیب سے کوئی بات پوچھنا، (۴۰)۔ کسی کے پیٹھ پیچھے برائی کرنا، (۴۱)۔ چغلی کرنا، (۴۲)۔ جھوٹ بولنا، (۴۳)۔ تجارت میں دغا کرنا، (۴۴)۔ بغیر مجبوری کے ناجائز نوکری کرنا، (۴۵)۔ جائز نوکری میں کام خراب کرنا، (۴۶)۔ عورت کا خاوند کے سامنے زبان چلانا (۴۷)۔ یا اس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا (واضح رہے کہ بعض معمولی باتیں مثلاً فقیر کو مٹھی بھر دانے دینا وغیرہ میں اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اس کہ ایسی باتوں سے عام طور پر روکا نہیں جاتا) (۴۸)۔ یا بلا اجازت کہیں جانا، (۴۹)۔ حافظوں کا مردوں پر قرآن پڑھ کر کچھ طے کر کے لینا، (۵۰)۔ یا مولویوں کو وعظ یا مسئلہ بتانے پر اجرت لینا، (۵۱)۔ بحث و مباحثہ میں پڑنا (۵۲)۔ یا فقیروں جیسی وضع بنانا (۵۳)۔ پیری مریدی کی خواہش کرنا (۵۴)۔ یا تعویذ گنڈوں کا مشغلہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ (۵۵)۔ فرضوں کے ادا کرنے اور مکروہ اور شبہ والی چیزوں سے بچنے کے بعد صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذکر کے وقتوں میں ذکر کرے اور بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرے۔ (۵۶)۔ اگر پیر کی جگہ کا فاصلہ زیادہ ہو اور آنا جانا بہت ہی کم ہو سکتا ہو تو خط و کتابت کو ضروری سمجھے، یہ اس صحبت کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (۵۷)۔ اس کے علاوہ علما اور صلحا کے پاس بیٹھنے اور بات چیت کرنے کی سعادت حاصل کرے بشرطیکہ وہ علما بھی ایسے ہوں کہ جو دنیا پرستی سے دور رہتے ہوں اور اگر صلحاء کی صحبت نصیب نہ ہو تو تنہا بیٹھے رہنا یا سو جانا بہتر ہے (۵۸)۔ نیز دنیا کے کاموں میں بہت حصہ لینے والے اور ایسے صوفی کی صحبت سے جو ابھی مبتدی ہے پرہیز کرنا چاہئے اس لئے کہ ایسی صحبتیں ان کے لئے بہت مضر ہیں، کیونکہ تھوڑے ہی پانی کو نجاست پلید کرتی ہے (۵۹)۔ نیز اپنے پیر بھائیوں بلکہ تمام مسلمانوں سے محبت اور میل جول رکھے۔

(عمدۃ السلوک: ۶۵-۶۸)



## بیعت

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی اپنی کتاب ”تصوف و سلوک“ میں تحریر فرماتے ہیں: آج امت مسلمہ کی زیوں حالی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ جھوٹ بیچ سے اور کھوٹا کھرے سے بالکل بیہوش نظر آتا ہے۔ جس طرح علم ظاہر کے حامل علمائے حق کی صفوں میں علمائے سوء داخل ہو چکے ہیں اسی طرح علم باطن کے حامل مشائخ حق پرست کے بھی میں نفس پرست لوگ شامل ہو چکے ہیں۔ عوام الناس کی روحانی اور باطنی تنزلی کی انتہا یہاں تک ہو چکی کہ ایک طبقے نے بیعت طریقت کو لازم قرار دیے کر فرائض کے ترک کرنے اور شریعت و طریقت کو الگ الگ ثابت کرنے کا بہانہ بنالیا۔ ”ضَلُّوا فَأَضَلُّوا“ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

دوسرے طبقے نے بیعت طریقت کو بدعت و گمراہی سمجھ کر اس کی مخالفت کا بیڑا اٹھالیا۔ ”و یاسفٰی“

ان حالات میں اہل حق کیلئے افراط و تفریط کے شکار ان دونوں طبقوں سے چوکی لڑائی لڑنے کے سوا چارہ نہیں۔ تاکہ احکام شریعت کو نکھار کر پیش کیا جائے اور حق و باطل کی حد فاصل کو واضح کیا جائے۔

☆..... بیعت کی تعریف: شریعت کی کسی بات کیلئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو سرانجام دیں گے۔ خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص بات کا عہد لیا جائے۔ اس کو بیعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس امر کو بہت سے مواقع پر سرانجام دیا۔ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے چار طرح کی بیعت کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (تہذیب، ص ۲۳-۲۴)

### بیعت کے اقسام

☆..... بیعت کی چار قسمیں ہیں: (۱)..... بیعت اسلام (۲)..... بیعت جہاد (۳)..... بیعت خلافت (۴)..... بیعت طریقت۔

☆..... بیعت اسلام کی تعریف: کسی مسلمان کے ہاتھ پر کفر و شرک سے توبہ کرتے ہوئے عہد دیا کرنا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت اسلام کی تھی۔ روایات سے ثابت ہے کہ ہجرت سے قبل حج کے موقع پر مدینہ طیبہ کے لوگ حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانی کا تذکرہ حدیث کی معتبر کتب میں موجود ہے۔

☆..... بیعت جہاد کی تعریف: وہ بیعت ہے کہ مسلم امام کے ہاتھ پر عہد کرنا کہ اپنی جان دینے کے ساتھ ساتھ ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں جیسے حدیبیہ کے موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

☆..... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (التَّحْوِیۃ: ۱۸)

”باتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کرتے تھے۔“

☆..... وَقَدْ قَالَ ابْنُ كَيْسَرٍ: ”وَهَذِهِ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ، وَكَانَتْ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَمَرٍ بِالْحُدَيْبِيَّةِ، وَكَانَ الصَّحَابَةُ الَّذِينَ

بَايَعُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ قِيلَ: أَلْفًا وَثَلَاثَ مِائَةٍ“ (غیر ابن کثیر، ۲/۲۳۷، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ، ۳۰۰-۳۰۱)

۶۵۔۔۔ حضرت سلمہ بن اکوع اس بیعت میں شریک تھے، ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے درخت (سمرہ) کے نیچے کس بات پر بیعت کی تھی یا ”علی الموت“ یعنی ہم مرجائیں گے بھاگیں نہیں۔

یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ ارشاد ہوا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَرْقٌ أَيْدِيهِمْ﴾ (فتح ۱۰)  
 ”جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے“  
 غزوہ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اشعار پڑھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

”ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے جہاد کرنے پر جب تک زندہ رہیں گے“

مندرجہ بالا شعر میں اس بیعت جہاد کی طرف اشارہ ہے۔

۶۶۔۔۔ بیعت ہجرت: حارث بن زیاد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ میں یوم خندق میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ لوگوں سے ہجرت پر بیعت لے رہے تھے۔ میرا گمان ہوا کہ لوگ بیعت کیلئے بلائے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے بھی ہجرت پر بیعت لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے چچیرے بھائی حوت بن یزید ہیں یا یزید بن حوط۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے بیعت نہیں لیتا۔ لوگ تو تمہاری طرف ہجرت کر کے آتے ہیں تم لوگوں کی طرف ہجرت کر کے نہ جاؤ گے۔۔۔۔۔ الی آخر۔ اس کو احمد ابو نعیم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (تصوف، ص ۲۷-۲۵)

۶۷۔۔۔ بیعت طریقت (توبہ) کی تعریف: یہ وہ بیعت ہے کہ جو مرشد کامل کے ہاتھ پر اس عہد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے آپ کی اتباع کروں گا اور جناب کی تعلیمات کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ظہر و باطن کی اصلاح کروں گا اور گناہ کی زندگی کو ترک کر کے نیکی کی زندگی اختیار کروں گا۔

۶۸۔۔۔۔۔ بیعت خلافت کی تعریف: ایک ہوتا ہے بیعت خلافت یہ وہ بیعت ہے کہ جو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر اس کی خلافت کو تسلیم کرنے کی نشانی کے طور پر کی جائے جیسے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرام نے بیعت کی۔

۶۹۔۔۔۔۔ بیعت طریقت احادیث سے ثابت ہے:

۷۰۔۔۔ حضرت عبادہ ابن الصامتؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم ﷺ نے اس حالت میں کہ ان کے ارد گرد صحابہؓ جماعت تھی کہ میرے ہاتھ پر تم بیعت کرو (کن باتوں پر بیعت ہوئی سینے) تم اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے نہ چوری کرو گے نہ زنا کرو گے نہ اپنی اولادوں کو قتل کرو گے اور نہ باندھو گے تم بہتان اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ نافرمانی کرو گے اور نیکی کی بات میں جو شخص تم میں سے اس وعدہ کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے جو شخص ان چیزوں کو پہنچا (اور وہ) دنیا میں سزا دیا گیا وہ کفارہ ہوگا جو شخص ان میں سے کسی چیز کو پہنچا پھر (اس کی حرکت کو) اللہ نے چھپا لیا وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر چاہے وہ بخش دے اور اگر چاہے سزا دیوے (حضرت



عبادہ کہتے ہیں کہ) اس پر ہم نے ان سے (یعنی حضور کریم ﷺ سے) بیعت کی (مشکوٰۃ شریف: ۱۳۱)

حدیث کی تشریح: صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث اپنی کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی ہے اب سمجھئے مذکورہ حدیث میں مذکور بیعت سے مراد وہ بیعت طریقت ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ بیعت اسلام بھی نہیں بنتی اس لئے کہ اس بیعت کے مخاطب صحابہ کرام ہیں جو کہ پہلے سے ہی مسلمان ہیں یہ بیعت جہاد بھی نہیں بن سکتی کیونکہ اس کے مضمون میں جہاد کا تذکرہ اشارہ بھی نہیں ہے یہ بیعت خلافت بھی نہیں بن سکتی کیونکہ خلافت کی بیعت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر ہوتی ہی نہیں ہے لہذا یہ بیعت طریقت ہی ہے۔

اس تمام مذکورہ گفتگوں سے پتہ چلا کہ پیری مریدی یہ روحانی علاج کا ایک مقدس سلسلہ ہے جو حدیث سے ثابت ہے اور اس کا بدعت اور شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ اس شعبہ میں مکار پیروں کی کثرت ہے لیکن یہ کسی کام کے برے ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسے ریاء کار اور بے دین مسلمانوں کی وجہ سے نماز کو غلط نہیں کہا جاسکتا اسی طرح غلط لوگوں کی وجہ سے خانقاہی نظام کو غلط کہنا درست نہیں ہے بلکہ لوگوں کو ہی برا کہا جائے گا۔ فافہمو! (از عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶ بحوالہ مفصل مدلل متداول سند والجماعہ)

طرق اربعہ میں سے ہر طریق کے مشائخ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں، لہذا جس طریق کے معارف سے مناسبت ہو، اسے اختیار کرنا چاہیے، اور اس طریق کے کسی شیخ کامل سے بیعت ہونا چاہیے، اس بیعت کو بیعت طریقت کہتے ہیں احادیث سے یہ بیعت ثابت ہے، لہذا اس بیعت سے روگردانی کرنا، اس کو بدعت کہنا یا اس بیعت کا انکار کرنا غلط ہے۔

○ ... عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالتَّصَحُّعِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

(صحیح مسلم ص ۴۲)

○ ... عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ تَبَايَعُوا نِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تُسْرِقُوا (صحیح مسلم ص ۷۲/۲)

○ ... عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ إِنِّي مِنَ النَّبَإِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ بَايَعْنَا عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا نَزْنِي وَلَا نُسْرِقَ وَلَا نَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ (صحیح مسلم ص ۷۲/۲)

○ ..... وَأَمَّا انْتِسَابُ الطَّائِفَةِ إِلَى شَيْخٍ مُعَيَّنٍ فَلَا رَيْبَ أَنَّ النَّاسَ يُحْتَاجُونَ مَنْ يَتْلَقُونَ عَنْهُ الْإِيمَانَ وَالْقُرْآنَ كَمَا تَلَقَى الصَّحَابَةُ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَلَقَّاهُ عَنْهُمْ التَّابِعُونَ وَبِذَلِكَ يَحْصِلُ اتِّبَاعُ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ بِإِحْسَانٍ فَكَمَا أَنَّ الْمُرءَ لَهُ مَنْ يَعْلَمُهُ الْقُرْآنَ وَنَحْوَهُ فَكَذَلِكَ لَهُ مَنْ يَعْلَمُهُ الدِّينَ الْبَاطِنَ وَالطَّاهِرَ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۵۱۰)

☆ ..... عورتوں کی بیعت کا ثبوت:

عورتوں کی بیعت توبہ کا تذکرہ قرآن مجید میں، سورۃ الممتحنہ میں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ

وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايَعَهُنَّ وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ (اے نبی) ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں (اب دیکھیں یہاں یہ نہیں کہا ”اذا جئت الكافرات اذا جاءك المشركات“، اذا جاءك المشركات “ نہ یہ مشرکہ ہیں، نہ کافرہ ہیں نہ منافقہ ہیں، کون ہیں ؟ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ یہ مومنات ہیں صحابیات ہیں، بیعت اسلام کر کے دین اسلام میں داخل ہو چکی ہیں وہ کس لئے آئی ہیں ﴿يَا بَعْثُكَ﴾ آپ سے بیعت کرنے کیلئے، اب قرآن مجید کا یہ لفظ بتا رہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی کوئی بیعت ہوتی ہے، جو کی جاتی ہے، اس بیعت کا آخر کوئی مقصد ہوگا، قرآن مجید نے اس کو بھی واضح کر دیا ﴿عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، چوری نہیں کرو گی ﴿وَلَا يَزْنِينَ﴾ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرو گی، ﴿وَلَا يَأْتِينَ بَهْتَانًا يَفْسُرُ بَيْنَ يَدَيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ﴾ کسی پر بہتان نہیں باندھو گی ﴿لَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی سنت پر عمل کی کوشش کریں گی، یہ ان کے آنے کا مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے بیعت کرنا چاہتی ہیں۔ ﴿فَبَايَعَهُنَّ﴾ آپ انہیں بیعت کر لیجئے! ﴿وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللَّهُ﴾ یہ ہے اصل راز بیعت کا، کہ یو عورتیں تو توبہ کریں گی ہی، آئی جو اس نیت سے ہیں، اے محبوب آپ بھی ان کے لئے توبہ کیجئے! ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے، مفسرین نے لکھا: اللہ تعالیٰ نے ”ان“ کی تاکید کی مہر لگا کر ایسے طریقہ کار میں توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرما دیا، جو بندہ اس سنت طریقہ کے اوپر توبہ کرے گا ”ان“ کی مہر ہے اللہ کی طرف سے گارنٹی ہے، کہ میرے بندو! اس طرح سے کی ہوئی توبہ کو میں پروردگار ضرور قبول کروں گا، تو آدمی خود بھی توبہ کرتا ہے اور شیخ بھی توبہ کراتے ہیں چونکہ وہ نائب رسول ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا کام امت کے علماء، صلحاء کے کندھوں پر رکھ دیا، لہذا وہ نائب بن کر، وکیل بن کر کام کرتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں کرتے، ان کو مشائخ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔

اس کو بیعت توبہ کہتے ہیں، اس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے اب بتائیے! اگر صحابیات نے نبی ﷺ کے پاس آ کر بیعت کی، تو اگر آج کی کوئی عورت یہ توبہ کی بیعت کرنا چاہے تو کیا وہ اس عمل سے محروم ہوگئی نہیں جس طرح نبی ﷺ کی یہ سنت اس زمانہ میں تھی یہ سنت آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی، چنانچہ اس کو بیعت توبہ کہتے ہیں۔ (خانہ دل آباد ہے: ۱۳۹-۱۴۱)

### بیعت طریقت کی ضرورت

اے عزیز باتمیز! جب تو نے جان لیا کہ طریقت کی تلاش اور باطنی کم لوں کا حاصل کرنا واجب ہے تو اب جاننا چاہئے کہ اس کے حاصل کرنے کی کئی ایک طریقے ہیں، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور درود شریف کا کثرت سے پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام کے ذکر پر ہمیشہ قائم رہنا اور کثرت کرنا وغیرہ جیسا کہ فضائل ذکر میں گزر چکا ہے۔ لیکن چونکہ یہ راستہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا) نہایت نازک اور دشوار ہے اور نفس و شیطان جو انسان کے کھلم کھا دشمن ہیں اور ہر وقت انسان کو سیدھے راستے سے گمراہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (یوسف: ۵۳)

”بے شک نفس انسان کو برائی کی طرف لے جانے والا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، بلاشبہ میرا رب بخشے والا رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”تحقیق شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے“

اس لیے مرشد کی بیعت کے بغیر چارہ نہیں اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ نزدیک کا راستہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون بھی اسی طرح پر جاری ہے کہ جس طرح انسان ظاہر کی خوبیوں اور ہنروں کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل کر حاصل کرتا ہے، اور استاد کی شاگردی حاصل کئے بغیر کوئی فن آسانی اور صحیح طریقے کے ساتھ نہیں سیکھ سکتا، برخلاف اور حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں، اور سیکھنے کے طور پر بہت کم حاصل کرتے ہیں، چنانچہ پانی میں تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بغیر سیکھے حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح انسان باطنی کمالوں کو بھی طریقت کے پیر کی بیعت کے بغیر نہیں کر سکتا (الا ماشاء اللہ) اور جو شخص ظاہری بیعت کے بغیر صاحب کمال ہوتا ہے اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ادیسی کہتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر اس کی بیعت کا تعلق زندہ پیر سے نہیں ہوتا، پھر بھی باطنی تعلق سے وہ بچا ہوا نہیں ہوتا۔

### حکایت مورچہ

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے راستوں میں سے سب سے زیادہ قریب ہونے کے لئے بزرگوں نے ایک چیونٹی کی حکایت نقل کی ہے کہ ایک چیونٹی کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ میں خانہ کعبہ میں پہنچوں، مگر خانہ کعبہ وہاں سے بہت دور تھا۔ اس چیونٹی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نہ تو میرے پر ہیں اور نہ طاقت و سرمایہ ہے، ایسی عظمت والی جگہ میں جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات اور انعامات کے وارد ہونے کی جگہ ہے میں کس طرح پہنچ سکوں گا، اسی خیال میں تھی کہ اچانک ایک جگہ جہاں کوئی غلہ گا ہا گیا تھا کبوتروں کا ایک غول دانے چگنے میں مشغول ہو گیا۔ جب چگنے سے فارغ ہوا تو ایک کبوتر نے کہا کہ اب جو کچھ چگنا ہے جلدی چک لو، کیونکہ خانہ کعبہ جہاں ہمیں پہنچ کر اپنے بچوں کی خبر لینی ہے بہت دور ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے اگر بہت ہی تیز اڑیں گے تو کہیں جا کر پہنچیں گے، چیونٹی بھی وہیں تھی اس نے موقع کو غنیمت جانا کہ اگر ان کا ساتھ حاصل ہو جائے تو میرا مطلب حل ہو جائے گا، پر ان کے رہے اور پنجہ میرا، چنانچہ وہ جلدی سے جا کر اس کبوتر کے پاؤں میں چمٹ گئی اور کبوتر اسے اپنے ساتھ اڑا لے گیا، جب کبوتر خانہ کعبہ میں پہنچے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی کہ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کر لو، چیونٹی سمجھ گئی کہ میری مراد اللہ تعالیٰ نے پوری کی اس نے فوراً پنجہ چھوڑ دیا، یکا یک وہ دیکھتی ہے کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ ”الحمد لله على انعامه واحسانه“ پس جس طرح اس چیونٹی کے کبوتر کے پنجے مضبوط پکڑے اور اپنا مقصود حاصل کر لیا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا طالب اس راستے کے منزل طے کئے ہوئے شہباز (مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو نیچے گر کر دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا۔ یہی مضمون فارسی کے ایک شعر میں کیا اچھا بیان ہوا ہے:

دست بر پائے کبوتر زدونا گاہ رسید

مور مسکین ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد

ایک مسکین چیونٹی کے دل میں خواہش تھی کہ کعبہ میں پہنچے، اس نے کبوتر کے پاؤں کو، مضبوطی سے پکڑ لیا اور اچانک پہنچ گئی۔

حضرت مولانا رومؒ نے اس بارے میں خوب تشریح فرمائی ہے:

چوں تو کردی ذات مُرشد را قبول ... ہم خدا آمد ز آتش ہم رسول  
نفس نتوان کشت الا ذاتِ پیر ... دامن آں نفس گش محکم بگیر

جب تو نے پیر کی ذات کی (پیر کو) قبول کر لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ بھی مل گیا اور رسول ﷺ بھی۔ اس نافرمانی نفس کو پیر کی ذات کے سوائے کوئی نہیں مار سکتا، تو اس نفس کے مارنے والے (پیر) کا دامن مضبوط پکڑ۔

اصحاب کہف کے کتے کا قصہ بھی قرآن مجید میں ہے اس پر دلیل ہے:

سگ اصحاب کہف روزے چند ..... پئے نیکال گرفت مردم شد  
اصحاب کہف کے کتے بنے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی ہو گیا

اولیاء کرام کی صحبت کا اثر سب کے نزدیک مانا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ..... بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا سی دیر بیٹھنا سو سال کی بے ریا خالص عبادت سے بہتر ہے۔ (عمدة السلوک ۴۳-۴۵)

صحبتِ صلحاء بے ریا عبادت سے افضل کیوں؟

ایک مرتبہ مفتی محمد شفیعؒ نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا: حضرت! شاعر گوگ جب شعر کہتے ہیں تو کسی کو گٹھا دیتے ہیں اور کسی کو بڑھا دیتے ہیں۔۔۔ یہ ایک انسانی فطرت ہے، گٹھا بڑھا دیتے ہیں، افراط و تفریط کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔۔۔ حضرت تھانویؒ نے پوچھا: کیسے؟ انہوں نے کہا: حضرت! مولانا رومؒ نے جو یہ شعر کہا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ..... بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مجھے تو اس میں افراط و تفریط نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا سی دیر بیٹھنا سو سال کی بے ریا خالص عبادت سے بہتر ہے۔۔۔ اگر یہ کہہ دیتے کہ سو سال کی عبادت سے بہتر ہے تو کہا جاسکتا تھا کہ ہاں، بھئی! ریا والی عبادت ہوگی جس سے واقعی بہتر ہے، وہ کہتے ہیں: نہیں سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے، اس لئے مجھے اس میں افراط و تفریط نظر آتی ہے۔

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اچھا! میں اس شعر کو پڑھوں۔ انہوں نے کہا: جی حضرت! آپ پڑھیں۔ تو حضرت نے پڑھا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ..... بہتر از ”لکھ“ سالہ طاعت بے ریا

یعنی اللہ والوں کی صحبت کا ایک لکھ ایک لاکھ سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

اب وہ اور زیادہ حیران ہوئے کہ سو سال سمجھ میں نہیں آرہے تھے اور حضرت نے لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرتؒ نے بات سمجھائی۔ حضرت نے فرمایا: دیکھو! اگر کوئی بندہ لاکھ سال تک عبادت کرے تو کیا اس کو اپنے ایمان کو محفوظ لے جانے کا یقین ہوتا ہے؟ عرض کیا: حضرت یقین تو کسی کو نہیں ہو سکتا کہ پتہ نہیں موت کے وقت کیا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا: دیکھیں! شیطان بد بخت نے کتنی عبادت کی تھی۔

ہزاروں سال۔ چپے چپے پہ مجھ سے کئے۔ بالآخر محروم ہو گیا۔ بلعم بعور نے تین سو سال عبادت کی اور اس کو دھتکار دیا گیا۔ اس لئے یہ یقین تو کسی کو بھی نہیں کہ موت کے وقت کیا ہوگا۔ اتنی عبادت کے باوجود بھی خطرہ ہے کہ پتہ نہیں موت کے وقت کیا ہوگا۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لاکھ سال کے بعد بھی خطرہ ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتے اور اگر اللہ تعالیٰ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی انسان اختیار کر لے تو نبی ﷺ گواہی دے رہے ہیں ﴿هُم رَجَاءٌ لَا يَشْقَىٰ جَنَّاتُ عِلْيٰہِمْ﴾ پیہ پچن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔ اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے جب اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ وہ بد بخت نہیں ہو سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت ایمان کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ چنانچہ لاکھ سال کی عبادت سے بھی وہ نتیجہ نہ ملا جو ان کی ایک لمحہ کی صحبت سے مل گیا۔ اس لئے یہ صحبت زیادہ اعلیٰ ہوتی ہے۔

(خطبات فقیر ۲۶۱۲-۲۶۱۳)

### مقاصد بیعت

بیعت کے مقاصد متعدد ہوتے ہیں:

- (۱)۔ توبہ کرنا: جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ طالب کسی بزرگ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا اور ان بزرگ کو اپنی توبہ کا گواہ بناتا ہے اور ان سے دعا و توبہ کا خواستگار ہوتا ہے جس کی برکت سے اپنی توبہ پر قائم رہے۔
- (۲)۔ بیعت تبرک: جس کا یہ حاصل ہے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر محض داخل سلسلہ ہونے کے لئے بیعت ہو جائے کہ ان بزرگ اور ان کے سلسلہ سے محبت ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگ کیساتھ قیامت کو محشور فرمائے، نابالغ بچوں کو عامۃً اسی مقصد کے لئے بیعت کرا دیا جاتا ہے۔
- (۳)۔ جہاد: جس کا حاصل یہ ہے کہ اعلائے دین کے لئے خدائے پاک کے دی ہوئی تمام صلاحیتوں اور قوتوں: جان، مال، عزت، طاقت وغیرہ کو خدا کے راستے میں ان بزرگ کی تجویز کے مطابق خرچ کرنا۔
- (۴)۔ بیعت سلوک: جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی معرفت و رضامندی حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں حائل ہونے والے اخلاقِ رذیلہ و اعمالِ سنیہ کو چھوڑ کر اخلاقِ فاضلہ و اعمالِ صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنا اور جس قدر مجاہدہ و ریاضت، تزکیہ نفس، و اصلاح نفس کے لئے شیخ تجویز کریں اس کو بطیب خاطر اختیار کرنا جس سے نفس کو فانی، لوفات کی بے محل رغبت باقی نہ رہے، بلکہ خدائے پاک کی ذات و صفات سے گہرا اور دائمی تعلق و استحضر قائم ہو جائے، شیخ اپنے مشائخ کے واسطے سے رسول اکرم ﷺ کا نائب ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/۲۰۲، ۲۰۳)

☆..... "اعْلَمْ أَنَّ الْبَيْعَةَ الْمُتَوَاتِرَةَ بَيْنَ الصُّوفِيَّةِ عَلَىٰ وُجُوهِ: أَخَذَهَا: بَيْعَةُ التَّوْبَةِ مِنَ الْمَعَاصِي، وَالثَّانِي: بَيْعَةُ التَّبَرُّكِ فِي سُلْسَلَةِ الصَّالِحِينَ" (القول الجمل الفصل الثانی، سہ البیعة: ۱۱۲، مکتبہ: ۱۱۲، ماخذ: فتاویٰ محمودیہ: ۴/۲۰۲، ۲۰۳)

## بیعت کا حکم

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بیعت طریقت ہماری روشن شریعت میں سنت ہے، واجب نہیں، اس واسطے کہ اصحابؓ نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی اور اس کے سبب سے نزدیکی چاہی اور کسی دلیل شرعی سے بیعت کے چھوڑنے والے پر گناہ گار ہونے کا حکم نہیں لگایا اور ائمہ دین نے بیعت چھوڑنے والے پر انکار نہ کیا اور یہ انکار نہ کرنا گویا اس پر اجماع ہو گیا کہ وہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے، کیونکہ سنت کی حقیقت یہی ہے کہ مسنون فعل واجب ہونے کی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ (عمدة السلوک: ۴۷)

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال نمبر ۱: بیعت تو بہ کا حکم کیا ہے یہ فرض ہے یا واجب ہے؟

جواب: نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ بدعت ہے بلکہ سنت عمل ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے فرائض زندہ ہوتے ہیں۔

☆..... فتاویٰ محمودیہ میں لکھا ہے: پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے راہ سنت پر چلنا اور احکام خداوندی کے مطابق زندگی گزرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ پاک نے یہ دولت عطا فرمادی اور اس نے کسی کو پیر نہیں بنایا تو وہ جنت کا مستحق کیوں نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۰۵/۴)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: عقائد حسنہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ کی تحصیل ہر شخص پر واجب ہے خواہ اساتذہ سے، خواہ کتابوں سے پڑھ کر یا بزرگان دین کی صحبت میں رہ کر ہو یا خواہ بذریعہ مطالعہ۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں جو حضرات بحالت ایمان حاضر ہو وہ تو برکت صحبت سے ان کو یہ چیز حاصل ہو گئی، ان کے باطن میں ایک نور پیدا ہو گیا جس کے ذریعہ سے وہ حضرات حق و باطل، صحیح و غلط بے تکلف فرق کر لیتے تھے، اتنا تقویٰ قلب میں پیدا ہو جاتا تھا کہ عمومی حارات میں بھی نفس و شیطان پر قابو رکھتے تھے، بعد میں آپ کے خلفاء اور دیگر صحابہ کے فیض صحبت سے دوسروں کو اس نوع کا نفع حاصل ہوتا رہا، پھر بعد زمانہ اور تغیر ماحول بناء پر اس مقصد کی تحصیل کے لئے مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت پیش آئی۔ جن حضرات نے اس نسبت کو حاصل کیا اب بھی ان کی صحبت سے بہت نفع پہنچتا ہے اور اب اس دور میں عمومی استعداد اتنی ضعیف ہو چکی ہے کہ بغیر پیر کامل سے رابطہ کئے اور بغیر ان کی ہدایت پر عمل کئے اخلاق رذیلہ زائل نہیں ہوتے اور اخلاق فاضلہ حاصل نہیں ہوتے تاہم آج بھی کوئی سلیم الفطرۃ (جولاکھوں میں سے ایک ہوگا) اپنے عقائد، اخلاق، اعمال کو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق خود ہی بنا لے تو اس کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۱۴/۴-۴۱۵)

☆ اِنَّ السَّيِّئَةَ سُنَّةٌ وَكَيْسَتْ بِرَاجِبَةٍ..... وَلَمْ يَدُلَّ دَلِيلٌ عَلَى تَأْنِيهِمْ تَارِكَهَا، وَلَمْ يُنْكَرْ أَحَدٌ عَلَى تَارِكِهَا۔

(القول الجلیل، الفصل الثانی، ۱۳، مکتبہ، ماخذ: فتاویٰ محمودیہ ۴۰۵/۴)

”بیعت سنت ہے واجب نہیں ہے، اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تارک بیعت گناہگار ہے اور بیعت کے تارک پر کسی نے انکار نہیں کیا“

☆..... شیخ ظفر احمد العثمائی فرماتے ہیں ”وَبِالْجُمْلَةِ فَالْتَّصَوُّفُ عِبَارَةٌ عَنْ عِمَارَةِ الظَّاهِرِ وَالبَّاطِنِ، أَمَّا عِمَارَةُ الظَّاهِرِ

فَبِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، وَأَمَّا عِمَارَةُ الْبَاطِنِ فَبِذِكْرِ اللَّهِ وَتَرْكِ الرُّكُونِ إِلَى مَاسِوَاهُ... وَكَانَ يَتَسَرُّ ذَلِكَ لِلْسَّلَفِ بِمُجَرَّدِ الصُّحْبَةِ الْخَيْرِ“ (اعلاء السنن کتاب الادب والتصوف والاحسان: ۱۸/۳۳۸، ادارة القرآن کراچی، ماخذ فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۵/۵)

☆..... حضرت مولانا خیر محمد جالندھری تحریر فرماتے ہیں: بیعت کا مقصد نسبت احسان کو حاصل کرنا ہے جو کہ حدیث شریف ”اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ الْحَدِيثُ“ میں مذکور ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحب نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے، گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے۔ (خیر الفتاویٰ: ۱/۳۶۹)

☆..... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ تحریر فرماتے ہیں: اسی طرح باطن کی اصلاح اور اس سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لئے کسی متبع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاجا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۷۷)

سوال: اگر کوئی آدمی یہ بیعت نہ کرے تو کیا ہوتا ہے؟

جواب: اس سنت کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ ”مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي، فَلَهُ أَجْرُ مَاءٍ شَهِيدٍ“ ”جس نے فسادات کے وقت میں میری ایک سنت پر عمل کیا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔“ (تصوف و سلوک: ۲۸)

بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت

بیعت کے مشروع ہونے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح پر جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھید جو دلوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ظاہری اقوال و افعال سے ظاہر ہوں اور قول و فعل دل کے بھیدوں کے قائم مقام ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور قیامت کی تصدیق ایک پوشیدہ امر ہے تو ایمان زبان کے اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق کا قائم مقام ہو گیا اور اسی اقرار زبانی پر ایمان کے احکام ہوئے جیسا کہ مومن کی جان و مال کی حفاظت اور اس کی امداد کا واجب ہونا، یا بیچنے اور خریدنے والے کی رضا مندی قیمت اور چیز کے دینے میں ایک پوشیدہ امر ہے تو ایجاب و قبول کو اسی چھنی ہوئی مرضی کا قائم مقام کر دیا اور اسی ایجاب و قبول پر خریدنے اور بیچنے کے احکام جاری ہوئے، یعنی قیمت فروخت میں قبضہ کرنا اور ہبہ اور وراثت وغیرہ، پس اسی طرح توبہ کرنا اور گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا اور پرہیزگاری کی رسی کو مضبوط پکڑنا ایک پوشیدہ امر ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کر دیا اور اسی پر عہد کو پورا کرنے کا واجب ہونا اور عہد کو توڑنا حرام ہونا وغیرہ احکام جاری ہوئے۔ (عمدة السلوک: ۳۸)

### بیعت کا ایک انعام

حضرت قاری محمد طیبؒ کا واقعہ ہے، کتابوں میں لکھا ہے، کہ ایک عورت نے ان سے بیعت کی اور اس کے بعد اس عورت کا ان سے کوئی رابطہ بھی نہ رہا، بیس سال گزر گئے اور بیس سال گزرنے کے بعد جب اس عورت کی وفات کا وقت آیا تو وہ عورت کہتی تھی وہ دیکھو! مولانا بیٹھے ہیں

اور مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں وہ دیکھو! مولانا بیٹھے ہیں کلمہ پڑھا رہے ہیں، دوسرے اس نے کہا اونچی آواز سے کلمہ پڑھا اللہ کو پیاری ہوگئی، توبہ بیعت کی نسبت کی ایک برکت ہوتی جو بندے کے ایمان کی حفاظت کا سبب بن جاتی ہے۔ (خانہ دل آ بار ہے: ۱۵۴)

### بیعت کے فوائد

اس بیعت کے کچھ فوائد درج ذیل ہیں:

☆ پہلا فائدہ: کہ توبہ یقینی طور پر قبول ہو جاتی ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ توبہ تو ہر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کے مصلے پر توبہ کر سکتے ہیں، مگر اس توبہ کی قبولیت کی گرنٹی کوئی نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ قبول کر لے اور اگر نہ چاہے تو وہ قبول نہیں کرے گا، کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ نہیں ہے، لیکن یہ جو سنت طریقہ ہے توبہ کرنے کا، کسی ایسے بندے کے ساتھ ملکر توبہ کے کلمات پڑھ لیں، کہ جس کے پڑھنے کی نسبت اوپر چلتے چلتے نبی ﷺ تک پہنچتی ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی قبولیت یقینی ہے، آپ توبہ کریں، کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے، یعنی تسلی دی جا رہی ہے، کہ ہم تمہاری توبہ کو یقیناً قبول کر لیں گے، پہلا فائدہ اس بیعت کا، کہ پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، توبہ قبول ہو جاتی ہے، توبہ قبول ہونے کا کیا مطلب؟ کہ جتنے چھوٹے بڑے گناہ آج تک کئے ان سب کے اوپر اللہ تعالیٰ قلم پھیر دیتے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نامنہ اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔

☆ دوسرا فائدہ: کہ جب کوئی مرد یا عورت یہ بیعت توبہ کرے، تو مشائخ اس کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں، طریقہ بتاتے ہیں، اب اگر وہ یہ ذکر کرینگے، دس منٹ، پندرہ منٹ مراقبہ کرے، درود شریف، استغفار پڑھے، بہت آسان سے معمولات ہوتے ہیں، تو گویا وہ ذکر کرنے والے بن گئے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قرآن مجید میں ﴿فَاذْكُرُوا أَنِيْ اٰذْكُرْكُمْ﴾ مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، کیا مطلب؟ کہ اے میرے بندو! تم اگر مجھے یاد کرو گے، تو میں پروردگار تمہیں نئے نئے اعمال کی توفیقیں عطا کروں گا، تو اب اگر یہ بیعت ہونے کے بعد ذکر کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نئے نئے اعمال کی توفیق مل جاتی ہے یہ بیعت کا دوسرا فائدہ ہوا چنانچہ پہلے نماز پڑھنی بوج نظر آتی تھی، بیعت کی ایسی برکت، کہ خود بخود نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے، پہلے نیکی کرتے ہوئے دم گھٹنے لگتا تھا، اس کی برکت سے اب نیکی کرنے سے دل خوش ہو جاتا ہے، تو گویا نئے نئے اعمال کی اللہ تعالیٰ توفیق دیدیتے ہیں، پہلے فقط پانچ نمازیں پڑھتی تھیں، اب اللہ تعالیٰ اس کو تہجد کی بھی توفیق عطا فرما دیتے ہیں، تو یہ بیعت کا دوسرا فائدہ کہ اس سے بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیقیں نصیب ہوتی ہیں۔

☆ تیسرا فائدہ: حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک بندہ اگر مومن کسی دوسرے مومن کیلئے پیٹھ پیچھے دعا مانگے، تو وہ دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتی ہے، ”دُعَاءُ الْمُؤْمِنِ لِلْمُؤْمِنِ مُسْتَجَابٌ“ ایسی دعا اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں، یہ حدیث پاک میں آچکا، اب جب یہ حدیث پاک میں ثابت ہوگئی بات، تو جب بیعت کر لیا جاتا ہے تو اس کے بعد پھر اس بندے کیلئے اس کے شیخ دعا کرتے ہیں، جس طرح ماں باپ اپنی ساری اولاد کیلئے دعا کرتے ہیں، استاد اپنے سارے شاگردوں کیلئے دعا کرتے ہیں، اسی طرح مشائخ اپنے تمام مرید مرد اور



عورتوں کیلئے دعائیں کرتے ہیں، جمع کا صیغہ سے، تو ان کی دعاؤں میں اس عورت کا حصہ پڑ گیا اور چونکہ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے، اس لئے کتنی پریشانیاں، مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جو مشائخ کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ بندے کے اوپر سے ہٹا دیا کرتے ہیں، تو یہ بیعت کا تیسرا فائدہ کہ نیک لوگوں کی دعاؤں میں بندے کا حصہ پڑ جاتا ہے۔

☆..... چوتھا فائدہ: اس بیعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ بندے کو حفظِ ایمان کے ساتھ اپنے وقت پر موت عطا فرماتے ہیں، اپنے وقت پر تو جانا سب نے ہے، لیکن اس روحانی تعلق کی یہ برکت ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت اس کو ایمان کے ساتھ کلمہ کے ساتھ جانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اس کی دلیل حدیث پاک سے نبی ﷺ ارشاد فرمایا: کہ نیک لوگوں کی محفل ہوتی ہے جس میں وہ بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں، ان کی مجالس میں جو آتا جاتا ہے، تو یہ بندہ بھی محروم نہیں رہتا، اس کی بھی بخشش کر دی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی انسان اختیار کر لے تو نبی ﷺ گواہی دے رہیں ﴿يَوْمَ هُمْ رَجَالٌ لَا يُلْقَىٰ جُلُوسُهُمْ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا، (اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے) جب اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ وہ بد بخت نہیں ہو سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت ایمان کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق دے دیتے ہیں، علماء نے بد بخت کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت کلمہ پر ہی موت عطا فرماتے ہیں، کلمہ سے محروم نہیں کرتے، اگر محروم کریں، پھر تو وہ بد بخت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بد بخت ہو نہیں سکتا، لہذا یہ دلیل کہ ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت ایمان پر جانے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں، یہ اتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس پر ہی انسان اگر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو ہو کر نہیں سکتا۔

☆..... پانچواں فائدہ: یہ کہ اس بیعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ قیامت کے دن بندے کو عرش کا سایہ نصیب ہو جائے، اسکی دلیل حدیث پاک سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے اللہ تعالیٰ سات بندوں کو جگہ عطا فرمائیں گے، ان سات میں سے دو بندے وہ ہونگے ﴿هُمْ الْمَتَّحَاتُونَ فِي اللَّهِ﴾ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، یہ بیعت کا ایک تعلق ہوتا ہے، یہ اللہ کی رضا کیلئے محبت، عقیدت کا ایک تعلق ہوتا، اس محبت کے صدقے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، اب سوچیں! کہ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے۔

☆..... چھٹا فائدہ: یہ کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو جنت میں جگہ عطا فرمائیں گے، اس کی دلیل، حدیث پاک سے نبی ﷺ ارشاد فرمایا: ﴿الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ﴾ قیامت کے دن بندہ اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے محبت ہوگی، تو جب کوئی بندہ یہ روحانی تعلق جوڑتا ہے، تو اس کو اپنے استاد کے ساتھ، شیخ کے ساتھ ایک قلبی، دینی محبت ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا ایسا سرمایہ ہے کہ اس سرمایہ کی وجہ سے اگر استاد کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن رحمت سے جگہ عطا فرما دی جنت میں، تو اللہ تعالیٰ شاگرد کو بھی انہیں کے ساتھ جنت عطا فرمائے گا، اب کون کہہ سکتا ہے کہ استاد کو جنت ملے گی؟ تو ذرا سنئے! اس کی دلیل کہ نبی ﷺ تو جنت میں تشریف لے جائیں گے ہی

سہی، اب ان کے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پر ہر صدیق اکبرؒ نے، صدیق اکبرؒ کو ان سے محبت تھی لہذا صدیق اکبرؒ بھی جنت میں پہنچیں گے، اب جن کا تعلق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھا اور انہوں نے ان سے توبہ کے کلمات پڑھے وہ بھی اپنے استاد کے ساتھ جنت میں پھر جن کو ان سے توبہ کے کلمات پڑھے وہ بھی اپنے استاد کے ساتھ جنت میں اور یوں نیچے والے بھی جنت میں۔ (خانہ دل آباد ہے: ۱۶۹-۱۷۵)

### بیعت کی افادیت کے لئے عقلی دلائل

☆..... ساتھ ساتھ فائدہ: جس طرح ایک نوجوان فوج میں ملازمت اختیار کرے اور وردی پہن کر کسی جگہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہو تو ہر آدمی اس کی عزت کرتا ہے اور اس کی بات مانتا ہے، اس کی عزت فوج کی عزت اور اس کی ذلت فوج کی ذلت سمجھی جاتی ہے۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تم کس قبیلے یا خاندان سے ہو؟ فوج کی نسبت اور وردی کی عزت کام آتی ہے، اسی طرح جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت ہو جاتا ہے اس کو سلسلہ کے بزرگوں سے روحانی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس نسبت کی وجہ سے اس کی عزت و قدر بڑھ جاتی ہے۔

☆..... آٹھواں فائدہ: دو اینٹیں ایک ہی جگہ بن کر تیار ہوئیں۔ ایک کو مسجد کے فرش میں لگا دیا گیا، دوسری کو بیت الخلاء میں لگا دیا گیا۔ ایک کا مرتبہ اتنا بڑھا کہ وہاں پیشانی ٹیکتے پھرتے ہیں اور دوسری کا مرتبہ گرا کہ بیت الخلاء میں ننگے پاؤں جانا گوارا نہیں کرتے۔ یہ نسبت تھی، اچھی نسبت نے عزت بخشی اور بری نسبت ذلت کا سبب بنی۔ اسی طرح جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت ہو جاتا ہے اسے اچھی مل جاتی ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں اس کا اکرام ہوتا ہے۔

☆..... نواں فائدہ: قرآن پاک پر اگر ایک سادہ گتہ جلد کی شکل میں چڑھا دیا جائے تو اگرچہ اس پر کوئی آیت یا کوئی لفظ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کے باوجود فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ جس طرح آیات لکھے ہوئے صفحات کے بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی بے وضو نہیں چھو سکتے۔ کہنے کو وہ گتہ ہے مگر قرآن پاک کے ساتھ یک جان ہونے سے اس کا مرتبہ بڑھ گیا۔ سبحان اللہ۔ جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت کے ذریعے جڑ جاتا ہے اسے بھی ان اہل اللہ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ انشاء اللہ اسی نسبت کی وجہ سے رحمت و کرم کا معاملہ ہوگا۔ بقول شخصے عمل کی اپنے اساس کیا ہے بجز ندامت کے پاس کیا ہے..... رہے سلامت تمہارے نسبت مرا تو بس آمرایی ہے۔ (تصوف و سلوک: ۳۲)

سوال: ایک آدمی بیعت کے کلمات تو پڑھ لیتا ہے مگر زندگی نہیں بدلتا تو کیا فائدہ؟

جواب: گویا ایسے شخص نے بیعت سے پورا فائدہ تو حاصل نہ کیا مگر خلی بھی نہ رہا کم از کم دوفائدے ضرور ملے۔ ایک تو یہ کہ بیعت وقت جو توبہ کے کلمات پڑھے اس کی برکت سے انشاء اللہ پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ مشائخ طریقت نے احادیث کی روشنی میں کہا ہے کہ جو آدمی سچے دل سے بیعت کے کلمات پڑھ لیتا ہے، سو سال کا کافر اور مشرک کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔ سر سے

اتنے بڑے بوجھ کا دور ہو جانا معمولی بات تو نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ موت کے وقت جب دنیا کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے آخرت کے احوال سامنے کھلنے لگ جاتے ہیں اس وقت یہ نسبت کام آتی ہے، گنہگار سہی مگر موت ایمان اور اسلام پر آتی ہے علمائے کرام نے لکھا ہے کہ انکشاف آخرت کے ساتھ دنیا کا ہوش جمع ہو سکتا ہے۔ فرعون نے آخرت کی جھلکی دیکھی مگر اسے بنی اسرائیل کے حالات یاد تھے کہنے لگا ”آمَنْتُ بِاللّٰہِ اَمَنْتُ بِہٖ بَنُو اِسْرَآئِیْل“ ممکن ہے اسی لئے حضرت خولہ فضل علی قریبیؓ نے فرمایا کہ جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی (یعنی اللہ اللہ کی نسبت مل گئی) اسے ذکر کے سوا موت نہیں آ سکتی۔ (تصوف و سلوک: ۳۲-۳۳)

### بیعت کے متعلق سوالات و جوابات

☆..... سوال نمبر ۱: اس بیعت توبہ کے بارے میں اور بھی روایات ہیں یا نہیں؟

☆..... جواب: اس طرح کی کئی احادیث موجود ہیں۔

☆..... مسلم شریف میں حضرت عوف بن مالک انجمی سے ایک روایت ہے اور ابن ماجہ میں بھی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چند غریب مہاجرین سے بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہ کریں گے۔

☆..... ایک روایت میں حضرت جریر بن عبد اللہ سے بیعت لی کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کریں گے۔

☆..... ایک روایت میں انصاری عورتوں سے بیعت لی کہ وہ میت پر بین نہیں کیا کریں گی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے۔ (تصوف و سلوک: ۲۷، نیز ملاحظہ فرمائیں عمدة السلوک: ۳۶-۳۷)

☆..... سوال نمبر ۲: اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے کئی طرح کی بیعتیں ثابت ہیں مگر صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بیعت خلافت اور بیعت جہاد کے سوا اور کسی بیعت کا ثبوت نہیں ملتا؟

☆..... جواب: اس کا الزامی جواب تو بہت آسان ہے کہ جب ایک نفل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو کسی اور سے نقل کرنے کی کیا ضرورت ہے تاہم تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت سیدنا علیؓ سے ثابت ہے اسی لئے تمام اہل طریقت حضرات کے پاس مستند شجرہ سلسلہ موجود ہے خلفائے راشدین جب بیعت خلافت لیتے تھے۔ تو اسی میں بیعت توبہ شامل ہوتی تھی۔ خلیفہ وقت کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ اس لئے بیعت نہ لیتے تھے کہ کہیں بیعت خلافت میں شبہ نہ پڑ جائے اور فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ فقط صحبت پر اکتفا ہوتا تھا جب خلفائے راشدین کا دور ختم ہوا اور خلافت کا معاملہ امور مملکت کے انتظام و انصرام اور نظم و نسق تک سمٹ کر رہ گیا تو سلف صالحین نے بیعت توبہ (بیعت طریقت) والی سنت کو زندہ کیا۔ الحمد للہ آج بھی یہ سنت امت میں جاری و ساری ہے۔

☆..... سوال نمبر ۳: صحابہ کرامؓ کو ایمان کی ان بلند یوں پر پہنچنے کے بعد پھر اس بیعت کی کیا ضرورت تھی؟

☆..... جواب: ایک توبہ امت کی تعلیم کے لئے تھی اور دوسرے گناہوں سے بچنے کے لئے (بیعت توبہ) تھی روایت کے الفاظ میں "وَلَا تُسْرِفُوا وَلَا تُزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَا ذُكُّمُ" نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے، اور نہ ہی اولاد قتل کرو گے" پس ثابت ہوا کہ کبار سے اجتناب کے لئے بیعت تھی۔

☆..... سوال نمبر ۴: صحابہ کرامؓ کو اس بیعت کا کیا فائدہ تھا؟

☆..... جواب: اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار بننا تھا۔ چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں ﴿فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ "جو کوئی تم میں سے اس عہد پر قائم رہا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے"

☆..... سوال نمبر ۵: کبار سے بچنا تو ایمان والوں کے لئے کلمہ پڑھ لینے کے بعد ویسے ہی ضروری تھا تو بیعت کے ذریعے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ان گناہوں سے بچنے کا عہد ایک فالتو عمل نظر آتا ہے؟

☆..... جواب: قرآن پاک میں سورۃ الممتحنہ میں صحابیاتؓ سے بھی اس طرح کی بیعت کا تذکرہ ہے وہاں نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَبَايِعْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ﴾ "آپ انہیں بیعت کر لیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے" معلوم ہوا کہ ان گناہوں سے توبہ تو وہ لوگ ہر بیٹھ کر تنہائی میں بھی کر سکتے تھے۔ مگر نبی ﷺ سے بیعت کرنے میں ایک بے بدل فائدہ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بھی ان حضرات کے بارے میں استغفار کے کلمات ادا ہوتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ "اور اللہ غفور اور رحیم ہے" پس مغفرت اور رحمت کی بارش ہو جاتی۔

☆..... قرآن پاک میں بھی اسی عنوان سے متعلقہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ اس آیت کریمہ میں ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ﴾ "وہ اللہ سے استغفار کرتے" کے ساتھ ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ "ان کے لئے رسول اللہ ﷺ بھی استغفار کرتے" بھی ہے اور آخر میں فرمایا گیا: ﴿لَوْ جَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ "یہ پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا" نتیجہ یہ نکلا کہ نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کرنے کا یہ فائدہ تھا کہ نبی رحمت ﷺ بھی ان کی مغفرت کے لئے استغفار کریں اور اسی کو بہانہ بنا کر ان کے گناہوں کی بخشش کر دی جائے۔ اسی بیعت توبہ کا نام آج بیعت طریقت ہے۔

☆..... سوال نمبر ۶: کیا ہر علم اور صوفی یہ بیعت لے سکتا ہے؟

☆..... جواب: جس طرح نبی اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو خلافت سپرد فرمائی۔ اور باطنی نعمت بھی منتقل فرمائی۔ جیسا کہ حدیث پا

ک میں ہے۔ ”مَا صَبَّ اللَّهُ فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَّتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ“ اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا میں نے اسے ابو بکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔

اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سے یہ سلسلہ آگے چلا اور آج تک اولیائے امت میں یہ نعمت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہے پس بیعت صرف وہ شخص لے سکتا ہے جس نے کسی ولی اللہ کی صحبت میں رہ کر نعمت باطنی حاصل کی ہو اور ان بزرگوں نے انہیں اس کام پر مامور کیا ہو۔ جو آدمی از خود بیعت لینا شروع کر دے اس کی مثال ”ٹپکے کے آم“ کی سی ہے جس کے نسب کا پتہ نہیں ہوتا۔ پس ایسے شخص سے بیعت نہ کرنی چاہئے۔

☆..... سوال نمبر ۷: کیا کوئی عورت بھی یہ بیعت لے سکتی ہے؟

☆..... جواب: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عورت ولایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچ سکتی ہے مگر شریعت نے رشد و ہدایت کے منصب کی ذمہ داریاں اس کے نازک کندھوں پر نہیں ڈالیں اس لئے کبھی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ گو کہ اسے نبیوں کی ماں ہونے کا شرف نصیب ہے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر رکھا، اسلئے انبیاء کی وراثت بھی مردوں ہی کے سپرد کی گئی۔ پس کوئی بھی عورت بیعت نہیں لے سکتی۔ (تصوف و سلوک: ۲۹)

☆..... فتاویٰ محمودیہ میں لکھا ہے: حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی، خلفائے راشدین اور بعد کے اکابر اہل اللہ کے یہاں بھی یہ دستور نہیں ملتا، اس لئے عورت کو پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/۳۱۷)

☆..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اخذ بیعت اہل تصوف کے نزدیک عورت کو درست نہیں، مگر ہاں کسی کو شغل و وظیفہ بتا دینا جائز ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۳۹۱)

☆..... سوال نمبر ۸: کیا بیعت کیلئے ہاتھ میں ہاتھ دیکر کلمات پڑھنا ضروری ہے؟

☆..... جواب: حضرت نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اور بزرگان دین کا عام معمول یہی رہا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ بیعت کرنا درحقیقت اس مقصد کا عہد کرنا ہے، جس کیلئے بیعت کی جاتی ہے اور عہد کرتے وقت عام طور پر ہاتھ میں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

☆..... قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الدِّينَ يُبَايِعُوكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ (فتح: ۱۰)

☆..... وقال الحافظ ابن كثير: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ، فَبَايَعَ النَّاسَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”اللَّهُمَّ إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَحَاجَةِ رَسُولِهِ، فَضَرَبَ بِأُحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْآخِرَةِ“ (ابن كثير: ۳/۲۳۸، دار السلام رياض، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ: ۴/۳۰۶)

☆..... حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: ہاتھ میں ہاتھ دیکر کلمات پڑھنا سنت ہے اس پر

ضرر عمل کرنا چاہئے۔ اگر لوگ بہت زیادہ ہوں تو چادر پھیلا کر اسے پکڑ لیں۔ یہ بھی عمل نبوی ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت پتھر چھوٹا تھا۔ انھانے کی سعادت حاصل کرنے والے زیادہ تھے تو نبی ﷺ اسے اپنی چادر میں رکھ دیا اور سب لوگوں نے چادر پکڑ کر حجر اسود کو اٹھایا۔ اگر مجمع اس سے بھی زیادہ ہو تو فقط کلمات پڑھا کر نیت کر کے بیعت لی جاسکتی ہے۔ صحابہ نے مجاہدین سے اسی طرح جہاد پر بیعت لی۔

(تصوف و سلوک: ۲۹)

☆ سوال نمبر ۹: کیا عورتیں بھی ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کریں؟ جس پیر کے سامنے غیر محرم عورتیں بے پردہ آتی ہوں اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہوتی، ایسا پیر عند الشرع پیر کہلانے کا مستحق ہے یا شیطان ہے، ایسے پیر کی عزت کرنی جائز یا نہیں؟

☆ جواب: پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حضور اکرم ﷺ کی سنت کے اتباع کی سعادت نصیب ہو جاوے، جو شخص خود خلاف سنت کام کرتا ہو، یہاں تک کہ بیعت بھی خلاف سنت کرتا ہو، اس سے بیعت ہو کر تو سارے ہی کام خلاف سنت ہوں گے اور کبھی بھی اتباع سنت کی توفیق نہ ہوگی، ایسے شخص کو پیر نہ بنایا جائے، حضور اکرم ﷺ نے کبھی نہ محرم عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہیں فرمایا اور پردہ کی بہت سخت تاکید فرمائی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۳۱۵-۳۱۶)

☆ وعن عائشة قالت مامس رسول الله ﷺ يد امرأة قط الا ان ياخذ عليها فاذا اخذ عليها فاعطته قال اذهبي فقد بايتك عن عائشة صدقة سے روایت ہے کہ بوقت بیعت رسول اکرم ﷺ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا بلکہ ایک کپڑا پکڑ دیتے اور (وعظ وتلقین کے بعد) ارشاد فرماتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی۔

☆ وعن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ يمتحن من هاجر اليه من المومنات بهذه الاية: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقَنَّ وَلَا يَزْنِيَنَّ وَلَا يَقْتُلَنَّ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيَنَّ بَهْتَانٍ يَفْتَرِيَنَّهُ بَيْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعَهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿

قال عروة: ان عائشة فمن اقر بهذا الشرط من المومنات قال لها رسول الله ﷺ: "قد بايعتك" كلاهما لا والله مامست يده يد امرأة في المبايعة" الحديث (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ: (ولا تنكحوا المشركات) ۳/۳۹۶، ماخذ حاشیہ فتاویٰ محمودیہ: ۳/۳۱۶)

بلکہ اگر کسی نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کے لئے عرض بھی کیا لیکن حضرت نے انکار فرمایا، کما قال العلامة الآلوسی: قلنا: اللہ ورسوله ارحم بنا من انفسنا، یا رسول اللہ ﷺ! لا تنصافحنا؟ قال: "لا اصفح النساء..... اہ۔" (روح المعانی ۲۸/۸۱، تحت آیہ البقرة، رقم: ۱۲، بحوالہ بالا)

☆ سوال نمبر ۱۰: بچوں کی بیعت کا کیا جواز ہے؟

☆ جواب: بچوں کی بیعت جائز ہے جو کہ بیعت تبرک ہے۔

حضرت مولانا زوار حسین تحریر فرماتے ہیں: کہ مرید کے لئے بھی بیعت تقویٰ کے شرائط ہیں اور وہ یہ کہ بیعت ہونے والا عاقل، بالغ اور شوق والا ہو۔ اس لئے کہ نابالغ اور دیوانہ خود ایمان کا مکلف نہیں تو تقویٰ اور عبادتوں میں مجاہدہ کرنے کا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک لڑکا حاضر ہوا تا کہ آپ ﷺ سے بیعت کرے آنحضرت ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے واسطے برکت کی دعا کی لیکن بیعت نہ لی۔ بعض بزرگوں نے لڑکوں کو بیعت کرنا جائز رکھا ہے وہ برکت اور نیک فالی کے لئے ہے، اور دلیل اس کی صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ زبیر کو بیعت کے واسطے لائے اور وہ ساتھ یا آٹھ برس کے تھے پس رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی طرف توجہ کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے پھر ان سے بیعت لی۔ (عمدة السلوک: ۵۷، نیز ملاحظہ فرمائیں: تصوف و سلوک: ۳۰)

☆..... سوال نمبر ۱۱ کیا غائبانہ بھی بیعت کی جاسکتی ہے؟

☆..... جواب: جی ہاں! جس طرح نبی ﷺ حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ بیعت لی۔ تو اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کو بھی غائبانہ بیعت میں شامل کیا۔ حالانکہ وہ تو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ لہذا غائبانہ بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ (تصوف و سلوک: ۳۰)

☆..... وقال الحافظ: بنی كثير: عن انس بن مالك قال: لما امر رسول الله ﷺ ببيعة الرضوان كان عثمان بن عفان رسول رسول الله ﷺ الى اهل مكة، فبايع الناس، فقال رسول الله ﷺ: "اللهم ان عثمان في حاجة الله تعالى وحاجة رسوله، فضرِبْ باحدى يديه على الاخر اه" (ابن كثير: ۲/۲۳۸، دار السلام رياض، ماخذ: فتاوى محمودیہ ۲/۲۰۶)

☆..... سوال نمبر ۱۲: کیا خط کے ذریعے یا ٹیلی فون پر بیعت کی جاسکتی ہے؟

☆..... جواب: جی ہاں! جب غائبانہ بیعت ثابت ہے تو خط کے ذریعے بیعت اسی میں شامل ہے ٹیلی فون کے ذریعے بیعت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

## حکم تکرار بیعت

طریقہ تو یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے۔ جگہ جگہ بیعت کرنے والے کی مثال چچے کی مانند ہے۔ جو طرح طرح کے کھانوں میں ڈوب رہتا ہے۔ مگر ذائقے سے محروم رہتا ہے۔

(تصوف و سلوک: ۳۰)

یک دست گیر محکم گیر

اگر کوئی شخص ایک مدت تک پیر کی خدمت میں اچھے اعتقاد کے ساتھ رہا اور اس کی صحبت میں کوئی فائدہ نہ ہوا تو واجب ہے کہ اس کی بیعت کو ترک کرے اور دوسرا پیر تلاش کرے ورنہ اس کا مقصود اور معبود شیخ ہو گا نہ کہ خدا اور یہ شرک ہے۔ حضرت عزیزان علیؓ راہمتی پیر طریقہ نقشبندیہ فرماتے ہیں: رباعی:

وز تو نہ رمید صحبت آب و گل

ورنہ نکند روح عزیزان نکلت

باہر کہ نشستی و نش دج و دلت

ز نہار ز جہش گریزاں می باش

جب تو کسی کی صحبت میں بیٹھا اور تیرے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں جمعیت حاصل نہ ہوئی اور آب و گل کے اثرات تجھ سے زائل نہ ہوئے تو تجھے چاہئے کہ اس کی صحبت سے بھاگے ورنہ عزیزاں کی روح تجھے نہیں چھوڑے گی، یعنی میں اپنے فرض سے بری الذمہ ہوں گا۔ لیکن اس پیر سے نیک گمان رکھے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بزرگ تو کامل و مکمل ہو لیکن تیرے لئے اس کی صحبت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ (مدۃ السلاک: ۵۲)

☆... فتاویٰ حقانیہ میں لکھا ہے کہ: طریقت و بیعت چونکہ اخذ فیض کے لئے کی جاتی، تو اگر پہلی جگہ سے بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے، لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۵۷)

سوال نمبر ۱۳: بندہ ایک پیر سے بیعت کر چکا ہے لیکن ابھی اس پیر میں کچھ مخالف سنت امور نظر آئے ہیں۔ کیا میں اس سے بیعت ختم کر کے دوسرے جگہ بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

☆... جواب: فقہاء اور صوفیاء کے نزدیک دوسری جگہ بیعت کرنا ممنوع نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ عذر شرعی کی وجہ سے ہو۔

(کافی تنبیح الفتاویٰ: ۲/۳۶۹)

☆ قال الشيخ محمد بن عبد الله النقشبندی: "وجوزوا التعدد بل في حياة الشيخ الاول اذ ارأى الطالب رشده في موضع آخر يجوز له من غير انكار لشيخه الاول ان يذهب اليه باخذ عليه ويتخذه شيخاً ثانياً فيحوز استفادة التعليم والصحة مع مشائخ متعددة وينبغي ان يعلم ان الشيخ هو الذي يدل murid على الحق تعالى واكثر ما يلاحظ هذا المعنى ووضح في تعليم الطريقة وشيخ التعليم استاد الشريعة ودليل الطريقة الخ". (كتاب انوار السيرة في ادب الطريقة النقشبندية: ۳۰، باب في بيان المشيئة وادبها، ماخذ فتاویٰ فریدیہ: ۱/۳۷۴)

☆... سوال نمبر ۱۴: اگر کوئی شخص ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا اور پھر کچھ دنوں کے بعد اپنی کم فہمی یا کسی دوست کے کہنے سے دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا، بعد بیعت ہونے کے اس کو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ سے بیعت ہونے کے بعد دوسرے بزرگ سے بیعت نہیں ہونا چاہئے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے جبکہ وہ دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا ہو؟

☆... جواب: ایسا شخص استخارہ کرے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، اب جس سے نفع پہونچنا میرے لئے مقدر ہے میرے دل میں اس کو ڈال دے اور اس سے نفع پہونچا اور دوسرے کی طرف سے میرے دل کو اس مقصد سے خالی فرما، پھر دل کا رجحان جس کی طرف ہو اس کی خدمت میں جاتا رہے اور ہدایات پر عمل کرتا رہے، دوسرے سے بھی بدظن نہ ہو، نہ بدگوئی کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳/۴۰۷-۴۰۸)

☆... سوال نمبر ۱۵: ایک شخص متبع سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے اس کے بعد کسی دوسرے متبع سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے، شیخ ثانی نے قبل بیعت اس سے دریافت کیا کہ کہیں مرید تو نہیں؟ تب اس شخص نے جھوٹ بولا اور کہا کہ نہیں، (الف)۔ اس جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس شخص مذکور کی بیعت اول تو نہیں ٹوٹی؟ (ب)۔ اور شیخ ثانی سے بیعت صحیح ہو گئی یا نہیں؟ (ج)۔ بعد تسلیم بیعت ثانی جھوٹ بولنے کے



گناہ کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

☆..... جواب: (الف) جھوٹ بولنا گناہ ہے جیسا کہ روایت میں ہے: ”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: آية المنافق

ثلث: اذا حدث كذب، واذا وعد اخلف، واذا اوتمن خان“.

(صحیح البخاری، باب حایۃ المنافق، کتاب الایمان، ۱۰۱، قدیمی، کنز الدینی مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب کبار ذلالت الخلق، ۳۱/۱، دار لکتاب العلمیہ بیروت)

اور بیعت ہوتے وقت سب گناہوں سے توبہ کی جاتی ہے اور عہد کیا جاتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا اور یہ بھی کہ اگر گناہ ہو گیا تو توبہ کروں گا، گناہ کرنا خلاف عہد ہے مگر توبہ کرنے سے بیعت باقی رہ جاتی ہے، فسخ نہیں ہو جاتی۔ ارتکاب کبار سے بیعت فسخ نہیں ہوتی۔

(ترتیب السالکین، ۳۹/۱، دارالاشاعت کراچی)

وعن انسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”كل بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون“.

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبۃ، کتاب الدعوات، ۲۷/۱، دار لکتاب العلمیہ بیروت، ومنہ محمد، ۱۹۸/۳، دار احیاء التراث العربیہ، بیروت)

پس اگر شخص مذکور نے توبہ کر لی تو بیعت سابق باقی ہے۔

(ب) بیعت ایک قسم بیعت توبہ ہے وہ شیخ ثانی بلکہ ثالث و رابع وغیرہ سے بھی درست ہے، کیونکہ اس کا حاصل تجدید توبہ ہے جس کا بار بار کرتے رہنا نصوص سے ثابت ہے۔ نماز اور خارج نماز میں بکثرت توبہ واستغفار منقول ہے، کسی شیخ کے ہاتھ پر توبہ کرنے سے زیادہ خیال رہتا ہے، بیعت مجاہدہ و ریاضت میں ایک ہی شیخ سے عادتاً نفع ہوتا ہے۔

(ج) اس کی تلافی توبہ واستغفار ہے۔ ”عن عبد الله ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: ”التائب من الذنب كمن لا ذنب له“

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب التوبۃ والاستغفار، ۳۲/۱، دار لکتاب العلمیہ بیروت)

### دوسری جگہ بیعت کے صورتیں

فائدہ: اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالا مال ہو۔

سالک کو اپنے مرشد کے علاوہ دوسرے مشائخ سے استفادہ کرنے کی درج ذیل صورتیں پیش آسکتی ہیں۔

(۱)..... بیعت کا تعلق ایک شیخ سے تھا مگر روزگار یا تعلیم کے سلسلہ میں کسی دوسرے ملک جانا پڑا۔ وہاں کا ماحول انتہائی خراب، شیخ سے رابطہ مشکل مگر اپنے ہی سلسلہ کے کسی مقامی بزرگ کی صحبت میسر ہے تو ایسی صورت میں اپنے مرشد کی اجازت سے اس مقامی بزرگ کو پیر بنالے۔ پہلے والے شیخ پیر طریقت ہوں گے۔ دوسرے پیرے تعلیم، ایک وقت میں دو شیوخ سے تعلق کتب میں منقول ہے۔

(۲)..... مرشد سے بیعت کا تعلق تو بہت عرصے رہا مگر فائدہ نہیں ہوا تو ان کا ادب و احترام دل میں رکھتے ہوئے ان کی اجازت سے کیسی دوسری جگہ بیعت کر لے، مقصود تو اصلاح ہے۔

(۳)..... اپنے شیخ کے اکابرین میں سے کوئی بزرگ بقید حیات ہوں اور دل ان سے بیعت برکت کیلئے آمادہ ہو۔ تو شیخ کی اجازت سے بیعت برکت کر سکتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد عبدالملک صدیقیؒ نے حضرت مرشد عالم کو اسباق طے کروائے۔ اور مزید توجہات کے لئے اپنے

پیر خانے مسکین پوری شریف بھیجا۔ حضرت سید فضل علی قریشیؒ نے کئی دن تو جہات دیں پھر اجازت و خلافت دی اور بیعت کیا یہ بیعت ثانی اپنے پیر و مرشد کی رضا و خوشنودی سے ہوئی۔ (تصوف و سلوک: ۷۸-۷۹)

۱۶۔ سوال نمبر ۱۶: کیا ایک شیخ کی وفات کے بعد کسی دوسرے شیخ سے بیعت کرنا ضرور ہے؟

۱۶۔ جواب: جی ہاں! اگر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا حصول نہیں ہوا تو تجدید بیعت ضروری ہے۔ مثلاً ایک طالب علم کسی قاری صاحب سے قرآن پاک پڑھ رہا ہو اور وہ قاری صاحب فوت ہو جائیں تو طالب علم قرآن پاک پڑھنا بند نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے استاد سے پڑھنا اور قرآن پاک مکمل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ البتہ جن حضرات کو نسبت کے حصول کی بشارت مل چکی ہو انہیں تجدید بیعت کرنا ضروری نہیں۔ (تصوف و سلوک: ۳۱)

۱۷۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعت ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ (ماخذ: فتاویٰ تھانیہ: ۲/۲۵۷)

۱۸۔ عمدۃ السلوک میں لکھا ہے: اسی طرح اگر پیر کامل ہو اور اس فنا ہونے والی دنیا سے کوچ کر جائے اور مرید ابھی درجہ کمال کو نہ پہنچا ہو تو چاہئے کہ وہ شخص بھی دوسرا پیر تلاش کرے کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ پیر۔

۱۹۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کے اس فنا ہونے والی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ کے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی بیعت کی اور اس بیعت سے مقصود صرف دنیاوی کام ہی نہ تھے بلکہ باطنی خوبیوں کا حاصل کرنا بھی تھا۔ (عمدۃ السلوک: ۵۲)

۲۰۔ سوال نمبر ۱: سلوک کے منازل طے کرنے کے بعد یعنی تعلیمات وغیرہ مکمل ہونے کے بعد، خلافت کے بھی عطا ہونے کے بعد، اپنے پیر کے وصال فرمانے کے بعد کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع ہونا ضروری ہے، کیا ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے؟

۲۰۔ جواب: اصل مقصود تزکیہ باطن ہے جس کی بدولت احسان و حضور کی کیفیت نصیب ہو جائے خواہ اجازت و خلافت عطاء ہو یا نہ ہو، اس کیلئے پوری جدوجہد کی ضرورت ہے، اگر ایک شیخ کی نگرانی میں احسان و حضور کی کیفیت مستحکم نہ ہو اور اجازت و خلافت مل جائے تب بھی کام میں لگے رہنا چاہئے اور شیخ کا انتقال ہو جائے تو پھر دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اگر اسی سلسلے کے دوسرے شیخ ہو تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳/۳۰۶-۳۰۷)

۲۱۔ فان كان بظهور خلل فيمن بايعه فلا باس، وكذلك بعد موته او غيبة منقطعة، واما بلا عذر فانه يشبه المتلاعب ويذهب بالبكرة ويصرف قلوب الشيوخ عن تعهده. (القول الجليل، الفصل الثاني، ۲: مکتبہ)

۲۲۔ ولا باس ان يلقيه فيقول: قل: اخترت الطريقة النقشبندية او القادرية او الجشتية الخ. (القول الجليل، الفصل الثاني، ۱۳: مکتبہ، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ: ۳/۳۰۶-۳۰۷)

اگر کوئی شخص اپنے شیخ کی عطا کردہ تعلیمات نیز اجازت و خلافت پر قناعت کر کے بیٹھ جائے اور آگے کوئی ترقی کرنا منظور نہ ہو تب بھی وہ گنہ

گار نہیں، صوفیا کا مقولہ مشہور ہے۔

اے برادر بے نہایت گہمیت پرچہ بروئے می رسی بروئے ماییت

اکابرین میں بھی دونوں قسم کے ذوق کے حضرات گزرے ہیں اور موجود بھی ہیں (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰۶-۳۰۷)

☆..... سوال نمبر ۱۸: اگر کوئی کہے کہ اولیاء کا فیض ان کے مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اس لئے دوسرے شیخ کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

☆..... جواب: یہ ہے کہ اولیاء کا فیض مرنے کے بعد ضرور ہوتا ہے لیکن اس قدر اور اس طرح پر نہیں ہے کہ ناقص کو کمال کے درجے پر پہنچا سکے (مگر بہت ہی کم یعنی جس کو اللہ تعالیٰ چاہے) اور ایسے شخص کو جس کا زندہ پیر سے بظاہر کوئی بیعت کا تعلق نہ ہو ایسی کہتے ہیں، جیسے حضرت اولیس قرنیؑ مگر درحقیقت وہ بھی باطن میں اس تعلق سے آزاد نہیں اگرچہ بظاہر معلوم و مفہوم نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ فیض دینے والے اور لینے والے میں ایک نسبت شرط ہے جو زندگی سے زیادہ تعلق رکھتی ہے اور وفات ہوتے ہی چلی جاتی ہے۔ لیکن فنا اور بقا کے بعد جو مناسبت اندرونی طور پر حاصل ہو جاتی ہے اس کے ذریعے اہل قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ زندگی میں یعنی کہ وہ ناقص کو کمال بنا سکے۔ الا ماشاء اللہ مختلف انبیاء کو بھی دنیاوی زندگی دے کر اس فنا ہونے والی دنیا میں بھیجنے کا یہی مقصد ہے ورنہ ایک نبی بعد ممات بھی تمام رہتی دنیا تک کافی ہوتا۔ (مدۃ السلوک ۵۲-۵۳)

☆..... سوال نمبر ۱۹: کیا کسی شخص کیلئے اپنے پیر کی اجازت و خلافت کے بغیر لوگوں کو مرید بنانا جائز یا نہیں؟

☆..... جواب: کسی کے مرید کرنے کی صحت کیلئے خلافت اور اجازت شرط نہیں ہیں۔ البتہ برکت کے حصول کیلئے خلافت اور اجازت شرط ہیں۔ نیز اہلیت کیلئے اپنا ظن کافی نہیں ہے۔ اہل فن کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔

☆..... قال الشيخ محمد بن عبد الله النقشبندی عن الرازي ولا يخفى ان من تصدر للمشيخة من غير اذن فما يفسده اكثر مما يصلحه وعليه اثم قاطع الطريق فانه بمعزل عن رتبة المریدین الصادقین فضلا عن المشايخ العارفين الخ“ (کتاب النجیۃ السنیۃ فی ادب الطریقۃ النقشبندیۃ ۳۵۰-۳۵۱، باب فی بیان المشیخۃ، ماخذ فتاویٰ فریدیہ: ۱/۳۶۸)

☆..... سوال نمبر ۲۰: ایک شخص مثلاً سلسلہ قادریہ میں کسی مرشد سے بیعت کر چکا ہے تو اب وہ اپنے مرشد کے حین حیات ہی اسی سلسلہ قادریہ میں دوسرے مرشد سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۱)..... کیا بعد از وفات مرشد اول دوسرے مرشد سے بیعت کر سکتا ہے؟ اور اگر دوسرے سلسلہ میں ہو تو پھر کیا حکم ہوگا۔

(۲)..... بعض حضرات کا خیال ہے کہ طریقت کے بغیر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ کیا واقعی ولایت کیلئے بیعت شرط ہے؟

جواب: (۱)..... جائز ہے۔ (کتاب تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، والنجیۃ السنیۃ فی ادب الطریقۃ النقشبندیۃ: ۳۰۰، والقول الخمیل: ۲۹)

(۲)..... صالحین کا تعامل دوسری جگہ بیعت کرنے پر واقع ہے خواہ اسی سلسلہ میں ہو، یا دوسری سلسلہ میں۔ البتہ بیک وقت متعدد سلاسل

کے اور ادکا مشق کرنا مضر صحت بدن و دماغ ہے۔

(۳) بیعت امر مستحب ہے، البتہ حصول ولایت کیلئے جتنے ذرائع ہیں ان میں شاہراہ اور کامیاب ذریعہ یہی ہے۔ (جیسا کہ الحجۃ السنیۃ فی دواب طریقہ الشیخہ ۳۰، و لقول الجلیل ۲۹۰ میں ہے) (فتاویٰ فریدیہ ۱/۳۶۸-۳۶۹)

☆ سوال نمبر ۲۱: جو لوگ بیعت کے مخالف ہیں کیا انہوں نے یہ حدیثیں نہیں پڑھیں؟

☆ جواب: پڑھی تو یقیناً ہوگی مگر سمجھی یقیناً نہیں۔ ورنہ اتنے واضح مسنون عمل پر یوں اعتراض نہ کرتے۔ بیعت طریقت کی مخالفت کرنے والوں کا حال چند الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ﴿وَكَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ﴾ (پس ۳۹) ایسے کلام کو جھٹلانے لگے جس کے علم کا ابھی تک انہوں نے احاطہ بھی نہیں کیا۔

☆ سوال نمبر ۲۲: بیعت طریقت کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے؟

☆ جواب: بیعت کے اغراض و مقاصد وضاحت سے بیان کئے جاتے ہیں۔

- (۱) نہ اس میں کشف و کرامات کا حاصل ہونا ضروری ہے۔
- (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔
- (۳) نہ دنیاوی کاموں میں کامیابی مثلاً غلبہ، مقدمات فتح ہوں وغیرہ وغیرہ ضروری ہے۔
- (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔
- (۵) نہ ایسی محویت کا حاصل ہونا لازمی ہے کہ اپنے پرانے کی خبر نہ ہو۔
- (۶) نہ ہی رنگ اور انوار کا نظر آنا ضروری ہے۔
- (۷) نہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا ضرور ہے۔

بلکہ اصل مقصد تو شریعت کے احکام پر چل کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ (تصوف و سلوک: ۳۱)

خلاصہ کلام: بیعت طریقت کرنے سے انسان کو اپنے مشائخ سلسلہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک سے ایک روحانی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ وضاحت کیلئے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں

☆ مثال نمبر ۱: ایک آدمی نیا گھر بنوائے خوب سجائے وائرنگ کروائے فانوس لگوائے مگر اس کے فانوس میں اس وقت تک روشنی نہیں آسکتی جب تک کہ وہ وائرنگ کا کنکشن پاور ہاؤس سے نہ جوڑے۔

اسی طرح انسان جب دل کے فانوس کا کنکشن سلسلہ کے مشائخ کی وائرنگ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک سے جوڑتا ہے جو رمتوں کا خزانہ ہے تو پھر سالک کے دل میں روشنی آتی ہے انوار و برکات نبی ﷺ کے قلب مبارک سے مشائخ کے قلوب سے ہوتے ہوئے سالک کے قلب میں آتے ہیں۔

☆..... مثال نمبر ۲: ایک ٹرین کئی ڈبوں پر مشتمل ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ایک اور ڈبہ جوڑ دیا جائے تو جہاں ٹرین پہنچے گی، وہ ڈبہ بھی پہنچ جائے گا یوں سوچئے کہ سلسلہ کے مشائخ ٹرین کی مانند نبی اکرم ﷺ اس ٹرین کے انجن کی مانند اور سالک اس سے جڑنے والے ڈبے کی مانند، یہ ٹرین اللہ کی رضا والے اسٹیشن پر جا رہی ہے اگر یہ ڈبہ جڑا رہے گا تو جہاں انجن منزل پر پہنچے گا اس تھرڈ کلاس ڈبے کو بھی منزل پر پہنچا نصیب ہوگا۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

آدم پر سر مطلب وہ حضرات جواب تک بیعت کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار رہے ہیں انہیں چاہئے کہ اس سعادت عظمیٰ کے حصول میں دیر نہ لگائیں بلکہ کسی جامع الشریعت والطریقت ہستی سے اپنے باطنی رشتے کو جوڑیں۔ حقیقت یہی ہے کہ آج کے پرفتن دور میں کسی شیخ کامل کے ذریعے سلسلے میں داخل ہونے والے کی مثال ”مَنْ دَخَلَ كَانْ آمِنًا“ ”اور جو اس میں داخل ہوا امن پا گیا“ کا مصداق ہے۔

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

(تصوف و سلوک ۳۳-۳۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

### صوفیاء کے سلاسل

آج کل ہمارے اطراف میں چار سلسلے یہ مشہور ہیں: (۱).....چشتی (۲).....قادری (۳).....نقشبندی (۴).....سہروردی۔

(۱)۔ سلسلہ چشتیہ: خواجہ معین الدین چشتیؒ جمیری کی طرف منسوب ہے۔

(۲)۔ سلسلہ قادریہ: حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے

(۳)۔ سلسلہ نقشبندیہ: حضرت بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی طرف منسوب ہے۔

(۴)۔ سلسلہ سہروردیہ: شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی طرف منسوب ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی سلسلے ہیں جو دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں۔

☆ شاولی اللہ فرماتے ہیں: وبعد از زمان این خانوادہا، خانوادہائے دیگر پیدا شدند، چوں جامیہ، قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ، کیردیہ،

اویسیہ، و خانوادہ خواجگان خانوادہ معینیہ کہ احیائے طرفہ چشتیہ است و نقشبندیہ کہ احیائے خانوادہ خواجگان است“ (معائنات: ۱۵)

☆ علامہ الشکار پوریؒ فرماتے ہیں: ”ان الطرق الی اللہ کثیرہ: کالشاذلیہ، والسہروردیہ، والقادریہ، الی غیر

ذلک“ (قلب الارشاد: ۵۴۳، فصل ان العلماء من المتکلمین واللقاء والمحدثین الخ، ماخذ فتاویٰ محمودیہ: ۳/۳۷۰)

### مشائخ طریقت کے سلسلوں کی کیفیت

☆.....سلسلہ عالیہ قدوسیہ نقشبندیہ:

پیر خواجہ عبید اللہ احرار کو خواجہ مولانا یعقوب چرخئی سے ان کو خواجہ علاء الدین عطاء سے ان کو خواجہ امیر کلال سے ان کو خواجہ محمد بابا ساسی سے ان کو خواجہ عزیز ال راہتینی سے ان کو خواجہ یوسف محمود الخیر فغوی سے ان کو خواجہ محمد عارف ریوگری سے ان کو خواجہ عبدالحق غجدانی سے ان کو خواجہ یوسف ہمدانی سے ان کو خواجہ ابوعلی فارمدی سے (نیز ابوعلی فارمدی سے ان کو خواجہ ابوبکر شبلی سے ان کو سید الطائفہ جنید بغدادی سے ان کو شیخ سمری سقطی سے ان کو شیخ معروف کرخی سے ان کو شیخ داؤد طائی سے ان کو خواجہ حبیب عجمی سے ان کو امام الاولیاء حسن بصری سے ان کو حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے) ابوالقاسم گرگان ان کو خواجہ ابوالحسن خرقانی سے ان کو بایزید بسطامی سے ان کو امام جعفر صادق سے ان کو حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے ان کو سلیمان فارسی سے ان کو امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے۔

☆.....سلسلہ حضرات چشتیہ صابریہ قدوسیہ:

حاجی شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی کو حضرت عبدالباری سے ان کو شاہ عبدالہادی امروہی، ان کو شاہ عضد الدینؒ سے ان کو شاہ محمد کی سے ان کو شاہ محمدی سے ان کو شاہ محبت اللہ آبادی سے ان کو شیخ ابوسعید گنگوہی سے ان کو شیخ نظام الدین بلخیؒ سے ان کو شیخ جلال الدین تھانیری سے ان کو قطب عالم عبدالقدوس گنگوہی سے ان کو شیخ محمد عارف ردولوی سے ان کو شیخ جلال الدین کبیر کبیر الاولیاء پانی پتی سے ان کو شیخ شرف الدین

ترک پانی پتی سے ان کو مخدوم علاء الدین علی احمد صابر سے ان کو شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجدھنی سے ان کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ان کو خواجہ معین الدین حسن سنجری سے اور ان کو خواجہ عثمان ہارونی سے ان کو خواجہ حاجی شریف زندنی سے ان کو خواجہ مودود چشتی اور ان کو خواجہ ابویوسف چشتی اور ان کو خواجہ ابی احمد ابدال چشتی سے اور ان کو خواجہ ابواسحاق شامی اور ان کو خواجہ ممشاد علودینی اور ان کو خواجہ معین الدین ابو ہریرہ بصری اور ان کو خواجہ حذیفہ مرثی سے ان کو خواجہ ابراہیم ادھم بلخی سے ان کو خواجہ اجمال الدین فنسیل بن عیاض اور ان کو خواجہ عبدالواحد بن زید اور ان کو امام العارفین خواجہ حسن بصری سے ان کو امیر مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے۔

☆..... سلسلہ چشتیہ نظامیہ قدوسیہ:

طریقہ نظامیہ کی اجازت حضرت عبدالقدوس گنگوہی کو اپنے مرشد شیخ درویش ابن محمد قاسم ادھی سے حاصل ہے اور ان کو سید بڈھن بہراچی اور ان کو سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں گشت سے اور ان کو خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلی اور ان کو سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ابن احمد بدایونی اور ان کو خواجہ فرید الدین سے آنحضرت ﷺ تک۔

☆..... سلسلہ عالیہ قادریہ قدوسیہ:

حضرت قطب العالم القدوس گنگوہی کو طریقہ قادریہ کی اجازت اور خرقہ اپنے مرشد درویش ابن محمد قاسم ادھی سے اور ان کو سید بڈھن بہراچی اور ان کو سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں گشت سے ان کو شیخ عبید بن عیسیٰ سے ان کو شیخ عبید بن ابوالقاسم سے ان کو شیخ ابوالکارم فاضل سے ان کو شیخ قطب الدین ابوالغیث سے ان کو شیخ شمس الدین حداد سے ان کو امام الاولیاء شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے ان کو شیخ ابوسعید مخرومی سے ان کو شیخ ابوالحسن قرشی علی الہنکاری سے ان کو شیخ جنید بغدادی سے ان کو شیخ سری سقطی سے ان کو شیخ معروف کرنی سے ان کو شیخ داؤد طائی سے ان کو شیخ حبیب عجمی سے ان کو امام حسن بصری سے ان کو امیر مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے۔

سلاسل صوفیہ کی انتہا حضرت علیؑ پر کیوں ہے؟ اور علیؑ سے حسن بصریؒ کی ملاقات

☆..... سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ بزرگوں کے چاروں سلسلے حضرت حسن بصریؒ کے واسطے سے حضرت علیؑ تک پہنچتے ہیں اس لئے ان سلاسل کی سند مشکوک معلو ہوتی ہے اور اس میں ردافض کی دسیسہ کاریوں کا شبہ ہوتا ہے، کیونکہ اولاً تو حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علیؑ سے ملاقات میں اختلاف ہے اور اگر ملاقات ثابت بھی ہو تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ تصوف اور علم باطن میں کمال نہیں رکھتے تھے، اگر رکھتے تھے اور یقیناً رکھتے تھے پھر یہ باطنی سلسلہ حضرت علیؑ ہی سے کیوں چلا، دوسرے صحابہ سے کیوں نہ چلا؟ امید کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈال کر غلطیوں کو دور فرمائیں گے۔

☆..... جواب: جو نسبت احسانہ حضرت علیؑ کو آنحضرت ﷺ سے حاصل ہوئی تھی اس کو انہوں نے خلیفہ اول (صدیق اکبرؓ) سے، پھر خلیفہ ثانی (حضرت عمرؓ) سے پھر خلیفہ ثالث (حضرت عثمانؓ) سے راسخ اور مستحکم کیا تو یوں سمجھتے کہ ان کی نسبت رسول اکرم ﷺ اور آپ

کے خلفائے ثلاثہ کے فیضان کا مجموعہ تھی۔ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی نسبت حضور اکرم ﷺ اور شیخین کے فیضان کا مجموعہ تھی، ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ جتنا ایسے شخص تھے جن کی ترتیب و تکمیل میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کسی انسان کا حصہ نہیں۔

لہذا جو سلاسل بھی حضرت علیؓ سے چلے وہ خلفائے ثلاثہ کے فیضان سے خالی نہیں۔ بااں ہمہ بعض سلاسل ایسے بھی ہیں کہ جن میں حضرت علیؓ کا واسطہ نہیں جیسا کہ مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ کے جمع کردہ شجرہ سے واضح ہے (جیسا کہ میں نے کلیات امدادیہ سے سلسلہ نقشبندیہ نقل کر دیا ہے) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ خلفائے اربعہؓ کو دونوں طرح کی اہمیت کا مہ (ظاہرہ و باطنہ) حاصل تھی اور اعلیٰ درجہ کی جانشینی کے منصب پر فائز تھے اور اس جامعیت میں دیگر صحابہؓ سے افضل تھے، اس لئے ان حضرات کے سلاسل اور باطنی فیوض میں برکات بھی زائد ہیں جن کی بدولت طالب صادق بہت جلد منازل طے کر کے مقام معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور دولت احسان سے مالا مال ہو جاتا ہے اور اس کا قدم شریعت و طریقت میں نہایت راسخ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/۴۱-۴۲)

کسی صحابی کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیقؓ کو مطلق فضیلت ہونے کے باوجود فتوح کی فضیلت حضرت عمرؓ کو اور اکثر روایت حدیث کی فضیلت حضرت ابو ہریرہؓ، انسؓ، عائشہؓ کو ہے، اسی طرح اشاعت علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علیؓ کو ہے۔ مشہور حدیث ”أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا“ شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ افادہ و استفادہ باطنی کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر کسی تحقق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

(حسن الفتاویٰ: ۱/۵۲۸)

### حضرت علیؓ سے حسن بصری کا استفادہ

... سور: کتب اسان الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی لقاء حضرت علیؓ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلہ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے۔

... جواب: روایات ذیل سے حضرت حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے لقاء و سماع ثابت ہے۔

(۱) قال ابن سعد ولد (الحسن البصری) لسنتين بقيتا من خلافة عمر و نشاء بوادی القری و كان فصيحاً رأى علياً ب. ب. (تہذیب التہذیب)

(۲) روى عن ابى بن كعب وسعد بن عباد و عمر بن الخطاب ولم يدر كههم وعن ثوبان و عمار بن ياسر و ابى

هريرة و عثمان ابن ابى العاص و معقل بن سنان ولم يسمع منهم وعن عثمان و على الخ“ (تہذیب التہذیب)

اگر حضرت علیؓ سے بھی روایت بدوں سماع ہوتی یہاں بھی عدم سماع کی تصریح ہوتی۔

(۳) عن يونس بن عبيد سألت الحسن قلت يا ابا سعيد انك تقول رسول الله وانك لم تدركه قال يا ابن

انسى لقد سألتني عن شيء عنه احدث قبلك ولولا منزلتك منى ما اخبرتك، انى فى زمان كماترى (ای فی عہد



الحجاج) کل شیء سمعتنی اقول قال رسول اللہ ﷺ فهو عن علی بن ابی طالب غیرانی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا. (حاشیہ تہذیب التہذیب من تہذیب الکمال)

روایات ذیل میں سماع کی نفی ہے:

(۱) ... عن قتادة والله ما حدثنا الحسن عن حیدری مشافهة (تہذیب التہذیب)

(۲) ... حدثنا حماد بن زید عن ایوب قال ما حدثنا الحسن عن احد من اهل بدر مشافهة. (تہذیب التہذیب)

(۳) ... سئل ابو زرعه هل سمع الحسن احدا من البدریین قال راہم رؤیة راى عثمان وعلیا قیل هل سمع منهما حدیثا قال لا. راى بالمدينة وخرج علی الى الكوفة والبصرة ولم یلقه الحسن بعد وقال الحسن رأیت الزبیر یباع علیا (تہذیب التہذیب)

(۴) ... قال علی بن المدینی لم یر علیا الا ان كان بالمدينة وهو غلام (تہذیب التہذیب)

(۵) ... وفيها ان الحسن صاحب علیا وهذا باطل باتفاق اهل المعرفة فانهم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الاحنف بن قیس بن عباد وغیرهما علی وهکذا رواه اهل الصحيح (منہاج السند جلد ۳)

☆..... روایات نفی کے جوابات:

(۱) .. پہلی دو روایتوں میں تحدیث لراوی کی نفی نہیں، مطلقاً تحدیث کی نفی نہیں۔

(۲) ... روایات اثبات میں سے تیسری روایت میں گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ روایت میں عداً حضرت علیؑ کا ذکر نہ فرماتے تھے، لہذا انکار سماع عدم علم پر مبنی ہے۔

(۳) ... اصولاً نفی پر اثبات رائج ہے۔

(۴) ... پانچویں روایت میں مطلقاً لقاء و صحبت کی نفی مقصود نہیں بلکہ لقاء ممتد کی نفی مقصود ہے ”لکی تتحد معانی الآثار ولا تنضاد“ چنانچہ روایت رابعہ میں دونوں کے مدینہ منورہ میں بیک وقت موجود ہونے کو تسلیم کرنے کے باوجود عدم رؤیت کا محمل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ رؤیت طویلہ کی نفی مقصود ہے، اس روایت میں لفظ غلام قاصر نہیں، اس لئے کہ غلام مختص بالصغیر نہیں، آپ حضرت عمرؓ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علیؑ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراهق ہو گئے، حضرت عمر (۲۶ھ) میں اور حضرت عثمان (۳۵ھ) میں شہید ہوئے، اور (۳۶ھ) میں حضرت علیؑ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اس حساب سے اس وقت حضرت حسن بصریؒ کی عمر جودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونے کے باوجود اتنی عمر تک ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقاء و عدم سماع بہت بعید ہے، غرضیکہ آپ کو صحبت طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادہ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبت طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؑ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اس میں کیا اشکال ہے؟ (حسن الفتاویٰ ۱/۵۵۱-۵۵۳)

## تمام سلاسل تصوف کی منزل ایک ہے

تصوف کے تمام سلاسل کی منزل ایک ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ جی! وہ کیسے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ دیکھو! پہاڑ کی چوٹی پر ایک محل بنا ہوا ہے۔ ایک راستہ ادھر سے جاتا ہے، دوسرا ادھر سے، تیسرا ادھر سے اور چوتھا ادھر سے۔ تو راستے مختلف ہیں مگر منزل ایک ہی ہے۔ اسی طرح یہ چار راستے محسوس ہوتے ہیں مگر ان سب کی منزل ایک ہی ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے تھے: ”کوئی نقشبندیہ ہے، کوئی چشتی ہے، کوئی قادریہ ہے، کوئی سہروردی ہے، اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔“

تو تمام سلاسل کا مقصود اللہ رب العزت کی یاد ہے اور سلسلہ کے اسباق سے انسان کو یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ نیت انسان مشائخ کے پاس آکر سیکھتا ہے۔ نیت سے ہی تو عمل بدل جاتا ہے۔ (خطبات فقیر: ۲۶۲/۲۲)

## علوم شرعیہ اور تصوف میں چار چار امام کیوں؟

یہ اللہ رب العزت کا تکوینی معاملہ ہے کہ:

باب ۱۔ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں اپنی چار کتابیں نازل فرمائیں۔ زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید۔ اسی طرح نبی ﷺ کے چار خلفائے راشدین ہیں۔ ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

باب ۲۔ اس سے آگے بھی اللہ رب العزت نے مہربانی کی کہ علم الشرائع میں بھی یوں تو درجنوں ائمہ سے فقہ کا آغاز ہوا۔ امام اوزاعیؒ کی اقتدا ہوئی، سفیان ثوریؒ کی اقتدا ہوئی، حماد کی اقتدا ہوئی۔ لیکن ان میں سے صرف چار ایسے حضرات تھے، جن پر امت مجتمع ہوئی، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ۔

اگر یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ دین میں یہ چار ہی امام کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کے ایک درجن بیٹے ہوں اور ایک ایک کر کے وہ مرتے رہیں اور باقی چار رہ جائیں تو میراث کتنے بیٹوں میں تقسیم ہوگی؟ چار بیٹوں میں تقسیم ہوگی۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ یہ چار ہی میں کیوں تقسیم ہوگی تو کہیں گے: اللہ کی مرضی۔ ایسے ہی جو بندہ یہ پوچھے کہ اب چار ہی امام کیوں؟ تو کیا جواب دیں گے؟ جی! اللہ کی مرضی۔ یہ تو اللہ کے ہاں قبولیت ہے۔

اسی طرح علم الہسان میں بھی چار حضرات ایسے تھے جن کو امام کا درجہ ملا۔ ان میں سے ایک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، دوسرے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، تیسرے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ، اور چوتھے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ پھر ان چاروں بزرگوں کے نام پر چار سلسلے مشہور ہو گئے۔ (خطبات فقیر: ۲۵۵-۲۵۶)

## اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت و اجازت کی وجہ

☆..... سوال: چاروں سلسلے کے طریقہ اصلاح و تربیت میں کوئی اختلاف ہے یا نہیں، اگر اختلاف ہے تو بعض بزرگوں کے یہاں جو یہ

دستور ہے کہ ایک ہی شخص کو چاروں میں بیعت کرتے اور اجازت دیتے ہیں تو آخر اس کی کیا صورت ہوتی ہے؟

☆..... جواب: تربیت اصلاح میں کچھ اختلاف بھی ہے مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے، اس لئے یہ اختلاف کچھ مضرب نہیں، اور چاروں سلسلوں میں بیعت کی اجازت دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو طب یونانی، ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک، ویدک میں مہارت ہو جانے پر جملہ طرقِ معالجہ میں اس کو ڈگری دے دی جائے اور وہ مریضوں کے امراض، طبائع، مواسم کی رعایت کرتے ہوئے جو طریقہ علاج جس کے حق میں مفید سمجھے اس کو اختیار کرے، ان طرقِ معالجہ میں اختلاف کثیر کے باوجود مقصود سب کا ایک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۲/۲)

### لفظ ”نقشبندی“ کی وجہ تسمیہ

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اس عاجز کو بخارا جانے کا موقع ملا تو وہاں کے ایک بڑے شیخ سے عاجز نے سوال کیا کہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت خواجہ بہاؤ الدین طلیکن ان کا نام ”نقشبند“ کے طور پر مشہور ہو گیا تھا۔ ہمارا سلسلہ اس سے پہلے صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا، سیدنا صدیق اکبرؑ سے چلا تھا تو صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا۔ مگر خواجہ بہاؤ الدینؒ کے بعد نقشبند کا نام مشہور ہو گیا۔ تو ان کو نقشبند کیوں کہتے ہیں؟ بعض کتابوں میں تو لکھا ہوا ہے کہ وہ کپڑے کے اوپر پرنت کرتے تھے۔ جیسے آج کل پھول بوٹے ہوتے ہیں، اس زمانے میں ٹھپے ہوتے تھے، تو وہ رنگ کے ٹھپے لگاتے رہتے تھے، تو اس کی وجہ سے ان کو نقشبند کہا گیا۔ لیکن جب ان سے عاجز نے یہ سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا، فرمانے لگے کہ ایسے نہیں تھا بلکہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اسم جلالہ اللہ کی شکل بنایا کرتے تھے، اگر آپ عاجز کی انگلیوں پر غور کریں تو ”ا“ ”ل“ ”ل“ ”ہ“ اس طرح اللہ کا نام کی شکل بن جاتی ہیں۔ تو وہ اس طرح انگلیوں سے اللہ کے نام کی شکل بنا کر اپنا ہاتھ سالک کے قلب پر رکھ کر اس کو توجہ دیتے تھے ”اللہ“ زور سے کہتے تھے ”کَانَ يَنْقُشُ اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰی قُلُوْبِ السَّالِكِيْنَ“ ”اللہ کا نام سالکین کے قلوب پر نقش کر دیتے تھے“ تو سالک کو یوحسوس ہوتا تھا کہ میرے دل پر کسی نے اللہ کا نام لکھ دیا ہے۔ اس لئے ان کا نام ”نقشبند“ پڑ گیا کہ وہ اللہ کے نام کا نقش دل میں بند کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ ”سلسلہ نقشبندیہ“ مشہور ہوا۔

### سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل

☆..... سلسلہ نقشبندیہ میں دو صحابہ کا فیض ہیں۔ دوسرے سلاسل میں ایک صحابی واسطہ بنتے ہیں اور ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں دو صحابہ واسطہ بنتے ہیں۔ دوسری سلاسل میں نبی ﷺ سے یہ نسبت حضرت علیؑ کی طرف منتقل ہوئی اور ان سے آگے حسن بصریؒ کو منتقل ہوئی یعنی حضرت علیؑ کے فوراً بعد تابعین کا نمبر آ گیا۔ لیکن ہمارا سلسلہ وہ سلسلہ ہے جس میں دو صحابہ کے نام آتے ہیں۔ پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے سلمان فارسیؓ۔ (خطبات فقیر: ۲۶/۲۸)

محبوب العلماء والصلحاء، پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام حضرت مولانا ذوالفقار احمد مدظلہ العالی اپنی کتاب ”معارف السلوک“ میں تحریر فرماتے ہیں: ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے خوب کھولا ہے۔ اس کے چند فضائل مکتوبات میں سن لیجئے۔

جز..... دفتر اول، مکتوب: ۱۳۱ میں لکھتے ہیں: ”جاننا چاہئے کہ حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ اقرب (زیادہ قریب) ہے۔ دوسرے سلسلوں کی انتہاں بزرگوں کی ابتداء میں درج ہے، اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس طریقے میں سنت کی اتباع کو لازم رکھا گیا ہے اور بدعتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ (یعنی ہمارے اس سلسلے کی شرائط میں سے ہے کہ سنتوں کی اتباع کریں گے اور بدعتوں سے پرہیز کریں گے۔ سنتوں کی اتباع کی وجہ سے پھر اس کو یہ درجہ ملا۔ آگے وہ اس سلسلے کے بارے میں فرماتے ہیں)۔

یہ حضرات حتی الامکان رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں سمجھتے (یعنی رخصت سے بھی بچتے ہیں، تقویٰ پہ عمل کرتے ہیں) اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اس کو نفع بخش سمجھیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ صورت کے اعتبار سے سیرت اور طریقے میں نقصان دہ ہی جانتے ہوں۔ (سبحان اللہ عجیب بات کہی ہے کہ) ان بزرگوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کر لیا ہے۔ (یعنی کچھ لوگ ہیں کہ ان کو حال احوال نصیب ہوئے تو وہ حکم شریعت کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم رے اس سلسلے کی خوبیوں میں سے ہے کہ ہم احوال و مواجید کو حکم شریعت کے تحت رکھتے ہیں) اور ذوق و معارف کو علوم شرعیہ کا خادم سمجھتے ہیں (یعنی جتنے بھی معارف ہیں یہ شریعت کے خادم ہیں) احکام شریعت کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہیں لیتے (بچوں کو اخروٹ متع دے دو تو وہ سونے کی انگوٹھی دے دیں گے۔ جیسے شیخ سعدیؒ اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ ٹھگ مل گیا تھا، اس نے میری سونے کی انگوٹھی دیکھی تو کہا اسے چوسو۔ میں نے چوسا تو کوئی ذائقہ نہیں۔ اس نے گلو کی ڈلی دکھائی اور کہا اسے چکھو، میں نے چکھا تو بڑی میٹھی تھی۔ اس نے کہا: میٹھی چیز لے لو پیکٹی دے دو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انگوٹھی اسی ٹھگ کو دے دی اور گڑ کی ڈلی لے لی۔ تو یہ کام بچے کرتے ہیں، اخروٹ متع کی جگہ ہیرے جواہرات دے دیتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ احکام شریعت جواہرات کی مانند ہیں، الفاظ دیکھیں کیا استعمال کیے ہیں! شریعت کی کتنی تعظیم سامنے آتی ہے!) اور صوفیاء کی بے اصل باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے، اور نص شرعیہ کے مقابلہ میں نص کو ترجیح نہیں دیتے (نص اصل میں ابن عربیؒ کی ایک کتاب ہے ”فصوص الحکم“ جس میں انہوں نے تصوف کی باتیں لکھیں ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ جہاں نص آجاتی ہے وہاں نص کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ کیا عجیب بات لکھی ہے!) فتوحات مدنیہ (سنن نبویہ ﷺ) کے مقابلے میں فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے (فتوحات مکیہ تصوف کی کتاب ہے۔ فرمایا کہ جہاں قرآن اور حدیث کی بات آجاتی ہے، وہاں فتوحات مکیہ کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے) اور انکا حال دائمی ہے (یہ ہمیشہ شریعت کے اوپر پابندی کے ساتھ چلنے والے لوگ ہیں)۔

### سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل

اس نسبت کو اس لئے بلند کہا گیا کہ یہ نسبت سیدنا صدیق اکبرؓ سے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ طحطاہؓ میں سے عشق اور اتباع میں سب سے زیادہ لے گئے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل میں بعض عجیب نکات لکھے۔

☆..... مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۱ میں فرماتے ہیں: "اس امت میں جو کہ خیر الام ہے فنا و نیستی کے میدان کے شہسوار سیدنا صدیق اکبرؑ ہیں۔ جن کی شان میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص چاہے کہ زمین پر مردہ کو چلتا ہوا دیکھے تو اسے چاہئے کہ ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر صدیقؓ کو دیکھے (یعنی اتنا نفس کو مار لیا تھا، کہ اپنا آپ ہی مٹا دیا تھا۔ ان کی فنایت پر تو محبوب ﷺ نے مہر لگا دی) کیونکہ دوسرے صحابہ کرامؓ میں بھی اس کمال کے پائے جانے کے باوجود اس کمال کے ساتھ ان کے ذکر کی تخصیص بھی اس کمال میں ان کے کامل امتیاز کی خبر دینے والی ہے (اگرچہ باقی صحابہ کرام کو بھی یہ کیفیت حاصل ہوگی لیکن محبوب ﷺ نے نام لے کر ان کو ایک امتیازی شان عطا فرمادی)۔ اس لئے سیدنا صدیق اکبرؓ کا ایمان تمام امت کے ایمان سے افضل ہوا جیسا کہ وارد ہوا ہے (حدیث پاک ہے کہ اگر میرے پوری امت کے ایمان کو ابو بکرؓ کے ایمان کیساتھ تولا جائے تو ابو بکرؓ کا ایمان بڑھ جائے گا)۔ کیونکہ ایمان کا کمال فنا و نیستی کے کمال پر مبنی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس لئے انہوں نے آنسرور ﷺ کے ساتھ ایک ایسا اتحاد و تعلق پیدا کیا جو کسی دوسرے شخص کو میسر نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "مَاصِبُ اللَّهِ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ"، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینے میں ڈالا وہ سب کچھ میں نے ابو بکرؓ کے سینے میں ڈال دیا (سبحان اللہ، نسبت کے انتقال پر یہ مہر ہے۔ ایسی کئی نسبت ہے کہ محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو میرے سینے میں ڈالا میں نے اسے ابو بکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ ایسا تعلق پیدا کر لیا تھا کہ فرماتے ہیں) "مَا ظَنُّكَ بِشَيْنِ اللَّهِ نَالِئُهُمَا" ان دو کے بارے میں تم کیا گمان رکھتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہے (ان کو نبی ﷺ کے ساتھ معیت کبریٰ حاصل تھی۔ اس وجہ سے ان کی نسبت بہت مضبوط نسبت ہے۔ اور یہ نسبت کیونکہ ان سے آگے منتقل ہوئی تو کہتے ہیں کہ یہ نسبت بہت فائق نسبت ہے۔ امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سرور انبیاء ﷺ کی بارگاہ تک ان کا وسیلہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ جس قدر وسیلہ قوی ہوگا وصول کا راستہ اقرب ہوگا۔ اور قرب کی منزلیں جلد طے کر لی جائیں گی۔ اور جو اس سلسلے کے اکابر کی تحریر میں آیا ہے کہ ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے یہ درست ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کو نبی ﷺ سے نسبت اتحادی حاصل تھی، جسکی تفصیل درج ذیل ہے)۔

### صدیق اکبرؓ کی نبی ﷺ سے نسبت اتحادی

سیدنا صدیق اکبرؓ کو نبی ﷺ کے ساتھ ایک مقام حاصل تھا جسے معیت کبریٰ کہتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے ارادے سے نبی ﷺ کی کامل اتباع فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبی ﷺ سے کمال طبعی مناسبت و مشابہت نصیب تھی۔ ان کی شخصیت میں، زندگی کے حالات میں، فکر میں، ان کے خدائی معاملے میں حتیٰ کہ ان کے اہل و عیال میں اور موت کے وقت کے حالات میں بھی نبی ﷺ سے ایک عجیب مشابہت نظر آتی ہے۔ اس معیت کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) غار حرا سے واپسی پر نبی ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے آپؐ کو کچھ خاص صفات گنوائیں اور فرمایا: "كَلَّا إِنَّكَ لَنَتَّصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكُلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِيءُ الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ" اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایسے عمدہ اخلاق کے ہوتے ہوئے اللہ سبحانہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے۔

ادھر ابو بکر صدیقؓ کا معاملہ دیکھیے کہ جب کفار مکہ نے مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت

ماگئی تو ان کی اس کی اجازت مل گئی، لیکن جب ہجرت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے تشریف لے جا رہے تھے تو رئیس مکہ ابن الدغنه نے ان کو روکا اور روکنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: "اِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكُلَّ، وَتَقْرَىءُ الصَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ" مقصد یہ تھا کہ آپ جیسے اچھے لوگوں کا مکہ مکرمہ میں ہونا بہت ضروری ہے، آپ شہر چھوڑ کر نہ جائیں۔ جو الفاظ حضرت خدیجہؓ نے نبی ﷺ کے لئے استعمال فرمائے، وہی الفاظ ایک کافر سردار نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے لئے استعمال کیے۔ اخلاق میں ایسی کمال مماثلت تھی۔

(۲)۔ قرآن پاک میں نبی ﷺ کے متعلق ارشادِ باری ہے: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (انبیاء: ۲۸)

جبکہ نبی ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں فرمایا: "ارْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ" اور "أَرَأَيْتُمْ أَبُو بَكْرٍ"۔

(۳)۔ نبی ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا: "أَنَا أُغَيِّرُ وَلَدَ آدَمَ وَاللَّهُ أُغَيِّرُ مِنِّي" "میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے"۔

اور ابن سعد نے لکھا: "كَانَ أُغَيِّرُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ" "نبی ﷺ کے بعد سب سے زیادہ ایمانی غیرت صدیق اکبرؓ میں تھی۔

(۴)۔ قرآن پاک میں نبی ﷺ کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (یس: ۶۹)

اور ادھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ: ابو بکرؓ نے نہ جاہلیت کے زمانے میں کبھی شعر کہا نہ اسلام لانے کے بعد کبھی شعر کہا۔

(۵)۔ شراب کی ممانعت سے پہلے جبکہ شراب کی عادت عرب میں بہت عام تھی، اس وقت بھی نبی ﷺ نے کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگایا، اور تاریخ الخلفاء کے مطابق سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی کبھی شراب نوشی نہیں کی۔

(۶)۔ نبی ﷺ کی طبعی صفائی پسندی اور طہارت پر اللہ رب العزت نے گواہی دی، فرمایا: ﴿وَيَا بَكَ فَطِّهْرِ﴾ (الرُّجُزُ

فَاجْزُ) سیدنا صدیق اکبرؓ میں بھی یہی صفائی پسندی کی خوبی تھی۔ ہجرت کے موقع پر جب ام ایمن کی بکریوں کو دوہنے کا موقع آیا تو کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اول تو بکری کے تھن کو دھو کر صاف کیا اور جب پیالہ بھر کر نبی ﷺ کے پاس جانے لگے تو اسے کپڑے سے ڈھک دیا کہ مٹی یا کوئی اور شے اس میں نہ گرے۔

### حالات میں مناسبت

(۷)۔ حرم شریف کے اندر ایک دفعہ نبی ﷺ کے گلے میں عقبہ بن ابی معیط نے پھنڈا لایا تو اس سے چھڑایا گیا، اور سیدنا صدیق اکبرؓ پر بھی کافروں نے حملہ کیا اپنے زرخے میں لے لیا اور بالآخر انہیں اس زرخے سے چھڑایا گیا۔

(۸)۔ نبی ﷺ کی دعا سے عمرؓ جیسے شیر مسلمان ہوئے، اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی ترغیب سے حمزہؓ جیسے اللہ کے شیر مسلمان ہوئے۔

(۹)۔ جب قریش مکہ کے دباؤ میں آ کر نبی ﷺ کے چچا ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ سمجھتے! مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جو میں نہ اٹھا سکوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا! اگر یہ کفار میرے ایک ہاتھ پہ سورج اور ایک ہاتھ پہ چاند بھی رکھ دیں تو جو پیغام میں لے کر آیا ہوں

اسے پہنچانے سے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

یہی معاملہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ پیش آیا کہ جب ابتدائے خلافت میں کچھ لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے اور مشکل وقت آ گیا تو حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے کہا کہ ان کے ساتھ اتنی سختی مت کریں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے جواب دیا: ”أَجْبَارُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَارُ فِي الْإِسْلَامِ“ عمر تم جاہلیت میں اتنے بہادر تھے، اسلام لانے کے بعد اتنے کمزور ہو گئے؟ پھر فرمایا کہ وہ لشکر جسے نبی ﷺ نے بھیجا، میں اسے لازماً بھیجوں گا، اور مجھے اس کی پروا نہیں کہ جنگل کے درندے مسلمان عورتوں کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹیں۔ صحابی کہتے ہیں: ”فَقَامَ مَقَامَ الْأَنْبِيَاءِ“ کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایسی استقامت دکھائی جیسے کوئی نبی مقام نبوت پہ ہوتے ہوئے دکھاتا ہے۔

(۱۰) ... قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دو میں سے دوسرا کہا، فرمایا: ﴿ثَانِيَانِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ﴾ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کو نبی ﷺ نے اپنے مبارک ارشاد میں فرمایا: ”يَا اَبَا بَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاَنْتَيْنِ اللّٰهُ تَالِيَهُمَا“ (۱۱)۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ”آپ غم نہ کریں“

نبی ﷺ نے بالکل یہی الفاظ سیدنا صدیق اکبرؓ سے کہے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ”آپ غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہیں“۔ (۱۲) ... اللہ تعالیٰ کی یہ معیت ایسی تھی کہ ہر دو حضرات کے ناموں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی نام کی معیت تھی۔ صحابہ کرام نبی ﷺ کو ”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ“ کہہ کر پکارتے تھے اور جب سیدنا صدیق اکبرؓ کو بلاتے تھے تو نہ امیر المومنین کہتے تھے نہ ابو بکر بلکہ ”يَا خَلِيفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ“ کہہ کر پکارتے تھے۔

(۱۳) ... چنانچہ ہجرت کے موقع پر قریش مکہ نے نبی ﷺ کو ڈھونڈنے والے کے لیے سواونٹوں کا انعام مقرر کیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے ڈھونڈنے پر بھی سواونٹوں کا ہی انعام مقرر کیا۔

### سوچ میں مناسبت

(۱۴) ... بدر کے قیدیوں کے متعلق جب نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا تو کسی نے کوئی مشورہ دیا، کسی نے کوئی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کیا جائے۔ نبی ﷺ نے ان کے مشورے کے اوپر اپنا فیصلہ فرمایا۔

(۱۵) ... صلح حدیبیہ میں عمرؓ بہت حیران تھے کہ ہم تو تب نہ ڈرے جب بدر میں صرف ۳۱۳ صحابی تھے، تو اب ہزاروں میں ہونے کے باوجود کیوں دب کر رہے ہیں۔ لیکن اگرچہ نبی ﷺ کے فیصلے پر باقی صحابہ کو کچھ شک ہوا، سیدنا صدیق اکبرؓ کی رائے وہی تھی جو نبی ﷺ کی تھی۔

ہر کام میں سیدنا صدیق اکبرؓ نبی ﷺ کی اتباع کرتے تھے

(۱۶) ... فذک ایک باغ تھا جس کی آمدنی نبی ﷺ بنو ہاشم کے جوان بچے بچیوں پر خرچ فرماتے تھے۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی اسی عمل کو جاری رکھا۔

(۱۷) ... بنو ثقیف ایک قبیلہ تھا جس کے لوگوں نے نبی ﷺ سے نماز کی چھوٹ مانگی، اور آپ ﷺ نے ان کے مطالبے کو رد فرمایا۔ جب

سیدنا صدیق اکبرؓ خلیفہ بنے تو کچھ لوگوں نے ان سے زکوٰۃ کی چھوٹ مانگی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں یہ چھوٹ نہ دی۔

(۱۸) ... نبی ﷺ نے بنو قضاہ کے ساتھ جہاد کیا، جسے غزوہ ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد جب وہ مرتد ہو گئے تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح جہاد کیا جیسے نبی ﷺ نے کیا تھا۔

(۱۹) نبی ﷺ کے زمانے میں حضرت عمرو بن العاصؓ امیر لشکر بن کر جاتے، اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی پوری زندگی میں بھی وہی امیر لشکر بنے۔

(۲۰) ... نو ہجری میں سیدنا صدیق اکبرؓ امیر حج بن کر گئے، اور دس ہجری میں اللہ کے حبیب ﷺ امیر حج بن کر تشریف لے گئے۔

(۲۱) ... نبی ﷺ کے پاس حضرت حسنؓ آتے تو اللہ کے حبیب ﷺ ان کو کندھوں پر بٹھالیتے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں آپ کسی گلی سے گزرے تو حضرت حسنؓ نظر آئے، تو آپ نے انہیں کندھوں پر بٹھالیا۔

خاندان کے افراد میں بھی مشابہت تھی

(۲۲) چنانچہ نبی ﷺ کے داماد عثمانؓ اور علیؓ سابقون الاولون میں سے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے داماد زبیرؓ بھی سابقون الاولون میں سے تھے۔

(۲۳) ... نبی ﷺ کے داماد مشرہ ہمشرہ میں سے تھے اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے ایک داماد بھی مشرہ ہمشرہ میں سے تھے۔

(۲۴) ... نبی ﷺ کے داماد مہاجرین میں سے تھے، اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے داماد بھی مہاجرین میں سے تھے۔

(۲۵) ... نبی ﷺ کی صاحبزادی فاطمہؓ جنت میں عورتوں کی سردار اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیٹی عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے شہید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(۲۶) نبی ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ الزہراءؓ کے گھر میں تنگی تھی، خود چکی پیستی تھیں، جس سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیٹی امانہؓ کے گھر میں تنگی تھی، چکی پیستی تھیں، جس سے ان کے ہاتھوں میں بھی گٹے پڑ گئے تھے۔

نواسوں کے حالات میں بھی مشابہت تھی

(۲۷) ... نبی ﷺ کے نواسے حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا، اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کیا۔

(۲۸) ... حسینؓ کو بھی شہید کیا گیا، اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی شہید کیا گیا۔

(۲۹) ... سیدنا حسینؓ کو شامیوں نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا، اور عبداللہ بن زبیرؓ کو حجاج بن یوسف نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔

(۳۰) ... حسینؓ کی شہادت سے پہلے ان کے بھائی، بھتیجے، نیز خاندان کے سب مردوں کو شہید کر دیا گیا، پھر آخر میں ان کی باری آئی۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت سے پہلے ان کے قریبی رشتہ داروں کو شہید کیا گیا، آخر میں ان کی باری آئی۔



اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ بھی ایک جیسا ہوا

(۳۱)..... نبی ﷺ کی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ”صَاحِبُكُمْ“ کے لفظ سے اشارہ فرمایا۔ اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں ابو بکرؓ کی طرف ”صَاحِبُكُمْ“ کے لفظ سے اشارہ فرمایا۔

(۳۲)..... پھر ایسا بھی موقع آیا کہ چار رکعت نماز ہے، پہلی دو رکعت کے امام ابو بکر صدیقؓ ہیں، اور دوسری دو رکعت کے امام نبی ﷺ ہیں۔

(۳۳)..... نبی کو کفار نے مجنون کہا، قرآن گواہی دیتا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ (انعام ۵۲)

اور کتاب میں لکھا ہے کہ قریش مکہ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں کہا: ”قَالُوا هَذَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ لَمَجْنُونٌ“۔

(۳۴)..... طائف کے سفر سے واپسی پر مطعم بن عدی نامی ایک کافر نے نبی ﷺ کو پناہ دی۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ ہجرت حبشہ کے لئے نکلے لیکن واپس ہوئے کہ ابن ابی الدغنه نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو پناہ دی۔

(۳۵)..... نبی ﷺ نے فرمایا: ”أَنَا أَنْقَسِي وَلِدِ آدَمَ وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللَّهِ“ ”میں انسانوں میں سے سب سے زیادہ متقی اور مکرم ہوں،

اور مجھے اس پہ کوئی فخر نہیں ہے۔“ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کو اللہ تعالیٰ یہ لقب دے رہے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ (ہشتم ۱۰۱)

اور مفسرین سب متفق ہیں کہ یہاں اتقی سے مراد صدیق اکبرؓ ہیں۔ اور قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى﴾ جو اتقی ہے، وہی اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم ہے۔

(۳۶)..... اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾۔ جو بشارت ادھر وہی بشارت اُدھر۔

(۳۷)..... جنہوں نے نبی ﷺ کی اتباع کی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (آل عمران ۳۱)

سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (اسراء ۵۲)

دنیا سے جانے کی جو کیفیت اور وقت ہے اس میں بھی مشابہت تھی

تو حالات کی دیکھیں تو اتنی مشابہت ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا سے جانے کی جو کیفیت اور وقت ہے جس میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا اس میں بھی مشابہت ہے۔

(۳۸)..... نبی ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی، اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی عمر بھی ان کی وفات کے وقت ۶۳ سال تھی۔

(۳۹)..... نبی ﷺ کی وفات زہر کے اثر سے ہوئی، اور یہی وجہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی وفات کی بھی بنی۔

(۴۰)..... جس حجرے میں نبی ﷺ مدفون ہوئے، وہی حجرہ سیدنا صدیق اکبرؓ کا بھی مدفن بنا۔ اس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے نبی ﷺ کے جسم اطہر کو بنایا تھا، بنانے کے بعد وہ مٹی بچ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبرؓ

کو بنایا اور ان کو بنانے کے بعد پھر کچھ مٹی بچ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس مٹی کو حضرت عمرؓ کے خیر میں شامل فرمایا، اسی لئے تینوں مٹیاں ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں۔

### ہم خانہ رسول ﷺ

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں ایک عجیب بات فرماتے ہیں، فرمایا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو کیونکہ دنیا میں نبی ﷺ سے معیت کبریٰ حاصل تھی اس لئے آخرت میں بھی جدائی نہیں ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ ”ہم خانہ رسول ﷺ“ ہوں گے۔ یعنی نبی ﷺ کا مکان اور سیدنا صدیق اکبرؓ کا مکان ایک ہی ہوگا لیکن دو منزلہ ہوگا۔ نیچے والی منزل میں سیدنا صدیق اکبرؓ اور اوپر والی منزل میں نبی ﷺ ہوں گے۔ یہ معیت اتنی کامل تھی اور اس کامل معیت کی وجہ سے کمالات نبوت والے علوم سیدنا صدیق اکبرؓ نے کمال درجے میں نبی ﷺ سے حاصل کئے۔

### حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ پر نسبت نقشبندیہ کا ظہور

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخارہ کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کے بہت مقبول بندے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اوپر قبض کی کیفیت طار ہو گئی۔

☆..... قبض اور بربط کا معنی:

اللہ تعالیٰ کے دو اسماء ہیں، اللہ بربط، اور الباربط۔ کبھی اس کی تجلی پڑتی ہے۔ تو قبض کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اُس کی تجلی پڑتی ہے تو بربط کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

تو اللہ تعالیٰ سالک کی تربیت دونوں طرح سے فرماتے ہیں کبھی اس کیفیت میں ڈالتے ہیں کبھی اُس میں مقصود دیدیکھنا ہوتا ہے کہ اگر بربط کی کیفیت میں ڈالوں تو شکر کرتا ہے یا نہیں، اور قبض کی کیفیت میں ڈالوں تو صبر کرتا ہے یا نہیں۔ دونوں میں آزمائش ہوتی ہے۔ لیکن قبض کی کیفیت میں جے رہنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ پر چھ مہینے قبض کی کیفیت رہی۔ حتیٰ کہ انہوں نے محسوس کیا کہ شاید میرے لئے اب آگے کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ تو اس کیفیت میں وہ اٹھے اور سوچا کہ چلتا ہوں اور بیوی بچوں کے لئے جا کر کچھ کماتا ہوں فاقے میں تو نہ رہیں۔ راستے میں ایک مسجد تھی تو وہاں پر ایک شعر پڑھ جس کا ترجمہ تھا۔ ”اے دوست ادھر آ کہ میں تیرا ہوں، بیگانہ مت بن، تو دور کہاں جا رہا ہے؟“ بس اس شعر کو پڑھا تو طبیعت دوبارہ کھل گئی اور پھر مسجد میں آ گئے۔ جب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی کیفیت دوبارہ بربط والی ہوئی تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ماں جب بھی بچے کو تھپڑ لگائے تو تھوڑی دیر بعد اسی کو مٹھائی بھی دے رہی ہوتی ہے۔ جتنی سختی ہو پھر اس پر عنایات بھی اس سے زیادہ ہوتی ہیں۔ تو اس وقت رب کریم نے الہام فرمایا کہ اے میرے بندے! مانگ مجھ سے کیا مانگتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ایسی نسبت عطا فرما دیجئے جو سب سے اقرب ہو (سب سے

قریب آپ تک پہنچانے والی ہو) اور سب سے آسان ہو۔ تو ان کی اس دعا کی قبولیت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نسبت نقشبندیہ کو ان پر ظاہر فرمادیا۔ یہ صدیق اکبرؑ کے زمانے سے چلی تو آرہی تھی، لیکن حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کے سامنے اس کے علوم و معارف اب کھل گئے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تبلیغ کا کام تو شروع سے چلا آرہا تھا۔ لیکن اس دور میں اللہ نے چاہا تو حضرت مولانا الیاسؒ پر اس کی تفسیلات کو کھول دیا، اور ان کو ذریعہ بنادیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ پر عنایت کی نظر فرمائی۔ اور بادشاہ جب عنایت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو غلاموں کے مزے ہوتے ہیں۔ کتنوں کی گردنیں آزاد ہو جاتی ہیں۔ تو ان کی اس دعا پر کہ اے اللہ! ایسی نسبت دیجئے کہ آپ تک پہنچنا بہت آسان ہو جائے۔ تو رب کریم نے یہ نسبت عطا فرمادی۔

### ☆..... حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ مراد ہیں

چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ فرمایا کرتے تھے: ”ما مرادیم“۔ ان کی زبان فارسی زبان تھی، اس کا مطلب ہے کہ ”میں مراد ہوں“ ☆..... مرید اور مراد میں فرق:

ایک ہوتا ہے مرید اور ایک ہوتا ہے مراد۔ دونوں میں فرق ہے۔ فرض کریں ایک بندہ آپ سے بازار میں ملتا ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ گھر کا پتہ بتا دیتے ہیں کہ بھی شام کو ملنے کے لئے آنا۔ اور ایک آپ کو بچپن کا کوئی دوست کوئی کلاس فیلو (ہم جماعت) اچانک کئی سالوں کے بعد مل گیا تو اسے آپ گلے ملتے ہیں اور ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ یار میرے ساتھ چلو میرے گھر۔ اب اس کو تو گھر میں ہاتھ پکڑ کے لار ہے ہیں، اور دوسرے بندے کو پتہ بتا رہے ہیں کہ پہنچ جانا۔ اس لئے کہ یہ مراد تھا اور وہ مرید۔

قرآن مجید سے اس کی مثال سمجھنی ہو تو وہ یہ کہ اللہ رب العزت جب اپنے محبوب کو لے کر معراج گئے تو کیا فرمایا؟ ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾ (اسری ۱) ”پاک ہے وہ ذات جو لے گیا انے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف“ تو اللہ اپنے محبوب کو لے گئے معراج کے لئے۔ یہ مراد کے ساتھ معاملہ تھا۔ اور جہاں مرید کا معاملہ تھا۔ فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِهِ﴾ ”جب آئے موسیٰ ہمارے ملاقات کو“ تو دیکھا کہ وہ (موسیٰ) مرید والا معاملہ ہے، اور یہاں (نبی کریم ﷺ) مراد والا معاملہ ہے۔ اب دیکھئے کہ حضرت موسیٰؑ کو مانگنا پڑا: ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾ (25) وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿ (طہ ۲۶-۲۵) تو شرح صدر کی دعا مانگنی پڑی، جبکہ نبی ﷺ کو دعا مانگنی نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (انشراح ۱)

تو مرید اور مراد کا معاملہ الگ الگ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ فرماتے تھے: ”ما مرادیم“ میں مراد ہوں۔ اللہ کی رحمت کی نظر مجھ پر پڑی اور اللہ نے کہا: مانگو! تو میں نے طریقہ مانگا اور مجھے مل گیا۔ یہ بھی فرماتے تھے: ”ما فضلیانیم“ میں فضلی ہوں۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے۔

☆..... خوشخبری طریقہ نقشبندیہ میں محرومی نہیں:

چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے ایک خوشخبری دی۔ بہت بزرگوں نے اپنے اپنے دور میں خوشخبریاں دی ہیں۔ اور یہ جائز ہوتی

ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے سے خوشخبری دلوار ہے ہیں۔ فرمایا کہ ﴿قُلْ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آ عمران: ۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرتے گا۔ یہ خوشخبری ہے کہ: ”میرے محبوب ان کو فرما دیجئے کہ اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔“

اسی طرح کی خوشخبری حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے بھی دی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے ایسی نسبت دی ہے کہ ”در طریق محرومی نیست“ ”میرے اس طریق میں محرومی نہیں ہے“ جو بندہ بھی آگیا اخلاص کے ساتھ، منزل پہ پہنچ کر رہے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ٹھوکریں کھاتا پھرے اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے۔

اس کو حضرت خواجہ معصومؒ نے مزید کھولا۔ چنانچہ فرماتے تھے: ”ہمارے اس طریقہ میں سالک کی سستی کے سوا اور کوئی دوسری چیز رکاوٹ نہیں ہے۔“

بھئی ایک بندہ خود ہی غم نہ کرے، اور ادو وظائف نہ کرے تو کسی کا کیا قصور۔ تو اپنی سستی کے سوا اور کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ جو سستی چھوڑ کر معمولات کرتا رہے گا۔ اس کو نسبت کا نور پہنچ کر رہے گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ”میں نے کشف میں نسبت نقشبندیہ کے نور کو دیکھا تو مجھے ایک بحر محیط، ایک سمندر کی طرح نور نظر آیا۔“

شاہ عبدالعزیزؒ کے والد نقشبندی تھے۔ وہ فرماتے تھے: ”اس نسبت نقشبندیہ بے نمک است۔“

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتا ہے، تو ایک ایسا مقام آتا ہے کہ سب حلاوتیں اور لذتیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ وہ بے رنگ سی کیفیت ہوتی ہے، اسے کوئی رنگ بھی نہیں دے سکتے۔ اس کیفیت کو انہوں نے بے نمک کہا۔

اندراج النہایت فی البدایت:

ایک اور عجیب بات فرماتے تھے: فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں: ”اندراج النہایت فی البدایت ہے“ اللہ تعالیٰ نے آخر کو ابتدا میں ڈال دیا ہے، نہایت کو بدایت میں مندرج کر دیا۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے سلسلوں کے لوگ محنت کر کے آخر میں جو کماتے تھے، وہ سب کچھ اس سالک کو پہلے قدم پہ مل جاتا ہے۔ نہیں! بلکہ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دوسرے سلاسل میں ذکر لسانی سے کام شروع کرتے ہیں، تہیحات سے تہلیل سے، اور کرتے کرتے آخر میں ان کے ہاں قلب کے مراقبہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ چشتیہ سلسلے میں آخر میں مراقبہ ہوتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں مراقبہ پہلا قدم ہے۔

تو مقصد یہ تھا کہ جو اسباق کا طریقہ وہاں آخر پر جا کر ہوتا ہے وہ یہاں پر ابتداء میں ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس مراقبہ کی وجہ سے سالک کو تھوڑے دن میں ایک ایسی لذت ملتی ہے کہ اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔

اندراج النہایت فی البدایت کی تفصیل میں حضرت مجددؒ کے اقوال

اس اندراج النہایت فی البدایت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بہت سارے اقوال ہیں:

☆ .. مکتوبات مجددیہ کے دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۳ میں فرماتے ہیں۔ ”دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم ان بزرگوں کے قول ”اندراج النہایت فی البدایت“ سے شبہ میں پڑ گئے ہیں اور اس بات کی حقیقت میں تردد رکھتے ہیں اور اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ اس طریق کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو۔ تعجب ہے کہ اس طریقے کے مبتدی کو دوسرے طریقے کے منتہی کے برابر انہوں نے کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان بزرگوں سے ”اندراج النہایت فی البدایت“ کے علاوہ اور کچھ وارد نہیں ہوا اور یہ عبارت ان کی برابری پر دلالت نہیں کرتی (بلکہ صرف اتنا ہے کہ جو اخیر میں ان کے اسباق کے طریقہ کار ہیں وہ اس سلسلے کے سالک کا ابتداء میں ہی دے دے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارا کام ہی ذکر قلبی سے شروع ہوتا ہے)“

مزید فرماتے ہیں: ”اس عبارت کا (دوسرا) مقصود یہ ہے کہ اس طریقے میں شیخ منتہی اپنی توجہ اور تصرف سے نہایت کی دولت کی چاشنی بطور انعکاس مبتدی رشید کو عطا فرمادیتا ہے اور اسکی کی ہدایت ہی میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ برابری کہاں ہے اور شبہ کا کیا مقام ہے اور اس حقیقت میں تردد کی کیا گنجائش ہے، اور یہ اندراج ایک بڑی دولت ہے۔ اس سلسلے کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا لیکن نہایت کی دولت بے نصیب بھی نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس مبتدی کو وصول کے طریقوں کے طے کرنے کی فرصت اور ان منازل کو قطع کرنے کی مہلت نہ دیں تو بھی وہ نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رہے گا۔ اور وہ نمک کا ایک ذرہ اس کی کلیت کو ملیج و نمکین بنا دے گا۔ بخلاف دوسرے طریق والے مبتدیوں کے کہ وہ نہایت سے بہت دور ہیں اور منزل کے قطع کرنے اور مسافت کو طے کرنے میں زیر بار ہیں۔ افسوس، ہزار افسوس! اگر ان کو اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافت کو طے کرنے ان کے حق میں تجویز نہ کریں (تو نہایت افسوس ہے)۔ اور جب اس طریقے کے مبتدی اور دوسرے طریقے کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے ارباب ہدایت پر واضح ہو گئی تو جاننا چاہئے کہ اس طریقے کے منتہیوں پر اسی قدر ثابت ہے، بلکہ اس طریقہ عالیہ کی نہایت دوسرے تمام طریقوں کے مشائخ کی نہایت سے وراء الوداء ہے۔ میری اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں، اگر انصاف سے کام لیں تو شاید یقین کر لیں کہ وہ نہایت جس کی ہدایت میں نہایت کی آمیزش ہو دوسروں کی نہایت سے ضرور امتیاز رکھتی ہوگی اور ناچار وہ ان نہایتوں کی نہایت ہوگی۔ سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است (سال اچھا ہے، بہار گرا چھی ہے)۔

دوسرے سلسلوں کے لوگوں کی ایک جماعت ہم سے کہتی ہے کہ ہماری نہایت وصول بحق سبحانہ ہے، تم اس کو اپنی ہدایت کہتے ہو، لہذا حق سے آگے کہاں جاؤ گے اور حق سے آگے تمہاری کیا ہوگی؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جلّ سلطانہ کی طرف جاتے ہیں اور ظلمت کے ثائبہ سے بھاگ کر اصل اصل کی طرف دوڑتے ہیں اور تجلیات سے اعراض کر کے متجلی کو تلاش کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں کے باطن میں ڈھونڈتے ہیں۔“

☆..... تجلی ذاتی دائمی نصیب ہونا:

آگے فرماتے ہیں کہ دوسرے سلاسل میں اسمائے صفات کے ذکر ہیں، جیسے یاحی یا قیوم، جبکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں۔ اب اصول سمجھیں کہ انسان کثرت سے جو عمل کرتا ہے اس کا اثر جیسے اندر ہوتا ہے، باہر بھی وہی نظر آتا ہے۔ امام ربی مجدد الف ثانی

فرماتے ہیں کہ جس بندے نے ہمیشہ اسماء کا ذکر کیا ہو، تو جب اس بندے کے باطن کی نظر سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے، تو جو اس کے اندر ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے۔ کیونکہ اندر اسماء ہیں اس لئے ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی سامنے آتی ہے، پھر اس کے اوپر اسماء کے پردے آجاتے ہیں۔ کیونکہ جو اندر تھا وہی باہر نظر آئے گا۔ یہ تو ایک دستور سمجھ آنے والا ہے۔ لیکن ہمارے سلسلے میں چونکہ سبق صرف اللہ کے نام ہے اور سالک صرف اسم ذات کا ذکر کر رہا ہوتا ہے، لہذا جب وہ مقام فنا پر پہنچتا ہے، تو ذات باری تعالیٰ کی تجلی ہمیشہ اس کے سامنے جلو گر ہوتی ہے، اسماء کے پردے نہیں ہوتے۔ تو اس کا نام انہوں نے رکھا ”تجلی ذاتی دائمی“۔ پس دوسرے سالکین کو تجلی ذاتی برقی ملتی ہے، یعنی ذات کی تجلی آشکارا ہوتی ہے مگر برق کی مانند لمحے کیلئے ہوتی ہے پھر اس پر صفات کے پردے آجاتے ہیں۔ چونکہ اسماء و صفات کا ذکر کیا ہوا تھا اس لئے وہی پردے سامنے آجائیں گے۔ اور چونکہ یہاں ذات کا ذکر رہا اس لئے ہمیشہ ذات کی تجلی جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں تجلی ذاتی دائمی نصیب ہونا۔

ایک دلہن کسی کو پردہ ہٹا کر چہرہ دکھائے اور پھر پردہ کر لے، جبکہ کسی دوسرے کے سامنے پردہ ہی اٹھا کر رکھ دے، تو دونوں میں فرق تو ہے۔ تو یہ بھی اس سلسلے کی ایک خصوصیت ہے کہ اسم ذات کی برکت کی وجہ سے جب تجلی نصیب ہوتی ہے، تو سالک کو تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیے امام ربانی مجدد الف ثانی کا ختم ہے ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ اس میں آگے انہوں نے صفات کے نام نہیں شامل کئے ”الْعَلَى الْعَظِيمُ“ وہ صفاتی نام آجاتے ہیں۔ اتنا اسم ذات کے اوپر وہ جسے رہے۔

اس تجلی ذاتی دائمی کے بارے میں مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب ۲۱ میں لکھا ہے: ”اور یہ تجلی ذاتی اکثر مشائخ کے نزدیک برقی ہے (یعنی برقی روح آتی ہے اور پھر صفات کے پردے ڈال جاتے ہیں) یعنی حضرت ذات حق جل سلطانہ کی بارگاہ سے تمام حجابات کا دور ہو جانا برق کی مانند تھوڑے سے وقت کے لئے ہوتا ہے، پھر اسماء و صفات کے پردے ڈال دئے جاتے ہیں اور ذات تعالیٰ و تقدس کے انوار کی شعائیں اور دبے ان پردوں میں چھپا دئے جاتے ہیں۔ پس حضور ذاتی برقی کی مانند ایک لمحے کے لئے ہوتا ہے اور غیبت ذاتی بہت دیر رفتی ہے۔ اور اکابر نقشبندیہ کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے اور ان بزرگوں کے نزدیک زائل ہو جانے والے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں۔ لہذا ان اکابر کا کمال تمام کمالات سے بالاتر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ ان بزرگوں کی عبارتوں میں یہ جملہ آیا ہے ”إِنَّ نَسَبَنَا فَوْقَ جَمِيعِ النَّسَبِ“ یعنی ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے (یہ جوابات کہی جاتی ہے کہ ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، تو یہ نہ سمجھ لیں کہ اور سلاسل کے بزرگ سب نیچے اور یہ سب اوپر ہیں۔ ان سلاسل کے بزرگوں کو بھی بعض دفعہ یہی نسبت ملتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بات آگے لکھی ہے)۔

”ہاں دوسرے سلسلوں کے کامل مشائخ میں سے بعض حضرات کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن یہ حصول بھی حضرت صدیق اکبرؑ کی ولایت ہی سے متنبس ہے جیسا کہ شیخ ابوسعیدؒ از قدس سرہ نے اس حدیث یعنی تجلی ذاتی دائمی کے دوام کی خبر دی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جبہ شیخ ابوسعیدؒ مذکور تک پہنچا ہے جیسا کہ صاحب فحاشات نے نقل کیا ہے (تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے سلاسل کے جو کاملین ہیں ان کو بھی یہ نسبت منتقل ہوتی ہے لیکن صدیق اکبرؑ ہی سے۔ نسبت وہی ہے، صدیق اکبرؑ والی۔ تو کاملین کسی بھی سلسلے کے ہوں، ان کو کامل نسبت

حاصل ہوتی ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے کہ دیکھو یہ کیسی نسبت ہے، جو صدیق اکبرؑ سے منتقل ہو کر امت میں آگے چل رہی ہے۔ چنانچہ  
 ”إِنَّ نَسَبَنَا فَوْقَ جَمِيعِ النَّسَبِ“ اس کے متعلق بھی انہوں نے بہت لکھا ہے۔“

☆... مکتوبات مجددیہ کے دفتر اول کے مکتوب نمبر ۶ میں فرماتے ہیں: ”جب بہت سی صدیاں گزرنے کے بعد اس سلسلہ عالیہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو اس نسبت کے ساتھ شرف بخشتے ہیں (یہ جو خاص نسبت ہے) تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے۔ یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوائیؒ کی نسبت ہے اور اس نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے حضرت خواجہ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہم اور آپ کے خلفاء میں سے خواجہ علاؤ الدینؒ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے (یہ جو عبارت ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے زیادہ بلند ہے)۔“

☆..... سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا مقام:

دوسری جگہ، مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ میں عجیب بات لکھتے ہیں۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بات ہے غور کریں، ”جاننا چاہئے کہ وہ طریقہ جو ’اَقْرَب‘ بہت قریب والا ’اَسْبَق‘ جلد پہنچانے والا ’اَسْلَم‘ تسلیم شدہ ’اَحْكَم‘ سب پر غالب ’اَصْدَق‘ سب سے زیادہ مضبوط ’اَدَل‘ زیادہ رہنمائی والا ’اَعْلٰی‘ سب سے بلند ’اَجَل‘ زیادہ بزرگی والا ’اَرْفَع‘ سب سے زیادہ بلند والا ’اَكْمَل‘ زیادہ کامل اور مکمل ہے وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے (یہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ ہیں۔ اللہ اکبر کیسے! ان الفاظ کو پڑھ کر بندہ حیران ہو جاتا ہے)۔ اس طریقے کی یہ تمام بزرگی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ علو شان، روشن سنت کی متابعت کو لازم جانے اور ناپسندیدہ بدعتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ اصحاب کرام کی طرح ان کے کام کی ابتداء ہی میں انتہا مندرج ہو گئی۔“

☆... اب دفتر اول کے مکتوب ۲۶۱ میں بات کو ذرا اور کھولتے ہیں۔ تصوف میں کچھ لوگ درمیان میں سماع اور اس طرح کی چیزوں کے بھی قائل تھے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں، ذرا بات کو سینے کسی بات کہی ہے، واقعی اس کلام سے لگتا ہے کہ اللہ نے ان سے تجدید کا کام لیا۔ ”اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوص کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انہوں نے اپنے امراض کا علاج دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل دوسری چیزوں پر وابستہ جانا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس وصول الی اللہ کی بنیاد نماز کے علاوہ اور چیزوں (عبادات) پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا (بعض ایسے بھی صوفیا گزرے ہیں جو بھٹک گئے اور کہتے تھے کہ روزہ نماز سے افضل ہے)۔ مثلاً صاحب فتوحات مکیہ کہتے ہیں کہ ”روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک ہے وہ صفتِ صمدیت سے متحقق ہونا ہے اور نماز میں غیر وغیرت کی طرف آنا اور عابد اور معبود کا جاننا ہے“ (تو صاحب فتوحات مکیہ کے نزدیک روزہ گویا افضل ہے)۔ اس قسم کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے ہیں۔ .... بلکہ اس طائفہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب اور بیقراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجید میں تلاش کیا، اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا، حالانکہ انہوں نے سنا ہوگا: ”مَاجَعَلِ اللّٰهُ فِی الْخَوَاصِّ شِفَاءً“ (آگے ایک عجیب فقرہ لکھتے ہیں)۔ اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجید کو یاد نہ کرتے۔ (کیا عجیب بات لکھی

ہے، کہ جو لوگ اس طرح کی چیزوں کے پیچھے پڑے ہیں اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کے پیچھے نہ پڑتے اور اس کا دم نہ بھرتے)..... اے بھائی! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوص کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے۔ عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔“ (سبحان اللہ)

مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۸۱ میں فرماتے ہیں: ”اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں کے سات قدموں سے بہتر ہے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت و وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے جو اس طریقہ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے (وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس دو طرح کے کمالات تھے، ایک کو کمالات ولایت کہتے ہیں اور دوسرے کو کمالات نبوت کہتے ہیں۔ یعنی ہر نبی ﷺ نبی بھی ہوتے ہیں، ولی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دونوں کمالات ہوتے ہیں۔ کمالات ولایت نبی ﷺ سے اس امت میں سب سے زیادہ حضرت علیؑ نے حاصل کیے۔ اسی لیے ان سے آگے تین سلسلے چلے ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”اِنَّمَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيُّ بَابُهَا جَبَلُكَ“ سے نسبت اتحاد کی وجہ سے کمالات نبوت سب سے زیادہ صدیق اکبرؑ نے حاصل کئے۔ اور ان کمالات نبوت کی وجہ سے یہ نسبت فائق ہو جاتی ہے دوسری نسبتوں سے)۔“

دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں: ”اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے (یعنی سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد اندراج النہایت فی البدایت ہے) اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور قسم قسم کے محل بنائے گئے ہیں، اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمیں ہند میں بویا گیا جس کا خمیر، مدینہ طیبہ، اور مکہ معظمہ، کی خاک سے تیار کیا [فضل] کے پانی سے سالہا سال اس کو سیراب کیا گیا اور [احسان] کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی، جب وہ بھیجتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا شمرہ اس سے حاصل ہوا (یہ نسبت نقشبندیہ کے بارے میں فرمایا ہے، الحمد للہ لذلك)۔“

دفتر دوم، مکتوب ۸۳ میں ایک اور عجیب بات کہی، کہ یہ نسبت اتنی قوی ہے کہ جو بندہ فنا تک اپنا کام پہنچا دے، یعنی جس کو فنائے قلب حاصل ہو جائے، اس کو عدم غفلت نصیب ہو جاتی ہے۔ ذرا سنیے حضرت مجدد الف ثانی کے الفاظ: ”بالفرض اگر کسی طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے اور ماسوائے حق سبحانہ اس کے دل میں کسی اور چیز کا گزرنہ ہو تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسوکی سے حاصل ہوا ہے اگر تکلف اور تعطل سے اس کو یاد دلائیں تو بھی یاد نہ آئے (مقصود ان کا یہ ہے کہ جس شخص کو بھی فنائے قلبی کا مقام حاصل ہوتا ہے اس کو ایک ہزار سال کی عمر دیں اور اس کو کہیں کہ تو غیر کو یاد کر، وہ غیر کو یاد نہیں کر سکتا، اللہ کی یاد اتنی اس کے دل میں اس قدر پیوست ہو جاتی ہے کہ بھلانا بھی چاہو بھلا نہ سکو گے۔ ہزار سال بھلانے کی کوشش کرے وہ رب کو بھول ہی نہیں سکتا۔ سبحان اللہ، یہ مقام حاصل کرنا چاہئے کہ انسان اللہ کو بھولنا بھی چاہے تو نہیں بھول سکتا۔ سبحان اللہ)

فرماتے ہیں: جو بندہ اپنے مالک کی معرفت نہیں رکھتا اور اس کو نہیں پہچانتا، تعجب ہے کہ وہ کس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے، اور کس چیز کے ساتھ مانوس اور محبت کرنے والا ہے۔ عالم مجاز میں جو نوکر اپنے مالک کے ساتھ معرفت اور راہِ سخن نہیں رکھتا، وہ کسی شمار میں نہیں ہوتا، ہر اعتبار سے گراؤ دتا ہے (تو اگر ہم اپنے اللہ کے ساتھ تعلق نہیں جوڑیں گے تو ہم بھی تو اسی نوکر کی طرح ہو جائیں گے۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ کوشش



کر کے اس نسبت کو حاصل کریں، تاکہ اللہ رب العزت ہمارے اندر سے غفلت کو ختم کر دے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں نبی ﷺ کی سنت پر کامل عمل عطا فرمادے۔“

☆ مکتوبات مجددیہ دفتر اول کے مکتوب ۲۷۸ میں لکھا ہے: ”اور اس دولت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اسرارہم ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے اپنی سیر کی ابتدا عالم امر سے کی ہے اور قلب سے مقلّب قلب (قلب کے پھیرنے والے) کی طرف لے گئے ہیں اور انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندیہ قدس سرہ فرماتے ہیں: ”طریق، اقرب طریق است“ اما التزام سنت کا مشکل است“ یعنی بہر ا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے، لیکن سنت کا التزام کرنا بہت مشکل کام ہے (یعنی اس نسبت کی فوقیت اسی لئے ہے کہ سالک کو یہ کہتے ہیں کہ تم ہر کام سنت کے مطابق کرو۔ چونکہ اس میں سنت کی بہت پابندی کرواتے ہیں اس لئے اس نسبت کو پھر اللہ کی طرف سے ایک فضیلت حاصل ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ نقشبندیہ کی نسبت کا یہ نور عطا فرمائیں، تاکہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے کچھ ایسے بھی دن گزاریں کہ جس میں ماسوا کا خیال ذہن میں نہ آئے۔ ایک اللہ کی یاد ہو اور اسی میں انسان ڈوب کے زندگی گزارا ہو۔ جہاں زندگی کی اور تمنائیں ہیں وہاں ایک تمنا تو یہ بھی ہونی چاہئے۔

تیرے دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی  
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے  
تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوی  
میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے  
اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے آرزو بدل جائے اور ہم اللہ کے وصل کو اپنی آرزو بنالیں۔ آمین۔ (معروف السنو ۵۰۲۱)

☆..... شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ احمد نخعی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انفاس العارفین میں شیخ احمد نخعی کا واقعہ درج کیا ہے کہ شیخ احمد نخعی فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریقہ ہے اور ادو وظائف میں مشغول ہو جائیں۔ اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا۔ کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا۔ اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی۔ اسی تردد کے عالم میں نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضہ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرور عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی گو یاد زیارت عثمانیہ با خلفاء اربعہ حاضر اند باں جانب مبادرت کردم وہ استقبال شریفہ دیدی خلفاء کرام بہ ترتیب مشغول شدم“ میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں۔ میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور سب مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صفِ اول کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا: یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف ہے۔ اور آپ نے

اس طریقہ کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ (انفاس العارفین فارسی، ۱۹۲، ورژن: ۱۱)

## اصلاح و تربیت کیلئے شیخ کامل کی ضرورت

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے متعدد طریقے ہیں، لیکن سب سے زیادہ قریب اور آسان طریقہ تو سل شیخ ہے۔ کیونکہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسانیت کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ اور رجال اللہ کو ذریعہ بنایا۔ کئی مرتبہ ایسا تو ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نوحی کو مبعوث فرمایا مگر کتاب نہیں بھیجی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب بھیج دی ہو مگر نبی کو نہ بھیجا گیا ہو۔ اس سے رجال اللہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ مزید برآں کبھی کسی قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا جب تک کہ اتم م حجت کے لئے نوحی کو نہ بھیجا گیا ہو۔ فرمان الہی ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نُنْصِتَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) ”اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔“

یہ اس لئے کہ ہر انسان کو اپنی تربیت کے لئے مربی اور تزیکیہ کے لئے مزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تصوف و سلوک: ۲۵)

دلائل سے پہلے حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ کے ضرورت مرشد کے بارے میں دو مثالیں پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا: کہ اصلاح اور تربیت کا باب بڑا ہی نازک اور باریک مسئلہ ہے اس کیلئے ماہر فن کی ضرورت ہے۔ بدون ماہر فن کے طالب ہزاروں فضولیات کا شکار بنا رہتا ہے نہ راہ پاتا ہے اور نہ مطلوب اور مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ غیر مطلوب، غیر مقصود میں ساری عمریں خراب اور برباد ہو جاتی ہیں اور حقیقت کا پتہ تک نہیں چلتا۔ غرض شیخ کامل کے سر پر ہونے کی ضرورت ہے وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے۔ وہ ہر شخص کی حالت کے مطابق تعلیم کرتا ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا کیونکہ ہر ایک کی طلب جدا۔ مذاق جدا، قوت جدا، فہم جدا، عقل جدا، غرض ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ ہوتا ہے۔

مثال:..... ایک شخص نے ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا کہ قبر میں اس طرح عذاب ہوتا ہے اس طرح دو فرشتے منکر نکیر سوال کرتے ہیں اس کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہئے ایک روز یہ شخص قبرستان میں پہنچا اور ایک شکستہ قبر میں چادر اوڑھ کر لیٹ گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اتفاق سے ایک سپاہی کا اس قبرستان کے پاس سے گزر ہوا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ یہاں پہنچ کر گھوڑی کے بچہ پیدا ہو گیا۔ اب سپاہی پریشان تھا کہ گھوڑی کا بچہ گاؤں تک کس طرح لے جاؤں۔ ادھر ادھر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ایک قبر میں سے کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی اور سانس کی بھی آواز معلوم ہوئی۔ سپاہی لوگ ڈرتے کم ہیں قبر کے پاس کا جا کر دیکھا تو ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھا ہے۔ سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کون لیٹا ہے۔ باہر نکل باہر آ۔ اس سپاہی نے ایک چابک اس کے رسید کیا اور کہا کہ یہ گھوڑی کا بچہ گردن پر رکھ اور گاؤں تک پہنچا گھوڑی کا بچہ لاد کر گاؤں تک لے گیا اس سپاہی نے غریب سمجھ کر کر دو آنہ پیسے دے دیئے۔ اپنے گھر آیا اور مولوی صاحب کے پاس پہنچا سلام کے بعد کہا کہ مولوی جی تم نے چھوٹی سی بات کو اس قدر طول دے دیا۔ میں آج ہی امتحان کر کے آرہا ہوں۔ میں قبرستان میں پہنچا اور ایک قبر میں لیٹ گیا وہاں فرشتے وہ غیرہ کچھ بھی نہیں آئے۔ مزاح فرمایا کہ نہ منکر آئے نہ معروف۔ نہ سوال نہ جواب۔ نہ دوزخ کی کھڑکی نہ جنت کی نہ سانپ نہ بچھو۔ صرف ایک بہت ہی ہلکا سا قصہ ہوا وہ یہ کہ ایک سپاہی آتا ہے وہ ایک ڈانٹ دیتا ہے پھر باہر نکلنے کو کہتا ہے باہر آ جانے پر ایک

چابک مارتا ہے گو اس سے تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ قابل تحمل ہے۔ آدمی برداشت کر سکتا ہے۔ پھر ایک گھوڑی کے بچے کو گردن پر رکھوا کر گاؤں تک لے جاتا ہے اور دو آنہ پیسے دیتا ہے۔ بس اتنا واقعہ ہے جس کو تم نے اس قدر بڑھا رکھا اور لوگوں کو ڈرا رکھا ہے پھر تفریحاً فرمایا کہ یہ تو ایک ہنسی کی حکایت ہے لیکن اس کی ایک نظیر ہے وہ یہ کہ جیسے اس شخص نے عذاب قبر اور سوال و جواب کی تفسیر سمجھی۔ ایسے ہی آج کل کے عقلاء قرآن کو اپنے زمانہ کے واقعات سے منطبق کر کے قرآن حدیث کی تفسیر کرتے ہیں جس کی حقیقت اس سے کم نہیں جیسا اس شخص نے قبر کے معائنہ کو سمجھا (ملفوظات: جلد ۸، بحوالہ ضرورت مرشد: ۱/۲۵-۲۶)

### کتاب اور صحبت کا اثر اور فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تصوف کتابوں سے سیکھ لیتے ہیں ہمیں شیخ کی ضرورت نہیں ہے۔ تو جناب محض کتابوں میں کیا رکھا ہے نری کتاب بنی کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک مولوی صاحب عظیم آباد پٹنہ کے حج کو آئے تھے۔ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں حجاج کے لئے ہدایت تھیں اسے دیکھ دیکھ کر سارے کام کرتے تھے وہاں ایک شخص تھا جعفر آفندی۔ اگر وہ کارہنہ والا تھا۔ اسے ہندوستانی سے بہت محبت تھی جس ہندوستانی کو دیکھتا اس سے ملتا۔ چنانچہ ان مولوی صاحب سے بھی ملا۔ علیک و سلیم کی۔ مولوی صاحب نے اس کتاب میں کہیں یہ لکھا دیکھا تھا کہ زرا مانگنے والوں سے بچے رہنا۔ بہت لوگ جب قبہ پہنچے پھرتے ہیں مگر ہوتے ہیں سائل۔ بڑے بڑے شاندار لوگ گداگری کا پیشہ کرتے ہیں مولوی صاحب کو بدگمانی ہوئی کہ یہ بھی کوئی سائل معلوم ہوتا ہے۔ ضرور کچھ مانگے گا۔ آپ نے بہت بے رخی سے پوچھا کچھ کہنا ہے یہ شخص جعفر بڑا مسخرہ تھا سمجھ گیا کہ انہوں نے مجھے سائل سمجھا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور کچھ عنایت ہو جائے۔ بہت حاجت مند ہوں بہت غریب ہوں۔ حضور چار وقت کا فاقہ ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب نے ڈانٹ کر کہا بے حی، بے شرم! ایسا عمدہ لباس اور اتنا لمبا چونچہ پہن کر بھیک مانگتے شرم نہیں آتی۔ کہتا ہے چار وقت کے فاقہ سے ہوں جھوٹا کہیں کا۔ دور ہو یہاں سے، بے حیا کہیں کا۔ غرض خوب ہی ڈانٹا۔ مگر اس نے برا نہیں مانا اور چلا گیا۔ بڑا ہی خوش مزاج تھا۔ مولوی صاحب بڑے خوش کہ کسی اچھی کتاب ہے۔ کیسے موقعوں پر کام دیتی ہے۔ بڑے سرور کہ کیا موقع پر کتاب کام آئی ہے۔ سبحان اللہ!

ایک دفعہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے۔ جعفر آفندی جو وہاں ہو کر گزرے تو میں ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اب تو مولوی صاحب بڑے پریشان کہ یہ تو کوئی بڑا شخص معلوم ہوتا ہے وہ آکر میرے پاس بیٹھ گئے کہنے لگے صاحب مجھے ان مولوی صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ مجھے چار وقت کا فاقہ ہے۔ اس وقت ان کی جیب میں روپے بھی بول رہے تھے اگر یہ چرانے مجھے دیدیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ مجھے ان سے بڑی شکایت ہے۔ مولوی صاحب بے چارے ذلت کے مارے دے دے جویں۔ شرم کے مارے کٹے جاویں کہنے لگے اللہ! معاف فرما دیجئے میں نے سخت گستاخی کی۔ میں نے پہچانا نہیں تھا۔ واللہ میں نے آپ کو سائل سمجھا تھا۔ وہ بولے کہ مولوی صاحب یہ تو بتائے آپ نے مجھے سائل کیسے سمجھ لیا۔ آخر آپ نے کیا علامت مجھ میں سائل ہونے کی دیکھی کہا صاحب! میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ بڑے بڑے شاندار لوگ مکہ میں بھیک مانگتے ہیں۔ وہ بولے! مولوی صاحب! کچھ عقل سے بھی تو کام لیا ہوتا۔ صاحب نری کتاب کے بھروسے تو نہیں رہنا چاہئے کہا کتاب میں بھی دیکھتا تھا اور صاحب سچ مچ بڑے بڑے عباد اور قبا والے یہاں پر بھیک

مانگتے ہوئے خود بھی دیکھ لئے تھے۔ انہوں نے پوچھا مولوی صاحب! یہ تو بتاؤ تم نے جن کو بھیک مانگتے دیکھا وہ عہدہ والے تھے یا کسی ترکی ٹوپی والے کو بھی کہیں بھیک مانگتے ہوئے تم نے دیکھا کہاں۔ ہاں صاحب واقعی سب عہدہ والے ہی تھے ترکی ٹوپی والے تو ان بھیک مانگنے والوں میں کوئی نہیں تھا۔ جعفر نے کہا کہ میں تو ترکی ٹوپی پہنے تھا۔ سو بتلائے کتاب میں یہ کہا لکھا تھا کہ صرف عہدہ والے ہی بھیک مانگتے ہیں۔ ترکی ٹوپی والے نہیں مانگتے۔

تو صاحب! نری کتاب سے فن حاصل کرنے کا تو یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ بھائی کتاب تو اعانت کے لئے ہوتی ہے۔ اہل مہارت کی صحبت کے بغیر بخدا اور بخدا اور بخدا جس کون کا حاصل ہونا کہتے ہیں۔ ہرگز میسر نہیں ہو سکتا چاہے جتنی کتابیں پڑھ چکا ہو۔ اور اگر کچھ بھی نہ پڑھا ہو لیکن اہل مہارت کی صحبت اٹھائے ہوئے ہو تو فن کا حصول ممکن ہے بلکہ کثرت سے واقع ہے۔

آخر حضرات صحابہ میں کیا بات تھی کہ بعد کے بڑے بڑے عرف اور عالم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ کیا وہ سب کے سب لکھے پڑھے تھے بہت کم ایسے تھے جو اصطلاحی عالم ہوں۔ ورنہ زیادہ تر تو امی محض ہی تھے چنانچہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”لَا تَحْسَبُ أُمَّةٌ أُمَّةً إِلَّا لِمَا كُنْتُبُ وَلَا تَحْسَبُ“ (منہ احمد ۱۲۲) ”ہم لوگ تو ایک امی جماعت ہیں نہ ہم حساب جائیں نہ کتاب جائیں“ دیکھئے! حضور فخر کرتے ہیں اپنی امت کی امت پر، تو گویا اس امت کی خاص فضیلت امی ہونا ہے۔ پھر باوجود امی ہونے کے صحابہؓ جو بینظیر تھے کہ نہ ابو حنیفہؓ ان کے برابر، نہ اویس قرنیؓ ان کے برابر نہ جنیدؓ ان کے برابر، نہ کوئی غوثؓ ان کے برابر، نہ کوئی قطبؓ ان کے برابر، تو وہ کیا چیز تھی اور وہ کیا دولت تھی جس نے ان کو سب سے بڑھا دیا تھا۔ بس یہ دولت تھی (میرے ہم نشین پول نے میرے اندر اثر ڈال دیا حمام خانہ کی خوشبودار مٹی ایک دن میرے محبوب کے ہاتھ سے مجھے ملی میں نے کہاں کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبوؤں سے میں مست ہو رہا ہوں کہاں کہ میں ایک ناچیز مٹی ہوں لیکن کچھ مدت تک پھوس کی صحبت میں رہی ہوں میرے ہم نشین پھول نے میرے اندر اپنا اثر ڈال دیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی) بس یہ تھی صحابہؓ کے پاس دولت۔ کسی کی طویل صحبت تھی کسی کی کم۔ مگر کمال سے کوئی بھی خالی نہیں رہا۔ البتہ اکملیت کے مراتب میں تفاوت تھا۔ چاہے زبان حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔ کمال تو ہر شخص نے حاصل کر لیا تھا۔ زبان اور چیز ہے کمال اور چیز ہے۔ اب کتابیں تو بہت سی پڑھ لیتے ہیں لیکن اہل مہارت کی صحبت میں رہنے کا بالکل اہتمام نہیں جہاں تم نے کتابیں پڑھی تھیں اگر کسی مربی کی صحبت میں اٹھائے ہوتے تو اپنے کو کبھی اہل مہارت میں سے نہ سمجھتے بھائی تم تو پہلے مرہ بنو پھر مربی بننا چند روز کے لئے اپنے آپ کو کسی مربی کی سپردگی میں دیدو۔ وہ تمہیں تاذل دے دیکر مرہ بنائے گا۔ جب خوب گھل جاؤ گے اور مرہ بنانے والے بھی تصدیق کر دیں گے کہ ہاں اب مرہ بن گئے تب مرہ بنو گے۔ تمہارے خود ہی یہ سمجھ لینا کہ ہم اب مرہ ہو گئے ہرگز کافی نہیں کیونکہ اے مرہ! تیرے پاس کوئی ایسی مہک اور کوئی ایسا معیار نہیں جس سے تو یہ جانچ لے کہ میں مرہ ہو گیا۔ جب تیرے پاس کوئی مہک اور معیار نہیں تو تو اپنی ذات کو بلا آلہ کے دیکھے گا تو تو اپنے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس ہی سے، جو ناقص ہے اور مربی تیرے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس سے اور وہ ہے کامل۔ لہذا اس کی جانچ معتبر ہوگی اور تیری جانچ برکز معتبر نہ ہوگی کیونکہ اس کے پاس تو آلہ شناخت ہے اور تیرے پاس کوئی آلہ شناخت ہے نہیں۔

جیسے کوئی سیب کا مرہ بنا کر رکھے تو خود سبب یہ جانچ نہیں کر سکتا کہ میں مرہ ہو گیا ہوں یا نہیں۔ اس کے کیا دانت ہیں جو کچل کر بتا دے گا۔

البتہ جو مرہ بنایا ہے اس کے دانت ہیں جو پکل کر بتادے گا۔ وہ دانت تلے دیا کر فوراً بتادے گا کہ ہاں ہو گیا تو تم کو ابھی کسی نے دانت تلے یا پیر تلے دبایا نہیں کہیں مر نہ گئے ہو کہیں کچے نہ پڑ گئے ہو۔ غرض اصل چیز تو حقیقت کمال ہے مگر زعم کمال اور دعویٰ کمال نے اسے خراب کر رکھا ہے۔ (خطبات حکیم الامت، جلد ۱۰، بحوالہ ضرورت مرشد: ۳۶-۳۹)

ضرورت شیخ کے بارے چند عقلی دلائل ”خلاصہ تصوف“ کے عنوان کے نیچے گزر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں اب یہاں نقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد احوال اہل<sup>صلح</sup> حسین اور اس کے بعد چند عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دلائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، محبوب العلماء و الصحاء پیر طریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی اور دیگر صوفیا کرام نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں، میں اس کو من و عن نقل کر دیتا ہوں۔

## قرآن مجید سے دلائل

☆..... دلیل نمبر ۱: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) ”یعنی ان کے طریقہ کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع کریں“

☆..... تفسیر جلالین میں ہے ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ“ (طریق) ”مَنْ أَنَابَ“ (رجوع) ”إِلَيَّ“ (بالطاعة) (۱۵: ۳۷)

☆..... تفسیر عثمانی میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ”یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل“ (تنبیہ بشی: ۵۴۶)

☆..... تفسیر مواہب الرحمن میں اس آیت کے تحت فرمایا گیا ”اور ایسے شخص کی راہ چل جو ہمہ تن میری جانب جھکا ہے۔ یعنی اولاً پیغمبر ﷺ ہیں اور ثانیاً آپ کے صالحین امت ہیں۔ (مواہب الرحمن: ۸۳، اخذ: تصوف و سلوک: ۳۵-۳۶)

(۱)۔ اس میں اتباع کا معیار ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ جس شخص کا اتباع کرو وہ صاحب اناب ہے کہ نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ خود متبوع نہیں بلکہ ان کے پاس ایک سبیل ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اس کا اتباع کرو جو علم اور توجہ الی اللہ کا جامع ہو (متابع یعنی جس کی پیروی کی جائے) اس میں شیخ کامل بھی شامل ہے۔

(۲)۔..... ﴿مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) من متعدد و اشخاص کے اتباع کرنے کا مضائقہ تھا۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایک کے مقرر کرینے میں راحت، انتظام اور نفس کی حفاظت ہے مگر دین پر چلنا چاہتے ہو تو ایک شخص کو متبوع (جس کی پیروی کی جائے) مقرر کرینے میں بہت پریشانیوں سے بچ جاؤ گے اور جو شخص اس طریقہ کی خلاف کرے گا۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ دین سے بہک جائے۔

(۱) اتباع فیہ ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶

الْمُقْصُودُ“ (تفسیر ابن کثیر عربی: ۵۴)

☆ ”وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ“ کے تحت جلالین میں ہے: ”ما يقر بكم اليه من طاعته“ (جلالین: ۹۹)

لہذا محققین تفسیر کا فرمان ہے کہ الوسیلہ سے مرشد مراد ہے جو سبب بنتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کا اور انسان کی اصباح کا جب کہ ”وجاہدوا فی سبیلہ“ میں نفس کے خلاف مجاہدے (اشغال تصوف) کی طرف اشارہ ہے حدیث پاک میں ہے: ”المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله“ (مشکوٰۃ شریف) ”مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جہاد کرے۔“

☆ مرشد عالم حضرت خواجہ غلام حبیبؒ اپنے بیانات میں اس آیت کے تحت فرماتے تھے۔ آسمان سے بارش کون برساتا ہے؟ اللہ، مگر بادل وسیلہ بن جاتا ہے۔ اولاد کون دیتا ہے؟ اللہ، مگر ماں باپ وسیلہ بن جاتے ہیں۔ دل میں انوارات کون ڈالتا ہے؟ اللہ، مگر پیرو مرشد اس کا وسیلہ بن جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ”اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔“

☆..... دلیل نمبر ۳: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بچو کے ساتھ رہو۔“

☆ علامہ ابن کثیرؒ صوفیوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”قال الضحاك هم ابو بكر وعمر واصحابهما“ (تفسیر ابن کثیر: ۴۰۷)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مشائخ طریقت کے سلاسل اربعہ واسطہ با واسطہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ علی کرم اللہ وجہہؓ سے ملتے ہیں۔

☆ حضرت محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”اس جگہ قرآن مجید نے علماء و صلحاء کی بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بتلا دی کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو، عمل کا بھی سچا ہو۔ (صاف و صاف ظاہر ہے کہ آج کے دور میں صادقین کا مصداق مشائخ عظام ہی ہیں۔

☆..... دلیل نمبر ۴: امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صرف ﴿أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کے الفاظ پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ بھی ساتھ فرمایا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرید کے مقامات ہدایت اور مکاشفہ تک پہنچنے کے کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ وہ ایسے شیخ و رہنما کی اقتداء کرے جو اسے سیدھے راستے پر چلائے اور گمراہیوں اور غلطیوں کے مواقع سے بچائے اور یہ اس بنا پر ضروری ہے کہ اکثر مخلوق پر نقص اور کوتاہی غالب ہے اور ان کے عقول و ادیان کے حق تک پہنچنے اور صواب کی غلط سے تمیز کرنے میں پورے نہیں اترتے تو پھر ایسے کامل کی اقتداء ضروری ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔ تاکہ ناقص کی عقل، کامل کے نور سے قوت پکڑے۔ ایسا ہی کرنے سے ناقص (انسان) سعادتوں کے مدارج اور کمالات کی سیڑھیوں کو عبور کر سکتا ہے“ (تفسیر کبیر) پس مرشد و مربی کی ضرورت کیلئے یہ دلیل اتمام حجت کا درجہ رکھتی ہے۔

☆..... دلیل نمبر ۵: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (انعام: ۶۵)

علامہ سید امیر علی ملیح آبادی اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ”اس آیت میں دلالت ہے کہ بندہ گنہگار اگر کسی بندہ صالح و پرہیزگار سے دعا کروائے تو قابل قبولیت ہوتی ہے اور جو لوگ اس زمانہ میں پیروں کے مرید ہوتے ہیں وہ بھی یہی توبہ ہے۔“ (تفسیر موابب الرحمن ۱۰۹)

آیات بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آج کے دور میں بھی جو بندہ گنہگار کسی شیخ کام قبیح شریعت و سنت کو تلاش کرے گا۔ وہ ﴿وَاسْتَغْفِرُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ پر عمل کرے گا۔ اگر اس شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت توبہ کرے گا تو ﴿إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ پر عمل کرے گا۔ اگر شیخ کامل کی صحبت میں بیٹھے گا تو ﴿مُكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (اعوبہ: ۱۱۹) کا ثواب پائے گا۔ اگر شیخ کامل کے پند و نصائح پر عمل کرے گا تو ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) پر عمل کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ یہی راستہ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ا مصداق ہے جس پر چلنے کی ہر چھوٹا بڑا صبح و شام دعائیں کرتا ہے۔ رہی بات کہ آج کے دور میں صاحب شریعت مشائخ کم ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان تلاش ہی چھوڑ دے یا ان کی ضرورت ہی کا انکار کر دے۔

☆..... حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان ہے: ”اسلکوا سبیل الحق ولا تستر حشوا من قلة اہلہ“ ”اہل حق کے راستے کو اختیار کرو اور اہل حق کی قلت سے مت گھبراؤ۔“

☆..... اسی بارے میں امام شاطبیؒ کا قول ہے: ”اتبع طرق الہدی ولا یضرک قلة السالکین وایاک طرق الضلالة ولا تغتر بکثرة السالکین“ ”ہدایت کے راستوں کی اتباع کرو اور سالکین کی قلت تجھے نقصان دہ نہ ہو، مگر اہی کے راستوں پر نہ چل اور سالکین کی کثرت سے دھوکہ نہ کھا۔“

☆..... حضرت شیخ عبداللہ خفیفؒ کا فرمان ہے: ”اقتلوا النجمة من شیو خنا لانہم جمعوا بین العلم والحقائق“

ہمارے شیوخ کی جماعت کی اتباع کرو کیونکہ یہ حضرات علم اور اسرار کے جامع ہیں“

## احادیث سے دلائل

فطرت انسانی ہے کہ وہ نفوس سے جتنا اثر لیتی ہے نقوش سے اتنا اثر نہیں لیتی۔ گو کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود ان پر خشیت و حضوری کی جو کیفیت نبی ﷺ کی خدمت میں ہوتی تھی وہ غیبت میں نہیں ہوتی تھی۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆..... لیل نمبر ۱: حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں عن انس قال لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللہ ﷺ المدینہ اضاء منہا کل شئ فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منہا کل شئ ومانقضنا ایدینا عن التراب وانا لفی دہبہ ﷺ حتی انکرونا فلو لبثت حضرت انسؓ فرماتے ہیں: کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز منور ہو گئی اور جس دن آپ کا وصل ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی تھی اور ہم آپ ﷺ کے دفن کے بعد ہاتھ سے مٹی بھی نہ جھاڑنے پائے تھے۔ کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔“ پس صحابہ جیسی مقدس ہستیوں نے بھی تسلیم کیا کہ ان کی جو کیفیت نبی ﷺ کی صحبت میں ہوتی

تھی وہ بغیر صحبت کے نہیں ہوتی تھی جس طرح صحابہ مشکوٰۃ نبوت سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے آج بھی مریدان باصفا اپنے مشائخ کی صحبت میں رو کر ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲: مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حظلہؓ گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے ”نافق حنظلہ“ حظلہ تو منافق ہو گیا، راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو، ہرگز نہیں۔ حضرت حظلہؓ نے صورتحال بیان کی کہ جب ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ جب حضور ﷺ کے پاس سے گھر واپس آ جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: یہ کیفیت تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ پس دونوں حضرات نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتحال بیان کی تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں، لیکن بات یہ ہے کہ حظلہؓ گاہے گاہے“ (یعنی گاہے حضوری کی کیفیت عروج پر ہوتی ہے اور گاہے اس میں کمی آ جاتی ہے تاکہ معاشی و معاشرتی نظام درست رہے) فیضان صحبت کی اس سے زیادہ واضح مثال اور کیا ہو سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۳: حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک صحابی کو نظر لگ گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”الْعَيْنُ حَقٌّ“ (نظر اثر کرتی ہے)

(ترمذی کتاب الادب)

اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر میں عداوت ہو، حسد ہو، بغض ہو، کینہ ہو، وہ نظر اپنا اثر دکھا سکتی ہے تو جس نظر میں محبت ہو، شفقت ہو، رحمت ہو، اخلاص ہو، وہ نظر کیوں اثر نہیں دکھا سکتی۔ یہ اللہ والوں کی نظر ہی تو ہوتی ہے جو گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان میں احساس ندامت پیدا کرتی ہے اور رب کے دربار میں رب کا سوا بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔

نگاہ دلی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی غدیر دیکھی

دلیل نمبر ۴: حدیث پاک میں وارد ہے کہ نبی ﷺ ہجرت کے وقت عبد اللہ بن ارقاٹ کو کافر ہونے کے باوجود ظاہری سفر کار بہر بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آج کے دور میں کوئی سالک اگر وصول الی اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے کسی مومن کامل کو رہبر مقرر کرے گا تو اسے سفر کار بہر مقرر کرنے والی سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ (تصوف و سلوک: ۳۵-۴۱)

مولانا رومؒ نے اسی کیفیت کے بارے میں فرمایا ہے۔

دامن رہبر بگیر و پس بیا  
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
بے قلاوڑ اندریں صحرا مرد  
ہم بعون ہمت مرداں رسید

گر ہوائے این سفر داری دلا  
بے رفیقے ہر کہ شد از راہ عشق  
یار بید راہ راتہا مرد  
ہر کہ تنہا زد راہ را بید



”اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو رہبر کا دامن پکڑ اور پیچھے چل کیونکہ بغیر ساتھی کے جو شخص راہ عشق پر چلا، تمام عمر بے کار گزری اور عشق سے آگاہی نہ ہوئی۔ راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے۔ اس میں تنہا قدم نہ رکھو، اتفاقاً جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے خود طے کیا ہے وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے کیا ہے۔ (اظہار: ۶۱)

اس میں مولانا نے اس شبہ کے دو جواب دئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسا نادر ہوا ہے۔ ”وَالسَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ“ (نادر مثل معدوم کے ہوتا ہے) امور نادرہ کی وجہ سے قواعد پر نقض وارد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ گونا گوبر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنہا پہنچے مگر درحقیقت وہ بھی کسی کامل کی ہمت ہی سے پہنچتے ہیں کیونکہ بعض اہل اللہ سب مسلمانوں کے واسطے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے بہت سے لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کس کی دعاء سے کامیاب ہوئے۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ بعض اہل اللہ کے مرنے پر غیر مریدوں کو بھی اپنے قلب میں تغیر معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ منکر و معاند (دشمن۔ مخالف) نہ ہوں کیونکہ اب تک اس شخص کی غائبانہ دعا و توجہ سے فیض ہو رہا تھا جو اس کی موت سے بند ہو گیا۔ اس لئے مریدین کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی حالت میں وہ تغیر محسوس ہوتا ہے جس کے بارے میں حدیث انفس گزر چکا۔ (ضرورت مرشد /۱)

## عقلی لائل

نفس و شیطان انسان کے کھلم کھلا دشمن ہیں اور انسان کے اعمال کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ گمراہی کے باوجود انسان اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتا ہے۔ ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الاعراف: ۳۰) اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں جس طرح درخت کو اپنے پھل وزن دار معلوم نہیں ہوتے اسی طرح انسان کو اپنے عیوب وزن دار محسوس نہیں ہوتے۔ لہذا اصلاح و تربیت کے لئے کسی مربی کی ضرورت پڑتی ہے۔ چند دلائل درج ذیل ہیں:

☆... دلیل نمبر ۱: ایک طالب علم کمرہ امتحان میں بیٹھا پرچہ حل کر رہا ہوتا ہے تو وہ اپنے گمان میں ہر سوال کو ٹھیک ٹھیک حل کرتا ہے۔ (اگر اسے پتہ ہو کہ میں فلاں غلطی کر رہا ہوں تو وہ کرے ہی کیوں؟) طالب علم کا پرچہ استاد کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ بعض جوابات کو ٹھیک قرار دیتا ہے اور بعض کو غلط، تب طالب علم بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اسی طرح سالک اپنے زعم میں تحدیثِ نعت سمجھ کر کسی بات کا اظہار کرتا ہے۔ مگر شیخ کامل پہچانتا ہے۔ کہ یہ عجب کی وجہ سے ہے۔ سالک اپنے خیال میں سخاوت کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے۔ مگر شیخ بتاتا ہے کہ یہ اسراف ہے پیر و مرشد کے بغیر گمراہی کے گڑھے میں گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرشد کے سایہ میں زندگی گزاری جائے۔

☆... دلیل نمبر ۲: امور دنیا میں ہر چھوٹا بڑا کام سیکھنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ کرتے پر ہن لگانے کا طریقہ بھی بغیر سیکھے نہیں آتا۔ تو کیا دین کو سیکھنے کی ضرورت نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ ”میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں“ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دین سکھایا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام نے فرمایا: ”تَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ“ ”ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا“ آج ظلمت

وگرا اسی کے دور میں ہمیں بغیر سیکھے دین کیسے آئے گا۔ پس ثابت ہوا کہ ہمیں پیر و مرشد سے دین سیکھنا پڑے گا۔

☆..... دلیل نمبر ۳: کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں علم الطب خود بخود دیکھ لوں گا یا انجیر نگ کا فن خود حاصل کر لوں گا۔ اسی طرح کوئی آدمی دین بھی خود بخود نہیں سیکھ سکتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے ”إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ“ ”علم سیکھنے ہی سے آتا ہے“۔

دلیل نمبر ۴: اگر کوئی پودا کسی مانی کے ہاتھوں میں پروان چڑھے تو وہ سیدھا بھی ہوتا ہے۔ دیدہ زیب اور جاذب نظر بھی۔ جب کہ خود رو پودا میڑھا بھی ہوتا ہے شاخیں فالتو پھیلی ہوئی اور بے سیکھ لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو انسان کسی شیخ کامل سے تربیت پائے اس کی شخصیت حسن اخلاق کی وجہ سے دیدہ زیب ہوتی ہے۔ شریعت نے تربیت پانے کو اتنی اہمیت دی کہ سکھائے ہوئے کتے کے شکار کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ حلال جانا گیا۔ پس سالک کو بھی شیخ کامل کے زیر تربیت رہ کر دین سیکھنا ضروری ہے۔

چوں تو کردی ذات مرشد را قبول      ہم خدا آمد ز ذاتش ہم رسول  
نفس نتوان کشت الا ذات پیر      دامن آن نفس کش محکم گیر

”تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا۔ اس سے تجھے اللہ تعالیٰ بھی مل گیا اور رسول ﷺ بھی۔ اس نافرمان نفس کو پیر کی ذات کی سوائے کوئی نہیں مار سکتا۔ تو اس نفس کو مارنے والے پیر کا دامن مضبوط پکڑ“

☆..... دلیل نمبر ۵: حکایت مورچہ: پورہ قصہ پہلے گزر چکا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

مور مسکین ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد      دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

ایک مسکین چوئی کے دل میں خواہش تھی کہ کعبہ میں پہنچے، اس نے کبوتر کے پاؤں کو، مضبوطی سے پکڑ لیا اور اچانک پہنچ گئی۔ جس طرح اس چوئی نے کبوتر کے پنجے مضبوط پکڑ لئے اور اپنا مقصود حاصل کر لیا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا طالب اس راستے کے منزل طے کئے ہوئے شہباز (مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو نیچے گر کر دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا۔

☆..... دلیل نمبر ۶: اصحاب کہف کے کتے نے چند دن صلحاء کی صحبت اختیار کی تو اس کے ساتھ جنت کا وعدہ ہوا اور یہ قصہ قرآن مجید میں ہے اس پر دلیل ہے:

سب اصحاب کہف روزے چند      پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی کے حکم میں ہو گیا۔

☆..... دلیل نمبر ۷: ایک شخص ہوائی جہاز پر سفر کرنا چاہے تو وہ اچھی کمپنی کا ٹکٹ خریدتا ہے۔ پھر پائلٹ پر اعتماد کر کے جہاز میں بیٹھ جاتا ہے تو پائلٹ سواری کو منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ سالک اسی طرح شیخ کامل پر اعتماد کرتے ہوئے باطنی سفر کے لئے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کرتا ہے تو شیخ اپنے مرید کو راہ سلوک پر چلا تو ہوا اللہ تعالیٰ سے واصل کر دیتا ہے۔

## احوال الصالحین سے دلائل

سلف صالحین کی زندگیوں سے چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

☆..... دلیل نمبر ۱: حضرت وحشیؒ کو نبی ﷺ کی چند لمحے کی صحبت سے وہ مقام مل گیا کہ اگر پوری دنیا اولیس قرئی جیسے حضرات سے بھر جائے تو بھی ان کی گدراہ کو نہیں پاسکتی۔ حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں بدامنی رہی جب کہ عمر بن عبد العزیز کے دور میں امن و امان رہا تو دونوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا سیدنا امیر معاویہؓ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد پر نکلتے تھے تو اس گھوڑے کے نتھنوں میں مٹی جاتی تھی عمر بن عبد العزیزؒ اس کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ معلوم ہوا کہ صحبت کا نعم البدل کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔

☆..... دلیل نمبر ۲: حضرت حسن بصریؒ نے اٹھارہ بدری صحابہؓ سے علم ظاہری حاصل کیا تاہم علم باطن حضرت علیؒ سے حاصل کیا اور انوار ولایت کا اکتساب کیا۔

☆..... دلیل نمبر ۳: حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے اگر ابو ہاشم الصوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی دقیق باتوں سے واقف نہ ہوتا۔

☆..... دلیل نمبر ۴: امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے حضرت جعفر صادقؒ سے فیض پایا۔ امام اعظمؒ نے دو سال کے رابطہ کے بعد فرمایا۔ ”لَوْلَا السَّنَانُ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ“ ”اور وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“

☆..... دلیل نمبر ۵: ایک مرتبہ ابراہیم ادھمؒ حضرت امام اعظمؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: ”سیدنا ابراہیم اگئے“ طلباء نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا: ”ہم جسموں کی خدمت کرنے میں مشغول اور یہ خدا کی خدمت کرنے میں مشغول۔“ پس ایسی باخدا ہستی کو ہی مرشد کہا جاتا ہے۔

☆..... دلیل نمبر ۶: حضرت امام اعظمؒ نے امام ابو یوسفؒ کو وصیت فرمائی: ”وَ اكْثِرْ ذِكْرَ اللَّهِ تَعَالَى فِي مَآبِئِ النَّاسِ لِيَتَعَلَّمُوا مِنْكَ ذَلِكَ“ ”لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو تا کہ لوگ تم سے ذکر سیکھیں۔“

☆..... دلیل نمبر ۷: امام شافعیؒ نے حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے فیض پایا۔ آپ کا مشہور قول ہے۔ ”میں نے صوفیا کی صحبت اختیار کی اور ان کی دو باتوں سے بڑا نفع پایا۔ ایک یہ کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تم کو باطل میں مشغول کر دے گا۔“ (مدارج السالکین)

☆..... دلیل نمبر ۸: امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے ولی کامل (حضرت بشرحانی) کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن طلباء نے پوچھا، حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہو کر ایسے شخص کے پاس جاتے ہیں جو عالم نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے تاریخی جواب دیا ”میں عالم بکتاب اللہ ہوں بشرحانی عالم باللہ ہیں اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت نصیب ہے“ اللہ اکبر کبیرا۔

☆..... دلیل نمبر ۹: ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا ”مَا الْإِخْلَاصُ“ ”اخلاص کیا ہے؟“ فرمایا: ”الْإِخْلَاصُ هُوَ الْخُلَاصُ مِنَ آفَاتِ الْأَعْمَالِ“ ”اعمال کے مصائب سے چھٹکارے کا نام“ اس نے پوچھا: ”مَا التَّوَكُّلُ“ ”توکل کیا ہے؟“ فرمایا: ”الْتَّقَةُ بِاللَّهِ“ ”اللہ پر اعتماد کرنا“ اس نے پوچھا ”مَا الرِّضَاءُ“ ”رضا کیا ہے؟“ فرمایا: ”تَسْلِيمُ الْأُمُورِ إِلَى اللَّهِ“ ”تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا“ پوچھا: ”مَا الْمُحِبَّةُ“ ”محبت کیا ہے؟“ امام احمد بن حنبلؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ سوال بشرحانی سے پوچھو۔ جب تک وہ زندہ ہیں میں جواب نہیں دے سکتا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۰: امام غزالیؒ کے ظاہری اور باطنی علوم کے مربی خواجہ بوعلی فارمدیؒ تھے جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔ امام غزالیؒ اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں: میں نے طریقہ تصوف شیخ بوعلی فارمدیؒ سے اخذ کیا ہے عبادت اور ذکر میں ان کے دستور کو اپنایا ہے۔ اس طرح مجھے تکالیف سے نجات ملی اور مشقتوں سے چھٹکارا ملا۔ اور جو کچھ میں نے پانا تھا وہ پالیا۔ (مکاشفۃ القلوب: ۳۵)

☆..... دلیل نمبر ۱۱: امام رازیؒ کی بیعت حضرت نجم الدین کبریٰؒ سے تھی۔

☆..... دلیل نمبر ۱۲: عارف کامل مولانا رومؒ کی بیعت شمس تبریزیؒ سے تھی آپ نے فرمایا۔

مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

”مولوی روم والوں کا مولانا اس وقت تک نہ بن سکا۔ جب تک شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بن گیا“

☆..... دلیل نمبر ۱۳: مولانا جامیؒ جیسے شہرہ آفاق کی محل شخصیت کی بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سمرقندیؒ سے تھی۔

☆..... دلیل نمبر ۱۴: حضرت علامہ سید محمد شریف جرجانیؒ کی بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندی کے شیخ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ سے تھی۔ علامہ جرجانیؒ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں: ”والله ما عرفت الحق سبحانه وتعالى ما لم اصل في خدمة العطار“ ”اللہ کی قسم! میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ کو نہ پہچانا جب تک کہ میں شیخ عطارؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا“

حضرت شادولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے حالات زندگی کے بارے میں ”الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف“ میں لکھتے ہیں: پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیہ خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ مند ہوتے ہوئے ان کے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقہ صوفیہ حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۵: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیت کا باطنی تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ سے تھا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۶: حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین کے پاک ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتنی بارش برے کہ گندگی کو بہالے جائے۔ دوسرے اتنا سورج چمکے کہ نجاست کو جلادے اس کا نام و نشان منادے۔ اسی طرح قلب کی زمین کے لئے دو چیزیں ہیں ایک ذکر الہی جس کی مثال بارش کی سی ہے۔ دوسرا شیخ کامل جس کی مثال سورج کی سی ہے۔ ذکر سے بھی دل صاف ہوتا ہے اور شیخ کامل کی تو جہات سے بھی۔

☆..... دلیل نمبر ۱۷: حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پٹی جیسے محدث و مفسر کا باطنی تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں سے تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۸: حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اگرچہ علم کے آفتاب مابتاب تھے تاہم ان کی بیعت کا تعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے تھا۔ جب کہ حاجی صاحب فقط کافیہ تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔

☆..... دلیل نمبر ۱۹: بعض حضرات نے ایک وقت میں کئی کئی مشائخ سے فیض پایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابوسعیدؒ نے مقام رجاء حضرت رازیؒ سے مقام غیرت شاہ شجاع کرمائی سے اور مقام شفقت ابو حفص حداد سے پایا۔

☆..... دلیل نمبر ۲۰: حضرت ابوعلی رودباریؒ فرمایا کرتے تھے: تصوف میں میرے استاد حضرت جنید بغدادیؒ علم فقہ میں حضرت ابوالعباس بن شریح نخویؒ میں ثعلبؒ اور حدیث شریف میں ابراہیمؒ اور نفس کی اصلاح کے لئے بس یہی علوم ضروری ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ مشاہیر امت کو بھی کسی شیخ کامل کے زیر سایہ اور زیر تربیت رہ کر اکتساب فیض کرنے سے بلند مقامات نصیب ہوئے۔ آج بھی کوئی سالک اس منزل پر پہنچنا چاہے تو اسے انہیں راستوں پر چلنا پڑے گا۔ جن پر سلف صالحین نے چل کر وصول الی اللہ کی نعمت عظمیٰ کو حاصل کیا۔ (تصوف و سلوک ۳۵-۴۷)

### اشد ضرورت مرشد کامل پر ایک نصیحت آموز واقعہ

حضرت شیخ امام یعقوب کرنیؒ فرماتے ہیں میں ابتدائی عمر میں نجار تھا (یعنی لکڑی کا کام کیا کرتا تھا) ایک دفعہ میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں شیخ اجل حضرت امام شیخ بہا الدین نقشبندیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگوایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکاید نفس سے واقف ہوتا ہے، جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہو گا اسی سے روک دے گا۔ اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبندیؒ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ

اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں“

(تفسیر معارف القرآن، ماخذ: ضرورت مرشد: ۱/۴۴)

### ضرورت مرشدِ کامل پر عارفانہ اشعار

بے عنایت حق و خاصان حق      گر ملک باشد یہ ہستش ورق

”یعنی بغیر حکم خداوندی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی ورق سیاہ ہے۔“

نمائے بصاحب نظر گو ہر خود را      عیسیٰ نواں گشت بہ تصدیق خرچند

”کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہو سکتا“

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است      زانکہ لطف و شیخ زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

”میں ایسے پیر کا غلام ہوں کیوں کہ اس کی مہربانی ہمیشہ ہے۔ شیخ اور زاہد کی مہربانی ہے کبھی ہے کبھی نہیں۔“

اے بسا الیس آدم روئے ہست      بس بہر دستے نہاید داد دست

”اے طالب آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان ہیں۔ پس ایک کی طرف رجوع اور ہر ایک سے بیعت نہیں کرنی چاہئے۔“

ایں کہ مے بنی غلاف آدم اند      نیستند آدم غلاف آدم اند

”یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے آدمی ہونے کا غلاف ہے یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اوپر کا غلاف ہیں۔“

بے رفیق ہر کہ شد در راہ عشق      عمر بگذشت و نشد آگاہے عشق

”بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق و معرفت سے آگاہ نہ ہوا۔“

بہ منے سجادہ رنگیں کن گرت      بیہ مغاں گوید کہ سالک بے خبر بود ز راہ و رسم منزلہا

”امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلا دے تو اس پر عمل کرے اور اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے۔“

چند خوانی حکمت یونانیوں      حکمت ایمانیوں را ہم بخوان

صحت ایں حسن بجوئید از طبیب      صحت آں حسن بجوئید از طبیب

صحت ایں حسن ز معموری تن      صحت آں حسن ز تخریب بدن

”یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے، کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی کتاب تو پڑھو حسن جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو کسی طبیب سے رجوع کرو اور اگر حسن روحانی کی ترقی منظور ہو تو مرشدِ کامل سے رجوع کرو۔ حسن جسمانی سے تو بدن کی درستی ہوتی ہے اور

کہاں سے آئے صبح سے حال دل چھپاتے ہو  
 نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا  
 لیوں مفت میں گنوائے ہو ☆☆☆  
 پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ  
 ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو  
 پھر تو سچ سچ جمیل ہو جاؤ  
 ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو ☆☆☆  
 کیا کیا آتے نہیں وہ ☆  
 پھر یہ ذکر و فکر کی دھڑکن ہے اندریں راہ کار باید کار  
 اب تو لے چل اک گھڑی اس  
 جو نظر سے دور ہو ہو کر بھی ر  
 (ضرورت مرشد: ۱/۴۰-۴۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہیں کبھی اہل کمال وا:  
 دیکھ لو خالی پڑی ہے  
 ☆☆☆  
 تنہا نہ چل سکیں گے آ  
 میں چل رہا ہوں ذرا:  
 ☆☆☆  
 مجھے مل گئیں منزلیں کہ  
 تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگاتا  
 ☆☆☆  
 عارفی پیر مغاں نے ا:  
 میری ہستی مظہر اعجاز  
 ☆☆☆

اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں“

(تفسیر معارف القرآن، ماخذ: ضرورت مرشد: ۱/۲۴)

### ضرورت مرشدِ کامل پر عارفانہ اشعار

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق      گر ملک باشد یہ مستش ورق  
 ”یعنی بغیر حکم خداوندی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی ورق سیاہ ہے۔“  
 نمائے بصاحبِ نظر گوہر خود را      عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیقِ خرچند  
 ”کسی صاحبِ نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہو سکتا“  
 بندہ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است      زانکہ لطف و شیخ زاہد گاہ ہست و گاہ نیست  
 ”میں ایسے پیر کا غلام ہوں کیوں کہ اس کی مہربانی ہمیشہ ہے۔ شیخ اور زاہد کی مہربانی ہے کبھی ہے کبھی نہیں۔“

اے بسا ایتھس آدم روئے ہست بس بہر دستے نباید داد دست  
 ”اے طالب آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان ہیں۔ پس ایک کی طرف رجوع اور ہر ایک سے بیعت نہیں کرنی چاہئے۔“  
 ایں کہ مے بنی غلافِ آدم اند      نیستند آدم غلافِ آدم اند  
 ”یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے آدمی ہونے کا غلاف ہے یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اوپر کا غلاف ہیں۔“  
 بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق      عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق  
 ”بلا مرشد کے طریقِ عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق و معرفت سے آگاہ نہ ہوا۔“  
 بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید      کہ س لک بے خبر نبود ز راہ درسم منزلہا  
 ”امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلا دے تو اس پر عمل کرے اور اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے۔“

چند خوانی حکمتِ یونانیوں      حکمتِ ایمانیوں را ہم بخواں

صحتِ ایں حسن بگوئید از طبیب      صحتِ آل حسن بگوئید از طبیب

صحتِ ایں حسن ز معموری تن      صحتِ آل حسن ز تخریب بدن

”یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے، کچھ دن حکمتِ ایمانی یعنی معرفت کی کتاب تو پڑھو حسن جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو کسی طبیب سے رجوع کرو اور اگر حسن روحانی کی ترقی منظور ہو تو مرشدِ کامل سے رجوع کرو۔ حسن جسمانی سے تو بدن کی درستی ہوتی ہے اور



حسن روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے۔“

دریں زمانہ رفیقہ کہ خالی از خلل است صراحی مئے ناب و سفینہ غزل است  
”جوزمانی صحبت شیخ سے خالی ہو اس میں اس کے مکتوبات اور ملفوظات سے مستفید ہوتے رہو۔“

دست پیر از غائبان کو تاہ نیست دست او جز قبضہ اللہ نیست  
”پیر کی توجہ غائبوں سے کو تاہ نہیں یعنی پیر و مرشد اپنے متعلقین کی پس پشت بھی دُعا کرتا ہے۔ اس کا ہاتھ سوائے اللہ کے دوسرے کے قبضہ میں نہیں ہے۔“

پیر نورانی ز راہ آگہ کند در کلامش نور رہ ہمراہ کند  
”مرشد نورانی راہ سلوک سے خبردار کرتا ہے اور اپنے کلام میں نور کو ہمراہ کرتا ہے۔“  
قال را بگذار مرد و حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو  
”قال کو چھوڑو اور حال پیدا کرو۔ حال پیدا کرنے کیلئے کسی کام کی جوتیاں سیدھی کرو۔“  
نفس نتوان گشت الا بظن پیر دامن آن نفس کش راخت گیر  
”علاوہ کسی پیر کے سائے کے نفس کو اور کوئی نہیں مار سکتا۔ تم نفس مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی سے پکڑو۔“  
مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نشد  
”اس وقت تک مولانا روم ہرگز اللہ والے نہ بنے جب تک شمس تبریزی کی غلامی نہ کی۔“  
گھر ہوئے ایں سفر داری دا دامن رہبر بگیر و پس بیا  
در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفان را کلید  
”یعنی اے دل اگر راہ طریقت میں چلنا چاہتا ہے تو کسی شیخ کا دامن پکڑو اور خودی کو چھوڑ دے۔ اپنے راہ طریقت میں سچا اور ثابت قدم رہو تاکہ اس خزانہ کی چابیاں تجھ کو مل جائیں یعنی تو کامیاب ہو جائے۔“

یار باید راہ را تنہا مرد بے قلاؤ ز اندریں صحرا مرد

”راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم نہ رکھو۔“

ہر کہ تنہا نادریں ایں راہ برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

”جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے خود طے کیا وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے طے کیا ہے۔“

میسر چوں مرا صحبت بجاں عاشقاں آید ہمیں یتیم کہ جنت برز میں از پیاں آمد

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں

پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں گلاتو گونہ دیا ہے اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صد الا الہ الا اللہ

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زور سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

☆☆☆☆

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ تتبع بے دلیل ہو جاؤ  
پھر توجہ مچ جمیل ہو جاؤ یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

☆☆☆☆

کیا کیا آتے نہیں وہ کبھی سائل کے پاس  
پھر یہ ذکر و فکر کی دھڑکن ہے کیسی دل کے پاس  
اب تو لے چل اک گھڑی اس صاحب محفل کے پاس  
جو نظر سے دور ہو ہو کر بھی رہے نظروں کے پاس

☆☆☆☆

ہیں سبھی اہل کمال و اہل دل مصروف کار  
دیکھ لو خالی پڑی ہے ہر جگہ استاد کی

☆☆☆☆

تنہا نہ چل سکیں گے آپ محبت کی راہ میں  
میں چل رہا ہوں ذرا میرے ساتھ آئے

☆☆☆☆

مجھے مل گئیں منزلیں کہ ہوا کہ رخ بدل گئے  
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگے تو چراغ راہ کے جل گئے

☆☆☆☆

عارف پیہر مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر  
میری ہستی مظہر اعجاز بن کر رہ گئی

☆☆☆☆

ایروں غیروں کو تم سناتے ہو      شیخ سے حال دل چھپاتے ہو  
 راہ پر تم کیوں نہیں آتے ہو      عمر کیوں مفت میں گنواتے ہو

☆☆☆☆

نفس کو اپنے پامال کرو      ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو  
 شیخ سے کھل کے عرض حال کرو      ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو

☆☆☆☆

کارکن کا بگذا راز گفتار      اندریں راہ کار باید کار

(ضرورت مرشد: ۴۰-۴۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## شرائط مرشد

لیکن پیر کی چند شرطوں کو معصوم کرنا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح طور پر کامل پیر کی تلاش ہو سکتے۔

۱۔ شرط اول: شرط اول قرآن مجید اور حدیث شریف کا علم ہے اور اس سے میری یہ مراد نہیں کہ نہایت درجے کا ہونا ضروری ہے بلکہ قرآن شریف کے علم تفسیر مدارک یا جلالین یا اسی قسم کی کسی تفسیر کو کسی عالم سے پڑھ لیا ہو اور اس کے معنوں اور ترجمے اور مشکل الفاظ کے معنی اور شان نزول، اعراب، قصص، دو مختلف چیزوں میں میل (مطابقت) پیدا کرنا، نسخ و منسوخ کا پہچانا، قرآن مجید سے ثابت ہونے والے مسائل کا پہچانا حاصل ہو جائے اور حدیث شریف کے علم میں کتاب مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کو پڑھ اور سمجھ چکا ہو۔ اس کے معانی اور عجیب شرحوں مشکل الفاظ کا ترجمہ اور مشکل اعراب اور تاویل معضل کی بنا پر مذہب کے فقہاء کی رائے معلوم کر چکا ہو، اور بیعت لینے کے لئے قرآن مجید کے علم میں اختلاف قرأت کا یاد رکھنا اور عم حدیث میں سندوں کے حال کی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے، اور اسی طرح علم اصول فقہ اور اصول حدیث اور جزئیات فقہ اور فتاویٰ کا یاد رکھنا لازمی نہیں ہے اور پیر کے لئے عالم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بیعت سے غرض مرید کو شرع کے کاموں کا حکم کرنا اور خلاف شرع باتوں سے روکنا، دل کو اطمینان اور تسلی کی طرف لے جانا، بری عادتوں سے روکنا، اچھی عادتوں کے حاصل کرنے کے لئے حکم کرنا اور پھر مرید کا ان سب باتوں پر عمل کرنا ہے۔ پس جو شخص ان باتوں سے واقف اور عالم نہیں ہوگا اس سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ تصوف تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) یہ کہ اس کی معرفت کا نور اس کے پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھا دے۔

(۲) یہ کہ اندرونی علم کیساتھ اس طرح بات نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ظاہر اس کو ناقص کر دے۔

(۳) یہ کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں ان کی توہین کر کے بزرگی حاصل نہ کرے۔

اور اس کے مانند بزرگوں کے بہت سے اقوال بیان کئے گئے ہیں، جس کا جی چاہے بڑی بڑی کتابوں میں دیکھ لے۔ اسی لئے سب بزرگوں نے کہا ہے کہ سوائے اس شخص کے جس نے استاد سے سبق پڑھا ہو اور حدیث کی روایت کی ہو اور کوئی شخص وعظ نہ کرے۔

لیکن چونکہ اس گئے گزرے زمانے میں ان باتوں کا پایا جانا بہت کم ہے اس لئے ایسا آدمی جس نے پرہیزگار علماء کی بہت مدت تک صحبت حاصل کی، وادراں سے ادب سیکھا ہو، حلال، وحرام، کی تمیز حاصل کی ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام سن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے قول فعل اور حالت کو قرآن مجید اور سنت کے موافق کر لیتے ہو تو امید ہے کہ مذکورہ بالا علم نہ ہونے کی صورت میں اس قدر معلومات بھی اس کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ (نقطہ واللہ اعلم)

☆..... شرط دوم: دوسری شرط عدالت اور تقویٰ ہے یعنی واجب ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اڑ (اصرار) نہ جاتا ہو اور پیر کے لئے تقویٰ اس لئے شرط ہوا کہ بیعت دل کی صفائی کیلئے شرط ٹھہری اور انسان کی فطرت اپنے ہم جنسوں کی پیروی کرتا ہے، اور

دل کی صفائی میں صرف قول بغیر عمل کے کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الف: ۲) ”اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔“ پس جو پیر خود اچھے عمل نہیں کرتا اور زبانی باتیں ہی بناتا ہے تو وہ بیعت کی حکمت کو ضائع کرنے والا ہے۔

☆..... شرط سوم: تیسری شرط یہ ہے کہ دنیا سے نفرت کرنے والا اور آخرت کی طرف دل لگانے والا ہو۔ تاکیدی عبادتوں اور ایسے ذکر اور وظیفوں پر جو کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں پوری پابندی کے ساتھ عمل کرتا ہو، دل کا تعلق ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہو اور اس کو یادداشت کی پوری مشق ہو (یادداشت سے مراد بے ارادہ اور بے اختیار دل سے اللہ اللہ کرنا ہے)

☆..... شرط چہارم: یہ ہے کہ شرع کی باتوں کا حکم کرتا ہو اور شرع کے خلاف کاموں سے روکتا ہو، اپنی رائے پر مضبوط اور پکا ہو، ہر جانی اور ہر دم خیالی نہ ہو۔ یعنی وہ اپنی ایک رائے اور ایک ارشاد رکھتا ہو، مروت اور عقل سلیم والا ہوتا کہ اس پر اور اس کے بتائے اور روکے ہوئے کاموں پر بھروسہ کیا جائے۔

☆..... شرط پنجم: پانچویں شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا ایسے کامل پیروں کی صحبت میں رہا ہوں جن کا سلسلہ تعلق آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور دل کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو، اور یہ اس واسطے شرط ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری ہے کہ جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے اس وقت تک مراد نہیں ملتی اور جس طرح انسان کو ظاہری علم عالموں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اسی طرح باطنی علم کے لئے بھی بزرگوں کی صحبت ضروری ہے اور اسی قیاس پر لوہار اور بڑھئی وغیرہ کے پیشے ہیں۔

☆..... تنبیہ: کرامات اور عادت کے خلاف باتوں کا ظاہر ہونا اس لئے شرط نہیں کہ ان کا دار مدار مجاہدوں اور ریاضتوں پر ہے اور یہ بات شرع شریف کے خلاف چلنے والوں اور کفار مثلاً جو گیوں وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے کمال کی شرط نہیں ہے اور پیشے کا چھوڑ دینا اس لئے شرط نہیں ہے کہ شرع شریف کے خلاف ہے اور وہ جو بعض کمال والے لوگ کسی حالت کے غلبے کی وجہ سے حلال روزی کمانے کی طرف خیال نہیں کرتے، ان کے فعل کو نہ مانے پر دلیل نہ پکڑنا چاہئے۔ بزرگوں نے تو یہی لکھا ہے کہ تھوڑی پر صبر کرنا شبہ شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرنا یعنی مکروہ اور شبہ کے مال اور پیشے سے بچنا ضروری ہے اور پوری طرح سے دنیا کو چھوڑ کر الگ تھلگ پہاڑوں یا جنگلوں میں رہنا اور اپنے اوپر سخت عبادتوں کو ضروری سمجھنا جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات جاگنا اور بیوی سے بالکل الگ رہنا، لذیذ کھانا نہ کھنا وغیرہ جس کو ہمارے وقت کے عام جاہل لوگ کمال کی شرط جانتے ہیں اس لئے شرط نہیں کہ یہ باتیں دین میں زیادتی اور نفس پر سختی کرنے میں داخل ہیں اور آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“ (فتح الباری ۱۸/۸۷، نیل الاوطار ۶: ۲۳۱، کشف الخفاء ۲: ۵۱۰، رقم ۵۴۳)

”اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) جائز نہیں“ اور فرمایا: ”وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا“ ”تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔“

(ترمذی ۲۰۸۳/۳، رقم ۲۴۳، مستدرک ۶/۱۳، رقم ۶۹۰۰، ابن حبان ۶/۱۰۰، رقم ۳۲۸، معجم سلوک ۵۷۵۳)

☆..... نتیجہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اپنی فتاویٰ ”فتاویٰ محمودیہ“ میں شرائط مرشد تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل یہ ہے

کہ عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ کا اختیار کرنا ضروری ہے اور عقائد باطلہ، اخلاق رذیلہ، اعمال فاسدہ سے تحفظ ضروری ہے خواہ بذریعہ بیعت ہو یا تحصیل علم سے ہو یا صحبت اکابر سے ہو، لیکن تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ عموماً بغیر شیخ محقق سے بیعت ہونے کے یہ مقصد پورا حاصل نہیں ہوتا ہے۔

شیخ محقق کے اوصاف یہ ہیں:

- (۱) عجم ضروری کتاب و سنت کا رکھتا ہو خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے سکر۔
- (۲) عدالت و تقویٰ میں پختہ ہو، کبائر سے اجتناب رکھتا ہو، صفائے ضمیر پر مصر نہ ہو۔
- (۳) دنیا سے بے رغبت ہو (حب مال و حب جاہ سے خالی ہے) آخرت میں رغبت رکھتا ہو، طاعتِ موکدہ واذکار منقولہ و مردیہ کا پابند ہو۔

(۴) "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا عادی ہو۔

(۵) سلوک، تزکیہ باطن کی مشائخ معتبر سے حاصل کیا ہو اور ان کی صحبت میں کافی رہا ہو۔

(۱) حدیث: "مجاہد بن جریج نے روایت کی کہ وہی ۱۰۴، ۱۰۵ میں یہ تحصیل مذکور ہے۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند یونیورسٹی، ماخذ فتاویٰ مجددیہ ۳/۳۵۸-۳۵۹، نیز ملاحظہ فرمائیں: صفحہ ۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۵

شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں: "فشرط من يأخذ البيعة أمور:

- (۱) احدها: علم الكتاب والسنة.
- (۲) والشرط الثاني: العدالة والتقوى.
- (۳) والشرط الثالث: ان يكون زاهداً في الدنيا راغباً في الآخرة.
- (۴) والشرط الرابع: ان يكون أمر بالمعروف ناهياً عن المنكر.
- (۵) الشرط الخامس: ان يكون صاحب المشايخ متأدب بهم دهرًا طويلاً و اخذ منهم نور الباطن والسكينة"

(القول الجليل للشيخ ولي اللہ ۶-۹ مولیاں کا ندر محلہ مظفر نگر اوپر دیش، بحوالہ بالا)

خلاصہ یہ کہ بیعت کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا چاہئے:

بیعت کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا چاہئے: جو صحیح معنی میں ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ہو، متبع سنت اور جامع الشریعت و الطریقت ہو، تاکہ مقصد بیعت حاصل ہو سکے، اس کی خلاف تصوف و طریقت سے بالکل نا آشنا بدعتی قسم کے، نام کے ولی جو مختلف قسم کی بدعتوں کے مرتکب ہوں، فرائض و واجبات کی پرواہ نہ کرتے ہوں، تارک سنت ہوں، ان کو ولی اللہ سمجھنا یا ان سے بیعت ہونا قطعاً جائز نہیں۔

... قال تعالى: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا... أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا﴾ (الفرقان: ۷۶-۷۷)

قال جنید البغدادی: مَذْهَبُنَا هَذَا مُقَيَّدٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ لَمْ يَقْرَأِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيثَ لَا

يُقْتَدَى بِهِ فِي مَذْهَبِنَا وَطَرِيقِنَا“ (البرایہ ۱۱۳/۱)

○ ... وکان جنید بغدادی یقول ایضاً إِذَا رَأَيْتُمْ شَخْصاً مُتَرَبِّعاً فِي الْهَوَاءِ فَلَا تَلْتَفِتُوا إِلَيْهِ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُمُوهُ مُقَيِّدًا  
إِلَّا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ“ (البرایہ ۹۳/۲)

○ ”الولیٰ ہو العارف باللہ تعالیٰ وصفاته بحسب ما یمكن ... المواظب ای الملازم علی الطاعات حتی  
قيل ان الولی الکامل لا یتربک المندوب المجتنب عن المعاصی حتی انه یمخرج بالکسرة واصرار الصغیر عن الولاية  
المعرض عن الانهماک ای الاستغراق فی اللذات والشهوات“ (نیرس ۲۹۵)

○ . يستحب عندنا اذا فرغ الانسان من تصحيح العقائد وتحصيل المسائل الضرورية من الشرع ان يبايع  
شيخا راسخ القدم في الشريعة زاهدا في الدنيا راغبا في الآخرة قد قطع عقبات النفس وتمرن في المنحيات  
وتبتلعن المهلكات كاملا مكملا ويضع يده في يده“ (محمد علی المنجد ۲۰)

☆ ..... بیعت سے مقصود شیخ کامل کی اتباع کر کے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح ہے، لہذا صرف بیعت پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے  
کہ میں فلان شیخ سے بیعت ہو گیا ہوں، بلکہ مقصد بیعت حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اور شیخ کی رہنمائی میں ہر وقت اپنے ظاہر و باطن  
کی اصلاح میں لگے رہنا چاہئے۔

○ . ”فان اهتدى الطالب بعناية الحق . . . جل سلطانه الى مثل هذا الشيخ الكامل المكمل ووصل اليه ينبغي  
ان يغتنم وجوده وان يفرض نفسه اليه بالتمام وان يعتقد سعادته في مرضياته وشقاوته في خلاف مرضياته  
وبالجملة ينبغي ان يجعل هواه تابعا لرضاه . . . اعلم ان رعاية آداب الصحة ومراعاة شرائطها من ضروريات  
هذا الطريق حتى يكون طريق الافادة والاستفادة مفتوحا وبدونها لا نتيجه للصحة ولا ثمرة للمحاسة“  
(المكتوبات الربانية ۱۸۹، ۲، المكتوب الثاني، التاسعون والمائتان)

(ماخذ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت برکاتہم العالیہ ص ۲۱۳ تا ۲۱۷، خذ مفصل فتاویٰ السنۃ والجماعۃ مسند ائمہ الخراف)

### شرائط مسترشد

اب جاننا چاہئے کہ مرید کے لئے بھی بیعت تقویٰ کے شرائط ہیں اور وہ یہ کہ بیعت ہونے والا عاقل، بالغ، اور شوق والا ہو، اس لئے کہ نابالغ  
اور دیوانہ خود ایمان کا مکلف نہیں تو تقویٰ اور عبادتوں میں مجاہدہ کرنے کا کیونکر ہو سکتا ہے؟

☆ ..... حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک لڑکا حاضر ہوا تا کہ آنحضرت ﷺ سے بیعت کرے آنحضرت ﷺ  
نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے واسطے برکت کی دعا کی لیکن بیعت نہ لی۔

بعض بزرگوں نے لڑکوں کو بیعت کرنا جائز رکھا ہے وہ برکت اور نیک فالی کے لئے ہے اور دلیل اس کی صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ زبیرؓ  
کو بیعت کے واسطے لائے اور وہ ساتھ یا آٹھ برس کے تھے پس رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی طرف توجہ کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے پھر ان

190 سے بیعت لی۔ (عمدة السلوک: ۵۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



## اداب

☆..... ادب لغت میں: ادب باب ”کرم“ سے بھی آتا ہے اور ”ضرب“ سے بھی، کرم سے اس کا مصدر ”أَذَبَ“ (بفتح الدال) آتا ہے: ادب والا ہونا، اسی سے ادیب ہے، جس کی جمع ادباء ہے اور باب ضرب سے اس کا مصدر ”أَذْبَأُ“ (بکون الدال) دعوت کا کھانا تیار کرنے اور دعوت دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی سے اسم فاعل ”آدب“ ہے، جس کے بارے میں علامہ بن منظور افریقی لکھتے ہیں: الآدب: الداعی الى الطعام، قال طرفة:

نحن في المشتاة ندعوا الجفلى

لاترى الآدب فينا ينتفر

(لسان العرب: ۹۳۰)

”ہم موسم سرما میں دعوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، آپ ہم میں سے کھانے کی طرف بلانے والے کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ کسی کو بھگائے یا دعوت کی طرف نہ آنے دے۔“

☆..... ادب باب افعال سے بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔

☆..... باب تفعیل سے علم سکھانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ زجاج کا قول ہے: ”وهذا ما أَدَبَ الله به نبيه“ ای عَلمَ الله نبيه“ (اینا)

☆..... باب استفعال اور باب تفعّل دونوں سے ادب سیکھنے اور ادب والا ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ (اینا)

☆..... ادب سے ایک لفظ ”مأذبة“ نکلا ہے، عبداللہ بن حسین عکبری نے ”المشوف المعلم“ میں اس کے متعلق لکھا: المأذنة: بضم الدال وفتحها، الطعام يصنعه الرجل ويدعو اليه الناس“ (المشوف المعلم: ۵۹)

”یعنی ”مأذبة“ اس کھانے کو کہتے ہیں جو آدمی لوگوں کی دعوت کے لئے تیار کرے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: ”ان هذا القرآن مأدبة الله تعالى في الارض فتعلموا من مأذنته“ ”یہ قرآن زمین میں اللہ تعالیٰ کا پیغام دعوت ہے سو تم اس سے علم سیکھو۔“

قرآن پر ”مأذبة“ کا اطلاق اس معنی میں کیا گیا کہ جس طرح کھانے کی طرف بلایا جاتا ہے اسی طرح قرآن کی جانب بھی بلایا گیا ہے۔ (لسان العرب ماخذ سابق، ج ۱، ص ۷۲)

مأذبة: کی جمع مأدب آتی ہے۔

☆..... ادب اصطلاح میں: ادب کی اصطلاحی تعریف میں علماء کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں:

(۱)..... علامہ مرتضیٰ زبیدی نے اپنے شیخ کے حوالہ سے یہ تعریف نقل کی ہے: ”الادب ملكة تعصم عمن قامته به عما يشينه“

(۱) تاج العروس (۱۳۴/۱) ”ادب ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، ہر ناشائستہ بات سے اس کو بچاتا ہے۔“

(۲) .. ابو زید انصاری نے ادب کی تعریف کی ہے: ”کل ریاضۃ محمودۃ یتخرج بها الانسان فی فضیلة من الفضائل“ (ایضاً) ”ادب ایک ایسی اچھی ریاضت ہے جس کی وجہ سے انسان بہتر اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔“

(۳) .. بعض لوگوں نے تعریف کی ہے: ”هو تعلم ریاضۃ النفس ومحاسن الاخلاق“ (ایضاً) ”ادب ریاضت نفس اور بہتر اخلاق کی تعلیم کا نام ہے۔“

(۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ادب کی تعریف نقل کی ہے: ”الادب هو

حفظ اشعار العرب و اخبارها، والاخذ من کل علم بطرف“ (کشف الظنون: ۵۷۱/۱، مقدمہ ابن خلدون: ۵۵۳)

”ادب عرب کے اشعار، ان کی تاریخ و اخبار کے حفظ اور عربی زبان کے دوسرے علوم سے بقدر ضرورت اخذ کا نام ہے“

(۵) .. سید شریف جرجانی نے ”تعریفات“ میں اور صاحب منجد نے ”المنجد“ میں علم ادب کی تعریف کی ہے: ”هو علم يحترز به عن

الخلل فی کلام العرب لفظاً و کتاباً“ (التعریفات للجرجانی: ۶، المنجد: ۵)

”علم ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کلام عرب میں لفظی اور تحریری غلطی سے بچ سکے۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک ہے ادب اور ایک ہے علم ادب، ادب کا مفہوم علم ادب سے زیادہ وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، ادب ایک خاص ملکہ کا نام ہے اس کا حسن اگر صورت و طریقہ آجائے تو تہذیب کا نام پائے، اگر کسی انسان کی زبان کی زینت بنے تو ادب سے موسوم ہو، اگر عام عبارت میں ہو تو ادبی نثر بنے، اگر کلام میں وزن کا بھیج اختیار کرے تو شعر کہلائے اور اگر بے معنی اصوات کی ہم آہنگی کو شرف بخشے تو موسیقی بن جائے، ادب کی تعریف میں یہ جتنے اقوال ہیں، یہ اسی صنف حسن کو اجاگر کرنے کی اپنے اپنے الفاظ میں تعبیر کی کوششیں ہیں۔

عبار اتناشتی و حسنک واحد

و کل الی ذلک الجمال یشیر

جہاں تک علم ادب کا تعلق ہے تو موخر الذکر و تعریضیں اس کے مصداق، مفہوم اور مقصد کے قریب تر ہیں۔ (توضیح الدرر شرح باب النمارہ ۲۵-۲۸)

☆..... ادب کی وجہ تسمیہ: علامہ ابن منظور افریقی نے علم ادب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے: الادب: سُمی ادباء، لانه یأدب

الناس الی المحامد..... واصل الادب الدعاء“ (لسان العرب: ۹۳/۱)

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى﴾ (النجم: ۱۷) ”آپ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ کسی اور طرف کو ہٹی“ مروی ہے کہ اس سے مراد بارگاہ رب العزت کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

☆..... ادب کا سیکھنا حق ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَرَا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: ۱) ”اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔“

☆..... ابن عباسؓ نے اس کی تفسیروں کی ہے کہ انہیں عقل مند اور سمجھدار بناؤ اور انہیں ادب سکھاؤ۔“

## ادب کے بارے میں اقوال مشائخ

☆..... حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ: بچے کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کا ادب بہتر بنائے۔ (بیہقی ۸۶۶)

☆..... سعید ابن المسیبؓ کی حکایت ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور اللہ کے اوامر و نواہی پر کار بند نہ رہا، تو وہ شخص ادب سے بے بہرہ ہے۔

☆..... روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔ (کشف الخفاء، ۱۶۳)

☆..... استاد ابوعلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ادب بجالانے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

☆..... انہی سے مروی ہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا، جس نے نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہا، مگر اس شخص نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا (اور اسے ناک تک نہ جانے دیا)۔ استاد سے مروی ہے کہ ابوعلی دقاق کا اشارہ اپنی طرف ہے، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان اور کے متعلق یہ معلوم کرے کہ اس نے نماز میں اپنا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔

☆..... استاد ابوعلیؒ کسی چیز کیساتھ سہارا نہ لگایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مجمع کے اندر تھے۔ آپ کے سہارے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ آپ کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھا گیا۔ مگر آپ تکیہ سے تھوڑا ہٹ گئے۔ خیال ہوا کہ شاید آپ اس لئے ہٹ گئے کہ تکیہ کے اوپر کوئی کپڑا دیا جائے، تو آپ نے خود فرمایا: میں تکیہ لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد غور ہوا تو دیکھا کہ آپ (ادب کی وجہ سے) کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

☆..... احمد بن محمد البصریؒ نے جلا جلی البصری سے روایت کی کہ توحید ایسا موجب ہے، جس سے ایمان (بالرسالت) واجب ہو جاتا ہے، لہذا جس کا ایمان نہیں اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے، جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے، لہذا جس کی شریعت نہیں، اس کا نہ ایمان ہے، نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے، جس سے ادب واجب ہوتا ہے، لہذا جس کے پاس ادب نہیں، اس کی نہ شریعت ہے، نہ ایمان اور نہ توحید۔

☆..... ابن عطاءؒ سے مروی ہے کہ ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے۔ کسی نے پوچھا: اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آئے، جب تو ایسا ہوگا، تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو، ادیب کہلائے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

اذا نطقت جاءت بكل ملاحۃ وان سکت جاءت بكل ملبیح

”جب بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور جب چپ رہتی ہے، تو بھی ہر طرح کی ملاحت ظاہر ہوتی ہے۔“

☆..... عبداللہ الرازیؒ نے عبداللہ الحریریؒ سے روایت کی کہ خلوت میں بیٹھتے وقت میں بیس سال اپنے پاؤں نہیں پھیلائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اچھے آداب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

☆..... استاد ابوعلیؒ سے مروی ہے کہ جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا، تو اس کی جہالت اسے قتل کروادے گا۔

کسی نے ابن سرین سے پوچھا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا، اس کی اطاعت گزاری کرنا، خوشی پر اس کا شکریہ ادا کرنا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

یحییٰ بن معاذؒ سے مروی ہے کہ جب عارف باللہ، اللہ تعالیٰ کیساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے، تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کیساتھ ہلاک ہو گیا۔

استاد ابوغلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ ادب کے ترک کر دینے سے انسان دھڑکارا جاتا ہے۔ لہذا جس نے بساط ادب پر سوء ادبی کی، اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ لوگ علم و ادب کرنے کی طرف کثرت سے راغب ہو رہے ہیں، ان میں سے دنیا میں کون سا عمل اللہ تعالیٰ تک زیادہ پہنچا دینے والا ہے؟ فرمایا: ”تفقه فی الدین“ دنیا سے کنارہ کشی اور یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر کیا حق ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ سے مروی ہے کہ جس نے آداب خداوندی کا لحاظ رکھا، وہ ان لوگوں میں سے ہو گیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ بسئل سے مروی ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لئے، اللہ تعالیٰ ہی سے مدد و طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے آداب خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

ولید بن عقبہؒ نے ابن مبارکؒ سے روایت کی کہ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے لے گزر چکے تھے۔

☆... تین خصالتیں: مروی ہے کہ تین خصالتوں کے ہوتے ہوئے انسان اجنبی معلوم نہیں ہوتا: (۱)..... مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی۔ (۲) حسن ادب۔ (۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

اسی سلسلہ میں شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

یزن الغریب اذا ما اغترب      ثلاث فمہن حسن الادب  
وثالیہ حسن اخلاقہ      وثالثہ اجتناب الریب

☆... تین چیزیں زینت: جب کوئی مسافر سفر میں جائے، تو تین چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں: (۱) حسن ادب (۲) اخلاق (۳) شکوک اور تہمت کی باتوں سے بچنا۔

جب ابو حفصؒ بغداد میں آئے، تو جنیدؒ نے ان سے کہا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ اس پر ابو حفصؒ نے جواب دیا: ظاہری حسن ادب، باطنی حسن ادب کا ائمہ دار ہے۔

عبد اللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ عارف باللہ کے لئے ادب اسی طرح ضروری ہے جس طرح مبتدی کے لئے توبہ۔

منصور بن خلف مغربیؒ سے مروی ہے کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اس نے جواب دیا: میں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

☆..... اہل ادب تین قسم کے ہیں: ابو حاتم السجستانی نے ابو نصر الطوسی السراج سے روایت کی کہ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں۔

(۱)..... اہل دنیا: ان کے بیشتر آداب، فصاحت و بلاغت، علوم اور بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔

(۲)..... اہل دین: ان کے بیشتر آداب، ریاضت نفس، تادیب جوارح، حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں۔

(۳)..... اہل خصوصیت: ان کے بیشتر آداب، دلوں کو پاک رکھنا، راز ہائے الہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا، حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ، طلب اور التجاء کے مواقع اوقات حضور (بدرگاہ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسن ادب۔

☆..... بہل بن عبد اللہ سے حکایت ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کر لیا، وہ شخص اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہو گیا۔

☆..... مروی ہے کہ انبیاء اور صدیقین کے سوا کسی کو کمال ادب حاصل نہیں۔

☆..... عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

☆..... شبلی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ بات کرتے ہوئے شرم و حیاء کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

☆..... ذوالنون سے مروی ہے کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے، کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے، یعنی حق تعالیٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

☆..... کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہ فرماتا ہے: جس شخص کو میں نے اپنے اسماء و صفات میں غور و فکر کرنے پر لگائے رکھا، اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی، میں نے اس کے لئے بلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان سے جو چاہو اختیار کرو، خواہ، ادب، یا عصب (ہلاک)۔

☆..... مروی ہے کہ ایک دن ابن عطاء نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلائے اور فرمایا کہ اہل ادب کے درمیان ہوتے ہوئے ادب ترک کر دینا بھی ادب ہے۔ اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں روایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ابو بکر عمرؓ بیٹھے تھے کہ عثمانؓ آگئے تو آپ نے اپنی ران ڈاھانپ لی اور فرمایا کہ جس شخص سے فرشتے حیاء کرتے ہیں، کیا میں اس سے حیاء نہ کروں؟ (اخرجہ مسلم: ۲۴۰۱، احمد: ۲۶۵۰)

اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تنبیہ کر دی کہ اگرچہ عثمانؓ کا احترام بڑا تھا، مگر آپ کی جو کیفیت ابو بکر عمرؓ کے ساتھ تھی، اس سے زیادہ دوستی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔

یہ اشعار تقریباً اسی مفہوم کے ہیں:

و قلت ما قلت غیر محتشم

ارسلت نفسی علی سجدتہا

مجھ میں انقباض و احترام پیدا جاتا ہے، مگر جب اہل و فاء و کرم سے صحبت ہوتی ہے، تو اپنے نفس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں اور پھر جو بھی کہنا ہوتا ہے، بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔

☆..... جنیدؒ سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت ہو جاتی ہے، تو ادب کے شروط ساقط ہو جاتے ہیں۔

☆..... ابو عثمانؒ سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت پیدا ہو جاتی ہے، تو مصاحب پر پاس ادب رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

☆..... نوریؒ سے مروی ہے کہ جس نے غلبہ احوال کے وقت ادب کا لحاظ نہ رکھا، اس کی حالت (وقت نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

☆..... ذوالنونؒ سے مروی ہے کہ جب کوئی مرید (جو مبتدی ہے) ادب کا خیال نہیں رکھتا، تو وہ لٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے، جہاں سے چلا تھا۔

☆..... استاد ابو علی دقاقؒ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء: ۸۳) کی تشریح یوں کی کہ ایوبؑ نے ارحمی اس لئے نہیں کہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے پاس ادب رکھا۔

☆..... اسی طرح عیسیٰؑ نے کہا، جب گزارش کی: ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تُهِنُّمُ عِبَادُكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے، تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، نیز عرض کیا: ﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ (المائدہ: ۱۱۶) ”اگر میں نے کہا ہوگا، تو اے اللہ! تجھے اس کا علم ہے۔“ حضرت عیسیٰؑ نے پاس ادب رکھتے ہوئے ”لم اقل“ (میں نے نہیں کہا) نہیں کہا۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم اردو: ۴۲۳ تا ۴۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## آدابِ شیخ اجمالاً

☆..... حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أَذِنْبِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي“ (کشف الخد، ۲/۱، ۷۴، ۱۶۴)

”میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس بہت ہی اچھا ادب سکھایا۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سالک کے لئے آداب کی رعایت لازمی ہے کوئی بے ادب منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَقْعَدُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (الحجرات: ۱) ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سبقت نہ کرو“

☆... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات: ۲)

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح (بے تکلفی کے ساتھ) زور سے کلام مت کرو جس طرح ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بقول شیعہ:

تموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

☆... حضرت ابو حفص نیشاپوری کا قول ہے: ”التَّصَوُّفُ كُلُّهُ آدَبٌ“ ”تصوف سراسر ادب ہے“ کسی شاعر نے کہا ہے:

آدَبُ النَّفْسِ أَيُّهَا الْأَصْحَابُ طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا آدَابُ

”اے دوستوں! اپنے نفوس کو ادب سکھاؤ۔ کیونکہ عشق کے سب راستے آداب ہی ہیں“

لہذا فحوائے مذکورہ بالا، ذیل میں چند (اجمالاً) آداب لکھے جاتے ہیں (جو کہ ”عمدة السلوک“ سے نقل کئے گئے ہیں) جن کی پابندی مریدین کیلئے از حد ضروری ہے۔

مرید کو چاہئے کہ پیر کی خوب ادب رکھے۔ اس کی صحبت و خدمت کو اپنے اوپر واجب کر لے اور اس کی محبت میں مخمور ہو جائے۔ اپنی خواہش کو اس کی خوشی کے تابع بنادے (مرشد کی ظاہری حیثیت، قومیت، شہرت و شوکت اور پیشہ وغیرہ پر نظر نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے) اور ذکر کی جو تعلیم و تلقین پیر اس کو کرے اس کا پابند رہے اور اس کی نسبت یوں اعتقاد رکھے کہ جو فائدہ مجھ کو اپنے پیر سے پہنچ سکتا ہے وہ اس زمانے کے کسی اور بزرگ سے نہیں پہنچ سکتا۔ پیر کو یہ سمجھنا کہ اس کو ہر وقت ہمارا سب حال معلوم ہے سخت گناہ ہے اور جو فیض اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے، اور اگر واقع میں دیکھے کہ فیض اور بزرگ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے ہی پیر سے جانے اور جان لے کہ وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس کی استعداد کے موافق پیر کے خاص فیض سے ظاہر ہوا ہے۔ جس کو اس نے محبت کے غلبے کے باعث دوسرا خیال کیا ہے اور اس سے فیض جانا ہے یہ بڑا بھاری دھوکا ہے، اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ کے صدقے سے اس لغزش سے بچائے۔ آمین۔

شیخ کی خدمت میں ہر وقت با وضو ہے، کم کھانے، کم سونے اور کم کلام کرنے کی عادت ڈالے، پیر اگر دینی امور میں کچھ حکم کرے تو اس کا

بجلائے (مرشد کے فرمان کو فوراً بجلائے۔ اس کے فعل کی اقتداء اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔) پیر کی اگر مالی خدمت کرے تو اس کا اظہار نہ کرے اور اس بات کی طمع یا مطالبہ نہ کرے کہ پیر مجھ کو کچھ دے۔ اور اپنا احسان شیخ پر نہ جتائے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے میری چیز کو قبول کیا اور رد نہیں کیا۔ پیر کے سامنے لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو، پیر اگر کسی کی تعظیم کو اٹھے تو مرید کو بھی چاہئے کہ پیر کی پیروی کرے اور پیر سے جب گفتگو کرے تو نرمی اختیار کرے بلند آواز سے نہ بولے اور پیر کے روبرو ہتھ نہ لگائے۔ اس کی مجلس میں نہایت ادب کے ساتھ بیٹھے (اور اس کے کلام قدسی کو نہایت غور سے سنتا رہے ادھر ادھر نہ دیکھے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے بوقت ضرورت مختصر کلام کرے۔ اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے) (پیر کی مجلس میں اپنے آپ کو کسی طرح ممتاز نہ کرے) اور اپنی حیثیت سے اونچی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے اور جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، اپنے تئیں حقیر ظاہر کرے اور پیر کے متعلق بداعتقاد کو اپنے سینے میں نہ آنے دے، اگر کوئی آئے بھی تو استغفار کرے، (دل میں کوئی شبہ گزرنے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے عرض کر دے اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا قصور سمجھے۔ اگر مرشد کوئی جواب نہ دے تو جان لے کہ میں جواب کے لائق نہ تھا۔ پیر کے قرابت داروں اور عزیزوں سے صلہ رحمی رکھے پیر بھائیوں اور طالبوں کی رعایت کرے اور پیر کی ہر ایک چیز کا ادب و احترام کرے، اور جو کچھ واقعہ سامنے آئے پیر سے بیان کرے (اپنے احوال باطنی (اچھے ہوں یا برے) مرشد کے سامنے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب روحانی ہے اطلاع کے بعد اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔) (خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد کی خدمت میں عرض کرے اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی بیان کرے۔) پیر کے فرمان کو رد نہ کرے البتہ اگر ممکن نہ ہو تو عذر کرے، جو کچھ شیخ کرے اس پر حجت نہ کرے، حتی الامکان تاویل سے کام لے اور پیر جو حکم کرے اس کو دلیل سمجھے، اگر پیر اس جہان سے رحلت کر گیا ہو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے، پیر کے روبرو بیہودہ باتیں نہ کرے، نہ کسی کے عیب کو بیان کرے (شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں رہے۔ اپنا ظاہر و باطن ایک طرح پر رکھے یعنی دل اور زبان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ رکھے۔) (شیخ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے دل تنگ نہ ہو اور بدگمانی کو راہ میں نہ آنے دے کیونکہ شیخ کی سختی طالب کے لئے صیقل کا کام کرتی ہے۔) اور پیر کے روبرو کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے جس سے وہ ناراض ہو جائے اور جب پیر ناراض ہو جائے تو برا نہ مانے اور اسکی رضا جوئی کرے، اس کی باتوں کو کان لگا کر سنتا رہے اور اس کے کاموں اور باتوں پر اعتراض نہ کرے اور بحث اور جھگڑے پر نہ آجائے۔ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ پیر کی خدمت میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو (شیخ کے پاس بیٹھ کر وظیفہ وغیرہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا لازمی ہو تو اسکی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔) اس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ بھی کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے سایہ یا کپڑے پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے، (جس جگہ مرشد بیٹھا ہو اس طرف پاؤں نہ پھیلائے اس کی طرف منہ کر کے نہ تھو کے اگر چہ سامنے نہ ہو۔) (مرشد کا کلام دوسروں کے سامنے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں جس بات کے بارے میں یہ گمان ہو کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو اسے ہرگز بیان نہ کرے۔ کیونکہ بعض باتیں صرف خواص کے لئے ہوتی ہیں۔) (اگر کوئی مرتبہ یا



منصب عنایت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قبول کرے، دل میں کوئی دنیوی خیال نہ آئے۔) (اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالا مال ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی پیروی کرے غرضیکہ ”الطَّرِيقُ كُلُّهُ اَدَبٌ“ (یہ راہ پوری پوری ادب کی راہ ہے) البتہ اگر کوشش کے باوجود کی رہ جائے تو معاف ہے۔

(عمدة السالك - ۷۰-۷۱)

## آداب شیخ تفصیلاً

درجہ ذیل میں چند آداب بمع فوائد اجمال کے ترتیب کے مطابق نقل کئے جاتے ہیں جو کہ پیر طریقت رہبر شریعت، مفکر اسلام حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ”تصوف و سلوک“ اور دیگر صوفیا کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کر دیے ہیں۔

محبوب العلماء والصلحاء فرماتے ہیں کہ: یہ آداب حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقی سے منقول ہیں۔ شجرہ طیبہ سے انہیں من وعن نقل کیا گیا ہے۔ اور تشریح کے لئے ”فائدہ“ کے عنوان سے کچھ اضافہ کر دیا ہے تاکہ سالکین کو آسانی سے بات سمجھ آ سکے۔ گویا بامر مجبوری قائلین کو ناٹ کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔

☆..... ادب نمبر ۱: ہر طرح سے مرشد کا مطیع و فرمانبردار رہے۔ کیونکہ پیر کی عقیدت اور محبت کے بغیر فیض کا در نہیں کھلتا۔ اور محبت کا تقاضا اطاعت و خدمت ہے۔

☆..... فائدہ: صوفیاء کے نزدیک سیدنا صدیق اکبرؓ کا سفر ہجرت مرشد کی اطاعت و خدمت اور محبت و عقیدت کی فقید المثال داستان ہے۔ چنانچہ ہجرت کی رات نبی ﷺ جب حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لائے تو انہیں جاگتے ہوئے پایا۔ پوچھا ”ابو بکر آپ کیوں جاگ رہے تھے؟“ عرض کیا ”اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ہجرت کا حکم ہوگا۔ یہ بھی میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ ﷺ مجھے رفیق سفر بنائیں گے۔ جس وقت سے یہ خیال آیا میں نے رات کو سونا چھوڑ دیا۔ مبادا کہ آپ تشریف لائیں اور مجھے حاضر باش نہ پائیں۔ سبحان اللہ۔

حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان دامادیؒ کئی دن متواتر موسیٰ زئی شریف سے پیدل چل کر تقریباً تیس کلومیٹر دور ایک شہر درابن جاتے اور دوائی لیکر واپس آتے پھر سارے رات تیمارداری میں مشغول رہتے۔ حضرت خواجہ محمد عبد المالکؒ (چونکہ قریشی والے) نے تقریباً بارہ سال حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ پر رہ کر بکریاں چرائیں حتیٰ کہ بکروال (بکریاں چرانے والا) کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت مرشد عالمؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ نے ایک خوبصورت بیش قیمت نفیس بینڈیگ (پرس) خریدا۔ پوچھنے پر بتایا کہ میں اس میں اپنے پیر و مرشد کے استعمال کے لئے مٹی کے ڈھیلے رکھا کروں گا۔ عربی کا مقولہ ہے: ”إِنَّ الْمَحَبَّ لِمَنْ“

يُحِبُّ مُطِيعٌ“ ”محبت جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے“ یہی محبت و خدمت حصول فیضان کا سبب بنتی ہے۔ (تصوف و سلوک: ۵۲-۵۱)

☆..... ادب نمبر ۲: مرشد کی ظاہری حیثیت، قومیت، حشمت و شوکت اور پیشہ وغیرہ پر نظر نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے۔ بلکہ اس نعمت اور فیضان کو جو اللہ تعالیٰ نے شیخ کو عنایت کیا ہے نگاہ میں رکھ کر اسے حق تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ سمجھے اور کمال صدق و یقین سے اس کی محبت کا فیض اٹھائے۔

☆..... فائدہ: جس طرح کوئی مریض اپنے طبیب کی طبی مہارت کو سامنے رکھ کر علاج کرواتا ہے۔ اس کی ظاہری حیثیت، قومیت، حشمت و شوکت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسی طرح سالک کو بھی مرشد کی باطنی نعمت پر نظر رکھنی چاہئے، ظاہری حشمت و شوکت پر نہیں۔

☆..... ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ صحابہؓ کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ سامنے سے ایک شخص کا گزر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: ”آپ لوگ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں“ عرض کیا گیا ”یہ امیر آدمی انتہائی خوش لباس ہے اگر یہ کسی سے بات کرے تو توجہ سے بات سنی جائے۔ اگر کسی طرف رشتے کا پیغام بھیجے تو قبول کر لیا جائے“ تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے صاحب گزرے تو نبی ﷺ نے پوچھا: ”آپ لوگ اس شخص کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں“ عرض کیا گیا ”غریب آدمی مفلس و نادار نظر آتا ہے۔ اگر بات کرے تو لوگ توجہ سے نہ سنیں۔ کہیں رشتے کا پیغام بھیجے تو قبول نہ ہو“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر پہلے جیسے لوگوں سے ساری دنیا بھر جائے تو سب مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس غریب نیک شخص کے برابر نہیں ہو سکتے۔“

☆..... ایک روایت میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو اور مال پیسے کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

☆..... حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”سیدنا بلال آگئے“ معلو ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظاہری حشمت و شوکت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ ظاہری حالات پر نظر نہ رکھے بلکہ شیخ کی باطنی دولت کو پیش نظر رکھے۔ حقیقت یہی ہے کہ پیاسے آدمی کو ٹھنڈا پانی پینے سے غرض ہوتی ہے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ پانی مٹی کے پیالے میں ہے کہ مونے چاندی کے چمکتے برتن میں ہے۔

☆..... برہی بات قومیت کی، تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾ (البرات: ۱۳) ”ہم نے تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے ہاں عزت والا متقی پرہیزگار ہے۔“

☆..... روایت ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے جب حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت کی تو ایک صاحب نے کہا ”شاہ صاحب! آپ نے سید ہو کر ایک جاٹ سے بیعت ہے“ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ”میں جٹ دابنا سا داڑھی اٹھاؤں“ میں نے زمیندار کی کیفیت سرسبز و شاداب دیکھی ہے“ لہذا بیعت کی ہے۔“

☆..... ادب نمبر ۳: جو در و وظیفہ تعلیم کرے اسی کو اپنا معمول بنائے اس کے علاوہ تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اپنی طرف سے شروع کئے، دل یا کسی دوسرے نے بتائے ہوں۔ البتہ اعمال مسنونہ مستثنیٰ ہیں۔

☆..... فائدہ: یہ بات عامۃ الناس میں بھی مشہور ہے کہ مریض کو ایک وقت میں ایک طبیب کی دوا استعمال کرنی چاہئے اسی طرح سالک کو فقط اپنے ہی شیخ کے بتائے ہوئے معمولات پر عمل کرنا چاہئے۔ اس کی اصل ”وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ“ ہے۔ اپنی مرضی سے یا کسی اور کے کہنے پر مزید وظائف کو اپنائے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ مبتدی کے لئے وظائف دوا کی مانند اور منتہی کیلئے غذا کی مانند ہوتے ہیں۔ وظائف میں ثواب کی نیت کرنا نہیں ہے۔ ”وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ“ اور حرص کر نیوالوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے اس کی دلیل ہے۔

سالک کو چاہئے کہ اپنے عمل کو اتنا کامل بھی نہ سمجھے کہ ناز پیدا ہو اور اتنا ناقص بھی نہ سمجھے کہ مایوسی ہو۔ ﴿يَذْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ (السجدة: ۱۶) ”ایمان والے اپنے رب کی عبادت خوف اور امید کے درمیان کرتے ہیں“ میں یہی راز پوشیدہ ہے۔ اور اذ وظائف صبح و شام کرنے کی قرآنی ﴿يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ ہے۔

☆..... ادب نمبر ۴: شیخ کو اپنے حق میں سب سے انفع (زیادہ نفع پہنچنے کا ذریعہ) سمجھے اور یہ اعتماد رکھے کہ میرا اصلاح باطن اور حصول معرفت کا مطلب اسی مرشد سے با آسانی حاصل ہوگا۔ ہر جائی نہ بنے اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو فیض کے برکات سے محروم رہے گا۔

☆..... فائدہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف: ۷۶) ”اور ہر علم والے پر بڑا علم والا ہے“ لہذا شیخ اگرچہ ”سب سے زیادہ علم والا“ نہ بھی ہو سالک کے حق میں انفع ”سب سے زیادہ نفع پہنچانے کا باعث“ ضرور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک بچے کو جو یار محبت اور شفقت اپنی ماں سے مل سکتی ہے وہ کسی دوسری عورت سے نہیں مل سکتی۔ حالانکہ دوسری عورتیں عقل و شکل اور اخلاق وغیرہ میں اس کی ماں سے افضل ہو سکتی ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ماں کی محبت وہ ہمالیہ ہے جس کی بلندی یوں کو کوئی نہیں چھو سکتا۔ ماں کی محبت وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائیوں تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ ماں کی مامتا وہ سدا بہار پھول ہے جس پر خزاں و بہار اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سالک کو جو نفع اپنے شیخ سے حاصل ہو سکتا ہے وہ کسی اور سے نہیں۔ سالک شیخ کے بارے میں جتنا حسن ظن رکھے اتنا ہی فیض کا دروازہ کھلے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ زیادہ کم گو اور خاموش طبع تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا حضرت کچھ وعظ و نصیحت فرمائیں تاکہ سالکین کو فائدہ ہو۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: ”جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔“

حضرت مجددؒ لکھتے ہیں کہ ”ہم تین پیر بھائی تھے اور ہم تینوں کا اپنے شیخ کے بارے میں مختلف گمان تھا ایک تو یہ گمان رکھتا تھا کہ میرے شیخ خود تو کامل ہیں دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتے۔ دوسرے کا گمان تھا کہ میرے شیخ کامل تو ہیں مگر صاحب ارشاد نہیں ہیں جبکہ میرا یہ گمان تھا کہ اس امت میں کسی کو کامل شیخ ملے ہیں تو صدیق اکبرؑ کو نبی ﷺ ملے یا پھر اس کے بعد مجھے کامل شیخ ملے ہیں۔ میرے اس حسن ظن کی وجہ سے مجھے تجزیدی کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے چن لیا“ پس آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ بنے، سالک کو چاہئے کہ ہر جائی نہ بنے اور حصول فیض کیلئے اپنے مرشد کے علاوہ کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو اس کی اصل ”وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ“ بن سکتی ہے۔ (ایضاً: ۵۲-۵۳)

جملہ..... ادب نمبر ۵: جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچا اسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ کسی دوسرے بزرگ سے فیض پہنچ رہا ہے تو یہ خیال کرے کہ میرے مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

بزرگ..... فائدہ: جس طرح ایک بلب تار سے جڑا ہوتا ہے اسے جو بھی بجلی پہنچتی ہے اسی تار کے ذریعے سے پہنچتی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ بجلی تریلا ڈیم سے آرہی ہے یا منگلا ڈیم سے، بجلی جس پاور اسٹیشن سے بھی آئے گی اسی تار سے ہو کر بلب کو ملے گی۔ اسی طرح مرید کو جو بھی باطنی فیض پہنچتا ہے وہ شیخ کے قلب سے ہو کر پہنچتا ہے اگرچہ وہ فیض پیچھے کسی بھی بزرگ کی طرف سے آرہا ہو۔ اسی لئے کوئی مرید ظاہر میں کسی دوسرے بزرگ سے فیض ملتا دیکھے تو بھی یہی گمان کرے کہ میرے شیخ کا کوئی لطیفہ اس شکل میں ظاہر ہو کر مجھے فیض پہنچا رہا ہے مرید کی توجہ کا قبلہ ہمیشہ ایک ہی ہونا چاہئے اس کو کہتے ہیں ”یک گیر محکم بگیر“ ”ایک ہی شیخ بنا لو اور ان کو ہی مضبوط پکڑو“

حضرت خواجہ محمد سعید قریشیؒ ایک مرتبہ سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت زوار حسین شاہؒ، حضرت مولانا محمد سعید گوانویؒ، اور مریدین سے بھی چند حضرات رفیق سفر تھے۔ مزار مبارک پر کافی دیر مراقبہ کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بمکلامی نصیب ہوئی مختلف امور پر گفتگو کے بعد حضرت مجددؒ نے فرمائش کی کہ اپنے خلفاء (سید زوار حسین اور مولانا محمد سعید گوانویؒ وغیرہم) کو کچھ دن یہیں میرے پاس چھوڑ جائیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے خلفاء سے فرمایا کہ اب میں تو آگے سفر کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ آپ حضرات فیصلہ کر لیں کہ کیا کرنا ہے۔ مولانا محمد سعید گوانویؒ نے پوچھا ”حضرت آپ کا حکم ہے کہ ہم یہاں ٹھہریں یا ہماری مرضی پر ہے کہ یہاں ٹھہریں یا ساتھ سفر پہ جائیں۔“ حضرت نے فرمایا: ”آپ حضرات کی مرضی پر ہے میں نے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کا پیغام پہنچا دیا ہے“ مولانا گوانویؒ نے کہا ”حضرت! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے ہمارے مجدد تو آپ ہیں۔“ سبحان اللہ۔ مرشد کیساتھ وابستگی ہو تو ایسی۔ دعوت کی جا رہی ہے حضرت مجددؒ کی طرف سے جو اپنے سلسلہ کے سرخیل بزرگ ہیں، پیغام پہنچا رہے ہیں اپنے پیر و مرشد، تو اس سب کے باوجود یہ کہنا کتنا عجیب ہے کہ حضرت! ہمارے مجدد تو آپ ہیں۔ اسی لئے ان حضرات کو ایسی ایسی کیفیات ملتی تھیں کہ آج کا سالک ان کی گدراہ کو بھی نہیں پہنچ پاتا۔ ”الا ماشاء اللہ“۔

حضرت خواجہ ابو سعید خرازؒ کے خاندان میں آباؤ اجداد سے ایک خرقہ چلا آ رہا تھا مشہور تھا کہ خاندان کے مشائخؒ نے اپنی توجہات کو اس میں شامل کیا ہوا ہے۔ کئی مرتبہ اس خرقہ کی برکات ظہور میں آئیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کو ان کے پیر و مرشد نے جب اجازت و خلافت دی تو انہوں نے بھی ایک خرقہ عطا فرمایا۔ یہ دونوں خرقے حضرتؒ کے استعمال میں رہے۔ جب آپ پر مرض الموت کا غلبہ ہوا۔ تو آپ نے ایک خادم سے کہا کہ خرقہ لا کر میرے اوپر ڈال دو تاکہ میں اس کے فیوضات سے مستفیض ہوں۔ خادم نے پوچھا، حضرت! کونسا خرقہ؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے آباؤ اجداد کے خرقے کا بہت احترام لیکن اس وقت میرے پیر و مرشد کا عطا کردہ خرقہ لاؤ۔ میں آخری وقت میں اپنے و مرشد کے انوارات میں مستغرق ہو کر مرنا چاہتا ہوں۔ (ایضاً: ۷۶-۷۷)

ادب نمبر ۶: مرشد کے فرمان کو فوراً بجالائے۔ اس کے فعل کی اقتداء اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کی مناسبت سے کام کرتا ہے۔ جو مرید کیلئے اس کی استعداد سے عالی ہونے کے وجہ سے مضطرب ہوتا ہے البتہ قوی متابعت

اختیار کرتا رہے تاکہ پیر سے محبت اور مناسبت پیدا ہو جائے۔

☆..... فائدہ: اس ادب کی اصل وہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دن میں متواتر روزے رکھنے شروع کر دیئے اور رات قیام و سجود کی حالت میں بسر کرنے لگے۔ بعض صحابہ کرام کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے بغیر اجازت طلب کئے اس کی اتباع شروع کر دی۔ اتنی ریاضت اتنا مجاہدہ کہ چند دنوں میں نقاہت و بے آramی کی وجہ سے حالت غیر ہونے لگی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اَيُّكُمْ مِّنْهُنَّ يَطْعَمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي“ ”تم میں سے کون میری طرح ہو سکتا ہے۔ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔“

سالک کو چاہئے کہ مرشد کے حکم کو فوراً بجالائے۔ البتہ اگر مرشد کو کوئی خاص عمل کرنا دیکھے تو اجازت طلب کرے۔ اجازت ملنے پر عمل کو اپنائے۔ نہ ملنے پر اپنے آپ کو کم ظرف کم ہمت سمجھے۔ زبان سے مرشد کے عمل ہی کو اتنی کہے تاکہ پیر سے محبت اور مناسبت پیدا ہو جائے۔ (ایضاً: ۵۵-۵۶)

☆..... ادب نمبر ۷: حسب استطاعت جان و مال سے شیخ کی خدمت کرے اور اس پر احسان نہ جتلائے بلکہ شیخ کا احسان سمجھے کہ اس نے خدمت کو شرف قبولیت بخشا۔ شیخ سے کسی قسم کی طمع یا مطالبہ نہ رکھے جتنی بھی خدمت کرے خلوص و للہیت سے کرے۔ تاکہ کمال ایمان سے بہرہ مند ہو۔

فائدہ: غزوہ تبوک میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے نبی ﷺ کے اشارے پر اپنا سارا مال قدموں پر نچھاور کر دیا۔ ایک مرتبہ ناٹ کا لباس پہنے حاضر خدمت ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ابوبکرؓ! تمہیں مکہ کی تجارت والی آسودگی یاد ہے، دیکھو آج تمہارا کیا حال ہو گیا۔“ صدیق اکبرؓ نے تڑپ کر عرض کیا: ”امالو عشت انا عمر الدنيا و اعذب به جميعا اشد العذاب لا يفر جنى فرج المليك“ ”یہ چند سالوں کی زندگی ہے اگر ساری کی ساری زندگی شدید ترین تکالیف میں گزر جائے حتیٰ کہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی نہ لگے تو آقا ﷺ تیری خاطر یہ سب کچھ آسان ہے۔ میرے ہاتھ میں آپ کا ہاتھ آجانا میرے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔“

حضرت صدیق اکبرؓ قدر جانی و مال قربانی پیش کرنے کے باوجود ایک مرتبہ گوشہ تنہائی میں بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے اور دعا مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یا اللہ! میں اپنا مال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مگر دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اونچا ہوتا ہے مجھے اپنے آقا ﷺ کی اتنی بے ادبی بھی گوارا نہیں۔ یا اللہ! میرے آقا ﷺ کے دل میں القافر ماکہ وہ میرے مال کو اپنے ذاتی مال کی طرح خرچ کریں۔ یہ ہے مزہ کہ خدمت بھی کرے احسان مند بھی شیخ کا ہو۔ بقول شخصے:

منت نہ کہ خدمت سلطان بھی کنی      منت از و شناس کہ در خدمت گزاشته

اے مخاطب! تو بادشاہ کی خدمت کر کے احسان نہ چڑھا۔ (بادشاہ کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں) یہ بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کر لیا۔ (ایضاً: ۵۳-۵۵)

☆..... ادب نمبر ۸: جب شیخ کھڑا ہو تو مرید بھی کھڑا ہو جائے اور اس کے بیٹھنے کے بعد بیٹھے۔

☆..... فائدہ: یہ اکرام میں داخل ہے کہ جب شیخ کھڑا ہو تو مرید بھی کھڑا ہو جائے اور جب شیخ بیٹھے تو مرید بھی بیٹھ جائے۔ بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو کھڑا ہونے سے منع کیا تو پھر مشائخ کی مجالس میں لوگ کسی کے اکرام کیلئے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ یہ حضرات ایسے موقع پر نہ تو خود کھڑے ہوتے ہیں اور نہ ہی کھڑا ہونے والوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔ شریعت محمدیہ ﷺ کا یہ حسن ہے کہ جہاں کسی معاملہ میں دو فریق ہوں تو دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہیں۔ دونوں میں محبت و پیار اور اکرام و تکریم کا رشتہ استوار رہے۔

شریعت نے ایک طرف تو مرید کو کھڑے ہونے کا حکم دیا تاکہ استاد کی عزت افزائی ہو اور ”انزلوا الناس منازلہم“ پر عمل ہو۔ دوسری طرف مرشد کو حکم دیا کہ لوگوں کے کھڑے ہونے کو پسند نہ کرے تاکہ عجب و تکبر سے بچ سکے۔ پس مرید کھڑے ہونے کو فرض منجھی سمجھے اور مرشد محبت و پیار سے بیٹھنے کی تلقین کرتا رہے تاکہ محبت و عقیدت کا بندھن سلامت رہے۔ کھڑا نہ ہونے کی احادیث تو معروف ہیں سہی یہاں کھڑے ہونے کے بارے میں دو احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

☆..... امام نسائی اور امام ابوداؤد حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گفتگو کرتے پھر آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔

☆..... امام بخاریؒ و امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ تشریف لارہے تھے۔ جب قریب آگئے تو نبی اکرم ﷺ نے انصار سے کہا: ”قوموا لسیدکم“ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پس صحابہ کرام ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ کے اسی حکم کے پیش نظر مرید اپنے سید و مرشد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ (مزید تفصیل ”قیام تعظیسی کی شرعی حکم“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں) (ایضاً ۶۲-۶۳)

☆..... ادب نمبر ۹: شیخ کی صحبت میں باادب ہو کر نہایت عاجزی سے خاموش بیٹھا رہے۔ اور اس کے کلام قدسی کو نہایت غور سے سنتا رہے ادھر ادھر نہ دیکھے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے بوقت ضرورت مختصر کلام کرے۔ اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔ گفتگو آہستگی اور نرمی سے کرے نیز اپنی آواز مرشد کی آواز سے بلند نہ کرے۔ کوئی بات ایسی نہ کہے جو پیر کی سبکی اور گرانی کا سبب بنے۔

☆..... فائدہ: سالک جب طالب صادق بن کر گوش ہوش سے نصیحت سنے۔ تو دل پر یقینی اثر ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنْ فِیْ ذٰلِکَ لِدَکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی السَّمْعَ وَہُوَ شَہِیْدٌ﴾ (ق: ۳۷) ”اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کیلئے جس کے پاس عقل ہو یا کم از کم دوسرے کی بات توجہ سے سنے“ مرشد کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ممکن ہے شیخ کسی خاص علمی نکتہ پر غور و فکر کر رہے ہوں یا کسی کے دل پر باطنی توجہات ڈال رہے ہوں یا ان پر الہام کی کیفیت ہو یا کسی اہم کام یا مضمون کی طرف طبیعت متوجہ ہو۔ ایسی صورت میں کسی کا بدون اجازت کلام کرنا طبیعت پر انقباض کا باعث بنتا ہے۔ مزید برآں دوران گفتگو اپنی آواز کو مرشد کی

آواز سے بلند نہ کرے۔

☆..... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات: ۲)

”اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور ان کے سامنے بات زیادہ اونچی آواز سے نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچا بول لیتے ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں محسوس بھی نہ ہو“

مرشد کی بات نہایت غور سے سنی چاہئے۔ بعض مشائخ کا قول ہے مرشد کو زبان بننا چاہئے اور مرید کو کان بننا چاہئے۔ (ایضاً: ۵۷-۵۸)

☆..... ادب نمبر ۱۰: پیر کی مجلس میں اپنے آپ کو کسی طرح ممتاز نہ کرے اور اپنے تئیں حقیر، نیازمند، تشنگی، اور طلب سے بھرا ہوا ظاہر کرے۔

☆..... فائدہ: مرشد کی موجودگی میں کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے حاضرین پر علمی تفوق ظاہر ہو۔ نہ ہی دنیاوی جاہ و شہرت کا مظاہرہ کرے، نہ ہی کسی عمل سے یہ ظاہر کرے کہ میں شیخ کا مشیر اور ہمزاد ہوں اور نہ ہی یہ جملائے کہ مرشد مجھ پر بہت مہربان ہے۔ یہ تمام باتیں نفس کو مونا کرتی ہیں۔ اور انسانیت کی دلیل ہیں۔ حتیٰ الوسع نیاز مندی اور عاجزی کو اپنائے۔

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسمان ہو کر (ایضاً: ۵۶)

☆..... ادب نمبر ۱۱: دل میں کوئی شبہ گزرنے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے سے عرض کر دے اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا تصور سمجھے۔ اگر مرشد کوئی جواب نہ دے تو جان لے کہ میں جواب کے لائق نہ تھا۔

☆..... فائدہ: جو سالکین اپنے مرشد سے محبت و عقیدت کے رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بنا لیتے ہیں اول تو انہیں کوئی غلط فہمی پیدا ہی نہیں ہوتی اگر دل میں کوئی سوال پیدا بھی ہو تو عموماً مرشد کی توجہات کی برکت سے خود ہی جواب بھی دل میں القا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مرشد کی زبان سے دوران گفتگوں اس کا جواب دلوادیتے ہیں۔ سالکین حیران ہو کر کہتے ہیں۔

اے لقاے تو جواب ہر سوال

با تو مشکل حل شود بے قیل و قال

”اے کہ تیری ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور آپ سے بغیر کبے سے مشکل حل ہو جاتی ہے“

سالکین طریقت کے لئے مرشد کی کسی قول، فعل پر دل میں شبہ کا پیدا ہونا سب سے بڑا شیطانی دھوکا ہے عموماً مبتدی حضرات محبت و عقیدت اور رابطہ شیخ میں کمی کی وجہ سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں ایک اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب بیعت سے پہلے مرشد میں وہ تمام شرائط نشانیاں اور صفات دیکھ لی گئیں جو ایک شیخ کامل میں ہونی چاہئیں تو پھر بیعت کے بعد شیطان کو کوئی بھی غلط فہمی پیدا کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ ہر بات میں اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے مرشد کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے اور پرکھتے رہنا فیض سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔

ابو جہل ساری عمر نبی ﷺ کو محمد بن عبد اللہ کی نظر سے دیکھتا رہا کاش کہ ایک مرتبہ محمد رسول اللہ کی نظر سے دیکھ لیتا تو بیڑا پار ہو جاتا۔ بدگمانی اور

شک کی نظر اس ہستی پر ڈالنا جو اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کا ذریعہ ہے کتنا بڑا اسٹم ہے حق بات یہی ہے کہ ذہن اپنا یہ رہتا ہے کوتاہی شیخ میں نظر آتی ہے مرشد کی حیثیت تو آئینے کی مانند ہوتی ہے۔ حدیث پاک ”الْمُؤْمِنُ مِرَآةٌ لِلْمُؤْمِنِ“ ”مومن، مومن کا آئینہ ہے“ کے مطابق مرید کو اپنی ہی خامیوں کا عکس نظر آتا ہے۔ لہذا شبہ پیدا ہونے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے سے مرشد کو آگاہ کر دینا چاہئے۔ حضرت مرزا مظہر جان کی خدمت میں ایل ہندو پنڈت حاضر ہوا۔ کہنے لگا کہ مجھے کئی سالوں سے کشف القلوب نصیب ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا دل بالکل سیاہ ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ تمہیں یہ چیز کیسے ملی؟ کہنے لگا کہ ہر کام نفس کے خلاف کرنے سے۔ حضرت نے باتوں باتوں میں کہیں کہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ کہنے لگا کہ جی نہیں چاہتا۔ حضرت نے فرمایا کہی یہ کام بھی تو نفس کے خلاف کرو ناں۔ ہندو پنڈت اسی وقت توبہ تائب ہو کر مسلمان ہوا۔ حضرت نے فرمایا اب میرے قلب پر نظر ڈالو۔ کہنے لگا کہ حضرت اب تو نور ہی نور نظر آ رہا ہے۔ فرمایا کہ پہلے تمہیں اپنے قلب کا عکس میرے اندر نظر آیا تھا۔

رباعی مسائل کا پوچھنا اور اشکالات کا حل کرنا تو ایسی باتیں مناسب طریقے اور مناسب موقع پر ضرور پوچھنی چاہئیں۔ ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ ”اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے“ کا یہی مقصود ہے۔ البتہ ہر وقت لم اور لا کے چکر میں پڑے رہنا عقلمندی نہیں۔ (ایضاً: ۶۷-۶۸)

☆..... ادب نمبر ۱۲: مرشد کے قرابت داروں اور عزیزوں سے محبت و مودت رکھے۔ اس کے دوستوں محبوبوں اور نیز بیر بھائیوں اور طالبوں کی رعایت کرے اس کی بدگوئی اور اس کے مخالفوں سے دور رہے تاکہ استقامت حاصل ہو۔

☆..... فائدہ: مرشد سے محبت کی پہچان یہی ہے کہ مرید اپنے مرشد کے قرابت داروں اور عزیزوں سے محبت و مودت رکھے۔ یہی تعلیم کتاب و سنت سے ملتی ہے قرآن مجید میں نبی ﷺ کا قول نقل کیا گیا: ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (شوری: ۲۳) ”آپ فرما دیجئے اے میرے قوم میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ سوائے اپنے قرابت داروں سے محبت کے“ طبرانی شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال. حب نیک و حب آل بینہ و تلاوة القرآن“ ”اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو۔ پیغمبر ﷺ کی محبت آپ کے اہل بیت کی محبت اور تلاوة قرآن“ (ایضاً: ۷۰-۷۱)

☆..... ادب نمبر ۱۳: اپنے احوال باطنی (اچھے ہوں یا برے) مرشد کے سامنے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب روحانی ہے اطوار کے بعد اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔

☆..... فائدہ: جس طرح کوئی مریض اپنے حالات سے طبیب جسمانی کو باخبر رکھتا ہے اگر نہ رکھے گا تو موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ اسی طرح سالک کو چاہئے کہ اپنے مرشد یعنی طبیب روحانی کو کیفیات و واردات سے مطلع کرتا رہے ورنہ دل مردہ ہو جائے گا۔ اس معاملے میں افراط و تفریط سے بچنا لازمی ہے۔ افراط یہ کہ سالک اپنی کیفیات شیخ کے علاوہ ہر کہ و مہ کے سامنے بتاتا پھرے۔ حالانکہ واردات و کیفیات تو عرائس باطنی ہوتی ہیں بھلا کوئی شخص غیر کو اپنی دہن دکھاتا ہے۔ تفریط یہ ہے کہ اپنے حالات شیخ کے سامنے بھی نہ کہے



اور یہ سوچتا رہے کہ مرشد صاحب کشف ہیں انہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔ اعتدال کی راہ یہی ہے کہ اپنے حالات سے مرشد کو مطلع کرتا رہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ سالک اگر اطلاع اور اتباع کا اپنا دستور بنالے گا تو اس کی ترقی میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ (ایضاً ۷)

☆..... ادب نمبر ۱۴: خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد کی خدمت میں عرض کرے اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی بیان کرے۔

☆..... فائدہ: بعض سالکین لطیف الطبع ہوتے ہیں انہیں بہت خواب نظر آتے ہیں اور بعض کثیف الطبع ہوتے ہیں انہیں کم خواب نظر آتے ہیں۔ زیادہ خواب نظر آنا فضیلت کی بات نہیں اور کم خواب نظر آنا بھی گراوٹ کی دلیل نہیں۔

## خواب کے اقسام

خواب تین طرح ہوتے ہیں:

(۱)..... حدیث نفس: سالک جو کچھ دن میں کرتا سوچتا ہے یا اس کے لاشعور میں ہوتا ہے وہی کچھ خواب میں نظر آ جاتا ہے۔

(۲)..... اضطغات و احلام: اوٹ پٹانگ خیالات خواب کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

(۳)..... رؤیا صالحہ: سچے خواب جنہیں نبوت کا چھتیاواں حصہ کہا گیا ہے۔

ان تینوں قسم کے خوابوں میں پہچان کرنا ایک مشکل امر ہے۔ باطنی بصیرت رکھنے والا ہی یہ معمم حل کر سکتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ جو کچھ خواب میں دیکھے وہ اپنے شیخ کی خدمت میں بے کم و کاست عرض کر دے۔ مرشد اگر تعبیر بتا دے تو فہما اگر خاموش رہیں تو سمجھ لے کہ تعبیر بتانا میرے لئے بہتر نہیں تھا۔ یا پھر یہ خواب قابل تعبیر نہ تھا۔ تعبیر المرؤیاء کے سلسلہ میں چند باتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

(۱)..... کئی خواب جس طرح نظر آئیں ان کی تعبیر من و عن اسی طرح ہوتی ہے

(۲)..... کئی خوابوں کی تعبیر الٹ ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کو دیکھا کہ مر گیا مگر حقیقت میں لمبی زندگی پائی۔

(۳)..... کئی خوابوں کی تعبیر تمثیل پر منحصر ہوتی ہے۔ حضرت یوسف نے موٹی گائے دیکھی تو تعبیر رزق کی فراوانی والا سال، پتلی گائے کی تعبیر قحط زدہ سال۔

(۴)..... ایک ہی خواب دو مختلف آدمی دیکھیں تو دونوں کے لئے تعبیر مختلف ہوگی۔ نیک آدمی نے خواب دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں 'واذن فی الناس بالحج' کے تحت عزت ملی۔ کسی فاسق شخص نے دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں۔ تو 'نم اذن موذن' کے تحت چوری کرتے پکڑا گیا، ذلت ملی۔

(۵)..... ایک ہی خواب مختلف موسموں میں دیکھیں تو تعبیر مختلف۔ سردیوں میں آگ دیکھیں تو فائدہ پہنچے، گرمیوں میں آگ دیکھیں تو نقصان ہو۔

(۶)..... کئی مرتبہ خواب ظاہر میں اوٹ پٹانگ مگر رویاء صالحہ میں سے ہوتا ہے۔ زبیدہ خاتون نے اپنے آپ کو برہنہ دیکھا پھر انسانوں، جانوروں اور پرندوں کو دیکھا کہ اس سے زنا کر رہے ہیں۔ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی، ڈرگئی کہ کہیں رسوا نہ ہو جاؤں۔ مگر تعبیر یہ تھی کہ اس نے نہر

ہوائی جس سے انسانوں، جانوروں، پرندوں، اور چرندوں نے پانی پیا۔ زبیدہ خاتون کے لئے صدقہ جاریہ بنا۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اپنی ماں سے زنا کر رہا ہوں۔ بہت پریشان ہوا۔ مگر ماں سے مراد زمین اور زنا سے مراد اس سے فائدہ لینا۔ چنانچہ اسے اپنی کھیتی سے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔

سالمین کو ایک اصوں ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ بالفرض سچا خواب بھی نظر آئے تو جب تک پورا نہ ہو کیا فائدہ۔ مثلاً خواب میں دیکھا کہ بادشاہ بن گیا ہوں تو کیا فائدہ جب تک حقیقت میں نہ بنے۔ حضرت یوسفؑ نے سورج، چاند، ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا مگر کنوئیں میں گرنا پڑا۔ مصر میں بکنا پڑا۔ عزیز مصر کے گھر کی چاکری کرنی پڑی۔ آزمائش میں سے گزرنا پڑا، نو سال جیل کاٹنی پڑی پھر بادشاہت ملی اور خواب پورا ہوا۔ جب سچے خوابوں کا بھی یہ حال ہے تو پھر اوٹ پٹانگ خوابوں پر فریفتہ کیا ہونا۔ بعض سالمین تو ہر وقت خواب ہی سناتے پھرتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوابوں کی دنیا کے شہزادے ہیں۔

درحقیقت شیطان خوابوں کے ذریعے بڑے بڑوں کو گرا دیتا ہے۔ خود پسندی اور عجب پیدا کر کے فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مرشد ہی کی ذات ہے جو ان شیطانی ہتھکنڈوں سے خبردار کرتی ہے تاکہ ایمان بچ جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید روزانہ خواب میں جنت کی سیر کرتا تھا۔ صبح اٹھ کر لوگوں میں تذکرے کرتا حتیٰ کہ اس کے قصے زبان زد عام ہو گئے ایک سال اسی حالت میں گزر گیا۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے دیکھا کہ خود پسندی اور خود فریبی کے جال میں پھنس چکا ہے فرمایا ”اب جنت نظر آئے تو“ لا حول ولا قوۃ۔“ پڑھنا۔“ مرید سمجھا کہ شیخ مجھ سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اگلی رات خواب میں جنت کی سیر کرنے لگا تو خیال آیا کہ شیخ نے کہا تھا۔“ درحقیقت یہ شیخ کی توجہ اور برکت تھی کہ لا حول ولا قوۃ پڑھنا۔ جب پڑھا تو سب نقشے ختم چند ہڈیاں پڑی دیکھیں۔ تب احساس ہوا کہ شیطان تو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا تھا۔

بعض سالمین کو خواب میں بزرگ نظر آتے ہیں سالک سمجھتا ہے کہ مجھے باطنی فائدہ ہو رہا ہے۔ حقیقتاً شیطان اس کا رابطہ شیخ سے کاٹنا چاہتا ہے۔ بعض سالمین کو دیکھا کہ خواب ایک سے بڑھ کر ایک عجیب و غریب دیکھتے ہیں مگر پابندی شریعت میں سست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ فتنہ پڑنے کی واضح علامات ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: ”من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لایتمثل بی“ (بخاری کتاب الایمان) ”جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھ کو دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل ہرگز نہیں بنا سکتا“

اس حدیث پاک کے تحت حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ شیطان نبی ﷺ کی اس صورت مبارک میں جس میں آپ ﷺ مدینہ میں پردہ فرماہیں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر ایک صورت میں آکر دھوکہ دے سکتا ہے چاہئے وہ اہل اللہ کی صورت ہو یا آباء اجداد کی۔ لہذا جو سالمین خوابوں پر اپنی روحانیت کی بنیاد رکھتے ہیں وہ بڑے خطرے میں ہوتے ہیں بعض خانقاہوں کے توحید نشین حضرات بات شروع کرتے ہیں۔ خواب سے اور ختم کرتے ہیں ہی تو خواب پر۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں سورۃ النجم کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس جگہ پہنچے: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ﴾ (19)

وَمَنَاءُ النَّالِثَةِ الْاُخْرٰی ﴿الجم: ۲۰﴾ ”بھلا تم نے لات عزیزی اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے“

تو صحابہ گویا ایسے محسوس ہوا کہ جیسے آپ نے اس سے آگے یہ کہا کہ انکی بھی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ صحابہ کرامؓ بہت حیران ہوئے۔ نماز سے فراغت پر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ نئی آیتیں اتری ہیں جو آپ ﷺ نے پڑھی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں پڑھیں چنانچہ جبریلؑ نازل ہوئے اور آیات اتریں۔ ﴿اَلْقٰی الشَّيْطٰنُ فِیْ اُذُنِیْ﴾ ”شیطان نے اپنی گفتگو (وقف دوران) حضور ﷺ کی قرات سے ملا دی تھی“۔ پھر پتہ چلا کہ شیطان نے اپنی آواز نبی ﷺ کی مبارک آواز کی مانند بنا کر یہ عبارت پڑھی تاکہ صحابہ کرامؓ کو دھوکہ دے سکے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں پھر حالت نماز کی یکسوئی میں صحابہ کرامؓ جیسے پاکیزہ حضرات کو دھوکہ دینے سے شیطان باز نہیں آیا تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولیٰ ہیں کہ بلند و بانگ دعویٰ کریں۔ آج کا سالک اتنی کمزور روحانیت، مشکوٰۃ نبوت سے اتنا بعد، فتنے والا دور پھر نیند کی حالت میں تو شیطان کے لئے بہکانا کونسا مشکل کام ہے۔ سالک کو یوں سوچنا چاہئے کہ ہمیں تو شیطان جیتے جاگتے باقائمی ہوش و حواس بہکا دیتا ہے تو خواب کی حالت میں بہکانا کونسا مشکل کام ہے۔ پس خوابوں پر اعتماد ہرگز ہرگز نہ کرے جو کچھ دیکھے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کر دے اور دعائیں کرتا رہے۔ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیْطٰنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ“ (یا اللہ میں آپ کی پناہ پکڑ تو ہوں۔ شیطان مردود کی چوکیوں سے اور اس بات سے کہ وہ شیطان میرے اعمال میں حاضر ہو کر دخل دیں۔) (اینا ۷۱-۷۲)

☆..... ادب نمبر ۱۵: جب مرشد اس دار فانی سے رحلت فرما جائے۔ تو اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرے تاکہ تعلق روحانی باقی رہے۔

☆..... فائدہ: سالک کا انگ انگ اسی ہستی کے احسانات میں ڈوبا ہوتا ہے جو وصول الی اللہ کا ذریعہ بنے۔ اگر وہ وفات پا جائے تو ایصال ثواب کو یوں سمجھیں جیسں روزانہ تحفہ بھیج رہے ہوں۔ قرآ مجید پڑھ کر، نوافل پڑھ کر، صدقہ و خیرات کر کے، ذکر و مراقبہ کر کے درود پاک و استغفار کر کے تسبیحات پڑھ کر، نقلی روزہ رکھ کے، مساجد و مدارس بنوا کر اپنے مرشد کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ فرض اور واجب کے علاوہ ہر نفل عبادت کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے تو یہ ان کے لئے حج کا بدل ہو سکتا ہے۔ ان کی روح کو آسمان میں خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ کسی کی طرف سے حج کرنے والا شخص اللہ کے نزدیک تابع فرمان شمار ہوتا ہے۔ (اینا ۷۹)

☆..... ادب نمبر ۱۶: شیخ کے روبرو بیہودہ باتیں نہ کرے اور نہ ہی کسی کے عیوب بیان کرے۔

☆..... فائدہ: عیب جوئی دوسروں پر تنقید اور تبصرہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوتے ہیں ورنہ دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست کی یاد چھوڑ کر لایعنی باتوں میں وقت ضائع کرے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ سعدیؒ نے تصوف کو دو شعروں میں سمجھا دیا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب اندرز فرمود بر روئے آب  
یکے آنکہ برخویش خود ہیں مباحش دوم آنکہ درکس تو بد ہیں مباحش

”میرے شیخ مرشد کامل شہاب الدین سہروردی نے مجھے دو نصیحتیں دریا کے کنارہ کھڑے ہو کر فرمائیں۔ (۱)..... اپنی نیکیوں پر نگاہ مت رکھو (۲)۔ دوسرے کی غلطیوں میں نگاہ مت ڈالو اور درگزر کرو“

گویا تصوف کا نچوڑ و لفظوں میں یو پیش کیا جاسکتا ہے کہ سالک اپنے پہ ”خود ہیں“ نہ ہو اور دوسرے پر ”بد ہیں“ یعنی اپنی اچھائیوں پر نظر نہ جمائے رکھے اور دوسروں کی برائیوں پر نظر نہ لگائے رکھے۔ (ایضاً: ۷۰)

☆..... ادب نمبر ۱: شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں رہے۔ اپنا ظاہر و باطن ایک طرح پر رکھے یعنی دل اور زبان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ رکھے۔

☆..... فائدہ: جو مرید اپنے شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں نہ رہے اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو طبیب سے اپنا مرض چھپائے۔ یقیناً ایسے مریض کو شفاء نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے کہ مرید اپنا سب کچھ مرشد کے سامنے اس طرح کھول دے جس طرح بیٹی اپنا سب کچھ ماں کے سامنے کھول دیتی ہے۔ شریعت نے جس طرح علاج کی خاطر طبیب کیسا منے ستر کھولنے کی اجازت دی ہے اسی طرح روحانی علاج کی خاطر مرشد کے سامنے اپنا کیا کر لیا کھولنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اسے ضروری قرار دیا ہے۔ اگر مرید اپنے مرشد سے عیب چھپائے گا تو نقصان بھی خود ہی اٹھائے گا۔ بقول شخصے: اگر تم اپنا عیب چھپانے کے لئے دروازے بند کر لو گے تو سچائی بھی باہر رہ جائے گی۔ ایسی صورت میں تو ذکر بھی فائدہ نہیں دیتا۔ (ایضاً: ۶۳)

☆..... ادب نمبر ۱۸: شیخ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے دل تنگ نہ ہو اور بدگمانی کو راہ میں نہ آنے دے کیونکہ شیخ کی سختی طالب کے لئے صیقل کا کام کرتی ہے۔

☆..... فائدہ: جس طرح ایک مائی کسی پودے کے فاضل حصوں کو کاٹتا ہے تو پودے کی نشوونما بھی اچھا ہوتی ہے اور وہ دیکھنے میں بھی دیدہ زیب نظر آتا ہے۔ ی جس طرح ایک طبیب کسی مریض کے زخم پر کبھی نشتر لگاتا ہے کبھی اس میں سے گندامواد نکالتا ہے اور کبھی اس پر مرہم لگاتا ہے حتیٰ کہ مریض شفا یاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرشد کامل مرید کی تربیت کے لئے کبھی شفقت و محبت سے پیش آتا ہے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے تاکہ مرید میں اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ مرشد کی ڈانٹ ڈپٹ مرید کی باطنی بیماریوں کیلئے تریاق کا کام دیتی ہے۔ مرشد چونکہ اخلاص کیساتھ تربیت کی خاطر روک ٹوک کرتے ہیں لہذا مرید اس زجر و توبخ کو بھی نمکین غلاف میں پوشیدہ شکر پارے سمجھتے ہیں اور پہلے سے زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے ”پیر چپ شاہ نہیں ہونا چاہئے“ اگر مرشد اپنے مریدین کی کوتاہیوں پر خاموش رہے گا، نہ موقع پر سمجھائے گا نہ ہی تنہائی میں تو مریدین کی اصلاح کیسے ہوگی۔ مریدین کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اصلاح کی کوششیں نہ کرنا سراسر مدہانت ہے۔ اس سے پیری مریدی تو چمک جاتی ہے مگر مریدین کی تربیت نہیں ہوتی۔ حضرت مرشد عالم

فرمایا کرتے تھے ”حلوہ، پیر اور مولوی کیلئے سینٹ کا کام کرتا ہے“ یعنی حلوہ کھالینے سے منہ بند ہو جاتا ہے۔ امراء کو تو بالخصوص استغناء کی چھری سے ذبح کرنا چاہئے۔ حضرت مرشد عالم یہ فرمایا کرتے تھے۔ ”جب تک ”دب“ نہ ہو ادب نہیں ہوتا“ یہ بھی فرمایا کرتے تھے ”مرشد اگر بلا وجہ کسی چوراہے پر کھڑا کر کے مرید کو جوتے مارے تو بھی مرید کو چاہئے کہ وہ جوتا اٹھا کر دے۔“ مرشد کی بلا وجہ ڈانٹ میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ مرید کا نفس بھڑکتا ہے یا نہیں؟ مرشد اگر مرید کی کسی بھی چیز پر اسے ڈانٹتا ہے تو اس احساس کے ساتھ کہ جیسے کسی حسینہ نے چہرے پر سیاہی لگالی ہے ابھی سیاہی دھوئے گی تو چاند سا چہرہ نکل آئے گا۔ مزید برآں ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک کا مقصد اصلاح احوال ہوتی ہے۔ کوئی دل میں غبار رکھنا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مرشد مریدین کی غلطیوں، کوتاہیوں پر دل میں غبار رکھنے لگے تو پھر اس کے دل میں غبار کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ مرشد کا غصہ عارضی ہوتا ہے اگر مرید اپنی اصلاح کر لے تو غصہ شفقت و محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مرشد جب کسی مرید کو ڈانٹتا ہے تو نہ اپنے کو افضل سمجھتا ہے اور نہ ہی مرید کو گھٹیا سمجھتا ہے مرید کو ڈانٹتے وقت مرشد کی کیفیت اس جلاد کی سی ہوتی ہے جسے بادشاہ حکم دے کہ شہزادے کی فلاں غلطی کی وجہ سے شہزادے کو کوڑے لگاؤ۔ جلاد تعمیل حکم کی وجہ سے شہزادے کو کوڑے بھی لگائے گا مگر دل میں شہزادے کی حقارت کی بجائے محبت ہوگی۔ پس مرشد ڈانٹ بھی رہا ہوتا ہے دل سے توجہات بھی ڈال رہا ہوتا ہے اور نیم شب کی تہائیوں میں مرید کے لئے ہاتھ پھیلا کر دعائیں بھی کر رہا ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی کو تنبیہ کرتے تھے تو اس کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ مرشد اگر کسی مرید پر زیادہ توجہ دے اور کسی پر کم توجہ دے تو مرید دل تنگ نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ جس طرح کوئی طبیب بعض مریضوں کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھتا ہے اور بعض مریضوں کو عام وارڈ میں رکھتا ہے اسی طرح مریدین کو شیخ کی توجہ میں ظاہری تفاوت محسوس ہوتا ہے حقیقتاً دل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ (ایضاً ۶۵-۶۷)

☆..... ادب نمبر ۱۹: مرشد کے تمام اقوال و افعال کو راست جانے اعتراض نہ کرے دل میں شک و شبہ نہ لائے۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا قصہ یاد کرے۔

☆..... فائدہ: مرید اور مرشد کا تعلق شاگرد اور استاد کی بجائے مریض و طبیب کی مانند ہوتا ہے جس طرح مریض کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ طبیب کی کسی بات پر چون و چرا کرے اسی طرح مرید کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مرشد کی کسی بات پر اعتراض کرے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی ”ارشاد الطالبین“ میں لکھتے ہیں: ”مرشد اگر پرہیزگاری اور استقامت والا ہے تو ”احسانا“ اس سے کوئی خلاف شرع بات سرزد ہونے پر بھی اعتراض نہیں کرنا چاہئے بلکہ تاویل کرنی چاہئے، اور کسی مجبوری، حالت استغراق یا اپنے واقف نہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے اگر کوئی ایسے شخص ہے جس میں شیخ کامل کے اوصاف نہیں ہیں اور اس کی عادت اور طریقہ ہی فاسقانہ ہے تو ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہے ایسے شخص کے کاموں اور باتوں کی تاویل ہرگز جائز نہیں۔

حضرت شبلیؒ کے مرشد حضرت عبداللہ اندلیٰ حافظ القرآن والحمدیث تھے لاکھوں سالکین ان سے وابستہ تھے۔ اوسینکڑوں خانقاہیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں۔ ایک مرتبہ جماعت کے ہمراہ عیسائیوں کی ہستی سے گزرتے ہوئے کسی لڑکی پر نظر پڑی تو باطنی نعمت چھن گئی۔ شیخ نے سالکین کو واپس رخصت کیا اور لڑکی کے والد سے نکاح کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا کہ آپ ناواقف ہیں ایک صورت ہے کہ آپ سال دو سال

یہاں رہ کر ہمارے سورچرائس تو بات آگے بڑھے گی۔ شیخ تیار ہو گئے صبح سویرے سوروں کا ریوڑ چرانے نکلتے اور رات گئے واپس لوٹتے۔ پورا ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ حضرت شبلیؒ کے دل میں شیخ کی سچی محبت جاگزیں تھی وہ جانتے تھے کہ شیخ کامل ہیں مگر کسی آزمائش میں سے گزر رہے ہیں۔ ایک سال بعد حضرت شبلیؒ اپنے شیخ سے ملنے اسی بستی پہنچے۔ دیکھا کہ شیخ وہی خطبہ والا جبہ پہنے وہی عمامہ باندھے وہی عصا ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور ریوڑ کی نگرانی کر رہے ہیں۔ حضرت شبلیؒ قریب آئے۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا ”حضرت آپ کو قرآن پاک اب بھی یاد ہے“ شیخ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا بس ایک آیت یاد ہے ”وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ“ جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا“ پھر پوچھا کہ حضرت احادیث یاد ہیں۔ فرمایا صرف ایک یاد ہے۔ ”مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاسَدَ لَهُ“ ”جو اپنا دین بدلے اسے قتل کرو“ یہ کہنے کے بعد شیخ زار و قطار رونے لگے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ”یا اللہ! میں آپ سے ایسا گمان تو نہیں رکھتا تھا“ حضرت شبلیؒ بھی دھاڑیں مار مار کر روتے کافی دیر کے بعد حضرت شبلیؒ واپس وطن چل پڑے۔ راستے میں ایک دریا کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھا کہ حضرت عبداللہ اندلسیؒ تروتازہ مسکراتا چہرہ طبیعت میں بشارت سامنے ظاہر ہوئے۔ حضرت شبلیؒ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پوچھا کہ حضرت! یہ کیا معممہ تھا۔ فرمایا کہ جس وقت میں سالکین کی جماعت کے ہمراہ عیسائیوں کی بستی سے گزر رہا تھا تو میرے دل میں یہ خیال آیا ”یہ عیسائی کیسے بیوقوف لوگ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنالیا“ فوراً گرفت ہوئی ایک آواز آئی ”اگر تم اسلام پر ہو تو یہ تمہارا اکمال ہے یا ہمارا اکمال ہے“ اس کے ساتھ ہی باطنی نعمت چھن گئی اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈال دیا۔ (یہ نکتہ قابل غور ہے کہ وہ بات جو عامۃ الناس کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی، اس کے کرنے پر بھی مقربین کی پکڑ ہو جاتی ہے) حضرت شبلیؒ اپنے شیخ کے ہمراہ واپس آئے تو خانقاہوں کی رونقیں لوٹ آئیں۔ اس واقعہ میں سالکین کے لئے کئی نصیحتیں ہیں ایک یہ کہ کمالات کو کبھی اپنی طرف منسوب نہ کریں دوسرا یہ کہ استقامت والے شیخ سے خلاف شرع بات صادر ہو جانے پر یہ سمجھیں کہ کوئی آزمائش ہے۔ تیسرے یہ کہ اپنی کیفیات حالات و واردات پر فریفتہ نہ ہوں۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہوں حضرت شبلیؒ کی اپنے شیخ سے عقیدت و محبت سالکین کیلئے روشنی کا مینار ہے۔ (ایضاً: ۶۳-۶۵)

☆..... ادب نمبر ۲۰: مباہضے اور جھگڑے وغیرہ کی صورت نہ بنائے۔ مرشد کے کلام کو رد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

☆..... فائدہ: یہ ادب فتنہی حضرات کے احوال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ علمی معاملات میں اگر موقع آجائے کہ مرشد سے اختلاف رائے ہو تو بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہیدؒ کو تصور شیخ کا حکم دیا تو سید صاحبؒ نے نہایت ادب سے معذرت کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ شعر پڑھا:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز رسم و راہ منزلہا

”مرتب کامل کے کہنے پر اپنے مصلیٰ کو شراب سے رنگیں کر لو کیونکہ راہ حق پر چلنے والے منزل کے طور طریقوں سے بے خبر نہیں ہوتا۔“

سید صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کے حکم سے شراب پی لوں گا پھر توبہ کروں گا مگر میرے نزدیک تصور شیخ شرک ہے۔ میں یہ نہیں

کر سکتا۔ حضرت شاہؒ نے اٹھ کر سید صاحبؒ کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا: ”الحمد للہ تم پر تو حید غالب ہے۔ اب ہم تمہیں اور راستے سے لے چلیں گے۔“ مرید اختلاف رائے کی صورت میں مباہتے اور جھگڑے کی صورت نہ بنائے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، غزوہ بدر میں نبی ﷺ کی رائے تھی کہ قیدیوں کو بعض شرائط پر رہا کر دیا جائے جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان قیدیوں کی گردنیں اڑادی جائیں۔ جب وحی اتری تو حضرت عمرؓ کی رائے وحی کے مطابق تھی۔ شرع شریف کا حکم ہے کہ مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو ثواب ملتے ہیں اور اگر غلط ہو تو بھی اسے ایک ثواب ضرور ملتا ہے۔ شیخ کی خطا بھی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے۔ لہذا سالک کو یہی گمان رکھنا چاہئے کہ شیخ کی خطا میری صواب سے بہتر ہے ایک مرتبہ نبی ﷺ نے سہو اُچار رکعت نماز پر ہتے ہوئے دو پر سلام پھیر دیا۔ نبی رحمت ﷺ کا یہ سہو امت کے لئے رحمت بن گیا اور سجدہ سہو کے مسائل واضح ہو گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کو اس سہو پر وہ اجر ملا کہ ابو بکرؓ کی پوری زندگی کی نیکیاں بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ آپ کا مشہور قول ہے: ”يَلِيْنِي كُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ“ اے کاش میں محمد ﷺ کا سہو ہوتا“ (پنہ ۱۸-۱۹)

☆..... ادب نمبر ۲۱: مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ فرض و سنت کے سوا نفل نماز کوئی اور وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے بلکہ اس کی صحبت کی میا اثر کو غنیمت سمجھے تاکہ شیخ کی نگاہ شفقت حاصل ہو۔ اور اس کے فیض باطن سے حصہ ملے۔ مشائخ نقشبندیہؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی موجودگی میں وقوف قلبی کی بجائے رابطہ قلبی (شیخ کے قلب سے مربوط رہنا) زیادہ مفید ہے۔

☆..... فائدہ: شیخ کے سامنے نفل نماز اور وظیفہ وغیرہ اس لئے منع کیا گیا کہ یہ کام تو سالک شیخ کی عدم موجودگی میں بھی کر سکتا ہے لہذا شیخ کی صحبت سے تو باطنی فائدہ اٹھانا چاہئے ہمہ تن گوش و ہوش سے متوجہ رہنا چاہئے۔

یک چشم زدن غافل از آں شاہ نہ باشی      شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

”ایک لمحہ بھی اس بادشاہ سے غافل نہ ہو۔ ممکن ہے وہ نگاہ کرے اور تو آگاہ نہ ہو“

وقوف قلبی کہتے ہیں دل کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رکھنے کو۔ رابطہ قلبی کہتے ہیں سالک اپنے آپ کو خالی سمجھے اپنے قلب کو شیخ کے قلب سے مربوط رکھے۔ اور یہ خیال کرے کہ شیخ کے قلب سے فیضان میرے دل میں آرہا ہے۔

سالک کی روحانی ترقی ذکر کے ذریعے سے بھی ہوتی ہے اور مرشد کی توجہات سے بھی۔ تاہم ذکر کرنے سے جو راستہ سالوں میں طے ہوتا ہے وہ مرشد کی توجہات سے لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا:

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:

سایہ رہبر بہتر است از ذکر حق

”رہبر کا سایہ بھی ذکر حق سے بہتر ہے“

کسی عارف نے کہا کہ علماء کی محفل میں بیٹھو، تو زبان سنجال کر بیٹھو۔ ملوک و سلاطین کی محفل میں بیٹھو تو نگاہ کو سنبھال کر بیٹھو اور اہل اللہ کی محفل

میں بیٹھو تول کو سنبھال کر بیٹھو۔

صحابہ کرامؓ کو نبی ﷺ کی چند لمحوں کی صحبت سے وہ کچھ نصیب ہوا جو غیر صحابہ کو ہزاروں سال کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت خولجہ باقی باللہؒ کی ایک توجہ سے نان پانی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ (ایضاً: ۵۶-۵۷)

☆..... ادب نمبر ۲۲: شیخ کے پس بیٹھ کو وظیفہ وغیرہ میں مشغول نہ ہوا اگر کچھ پڑھنا لازمی ہو تو اسکی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔ مرشد کی موجودگی میں سالک کو رابطہ قلبی میں جو فائدہ ملتا ہے وہ ذکر و وظائف سے نہیں ملتا۔ مرشد کی مثال سورج کی مانند اور مرید کی مثال پھل پھول کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح سورج کی حرارت سے پھلوں کا ذائقہ بہتر ہو جاتا ہے یا پھولوں کی رنگت میں خوشنما کی آتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح مرشد کی توجہات سے سالک کے دل میں نورانیت آتی رہتی ہے۔ اگر مرید کوئی وظائف کرنا چاہے تو شیخ کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر کرے۔ (ایضاً: ۷۶)

☆..... ادب نمبر ۲۳: بلا اجازت اس کے سامنے کھانا نہ کھائے نہ پانی پئے نہ وضو کرے نہ اس کے برتن استعمال کرے۔ اس کی طہارت اور وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔ جو آداب شیخ کے روبرو بجالاتا ہے وہی پیچھے بھی بجالائے تاکہ اخلاص نصیب ہو۔

☆..... فائدہ: مرشد کے سامنے بلا اجازت کھانے پینے میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ مرشد اپنے دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت دے تو بیٹھ جائے ورنہ بخوشی پیچھے ہٹ جائے۔ مرشد کی نظر وہ کچھ دیکھ سکتی ہے۔ جو سالک کی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ سلسلہ عالیہ شاذلیہ کے مشائخ کا دستور ہے کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء میں توجہ شامل کر کے سالک کو کھلاتے ہیں ان کے ہاں بعض مشائخ تو خلافت و اجازت سلسلہ دیتے ہوئے اس بات پر عہد لیتے ہیں کہ تم اپنی توجہات کھانے پینے کی چیزوں میں شامل کر کے سالکین کو پیش کیا کرو گے۔ تصوف کی کتب معتبرہ میں منقول ہے کہ بعض مشائخ نے خلافت دیتے وقت اپنے ہاتھ سے کوئی چیز سالک کو کھلائی۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کیلئے نہایت پر تکلف کھانوں پر مشتمل دسترخوان چنا گیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی حاضر خدمت تھے حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک چپاتی آٹھائی ایک پلیٹ میں تھوڑی سی دال ڈالی اور حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا ”مولانا! اس دسترخوان کے کونے پر بیٹھ کر یہ کھانا کھا لو۔“ حضرت گنگوہیؒ برضا و رغبت کھانے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت سخت لہجے میں کہا: رشید احمد! جی تو چاہتا تھا کہ تمہیں جو توں والی جگہ پر بٹھاتا مگر رعایت کر لی کہ دسترخوان پر بٹھالیا۔“ یہ کہتے ہی حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا ”حضرت! آپ نے سچ فرمایا اسی قابل تھا کہ جو توں میں بٹھالیا تھا۔ آپ کا احسان ہے جو یہاں بیٹھنے دیا۔“ حضرت حاجیؒ نے ملاحظہ کیا کہ لوگوں کے سامنے اتنی کڑوی سن کر بھی مولانا کا نفس نہیں بھڑکا تو فرمایا ”الحمد للہ“ ذکر کے اثرات محسوس ہو رہے ہیں۔“ (ایضاً: ۵۸-۶۰)



☆..... ادب نمبر ۲۴: شیخ کے سایہ پر قدم نہ رکھے اور حتی الامکان ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

☆..... فائدہ: کسی چیز کو پاؤں تلے روندنا اس کی تحقیر کی علامت ہوتی ہے۔ سالک کو چاہئے کہ مرشد کے سایہ پر بھی قدم نہ رکھے۔ تاکہ بے حرمتی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسی طرح اپنا سایہ مرشد پر نہ پڑنے دے کہ بسا اوقات روشنی کا رک جانا طبعی الجھن کا سبب بنتا ہے۔ سالک ان آداب کو معمولی نہ سمجھے کیونکہ چھوٹے چھوٹے ذرات بل کر ہی ریت کے ٹیلے بن جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک دانہ خرمن کو تو نہیں بھرتا مگر ان دانوں کی مدد ضرور کرتا ہے جو خرمن کو بھر دیا کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کا قول ہے ”گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو بلکہ اس ذات کی عظمت کو دیکھو جس کی نافرمانی ہو رہی ہے“ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی ادب ک و چھوٹا نہ سمجھو بلکہ مرشد کی ذات کو سامنے رکھو جو مالک حقیقی سے واصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ حضرت مرشد عالمؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک طالب صادق حضرت خواجہ فضل علی قرینیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کہنے لگا ”حضرت کچھ دنوں سے لطائف بند ہو گئے ہیں، سمجھ نہیں آتی کیا وجہ ہے۔“ حضرت نے فرمایا ”غور کرو آپ سے کوئی نہ کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہے جس کی یہ سزا ہے“ وہ سالک کافی دیر غور کرتا رہا۔ بالآخر اسے یاد کہ چند دن پہلے مرشد کا عصا پڑا ہوا تھا۔ اور وہ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا چنانچہ توبہ استغفار کرنے سے لطائف دوبارہ جاری ہو گئے۔ (ایضاً: ۶۰-۶۱)

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا: کہ فروغ الایمان لکھا ہے کہ شیخ کا ایک ادب یہ ہے کہ مرید اپنا اس ایہ شیخ پر نہ پڑنے دے۔ حضرت نے فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہوں تو اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پائے ورنہ چاکیں پڑنے اور اس میں حرکت ہونے سے اس کی یکسوئی میں فرق آکر کام میں خلل پڑے گا۔ غرض اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا کدورت نہ ہونے پائے۔ (کمالات اشرفیہ، ماخذ: ضرورت مرشد، ۳۴/۱)

شیخ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ اس پر سایہ پڑے کہ اس بھی الجھن ہوتی ہے۔ پس اس کا منشاء اذیت ہونے کی وجہ سے منع کیا گیا۔ (انفاس عسفی، ماخذ: بلا)

☆..... ادب نمبر ۲۵: مرشد کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے اس کے مصلیٰ پر پاؤں نہ رکھے۔

☆..... فائدہ: اس کی اصل حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کا عمل ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو تیسرے درجے پر کھڑے ہوتے تھے۔ جبکہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے دور خلافت میں خطبہ دینے کے لئے دوسرے درجے پ رکھڑے ہوتے تھے۔ یہ ازراہ ادب تھا مرشد کے مصلے پر نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ ظاہراً اس سے ”مساوات“ کا دعویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ (ایضاً: ۵۸)

ادب نمبر ۲۶: جس جگہ مرشد بیٹھا ہوا اس طرف پاؤں نہ پھیلانے اس کی طرف منہ کر کے نہ تھو کے اگرچہ سامنے نہ ہو۔

فائدہ: فقہائے کرام نے بیت اللہ شریف کی طرف پاؤں یا تھو کنا مکروہ لکھا ہے۔ اگرچہ بیت اللہ سامنے نہ ہو۔ جس طرح بیت اللہ مرکز انوار تجلیات ہے اسی طرح مرشد کا قلب بھی تجلیات ذاتیہ کا مورد ہوتا ہے لہذا مرشد کیلئے بھی انہی آداب کی رعایت ضروری ہے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ طواف کرنے کے بعد کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیت اللہ! تیری حرمت بھی بہت زیادہ ہے مگر ”حرمة المؤمن ارجح من حرمة الکعبة“ ”مومن کی عزت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے“ (ابن ماجہ: ۱۰۰)

ادب نمبر ۲۷: شیخ کے آگے نہ چلے اور پیچھے چلنے میں شرم نہ کرے بلکہ سعادت سمجھے۔

فائدہ: مرشد کے آگے نہ چلنے سے مراد یہ ہے کہ دن کے اوقات میں چلتے ہوئے بلا ضرورت ان سے آگے نہ بڑھے۔ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے تو مضائقہ نہیں، بلکہ بسا اوقات آگے چلنا بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً رات کے وقت اس نیت سے آگے چلنا کہ کوئی موذی جاندار راستے میں نہ ہو یا کوئی ایسا پتھر نہ پڑا ہو کہ کوئی ٹھوکر کھا کر گرے یا خود مرشد ہی کسی وجہ سے آگے چنے کا حکم دیں تو پھر آگے چلنا ہی عین ادب ہے۔ ”الامرفوق الادب“ ”حکم ادب پر فوق ہے“

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم حرم شریف سے نکلے تو کسی کے ہاں جانا تھا۔ حضرت نے میزبان سے کہا کہ آگے چلیں ہمیں راستے کا پتہ نہیں، وہ کہنے لگے ”نہیں نہیں حضرت آپ ہی آگے چلیں میں راستہ بتا دوں گا“ اب چلتے چلتے جب کوئی موڑ آتا تو حضرت کو پیچھے مڑ کر پوچھنا پڑتا کہ کس طرف جانا ہے چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت نے دوبارہ میزبان سے کہا کہ آپ آگے چلیں وہ پھر معذرت کرنے لگے کہ نہیں حضرت بس میں پیچھے ہی ٹھیک ہوں۔ جب تیسری مرتبہ کہنے پر بھی انہوں نے وہی جواب دیا تو حضرت نے غصے میں آ کر عصا لہرایا اور کہا ”تو میڈا پیراں یا میں تیزا پیراں“ ”تو میرا پیر ہے یا میں تیرا پیر ہوں“ تب ان صاحب کو حقیقت سمجھ آئی اور وہ آگے چلنے لگے۔

حضرت ابو بکرؓ جب سفر ہجرت میں نبی ﷺ کے ہمراہ چلے تو کچھ دیر پیچھے پیچھے پھر آگے چنے لگے پھر کبھی دائیں چلتے اور کبھی بائیں چلتے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب پیچھے چلتا ہوں تو خیال آتا ہے دشمن آگے سے نہ حملہ کر دے۔ جب آگے چلتا ہوں تو دائیں بائیں سے حملے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس لئے پھر دائیں بائیں چلتا ہوں۔ نبی ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ یہ عشق و محبت کی داستان تھی۔ پورے سفر میں یہی معاملہ رہا۔ جیسے پروانہ کسی شمع کے گرد طواف کر رہا ہوتا ہے۔ ”ہینا لارباب النعیم نعیمہا“ ”اہل نعمت کو اپنی نعمت مبارک ہو“ عام اصول یہی ہے کہ مریہ بلا ضرورت مرشد کے آگے نہ چلے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نوجوان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی اپنے باپ کا نام لیکر نہ پکارنا اور راستہ چلتے ہوئے آگے نہ چلنا۔

عیون الاخبار میں ہے کہ حضرت عمر بن زیدؓ سے ان کے بیٹے کی تعلیم و تربیت اور حسن ادب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ”میں دن میں نہیں چال مگر وہ میرے پیچھے تھا، میں رات میں نہیں چلا مگر وہ آگے تھا، اور وہ کسی ایسی چھت پہ نہیں چڑھا۔ جس کے میں نیچے تھا۔“

حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے مرشد کے پیچھے راہوں لیے (پالٹو مینڈھے) کی طرح چلتا تھا۔ (ایضاً ۶۱-۶۲)

☆..... ادب نمبر ۲۸: مرشد کا کلام دوسروں کے سامنے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں جس بات کے بارے میں یہ گمان ہو کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو اسے ہرگز بیان نہ کرے۔ کیونکہ بعض باتیں صرف خواص کے لئے ہوتی ہیں۔

☆..... فائدہ: سالک کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مرشد کی صحبت میں سنی ہوئی معرفت کی باتیں ہر خاص و عام کو سنا تا پھرے کچھ باتیں سمجھنے کے لئے استعداد کی ضرورت ہوتی ہے اگر استعداد نہ ہو تو ایسی باتیں فائدے کی بجائے نقصان دیتی ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ ”کلموا الناس علی قدر عقولہم“ ”لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو“۔ (ایضاً ۷۷-۷۸)

☆..... ادب نمبر ۲۹: اگر کوئی مرتبہ یا منصب عنایت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قبول کرے، دل میں کوئی دنیوی خیال نہ آئے۔

☆..... فائدہ: اگر مرشد کوئی منصب یا مرتبہ عطا کریں تو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے جان و دل سے قبول کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت نہیں قبولیت شرط ہے۔ وہ چاہے تو خاک سے افلاک تک پہنچائے۔ کس کی مجال ہے کہے ”اھولاء من اللہ علیہم من بیننا“ ”حضرت فضیل بن عیاض گور ہزنوں کے گروہ سے چنا، ولیوں کا سردار بنادیا۔ خالد گوشت پرستی سے نکالا اور سینف اللہ کا تاج پہنا دیا۔ وہ اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو سب عیب ہنر ہیں۔ مٹھی بھر خاک قدموں کے نیچے آنے والی سے کہا: ”انسی جاعل فی الارض خلیفہ“ لطف الہی کا جھوڑکا چلتا ہے تو مردود کو مقبول بناتے اور خاک کو کیما بننے دینے لگتی۔ وہ چاہتا ہے تو کتے کو ولیوں کی صف میں بٹھا کر قرآن میں اس کے تذکرے کر دیتا ہے۔ اور ”کلبہم باسط“ کے الفاظ کہہ کر مرتبہ بڑھادیتا ہے کبھی میخانہ رحمت جوش میں آتا ہے تو مطلوب خود طالب کو کھینچتا ہے پھر محروم رہنے کا کیا سوال۔ پھر تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔ رہی بات یہ کہ سالک سوچے میں اس قابل نہیں قابل تو مرتے وقت تک نہیں ہوں گے۔ جس نے سوچا میں اب اس قابل ہو گیا ہوں یہی اس کی ناقابلیت کی دلیل ہے۔ (ایضاً ۸۰-۸۱)

☆..... ادب نمبر ۳۰: اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالا مال ہو۔ (اس کا تفصیل ”تکرار بیعت کا حکم“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔

## مریدوں کو وصیت

مرید کا پہلا قدم

جو شخص اس طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے، اس کے لئے سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے، تاکہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو۔ کیونکہ شیوخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔ لہذا اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہئے، جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک، گمراہی اور بدعنوانی سے خالی ہو اور وہ اعتقاد دلائل سے پیدا ہوئے ہیں۔ (الرسالۃ لقصیر یہ مترجم رد ۵۸۳)

مرید کیسے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے۔  
جو کوئی مرید اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرے، تو اسے پہلے اس قدر علم شریعت جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کر سکے، یا تو تحقیقی طور پر یا ائمہ سے پوچھ کر حاصل کرنا چاہئے۔  
مرید کے لئے شیخ کا پکڑنا لازمی ہے۔

چنانچہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔  
ابوعلیٰ دقاق سے مروی ہے کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے لگایا ہو، خود آگ گیا ہو، تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے، مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو، جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے، تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔  
مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے۔

یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے، تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، چنانچہ اسے تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، چھوٹی ہوں یا بڑی، چھوڑ دینا چاہئے۔  
..... خصوصاً کوراضی کرنا۔

مرید کے لئے ان لوگوں کو جن سے اس کا کسی قسم کا بھی جھگڑا ہو، راضی کر لینا چاہئے، کیونکہ جس سے اس کے خصم راضی نہ ہوں گے۔ وہ راہ طریقت میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا، صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔  
..... دنیوی تعلقات کو کم کئے جانا۔

اس کے بعد بنیادی تعلقات اور شواغل کو کم کرتے جانا چاہئے۔ اس لئے کہ طریقت کی بنیادی بات پر ہے کہ دل دنیاوی مشاغل سے خالی

شبلی کا حصری کو حکم: ”شبلی“ حصری کو شروع میں فرمایا کرتے کہ ایک جمعہ کے بعد جب دوسرے جمعہ کو تم میرے پاس آنے لگو، تو اگر اس عرصہ میں تمہارے دل میں غیر اللہ کا خیال بھی آگیا ہو تو پھر میرے پاس آنا تمہارے لئے حرام ہے۔

☆..... آداب مرید میں سے بلکہ اس کی حالت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنی خلوت کی جگہ سے نہ نکلے۔

☆..... مرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا۔

مرید کی ساری پونجی یہی ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو بطیب خاطر برداشت کرے اور جو کچھ اس پیش آئے، اسے رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ دکھ اور فاقہ پر صبر کرے، کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے، خواہ چھوٹی بات ہو، یا بڑی۔ جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کر سکتا ہو اسے طریق فقر چھوڑ کر بازار میں بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ جو مرید انہی باتوں کی خواہش رکھتا ہو، جن کی عام لوگ خواہش رکھتے ہیں، تو اسے اپنی خواہشات کو دیں سے حاصل کرنا چاہئے، جہاں سے وہ لوگ حاصل کرتے ہیں، یعنی ہاتھ کی محنت کی کمائی سے۔

☆..... مرید کو مشاہدات کی طرف دل نہ لگانا چاہئے۔

مرید کو مشاہدات ابتداء ارادت میں حاصل ہوں، ان کی طرف دل نہ لگانا چاہئے جب مرید متواتر ذکر جاری رکھے اور خلوت پذیر ہو، تو اگر اسے اسی حالت میں ایسے امور حاصل ہوں، جو پہلے حاصل نہ تھے، خواہ خواب میں، خواہ بیداری یا خواب اور بیداری کے بین بین... مثلاً یہ کہ وہ یہ سنے کہ کوئی شخص اسے خطاب کر رہا ہے، یا کوئی اور خارق عادت بات کا مشاہدہ کرے، تو اسے اس کے ساتھ قطعاً مشغول نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہونا چاہئے اور نہ ہی اس قسم کے اور مشاہدات کا منتظر رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ تمام امور حق تعالیٰ سے بنادینے والے ہیں، اس لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان حالات کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے، تاکہ اس کا دل اس سے خالی ہو جائے، شیخ کو بھی چاہئے کہ اس کے راز کو محفوظ رکھے اور دوسروں سے اسے چھپائے رکھے۔ مگر اس کی اپنی نگاہ میں ان باتوں کو اس کے سامنے حقیر اور معمولی بتائے، کیونکہ امور تمام کے تمام آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں اور ان پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا، دھوکہ ہوتا ہے، مرید کو ان سے اور ان کی طرف نگاہ سے بچنا چاہئے اور اپنی ہمت ان امور کی طرف لگانی چاہئے، جو اس سے بلند تر ہوں۔

☆..... مشاہدات سے انس محسوس کرنا مرید کے لئے مضر ہے۔

یاد رکھو کہ مرید کیلئے سب سے زیادہ ضرور رساں امر یہ ہے کہ وہ ان امور پر جو اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف ڈالے جاتے ہیں، انس محسوس کرے..... مثلاً حق تعالیٰ کا اسے اپنے قرب عطاء کرنا اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس بات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور تمہارے ہم جنسوں سے تمہیں ممتاز کر دیا ہے، کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کر دینے کا عزم کرے گا، تو اسے ان سے ہٹا کر مکاشفات حقیقت سے ہٹا دیا جائے گا۔ کتابوں میں ان امور کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔

☆..... شیخ کی تلاش میں ہجرت کرنا۔

احکام مرید میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے تو وہ ہجرت کر کے ایسے

شخص کے پاس چلا جائے جو مریدوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اس کے پاس رہے اور اس کے در کو اس وقت تک نہ چھوڑے، جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے۔

شیخ کا دل مرید کو قبول کرنا۔

اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کرے، تو یہ اس کے لئے سعادت کا باعث ہے۔ شیخ کے دل کا مرید کو قبول کر لینا مرید کی سعادت مندی کا بہترین ثبوت ہے اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا، وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے گا، خواہ کچھ مدت کے بعد ہی دیکھے اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا، تو اس نے بد بختی کے علامات ظاہر کر دیے اور اس قسم کا شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

مرید کو نو خیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔

اس راہ میں سخت ترین آفت نو خیز بچوں کی صحبت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت میں مبتلا کر دیا تو اس بات پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل و خوار کر دیا۔ بلکہ اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا، خواہ اسے ہزار ہا کرامات کا اہل کیوں نہ بنادیا ہو اور فرض کرو کہ وہ شخص شہداء کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے (تب بھی کوئی بات نہیں) کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کیا یہ دل اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف مشغول نہیں ہوا، اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ مرید اسے معمولی بات سمجھنے لگ جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَتَحْسِبُونَهُ هِينًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ﴾ ”تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک بڑی بات ہے۔“

واسطی سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے تو اسے رن، بد بوؤں اور مرداروں کو طرف ڈال دیتا ہے۔ فتح موصیٰ سے مروی ہے کہ میں تمیں ایسے شیوخ کی صحبت میں رہا ہوں، جو ابدال میں شمار ہوتے تھے اور جب میں ان سے جدا ہونے لگا، تو ہر ایک نے یہی نصیحت کی اور فرمایا: نو خیزوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنے سے بچتے رہنا اور جو لوگ اس سلسلہ میں فسق کی حالت سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یو تو روح کی آزمائش ہے اور یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے، یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں، جو صنعت خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں اور وہ اس سلسلہ میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں، حالانکہ ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے۔ مرید کو نو خیزوں کی صحبت سے میل جول رکھنے سے بچنا ہی چاہئے، اس لئے کہ تھوڑی سی یہ صحبت رسوائی کے دروازے کھول دیے گی اور خدا سے جدا کر دے گی، ہم اللہ تعالیٰ کے پاس بری قضاء سے پناہ چاہتے ہیں۔

..... مرید کو حسد سے بچنا چاہئے۔

مرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس بات سے اثر پذیر ہوتا ہے کہ اس کے برادران طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور خود اس سے محروم ہے۔ یاد رکھو! تمام امور اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہیں، بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت پاسکتا ہے، جب وہ ذات حق پر اکتفا کرے اور اللہ تعالیٰ

نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے، تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے، لہذا اے مرید! جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے، تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادت مندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

☆..... مرید کا کام ایثار کرنا ہے۔

یاد رکھو کہ جب ایسا اتفاق ہو کہ مرید کچھ لوگوں کے اندر ہے، تو اسے سب کچھ ایثار کر دینا چاہئے اور وہ بھوکے ہوں خواہیں، اپنے سے مقدم جانا چاہئے اور جو شخص بھی اپنے آپ کو شیخ بنائے، اسے اسکی شاگردی کرنا چاہئے، خواہ وہ خود اس سے زیادہ علم کیوں نہ رکھتا ہو، یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب وہ اپنی قوت اور چالاکی سے بیزار ہو اور مرتبہ تک پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان ہی ہو سکتا ہے۔

☆..... مرید صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے۔

آداب مرید میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس بات کے درپے ہو کہ کوئی اس کا شاگرد یا مرید ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرید مراد بن گیا، حالانکہ ابھی تک اس کی بشریت فنا نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی آفتیں ساقط ہوئی ہیں، تو وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا۔ اس کے اشارات اور تعلیم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

☆..... تصوف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے۔

طریقت کے بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے، جو اس کو ممنوع چیزوں سے بچانے اور غفلت ترک کے اپنے سانسوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شمار کرنے پر ہے، نیز یہ کہ مرید ضرورت کے وقت بھی ایک رائی بھر بھی ایسی چیز جس میں شبہ ہو، حلال نہ سمجھے، چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت۔

☆..... مرید شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔

مرید کا یہ خاصہ بھی ہے شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ اس لئے کہ جس نے اپنی خواہشات کا ساتھ دیا، اس کے باطن کی صفائی جاتی رہی۔ مرید کے لئے بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ ایسی خواہش کی طرف رجوع کرے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک چکا ہے۔

☆..... مرید ان عہدوں پر جو اس نے اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے ہیں قائم رہے۔

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو عہدہ وہ اللہ تعالیٰ سے کر چکا ہے اس پر قائم رہے۔ کیونکہ طریقت میں عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے، جیسا اہل ظاہر کے نزدیک دین سے پھر جانا (یعنی مرتد ہو جانا) مرید کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ امور جو شریعت نے لازم قرار دیے ہیں، مرید کی تمام قوت کو صرف کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ”ابتدعوہا وما کتبنا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوہا حق رعایتہا“ (ربانیت کو)

انہوں نے خود بخود گھڑ لیا تھا، حالانکہ ہم نے رہبانیت ان پر فرض قرار نہیں دی تھی، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کرنا ان پر فرض کیا تھا، مگر انہوں نے اس خود ساختہ رہبانیت کا جیسے کہ حق تھا خیال نہ رکھا۔“

☆..... مرید امیدوں کو کم کرے۔

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ امیدوں کو کم کرے، کیونکہ وہ تو وقت کا بیٹا ہوتا ہے، لہذا اگر مرید کسی آئندہ چیز کی تدبیر کرے اور جس حالت میں وہ اس وقت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کی طرف امید لگائے رکھے، یا کسی نئے چیز کی امید ہو تو اس مرید سے کچھ نہ بن آئے گا۔

☆..... مرید کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں۔

مرید کی یہ شان ہونی چاہئے بلکہ اس مذہب کے تمام سر لکھیں کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں۔

چہ جائیکہ ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے، ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے، اس کی انہوں نے وصیت کی ہے اور جس نے اس کو معمولی بات سمجھا، وہ عنقریب ایسے امور سے دوچار ہوگا، جو اسے رسوا کر دیں گے۔

☆..... مرید کو دنیا داروں سے دور رہنا چاہئے۔

مرید کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ وہ دنیا داروں سے دور رہے، کیونکہ ان کی صحبت تجربہ شدہ زہر قاتل ہے، اس لئے کہ دنیا دار تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اسے ان سے نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فرمان الہی ہے: ﴿وَلَا تَطْعُمْ مَنِ اغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ لگیں، جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔

زائد لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے مال اپنی ہتھلیوں سے نکالتے ہیں اور اہل صفاء اللہ تعالیٰ کی مدد سے تحقیق کر کے اخلاق اور معرف کو دل سے نکالتے ہیں۔

استاد امام القاسم عبدالکریم بن ہوازی قشیری فرماتے ہیں: مریدوں کو میری یہ وصیت ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان وصیتوں کو ان کے لئے وبال نہ بنائے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم اردو: ۵۸۳ تا ۶۰۰)



## اولیاء کرام کی تعریف اور ان کی علامات

اللہ تعالیٰ شانہ، نے اپنے کلام پاک میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر متعدد جگہ فرمایا ہے۔ کہیں ان کو اولیاء اللہ فرمایا گیا ہے۔ کہیں صادقون، کہیں مقربون، کہیں سابقون اور کہیں ابرار وغیرہ کے الفاظ تعبیر فرمایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا إِنَّا أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (یونس ۶۲، ۶۳، ۶۴) (یعنی) توجہ سے سے سنو! اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی مقصد کے فوت ہونے پر غمگین ہوتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو خوف ناک اور غمناک حادثوں سے بچاتا ہے) اور اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان والے ہیں اور گناہوں سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیاوی زندگی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے خوف و ملال سے بچنے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ (بیان القرآن، بحوالہ طبقات الصوفیہ مترجم اردو، ۳)

☆..... ولی کے معنی اور تعریف:

علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں: ”استاد شیخ (ابوعلی الدقاق) فرماتے ہیں ولی کے دو معنی ہیں: (۱)۔ پہلا معنی (ولی) ”فعیل“ (کے وزن پر) ”مفعول“ کے معنی میں ہے اور وہ یہ کہ جس کے معاملات کا اللہ تعالیٰ خود نگران بن جائے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وہو یتولی الصالحین) (اور اللہ تعالیٰ لحظہ کے لئے بھی اس کی ذات کے سپرد نہیں کرتا بلکہ خود حق سبحانہ اس کی ضروریات کی کفایت کرتا ہے۔

(۲)۔ دوسرا (معنی ولی) ”فعیل“ (کے وزن پر) ”اسم فاعل“ سے مبالغہ (کا صیغہ) ہے (اس کا معنی یہ ہے کہ) ”ولسی“ اللہ کی عبادت اور اطاعت میں ہمد تن مصروف رہتا ہے اس کی عبادت جاری رہتی ہے اور اس دوران اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور یہ دونوں صفات (نیکی کرنا اور گناہوں سے بچنا ولی میں) لازمی ہیں تاکہ ولی (واقعی) ولی بن جائے اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی صحیح اور مکمل طور پر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کی خوشی اور غمی میں (ہر حال میں) حفاظت کرنا (بھی ضروری ہے)۔“ (رسالہ قشیریہ، بحوالہ طبقات الصوفیہ، ۱۱)

☆..... حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں میں سب کو روزی دیتا ہوں لیکن کسب اور محنت کے ذریعہ لیکن جو میرے دوست ہوتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں ان کو بھی محنت کے ساتھ روزی دوں تو میں ان کو بلا محنت کے دیتا ہوں..... خوشی میں حفاظت یہ ہے کہ اسے اترانے نہیں دیتا اور غمی میں یہ ہے کہ اسے بے صبری سے بچاتا ہے۔

(از حضرت مولانا محمد دریس الدہلوی مدظلہ العالی)

☆..... حضرت مولانا مفتی شفیع تحریر فرماتے ہیں: ”اولیاء ولی کی جمع ہے، لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں آتا ہے اور دوست و محبت کے معنی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب و محبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان و حیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہو تو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت اور (وجہ) وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ شانہ سے حاصل ہے گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے ہاں لفظ ”اولیاء

اللہ“ میں یہ درجہ ولایت مراد نہیں بلکہ ولایت و محبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ ”اولیاء اللہ“ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نقلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے، میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت و سکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن: ج ۴، ص ۵۴۸)

..... ایک فطری خواہش

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: جس شخص نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں ایک فطری خواہش ہوتی ہے کہ میں اللہ کا ولی بن جاؤں۔ بظاہر اعمال اچھے نہ ہوں، غفلت کی زندگی ہو، تمنا ضرور ہوتی ہے۔ (خطبات نقیر: ۲۱۷/۲۱۸)

## ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت ہے

محبوب العلماء مدظلہ العالی فرماتے ہیں: پہلی بات تو یہ کہ امام ربانی مجدد الف الثانی نے لکھا ہے کہ ہر انسان ”ولسی بالقوة“ ہے۔ اور ”ولسی بالفعل“ کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ ”ولسی بالقوة“ کا مطلب یہ کہ اس میں ولی بننے کی صلاحیت ہے۔ عمل کی ضرورت ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ہر بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن ہر بیج درخت تو نہیں بنتا۔ درخت بننے کے لئے زرخیز زمین کامل جانا، کوئی خیر خبر رکھنے والا مالی مل جانا، پانی کامل جانا، اچھے موسم کامل جانا، جب یہ سب چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں تو بیج اگتا ہے، پودہ بنتا ہے اور بالآخر وہ درخت بن جاتا ہے۔ تو بیج میں درخت بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کے لئے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کو اچھے ماحول کی اور کسی اللہ والے کی ضرورت ہوتی ہے، تب ولی بنتا ہے۔ ورنہ تو جس طرح بیج زمین میں آکر مر جاتا ہے انسان بھی برے ماحول میں آکر اس کی جتنی بھی استعداد ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

(خطبات نقیر: ۲۱۷/۲۱۸)

## ولایت کسی چیز ہے

محبوب الصالحا تحریر فرماتے ہیں: ولایت کسی چیز ہے، نبوت وہی چیز ہے۔ وہی کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت اپنے فضل اور کرم سے جن کو عطا کی ان کو ولی اور اس کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ پر آکر ختم ہو گیا لیکن ولایت کسی چیز ہے۔ کسی کا معنی ہے کہ محنت کر کے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک آدمی یہ نیت کر لے کہ مجھے پہلو ان بنتا ہے پھر اس کے بعد وہ اکھاڑے میں جانا شروع کر دے، اچھی غذا کھانا شروع کر دے، ورزش کرے تو واقعی دو چار سال کے بعد وہ پہلو ان بن

جائے گا۔ اس کے muscels (پٹھے) مضبوط بنے ہوئے ہوں گے، اس کو دوسرے کو پچھاڑنے کے دائرہ پہنچ آتے ہوں گے، وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے محنت کی ہے۔ تو جس طرح پہلوان بننا یہ کسی چیز ہے۔ اسی طرح ولایت کو حاصل کرنا بھی کسی چیز ہے۔ جو انسان ولی بننا چاہے وہ نیکی تقویٰ کی زندگی اختیار کرے ولی بن سکتا ہے، یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ (خطبہ ۲۱، ۲۱۸)

ولایت کی دو قسمیں

(۱)..... ولایت عامہ: جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کو عمومی ولایت حاصل ہوگئی۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے خود فرمادیا: ﴿وَلِیُّ الدِّیْنِ اَمَنُوْا﴾ (البقرہ: ۲۵۷)

یہ عمومی ولایت تو ہر کلمہ گو کو حاصل ہے۔ غافل ہے یا باعمل ہے جیسی بھی زندگی گزار رہا ہے لیکن کلمہ پڑھا ہے، یہ کلمہ کا پڑھ لینا اتنا بڑا عمل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۲)..... ولایت خاصہ: دوسری ہے ولایت خاصہ۔ جس کو ہم حقیقتاً ولایت سمجھتے ہیں اور جس کی تمنا ہم دل میں رکھتے ہیں۔ عام طور پر ولی کا لفظ اسی ولایت پر بولا جاتا ہے کہ فلاں بندہ ولی ہے، فلاں بڑے ولی گزارے ہیں۔ اس سے مراد یہی ولایت ہوتی ہے۔ یہ بھی کسی چیز ہے، حاصل کی جاسکتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولایت کیسے حاصل کی جائے؟ اس کا مفہوم ذہنوں میں اچھی طرح واضح ہونا چاہئے کہ ولایت ہوتی کیا ہے؟ دیکھیں!

☆..... ولایت اچھے خواب دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

☆..... رنگوں کو دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

☆..... پانی پہ چلنے کا نام نہیں ہے۔

☆..... ہوا میں اڑنے کا نام نہیں ہے۔

☆..... مقدمات فتح ہو جانے کا نام نہیں ہے۔

☆..... وعائیں قبول ہو جانے کا نام ولایت نہیں ہے۔

☆..... دشمن پہ غالب آ جانے کا نام نہیں ہے۔

☆..... دنیا میں شہرت ہو جانا اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

☆..... انسان زیادہ باتیں کرنے والا بن جائے اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

ولایت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ولایت کہتے ہیں کہ انسان اللہ رب العزت کی نافرمانی کو ترک کر دے، اس کی زندگی سے گناہ نکل جائیں، اس کو مقام تسلیم نصیب ہو جائے۔

جیسے فرمایا ابراہیم کے بارے میں: ﴿اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (البقرہ: ۱۲۵) ”جب ان کے پروردگار نے کہا کہ سر تسلیم خم کرو! تو وہ (فورا) بول اٹھے میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا“ جو اللہ کے سامنے جھک جائے اور تہیہ کر لے کہ میں

نے آج کے بعد علم اور ارادے سے گناہ نہیں کرنا۔ وہ اللہ کا ولی ہے۔

### تقویٰ والے اللہ کے والی

جو بندہ بھی ارادہ کر لے کہ میں نے آج کے بعد علم اور ارادہ سے گناہ نہیں کرنا اور پھر خلاف شریعت کاموں سے بچے، یہ شخص دلی ہے۔ یہ متقی شخص ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنْ أُولَٰئِكَ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (الانفال ۲۴) جو متقی ہوتے ہیں وہی اللہ کے ولی ہوتے ہیں تو یہ سادہ سی بات ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ جی ولی بننے کے لیے پتہ نہیں سالوں بھوکا رہنا پڑے گا..... گھر کو چھوڑ کر جانا پڑے گا..... بیوی سے دور ہونا پڑے گا..... صاف ستر لباس پہننا چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سب غلط تصورات ہیں۔ شریعت کے دائرے میں جو چیز جائز ہے آپ اس کو کیجئے، لیکن دائرہ شریعت کے اندر رہیے۔ جو شخص اپنے آپ پے اتنا قابو پالے کہ کوئی کام شریعت کے خلاف نہ کرے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے خصوصی اولیاء میں شامل ہے۔ اب اس نے ارادہ گناہ چھوڑ دیا، یہ اللہ کا ولی بن گیا ہے۔ اب اس کے زندگی دائرہ شریعت کے اندر گزر رہی ہے یہ گناہوں کو کرنے کے حیلے بہانے نہیں ڈھونڈتا، اب اس کی فطرت ایسی اچھی ہو گئی کہ بس جو حکم شریعت ہے اس پہ سر جھکا دیتا ہے، ہر کام سنت کے مطابق کرتا ہے، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، دن رات اسی محنت میں، اسی کام میں لگا ہوا ہے، یہ اللہ کا ولی ہے۔

### ہر قسم کا بندہ ولایت حاصل کر سکتا ہے

جو بندہ شریعت کے آگے سر تسلیم خم کر چکا، اب یہ چاہئے دفتر بھی جائے، کھیتی بڑی بھی کرے، بزنس بھی کرے، ہر کام کرے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ سکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹی میں، دفاتروں میں، زندگی گزارنے والے بھی دلی بن سکتے ہیں۔ یہ جو تصور دل میں آجاتا ہے کہ ولی بننے کیلئے تو شاید کچھ چھوڑ چھوڑ کر مصلے سے چپکنا پڑے گا۔ نہیں! ایسی بات نہیں۔ جو عبادت مصلے پہ ہوتی ہے، وہ تو کرنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی باقی ہر کام شریعت کے مطابق کرنا، اس کا نام ولایت ہے۔ اتنی سادہ سی بات ہے۔ بس ایک عہد چاہئے کہ آج کے بعد میں نے گناہ نہیں کرنا۔ جس آدمی نے اللہ کے سامنے یہ کہہ دیا کہ اللہ! آج سے میں نے دل سے مان لیا کہ میں تیرا بن گیا، اسے ولایت مل گئی۔

### لحوں میں ولایت ملتی ہے

کوئی سالوں کی ضرورت نہیں، کوئی مہینوں کی ضرورت نہیں، لحوں میں ولایت ملتی ہے۔ ایک عہد کرنا ہے..... ایک کٹمنٹ کرنی ہے کہ میں نے آج کے بعد گناہ نہیں کرنا۔ اور پھر شریعت کے مطابق چلے۔ جیسے سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

☆..... شریعت کے راکھوں لیے

بعض دفعہ قربانی کے موقع پہ لوگ مینڈھے بکرے پالتے ہیں تو ان کو سی نہیں ڈالتے۔ نہلا دھلا کر شام کو لوگ نکلتے ہیں تو جانور ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ مالک بات کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔ مالک چل پڑتا ہے تو وہ بھی چل پڑتا ہے، مالک دائیں مڑا تو یہ بھی دائیں مڑ جاتا ہے۔ اس کو ہم کہتے ہیں راکھواں لیل۔

جو ولی ہوتا ہے وہ شریعت کا راکھواں لایا ہوتا ہے۔ جو شریعت نے کہا یہ پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، یہ اللہ کا ولی ہے۔ گورا ہے کالا ہے..... عربی ہے عجمی ہے..... امیر ہے یا غریب ہے..... یہ محملِ قالیںوں پہ زندگی گزارتا ہے یا جھونپڑی میں رہتا ہے۔... جو بھی ہے اس سے فرق نہیں پڑتا، بس دیکھنا یہ ہے کہ ہر کام شریعت کے مطابق کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ عبید اللہ احرارؒ۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے گھوڑے چاندی کی میخوں سے باندھے جاتے تھے۔ اللہ نے ان کو اتنا مال پیسہ دیا تھا لیکن وہ کبار اولیا میں سے تھے۔

### ولایتِ خاصہ کے درجات

اس ولایت کے اگے دو حصے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں: ولایتِ صغریٰ اور دوسری کو کہتے ہیں: ولایتِ کبریٰ۔ اس کا فرق ذرا سمجھ لیجئے۔

(۱)..... ولایتِ صغریٰ: ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں کہ انسان عہد کرے کہ میں نے اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی اور اس کے اوپر استقامت کے ساتھ جم جائے۔ اگرچہ دل گناہ کی طرف مائل ہو رہا ہو مگر پھر بھی شریعت پر لگا رہے تو اس کو کہیں گے ولایتِ صغریٰ۔ طلب تو ہوتی ہے لذت کی، دل تو چاہتا ہے کہ میں راستہ چلتے ہوئے دیکھوں دائیں بائیں کون ہے؟ مگر یہ آنکھوں کو محفوظ رکھتا ہے، نظر کو بچاتا ہے۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے طبیعتِ مغموم سی ہوتی ہے، مگر زکوٰۃ دیتا ہے۔ صبح اٹھتے ہوئے سستی محسوس ہوتی ہے مگر تہجد پڑھتا ہے، تکبیر اولیٰ کے ساتھ نمازیں پڑھتا ہے۔ تو جس بندے کو میلان تو محسوس ہوتا ہو مگر وہ اپنے آپ کو قابو کر کے شریعت کے اوپر ہمیشہ چلاتا رہے۔ اس کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ یہ ولی ہے اور اس کو ولایتِ صغریٰ حاصل ہے۔

(۲)..... ولایتِ کبریٰ: اور ایک ہے ولایتِ کبریٰ کے حامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اتنا ذکر کرتے ہیں، اتنا اللہ والوں کی صحبت میں رہتے ہیں اور ان کے دل اتنے منور ہو جاتے ہیں کہ ان کی طبیعتیں شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہیں۔ مکروہاتِ شرعیہ ان کے لئے مکروہاتِ طبعیہ بن جاتے ہیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا، طبیعت بھی کراہت کرنے لگ جاتی ہے۔

☆..... ولایت سے پہلے اور بعد کا فرق

جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکتیؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوچھا: بیعت ہونے سے پہلے اور بعد میں تمہیں اپنے اندر کیا فرق نظر آیا؟ تو انہوں نے تین باتیں بتائی تھیں:

(۱)..... ایک فرمایا کہ حضرت بیعت ہونے سے پہلے جب میں مطالعہ کرتا تھا تو بہت اشکالات پیش آتے تھے اور بہت جگہ پہ مجھے تعارض نظر آتا تھا اور اس کو رفع کرنے کے لئے مجھے کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، علماءِ اساتذہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، پھر جا کے وہ رفع ہوتا تھا۔ جب سے بیعت ہوا ہوں مجھے نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔

(۲)..... حضرت نے پوچھا: دوسری تبدیلی کونسی؟ کہنے لگے: دوسری تبدیلی مجھے اپنے اندر یہ محسوس ہوئی ہے کہ جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا، طبیعت بھی کراہت کرتی ہے۔ دل ہی نہیں چاہتا اس کام کے کرنے کو۔

(۳) حضرت نے فرمایا: تیسری تبدیلی کیا ہوئی؟ فرمانے لگے تیسری چیز یہ کہ اب دین کے معاملے میں لوگوں کی تعریف یا بدتعریفی میرے لیے برابر ہے، جو حق بات ہوتی ہے میں وہ کہہ دیتا ہوں۔

تو حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! الحمد للہ دین کے تین درجے ہیں: (۱)..... ایک ہے علم (۲)..... دوسرا ہے عمل (۳)..... تیسرا ہے اخلاص۔

... علم کا کمال یہ ہے کہ نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے۔

عمل کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں۔

اور اخلاص کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کی مدح اور ذم انسان کی نظر میں برابر ہو جائے۔

مبارک ہو! تمہیں بیعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عم میں بھی کمال عطا کر دیا، عمل میں بھی کمال عطا کر دیا اور اخلاص میں بھی کمال عطا کر دیا۔

تو جن کو ہم ولایت کہہ رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے مزاج اتنے سلیم الفطرت بن جاتے ہیں، شریعت کے ایسے مطابق عمل جاتے ہیں کہ بس جو حکم خدا ہے وہی ان کی اپنی بھی طبیعت چو اُس ہو جاتا ہے۔ (خطبات فقیر: ۴۱/۲۱۷-۷۳۱)

مفتی شفیع تحریر فرماتے ہیں: اس ولایت خاصہ کے درجات بے شمار اور غیر متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء کا حصہ ہے۔ کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے۔

اور اونی درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں درجہ فنا کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب (دل) اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے اس کے حب و بغض اور محبت و عداوت میں اپنی ذات میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام حاضری، یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں۔ پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم و بیش ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ”اولیاء اللہ (خدا کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں، جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا اسی درجہ کی ولایت ہوگی۔ اس اعتبار سے ہر مومن ولی ہے۔“

کتاب وسنت کے عرف میں ”ولی“ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقویٰ پایا جاتا ہو وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت سے لبریز ہو اور ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾

يَتَّقُونَ ۝ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نور ایمانی اور نور تقویٰ سے منور ہو یعنی عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو اور حتی الوسع حق عبودیت میں مقصر نہ ہو (معارف القرآن ج ۳، ص ۶۰۶، ماخذ: اولیاء اللہ کی اہانت، ص ۱۵)

### اللہ کے ولی، اللہ کی حفاظت میں

جس کو ہم ولایت کبریٰ کا انسان کہتے ہیں، یہ وہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت ہی گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتی، میلان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فرشتہ بن جاتا ہے، نہیں فرشتہ نہیں ہوتا مگر اس پر اللہ تعالیٰ کی اتنی رحمت ہو جاتی ہے اور اس نے اتنا ذکر کیا ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ بس پھر شریعت پر چلنا اور گناہ سے بچنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کو ولایت کبریٰ کے مقام کے اولیا کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی حفاظت میں آ جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: **إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ** (الحجر: ۴۲) ”جو میرے بندے ہیں (بد بخت شیطان!) تیرا ان پر داؤ نہیں چل سکتا۔“ وہ محفوظ ہو جاتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتے ہیں۔ پھر اللہ ان کی شیطان سے حفاظت فرماتے ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

### نبی اور ولی میں فرق

کوئی ولی کبھی کسی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا ہے اس لئے کہ نبی میں سب کمالات ولایت ثابت ہو جاتے ہیں تب اس کے بعد اس کو اعلیٰ درجہ نبوت کا دوسروں کی تکمیل کے لئے دیا جاتا ہے کہ پھر اس کو نہ سوء خاتمہ کا ڈر رہتا ہے نہ معزول کیا جاتا ہے اور ولی پہلے درجہ میں ہوتا ہے سوا اسکے لئے یہ سب احتمال باقی رہتے ہیں دوسرے جس قدر ولی کو کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ سب کمالات نبوت سے حاصل ہوتے ہیں تیسرے بندوں کو اللہ سے جس قدر مراتب قرب ہیں ان سب میں سب سے اعلیٰ درجہ نبوت کا ہوتا ہے نہ اس درجہ کو صدیق پہنچتا ہے نہ شہید صالح اسی لئے انبیاء سب سے زیادہ مقرب اور ان کے نفوس سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں جس قدر اور ہیں ان کے نفوس اس درجہ کے کامل نہیں ہیں۔

### نبوت اور ولایت میں فرق

ایک ہوتی ہے ولایت اور ایک ہوتی ہے نبوت۔ ان میں کیا فرق ہے؟

ایک فرق تو پہلے بتا دیا کہ ولایت کسی چیز ہے اور نبوت وہی چیز ہے۔ اور ایک دوسرے فرق سمجھ لیں کہ اولیا محفوظ ہوتے ہیں، انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اولیا محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اولیا کو گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں۔ جیسے بچہ آگ کی طرف جا رہا ہو تو ماں پکڑ لیتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ٹائلٹ کا دروازہ کھلا ہے، چھوٹا بچہ اندر بھاگتا ہے، ماں واپس پکڑ لیتی ہے، جانے نہیں دیتی۔ اسی طرح اگر بالفرض اس ولایت کے مقام کا بندہ اگر کسی وقت گناہ کی طرف قدم بھی اٹھانا بھی چاہے، اللہ تعالیٰ بڑھتے قدموں کو روک لیتے ہیں، محفوظ فرما لیتے ہیں۔ تو اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ معصوم کا کیا مطلب؟ وہاں معصیت کا تصور ہی نہیں ہوتا، خیال ہی نہیں آتا۔ تو موٹی بات کہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں اور انبیاء کی یہ شان ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو ان کے قریب جانے سے روک دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یوسفؑ کے بارے میں فرماتے ہیں: **كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ**

السُّوءَ وَالْفُحْشَاءَ (یوسف ۲۴) ”اس طرح ہم نے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیا ان سے“  
انبیاء کے قریب ہی نہیں جانے دیا، وہ اتنی عظیم ہستیاں ہوتی ہیں۔ (خطبات فقیر ۲۳۲/۴: ۲۳۳)

### شرط ولایت

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: ”یہ ولی کی شرط میں سے ہے کہ وہ (گناہوں سے) محفوظ ہو جس طرح نبی کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہو پس وہ آدمی جس کے اعمال پر شریعت کو اعتراض ہے (یعنی اس کے اعمال شریعت کے خلاف ہیں) تو وہ آدمی (اپنے آپ کو ولی سمجھنے کے) دھوکہ میں ہے“۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۶۰، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم ۱۱)

☆..... حکایت: نیز فرماتے ہیں: ”کسی آدمی کی ولایت کا ذکر کیا جاتا تھا حضرت بایزید بسطامیؒ نے اس کی زیارت کا ارادہ فرمایا جب اس کی مسجد تک پہنچے تو اس کے (گھر سے) نکلنے کے انتظار میں بیٹھ گئے، جب وہ آدمی نکلا تو اس نے مسجد میں ناک سنک دی یہ دیکھ کر حضرت بایزید واپس لوٹ گئے اور سلام تک نہ کیا بلکہ فرمایا کہ یہ تو ایسا آدمی ہے کہ اس کو آداب شریعت کا پس نہیں ہے یہ اسرار خداوندی کی پاسداری کس طرح کر سکتا ہے؟“ (رسالہ قشیریہ ص ۲۶۰، خذ: ۱۱)

☆..... فائدہ: ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بزرگ اور ولی کیلئے ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے حتی الوسع بچتا ہو، آداب شریعت کا خیال رکھتا ہو، ولی سے گناہ تو ہو جاتا ہے لیکن وہ جلدی سے توبہ کر لیتا ہے اور اس پر گناہ کا اثر نہیں رہتا۔  
حدیث شریف میں ہے: ”الْأَسَانِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ“ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کئے ہی نہیں۔ (الجامع الصغیر امام سیوطی)

### اولیاء کرام خوف دنیا سے محفوظ ہوتے ہیں

تفسیر معارف القرآن: ص ۵۴۷ تا ۵۴۸ ج ۴ میں ہے: ”حضرات اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف و غم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف و غم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت عزت و دولت میں ذرا سی کم ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بلند و بالا ہوتا ہے ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگردان ہوں اور نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے جس کی مدافعت میں پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ  
نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے  
بر پیش ہمت ماہر چہ آمد بود مہمانے

نہ تو خوشی ہمیں کوئی سہارا دیتی ہے اور نہ غم کوئی نقصان پہنچاتا ہے ہماری ہمت کے سامنے جو کچھ بھی آتا ہے (ہمارا) مہمان بن جاتا ہے۔  
اللہ جل شانہ کی عظمت و محبت اور خوف و خشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کا رنج و راحت سود و زیاں پر کاہ (تکا) کی بھی حیثیت نہیں رکھتے بقول شاعر:



یہ تنگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے  
یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے  
ولی وہ ہے جس کی زیارت سے خدا یاد آئے

☆..... حدیث: حضرت سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خوب سمجھ اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم زدہ ہوں گے آپ ﷺ نے (ان کی علامت میں) ارشاد فرمایا (جب انہیں دیکھا جائے تو) ان کی زیارت سے خدا یاد آئے“

(درمنثور ج ۳، بحوالہ ابن مبارک، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابوالشیخ، ابن مردودہ، تفسیر قرطبی، ج ۸، ص ۳۵۷، ماخذ: الطبقات السوفیہ مترجم اردو، ۶)

### ولی بننے کا طریقہ

”بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک آدمی سے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ولی بن جاؤ، اس نے عرض کیا جی ہاں۔ تو فرمایا دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں رغبت نہ کرو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر دو اپنے چہرہ سمیت اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہیں اپنا ولی بنالے۔“ (ایضاً)

### اولیاء اللہ کی صفات

اولیاء لوگوں سے صرف خدا کیلئے محبت رکھتے ہیں

☆..... حدیث: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (یہ وہ) قوم ہے جو بغیر دولت (کی لالچ) کے اور بغیر حسب نسب (کی روایت) کے صرف خدا کی (محبت کی وجہ سے) آپس میں محبت کرتے ہیں، جب لوگ گھبراہٹ میں (بتلا) ہوں گے یہ اس وقت گھبرانے والے نہیں ہوں گے اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے یہ اس وقت غم سے محفوظ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ﴿﴾ (یونس ۶۲، ۶۳، ۶۴) (درمنثور ج ۳، بحوالہ ابوداؤد، ابن جریر، ابن ابی شیبہ، ابن مردودہ، تفسیر قرطبی، ج ۸، ص ۳۵۷، حلیہ ابی نعیم، شعب الایمان للہیثمی، ماخذ: الطبقات السوفیہ مترجم اردو، ۶)

☆..... حدیث: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں میری محبت ان کیلئے ثابت ہوگئی ہے، اور جو لوگ میری خاطر آپس میں ملاقات کرتے ہیں میری محبت ان کیلئے بھی حق ہوگئی ہے، اور جو لوگ میری خاطر آپس میں مل بیٹھتے ہیں میری محبت ان کیلئے بھی ضروری ہوگئی ہے (یہ سب) وہ لوگ ہیں جو میری مساجد کو میرے ذکر سے آباد رکھتے ہیں اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتے اور میری اطاعت کی طرف بلاتے ہیں یہی میرے اولیاء ہیں جن کو میں اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا، اپنے قرب میں ٹھکانا دوں گا، انہیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھوں گا اور لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں

داخل کردوں گا یہ اس میں عیش کریں گے اور ہمیشہ کیلئے (اسی جنت میں) رہیں گے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **إِنَّا إِنَّمَا أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ** (پیش: ۶۲، ۶۳، ۶۴) (درمنثور ج ۳ بحوالہ ابن مردویہ، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم ص ۷۶-۷۷)

### حضرت علیؑ کے نزدیک ولی کی پہچان

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ”اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے (کثرت) بیداری سے پیسے پڑ چکے ہیں، (کثرت) گریہ سے آنکھیں چندھیا گئی ہیں، بھوکے کے پیٹ دبلے رہتے ہیں، ہونٹ خشکی سے مرجھائے ہوئے ہیں۔“ (قرطبی: ج ۸ ص ۳۵۸، ماخذ: ۷۷-۷۸)

ولی سب سے زیادہ قرب خداوندی کس طرح حاصل کرتے ہیں؟

حدیث: حمزہ حبیبؓ مرسلاروایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”پوشیدہ مجددوں سے زیادہ کسی بھی افضل شے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا“ (الابی مع الاسیر امام سیوطیؒ ماخذ: ۷۷-۷۸)

فائدہ: اس حدیث میں پوشیدہ مجددوں سے مراد رات کو خدا کی عبادت اور تہجد ادا کرنا جب لوگ گہری نیند سوتے ہیں یہ اس وقت اللہ کی رحمت و شفقت و دردمندی عنایات سے مستفید ہو کر اپنے درجات بلند کر رہا ہوتا ہے اور خدا سے قرب پا کر مقام ولایت پر مستفیض ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ ریاکاری سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے عبادت کرنی چاہئے وہ عبادت دن میں ہو یا رات میں لوگوں کے دکھلاوے کیلئے عبادت کرے گا نہ تو قرب خدا حاصل ہوگا نہ ولایت بلکہ ایسے لوگوں کو ریاکاری اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی بہت بڑی سزا دی جائے گی۔ (ایضاً: ۸۰)

اولیاء اللہ وہ ہے جو کثرت نوافل اور فرائض کی پابندی کرتے ہیں

حدیث: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے مجھے (میرے) ولی کے متعلق ایذا پہنچائی تو وہ میرے ساتھ باہمی مقابلہ کرنے کیلئے سامنے آگیا (یعنی مجھے جنگ کا موقع دیدیا اور بعض روایات میں (بارزنی) آتا ہے یعنی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج کر دیا) اور جو کچھ میں نے (اپنے) ولی پر فرض کیا ہے اس کی ادائیگی سے زیادہ کسی شے کے ساتھ میرا بندہ قرب حاصل نہیں کر سکتا، اور ہر وقت میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ جس کام کو میں کرنا چاہتا ہوں اس میں اتنا تردد کبھی نہیں کرتا جتنا اپنے مومن بندے کی روح قبض کرتے وقت کرتا ہوں یہ اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور جیسا وہ اس کو برا سمجھتا ہے میں بھی اس کو برا سمجھتا ہوں۔ لیکن موت تو اس کے لئے ضروری ہے (اس لئے آکر ہی رہتی ہے)۔“ (یہ حدیث مسند احمد ص ۵۵-۵۶، نو درالاصول حکیم ترمذیؒ، مسند ابویعلیٰ موصلیؒ، معجم اور مطہرائی، کتب الصب الیفیم، اور ابن عساکر میں بھی مروی ہے۔ کنز العمال ص ۲۳۰، حدیث نمبر ۱۱۵۷، از حاشیہ رسالہ زکریا، بحوالہ بالا: ۹۰)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا ولی تب بنتا ہے جب وہ فرائض کی پابندی کے ساتھ نوافل کی کثرت

کرے محض خاندانی اور گدی نشین نہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے غلط طریقہ سے اپنے آپ کو ولی جتلاتا ہو۔ اور جو مذکورہ علامت پر کار بند رہے اور اللہ تعالیٰ کا ولی بن جائے تو اس کو تکلیف پہنچانا اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینا ہے اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کو تکلیف دیتا ہے تو عذاب خداوندی آ کر ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء کی صحیح پہچان نصیب فرمائے اور ان کو دکھ دینے سے بچائے۔

### حضرت یحییٰ بن معاذؒ کے نزدیک ولی کی پہچان

حضرت یحییٰ بن معاذؒ اولیاء کی صفت (یہ) بیان کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبیدہ خاطر ہونے کے بعد انس و محبت کو اپنا لباس بنالیا ہے اور مقام ولایت تک پہنچنے کی وجہ سے مجاہدہ کے بعد روح سے تعلق قائم رکھا ہے۔

### حضرت بایزید بسطامیؒ کے نزدیک ولی کی پہچان

اولیاء حجاب انس میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں اور دلہنوں کو نامحرم نہیں دیکھا کرتے۔ یہ دلہنیں محبت کے پردے میں روپوش ہیں ان کو کوئی (عام آدمی) دنیا اور آخرت میں نہیں پہچان سکتا۔ (جیسا کہ مشہور ہے ولی راوی سے شناسد یعنی ولی کو ہر شخص نہیں پہچانتا صرف ولی ہی پہچانتا ہے)

### ☆..... حکایت عجیبہ

بوکر صید لائی (یہ ایک نیک آدمی تھے) نے فرمایا کہ میں حضرت ابو بکر طمستانیؓ کی قبر مبارک میں مقبرہ حیرہ میں تختی لگا تا تھا جس میں ان کا نام بھی تھا لیکن یہ تختی اکھیر لی جاتی اور چوری ہو جاتی تھی جبکہ اس کے علاوہ باقی قبروں میں سے کوئی (تختی) نہ چرائی جاتی تھی جس سے میں بہت حیران ہوا اور استاد ابو علی دقاقؒ سے اس کے متعلق ایک روز سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس بزرگ نے تو دنیا میں اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور تو چاہتا ہے کہ ان کی قبر کو اس تختی کے ساتھ مشہور کر دے جسے تو اس میں گاڑ دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے اظہار کو پسند نہیں کرتے۔ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی۔

### اولیاء کی تین علامات

حضرت معروف کرخیؒ سے پوچھا گیا کہ اولیاء کی علامت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا تین ہیں: (۱)..... ان کے افکار اللہ کیسے ہوتے ہیں (۲) ان کی محنت اللہ کی اطاعت میں ہوتی ہے (۳)..... اور ان کی طلب اور دوڑ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ (۱)۔ (۲)۔ (۳)۔ (۴)۔ (۵)۔ (۶)۔ (۷)۔ (۸)۔ (۹)۔ (۱۰)۔ (۱۱)۔ (۱۲)۔ (۱۳)۔ (۱۴)۔ (۱۵)۔ (۱۶)۔ (۱۷)۔ (۱۸)۔ (۱۹)۔ (۲۰)۔ (۲۱)۔ (۲۲)۔ (۲۳)۔ (۲۴)۔ (۲۵)۔ (۲۶)۔ (۲۷)۔ (۲۸)۔ (۲۹)۔ (۳۰)۔ (۳۱)۔ (۳۲)۔ (۳۳)۔ (۳۴)۔ (۳۵)۔ (۳۶)۔ (۳۷)۔ (۳۸)۔ (۳۹)۔ (۴۰)۔ (۴۱)۔ (۴۲)۔ (۴۳)۔ (۴۴)۔ (۴۵)۔ (۴۶)۔ (۴۷)۔ (۴۸)۔ (۴۹)۔ (۵۰)۔ (۵۱)۔ (۵۲)۔ (۵۳)۔ (۵۴)۔ (۵۵)۔ (۵۶)۔ (۵۷)۔ (۵۸)۔ (۵۹)۔ (۶۰)۔ (۶۱)۔ (۶۲)۔ (۶۳)۔ (۶۴)۔ (۶۵)۔ (۶۶)۔ (۶۷)۔ (۶۸)۔ (۶۹)۔ (۷۰)۔ (۷۱)۔ (۷۲)۔ (۷۳)۔ (۷۴)۔ (۷۵)۔ (۷۶)۔ (۷۷)۔ (۷۸)۔ (۷۹)۔ (۸۰)۔ (۸۱)۔ (۸۲)۔ (۸۳)۔ (۸۴)۔ (۸۵)۔ (۸۶)۔ (۸۷)۔ (۸۸)۔ (۸۹)۔ (۹۰)۔ (۹۱)۔ (۹۲)۔ (۹۳)۔ (۹۴)۔ (۹۵)۔ (۹۶)۔ (۹۷)۔ (۹۸)۔ (۹۹)۔ (۱۰۰)۔ (۱۰۱)۔ (۱۰۲)۔ (۱۰۳)۔ (۱۰۴)۔ (۱۰۵)۔ (۱۰۶)۔ (۱۰۷)۔ (۱۰۸)۔ (۱۰۹)۔ (۱۱۰)۔ (۱۱۱)۔ (۱۱۲)۔ (۱۱۳)۔ (۱۱۴)۔ (۱۱۵)۔ (۱۱۶)۔ (۱۱۷)۔ (۱۱۸)۔ (۱۱۹)۔ (۱۲۰)۔ (۱۲۱)۔ (۱۲۲)۔ (۱۲۳)۔ (۱۲۴)۔ (۱۲۵)۔ (۱۲۶)۔ (۱۲۷)۔ (۱۲۸)۔ (۱۲۹)۔ (۱۳۰)۔ (۱۳۱)۔ (۱۳۲)۔ (۱۳۳)۔ (۱۳۴)۔ (۱۳۵)۔ (۱۳۶)۔ (۱۳۷)۔ (۱۳۸)۔ (۱۳۹)۔ (۱۴۰)۔ (۱۴۱)۔ (۱۴۲)۔ (۱۴۳)۔ (۱۴۴)۔ (۱۴۵)۔ (۱۴۶)۔ (۱۴۷)۔ (۱۴۸)۔ (۱۴۹)۔ (۱۵۰)۔ (۱۵۱)۔ (۱۵۲)۔ (۱۵۳)۔ (۱۵۴)۔ (۱۵۵)۔ (۱۵۶)۔ (۱۵۷)۔ (۱۵۸)۔ (۱۵۹)۔ (۱۶۰)۔ (۱۶۱)۔ (۱۶۲)۔ (۱۶۳)۔ (۱۶۴)۔ (۱۶۵)۔ (۱۶۶)۔ (۱۶۷)۔ (۱۶۸)۔ (۱۶۹)۔ (۱۷۰)۔ (۱۷۱)۔ (۱۷۲)۔ (۱۷۳)۔ (۱۷۴)۔ (۱۷۵)۔ (۱۷۶)۔ (۱۷۷)۔ (۱۷۸)۔ (۱۷۹)۔ (۱۸۰)۔ (۱۸۱)۔ (۱۸۲)۔ (۱۸۳)۔ (۱۸۴)۔ (۱۸۵)۔ (۱۸۶)۔ (۱۸۷)۔ (۱۸۸)۔ (۱۸۹)۔ (۱۹۰)۔ (۱۹۱)۔ (۱۹۲)۔ (۱۹۳)۔ (۱۹۴)۔ (۱۹۵)۔ (۱۹۶)۔ (۱۹۷)۔ (۱۹۸)۔ (۱۹۹)۔ (۲۰۰)۔ (۲۰۱)۔ (۲۰۲)۔ (۲۰۳)۔ (۲۰۴)۔ (۲۰۵)۔ (۲۰۶)۔ (۲۰۷)۔ (۲۰۸)۔ (۲۰۹)۔ (۲۱۰)۔ (۲۱۱)۔ (۲۱۲)۔ (۲۱۳)۔ (۲۱۴)۔ (۲۱۵)۔ (۲۱۶)۔ (۲۱۷)۔ (۲۱۸)۔ (۲۱۹)۔ (۲۲۰)۔ (۲۲۱)۔ (۲۲۲)۔ (۲۲۳)۔ (۲۲۴)۔ (۲۲۵)۔ (۲۲۶)۔ (۲۲۷)۔ (۲۲۸)۔ (۲۲۹)۔ (۲۳۰)۔ (۲۳۱)۔ (۲۳۲)۔ (۲۳۳)۔ (۲۳۴)۔ (۲۳۵)۔ (۲۳۶)۔ (۲۳۷)۔ (۲۳۸)۔ (۲۳۹)۔ (۲۴۰)۔ (۲۴۱)۔ (۲۴۲)۔ (۲۴۳)۔ (۲۴۴)۔ (۲۴۵)۔ (۲۴۶)۔ (۲۴۷)۔ (۲۴۸)۔ (۲۴۹)۔ (۲۵۰)۔ (۲۵۱)۔ (۲۵۲)۔ (۲۵۳)۔ (۲۵۴)۔ (۲۵۵)۔ (۲۵۶)۔ (۲۵۷)۔ (۲۵۸)۔ (۲۵۹)۔ (۲۶۰)۔ (۲۶۱)۔ (۲۶۲)۔ (۲۶۳)۔ (۲۶۴)۔ (۲۶۵)۔ (۲۶۶)۔ (۲۶۷)۔ (۲۶۸)۔ (۲۶۹)۔ (۲۷۰)۔ (۲۷۱)۔ (۲۷۲)۔ (۲۷۳)۔ (۲۷۴)۔ (۲۷۵)۔ (۲۷۶)۔ (۲۷۷)۔ (۲۷۸)۔ (۲۷۹)۔ (۲۸۰)۔ (۲۸۱)۔ (۲۸۲)۔ (۲۸۳)۔ (۲۸۴)۔ (۲۸۵)۔ (۲۸۶)۔ (۲۸۷)۔ (۲۸۸)۔ (۲۸۹)۔ (۲۹۰)۔ (۲۹۱)۔ (۲۹۲)۔ (۲۹۳)۔ (۲۹۴)۔ (۲۹۵)۔ (۲۹۶)۔ (۲۹۷)۔ (۲۹۸)۔ (۲۹۹)۔ (۳۰۰)۔ (۳۰۱)۔ (۳۰۲)۔ (۳۰۳)۔ (۳۰۴)۔ (۳۰۵)۔ (۳۰۶)۔ (۳۰۷)۔ (۳۰۸)۔ (۳۰۹)۔ (۳۱۰)۔ (۳۱۱)۔ (۳۱۲)۔ (۳۱۳)۔ (۳۱۴)۔ (۳۱۵)۔ (۳۱۶)۔ (۳۱۷)۔ (۳۱۸)۔ (۳۱۹)۔ (۳۲۰)۔ (۳۲۱)۔ (۳۲۲)۔ (۳۲۳)۔ (۳۲۴)۔ (۳۲۵)۔ (۳۲۶)۔ (۳۲۷)۔ (۳۲۸)۔ (۳۲۹)۔ (۳۳۰)۔ (۳۳۱)۔ (۳۳۲)۔ (۳۳۳)۔ (۳۳۴)۔ (۳۳۵)۔ (۳۳۶)۔ (۳۳۷)۔ (۳۳۸)۔ (۳۳۹)۔ (۳۴۰)۔ (۳۴۱)۔ (۳۴۲)۔ (۳۴۳)۔ (۳۴۴)۔ (۳۴۵)۔ (۳۴۶)۔ (۳۴۷)۔ (۳۴۸)۔ (۳۴۹)۔ (۳۵۰)۔ (۳۵۱)۔ (۳۵۲)۔ (۳۵۳)۔ (۳۵۴)۔ (۳۵۵)۔ (۳۵۶)۔ (۳۵۷)۔ (۳۵۸)۔ (۳۵۹)۔ (۳۶۰)۔ (۳۶۱)۔ (۳۶۲)۔ (۳۶۳)۔ (۳۶۴)۔ (۳۶۵)۔ (۳۶۶)۔ (۳۶۷)۔ (۳۶۸)۔ (۳۶۹)۔ (۳۷۰)۔ (۳۷۱)۔ (۳۷۲)۔ (۳۷۳)۔ (۳۷۴)۔ (۳۷۵)۔ (۳۷۶)۔ (۳۷۷)۔ (۳۷۸)۔ (۳۷۹)۔ (۳۸۰)۔ (۳۸۱)۔ (۳۸۲)۔ (۳۸۳)۔ (۳۸۴)۔ (۳۸۵)۔ (۳۸۶)۔ (۳۸۷)۔ (۳۸۸)۔ (۳۸۹)۔ (۳۹۰)۔ (۳۹۱)۔ (۳۹۲)۔ (۳۹۳)۔ (۳۹۴)۔ (۳۹۵)۔ (۳۹۶)۔ (۳۹۷)۔ (۳۹۸)۔ (۳۹۹)۔ (۴۰۰)۔ (۴۰۱)۔ (۴۰۲)۔ (۴۰۳)۔ (۴۰۴)۔ (۴۰۵)۔ (۴۰۶)۔ (۴۰۷)۔ (۴۰۸)۔ (۴۰۹)۔ (۴۱۰)۔ (۴۱۱)۔ (۴۱۲)۔ (۴۱۳)۔ (۴۱۴)۔ (۴۱۵)۔ (۴۱۶)۔ (۴۱۷)۔ (۴۱۸)۔ (۴۱۹)۔ (۴۲۰)۔ (۴۲۱)۔ (۴۲۲)۔ (۴۲۳)۔ (۴۲۴)۔ (۴۲۵)۔ (۴۲۶)۔ (۴۲۷)۔ (۴۲۸)۔ (۴۲۹)۔ (۴۳۰)۔ (۴۳۱)۔ (۴۳۲)۔ (۴۳۳)۔ (۴۳۴)۔ (۴۳۵)۔ (۴۳۶)۔ (۴۳۷)۔ (۴۳۸)۔ (۴۳۹)۔ (۴۴۰)۔ (۴۴۱)۔ (۴۴۲)۔ (۴۴۳)۔ (۴۴۴)۔ (۴۴۵)۔ (۴۴۶)۔ (۴۴۷)۔ (۴۴۸)۔ (۴۴۹)۔ (۴۵۰)۔ (۴۵۱)۔ (۴۵۲)۔ (۴۵۳)۔ (۴۵۴)۔ (۴۵۵)۔ (۴۵۶)۔ (۴۵۷)۔ (۴۵۸)۔ (۴۵۹)۔ (۴۶۰)۔ (۴۶۱)۔ (۴۶۲)۔ (۴۶۳)۔ (۴۶۴)۔ (۴۶۵)۔ (۴۶۶)۔ (۴۶۷)۔ (۴۶۸)۔ (۴۶۹)۔ (۴۷۰)۔ (۴۷۱)۔ (۴۷۲)۔ (۴۷۳)۔ (۴۷۴)۔ (۴۷۵)۔ (۴۷۶)۔ (۴۷۷)۔ (۴۷۸)۔ (۴۷۹)۔ (۴۸۰)۔ (۴۸۱)۔ (۴۸۲)۔ (۴۸۳)۔ (۴۸۴)۔ (۴۸۵)۔ (۴۸۶)۔ (۴۸۷)۔ (۴۸۸)۔ (۴۸۹)۔ (۴۹۰)۔ (۴۹۱)۔ (۴۹۲)۔ (۴۹۳)۔ (۴۹۴)۔ (۴۹۵)۔ (۴۹۶)۔ (۴۹۷)۔ (۴۹۸)۔ (۴۹۹)۔ (۵۰۰)۔ (۵۰۱)۔ (۵۰۲)۔ (۵۰۳)۔ (۵۰۴)۔ (۵۰۵)۔ (۵۰۶)۔ (۵۰۷)۔ (۵۰۸)۔ (۵۰۹)۔ (۵۱۰)۔ (۵۱۱)۔ (۵۱۲)۔ (۵۱۳)۔ (۵۱۴)۔ (۵۱۵)۔ (۵۱۶)۔ (۵۱۷)۔ (۵۱۸)۔ (۵۱۹)۔ (۵۲۰)۔ (۵۲۱)۔ (۵۲۲)۔ (۵۲۳)۔ (۵۲۴)۔ (۵۲۵)۔ (۵۲۶)۔ (۵۲۷)۔ (۵۲۸)۔ (۵۲۹)۔ (۵۳۰)۔ (۵۳۱)۔ (۵۳۲)۔ (۵۳۳)۔ (۵۳۴)۔ (۵۳۵)۔ (۵۳۶)۔ (۵۳۷)۔ (۵۳۸)۔ (۵۳۹)۔ (۵۴۰)۔ (۵۴۱)۔ (۵۴۲)۔ (۵۴۳)۔ (۵۴۴)۔ (۵۴۵)۔ (۵۴۶)۔ (۵۴۷)۔ (۵۴۸)۔ (۵۴۹)۔ (۵۵۰)۔ (۵۵۱)۔ (۵۵۲)۔ (۵۵۳)۔ (۵۵۴)۔ (۵۵۵)۔ (۵۵۶)۔ (۵۵۷)۔ (۵۵۸)۔ (۵۵۹)۔ (۵۶۰)۔ (۵۶۱)۔ (۵۶۲)۔ (۵۶۳)۔ (۵۶۴)۔ (۵۶۵)۔ (۵۶۶)۔ (۵۶۷)۔ (۵۶۸)۔ (۵۶۹)۔ (۵۷۰)۔ (۵۷۱)۔ (۵۷۲)۔ (۵۷۳)۔ (۵۷۴)۔ (۵۷۵)۔ (۵۷۶)۔ (۵۷۷)۔ (۵۷۸)۔ (۵۷۹)۔ (۵۸۰)۔ (۵۸۱)۔ (۵۸۲)۔ (۵۸۳)۔ (۵۸۴)۔ (۵۸۵)۔ (۵۸۶)۔ (۵۸۷)۔ (۵۸۸)۔ (۵۸۹)۔ (۵۹۰)۔ (۵۹۱)۔ (۵۹۲)۔ (۵۹۳)۔ (۵۹۴)۔ (۵۹۵)۔ (۵۹۶)۔ (۵۹۷)۔ (۵۹۸)۔ (۵۹۹)۔ (۶۰۰)۔ (۶۰۱)۔ (۶۰۲)۔ (۶۰۳)۔ (۶۰۴)۔ (۶۰۵)۔ (۶۰۶)۔ (۶۰۷)۔ (۶۰۸)۔ (۶۰۹)۔ (۶۱۰)۔ (۶۱۱)۔ (۶۱۲)۔ (۶۱۳)۔ (۶۱۴)۔ (۶۱۵)۔ (۶۱۶)۔ (۶۱۷)۔ (۶۱۸)۔ (۶۱۹)۔ (۶۲۰)۔ (۶۲۱)۔ (۶۲۲)۔ (۶۲۳)۔ (۶۲۴)۔ (۶۲۵)۔ (۶۲۶)۔ (۶۲۷)۔ (۶۲۸)۔ (۶۲۹)۔ (۶۳۰)۔ (۶۳۱)۔ (۶۳۲)۔ (۶۳۳)۔ (۶۳۴)۔ (۶۳۵)۔ (۶۳۶)۔ (۶۳۷)۔ (۶۳۸)۔ (۶۳۹)۔ (۶۴۰)۔ (۶۴۱)۔ (۶۴۲)۔ (۶۴۳)۔ (۶۴۴)۔ (۶۴۵)۔ (۶۴۶)۔ (۶۴۷)۔ (۶۴۸)۔ (۶۴۹)۔ (۶۵۰)۔ (۶۵۱)۔ (۶۵۲)۔ (۶۵۳)۔ (۶۵۴)۔ (۶۵۵)۔ (۶۵۶)۔ (۶۵۷)۔ (۶۵۸)۔ (۶۵۹)۔ (۶۶۰)۔ (۶۶۱)۔ (۶۶۲)۔ (۶۶۳)۔ (۶۶۴)۔ (۶۶۵)۔ (۶۶۶)۔ (۶۶۷)۔ (۶۶۸)۔ (۶۶۹)۔ (۶۷۰)۔ (۶۷۱)۔ (۶۷۲)۔ (۶۷۳)۔ (۶۷۴)۔ (۶۷۵)۔ (۶۷۶)۔ (۶۷۷)۔ (۶۷۸)۔ (۶۷۹)۔ (۶۸۰)۔ (۶۸۱)۔ (۶۸۲)۔ (۶۸۳)۔ (۶۸۴)۔ (۶۸۵)۔ (۶۸۶)۔ (۶۸۷)۔ (۶۸۸)۔ (۶۸۹)۔ (۶۹۰)۔ (۶۹۱)۔ (۶۹۲)۔ (۶۹۳)۔ (۶۹۴)۔ (۶۹۵)۔ (۶۹۶)۔ (۶۹۷)۔ (۶۹۸)۔ (۶۹۹)۔ (۷۰۰)۔ (۷۰۱)۔ (۷۰۲)۔ (۷۰۳)۔ (۷۰۴)۔ (۷۰۵)۔ (۷۰۶)۔ (۷۰۷)۔ (۷۰۸)۔ (۷۰۹)۔ (۷۱۰)۔ (۷۱۱)۔ (۷۱۲)۔ (۷۱۳)۔ (۷۱۴)۔ (۷۱۵)۔ (۷۱۶)۔ (۷۱۷)۔ (۷۱۸)۔ (۷۱۹)۔ (۷۲۰)۔ (۷۲۱)۔ (۷۲۲)۔ (۷۲۳)۔ (۷۲۴)۔ (۷۲۵)۔ (۷۲۶)۔ (۷۲۷)۔ (۷۲۸)۔ (۷۲۹)۔ (۷۳۰)۔ (۷۳۱)۔ (۷۳۲)۔ (۷۳۳)۔ (۷۳۴)۔ (۷۳۵)۔ (۷۳۶)۔ (۷۳۷)۔ (۷۳۸)۔ (۷۳۹)۔ (۷۴۰)۔ (۷۴۱)۔ (۷۴۲)۔ (۷۴۳)۔ (۷۴۴)۔ (۷۴۵)۔ (۷۴۶)۔ (۷۴۷)۔ (۷۴۸)۔ (۷۴۹)۔ (۷۵۰)۔ (۷۵۱)۔ (۷۵۲)۔ (۷۵۳)۔ (۷۵۴)۔ (۷۵۵)۔ (۷۵۶)۔ (۷۵۷)۔ (۷۵۸)۔ (۷۵۹)۔ (۷۶۰)۔ (۷۶۱)۔ (۷۶۲)۔ (۷۶۳)۔ (۷۶۴)۔ (۷۶۵)۔ (۷۶۶)۔ (۷۶۷)۔ (۷۶۸)۔ (۷۶۹)۔ (۷۷۰)۔ (۷۷۱)۔ (۷۷۲)۔ (۷۷۳)۔ (۷۷۴)۔ (۷۷۵)۔ (۷۷۶)۔ (۷۷۷)۔ (۷۷۸)۔ (۷۷۹)۔ (۷۸۰)۔ (۷۸۱)۔ (۷۸۲)۔ (۷۸۳)۔ (۷۸۴)۔ (۷۸۵)۔ (۷۸۶)۔ (۷۸۷)۔ (۷۸۸)۔ (۷۸۹)۔ (۷۹۰)۔ (۷۹۱)۔ (۷۹۲)۔ (۷۹۳)۔ (۷۹۴)۔ (۷۹۵)۔ (۷۹۶)۔ (۷۹۷)۔ (۷۹۸)۔ (۷۹۹)۔ (۸۰۰)۔ (۸۰۱)۔ (۸۰۲)۔ (۸۰۳)۔ (۸۰۴)۔ (۸۰۵)۔ (۸۰۶)۔ (۸۰۷)۔ (۸۰۸)۔ (۸۰۹)۔ (۸۱۰)۔ (۸۱۱)۔ (۸۱۲)۔ (۸۱۳)۔ (۸۱۴)۔ (۸۱۵)۔ (۸۱۶)۔ (۸۱۷)۔ (۸۱۸)۔ (۸۱۹)۔ (۸۲۰)۔ (۸۲۱)۔ (۸۲۲)۔ (۸۲۳)۔ (۸۲۴)۔ (۸۲۵)۔ (۸۲۶)۔ (۸۲۷)۔ (۸۲۸)۔ (۸۲۹)۔ (۸۳۰)۔ (۸۳۱)۔ (۸۳۲)۔ (۸۳۳)۔ (۸۳۴)۔ (۸۳۵)۔ (۸۳۶)۔ (۸۳۷)۔ (۸۳۸)۔ (۸۳۹)۔ (۸۴۰)۔ (۸۴۱)۔ (۸۴۲)۔ (۸۴۳)۔ (۸۴۴)۔ (۸۴۵)۔ (۸۴۶)۔ (۸۴۷)۔ (۸۴۸)۔ (۸۴۹)۔ (۸۵۰)۔ (۸۵۱)۔ (۸۵۲)۔ (۸۵۳)۔ (۸۵۴)۔ (۸۵۵)۔ (۸۵۶)۔ (۸۵۷)۔ (۸۵۸)۔ (۸۵۹)۔ (۸۶۰)۔ (۸۶۱)۔ (۸۶۲)۔ (۸۶۳)۔ (۸۶۴)۔ (۸۶۵)۔ (۸۶۶)۔ (۸۶۷)۔ (۸۶۸)۔ (۸۶۹)۔ (۸۷۰)۔ (۸۷۱)۔ (۸۷۲)۔ (۸۷۳)۔ (۸۷۴)۔ (۸۷۵)۔ (۸۷۶)۔ (۸۷۷)۔ (۸۷۸)۔ (۸۷۹)۔ (۸۸۰)۔ (۸۸۱)۔ (۸۸۲)۔ (۸۸۳)۔ (۸۸۴)۔ (۸۸۵)۔ (۸۸۶)۔ (۸۸۷)۔ (۸۸۸)۔ (۸۸۹)۔ (۸۹۰)۔ (۸۹۱)۔ (۸۹۲)۔ (۸۹۳)۔ (۸۹۴)۔ (۸۹۵)۔ (۸۹۶)۔ (۸۹۷)۔ (۸۹۸)۔ (۸۹۹)۔ (۹۰۰)۔ (۹۰۱)۔ (۹۰۲)۔ (۹۰۳)۔ (۹۰۴)۔ (۹۰۵)۔ (۹۰۶)۔ (۹۰۷)۔ (۹۰۸)۔ (۹۰۹)۔ (۹۱۰)۔ (۹۱۱)۔ (۹۱۲)۔ (۹۱۳)۔ (۹۱۴)۔ (۹۱۵)۔ (۹۱۶)۔ (۹۱۷)۔ (۹۱۸)۔ (۹۱۹)۔ (۹۲۰)۔ (۹۲۱)۔ (۹۲۲)۔ (۹۲۳)۔ (۹۲۴)۔ (۹۲۵)۔ (۹۲۶)۔ (۹۲۷)۔ (۹۲۸)۔ (۹۲۹)۔ (۹۳۰)۔ (۹۳۱)۔ (۹۳۲)۔ (۹۳۳)۔ (۹۳۴)۔ (۹۳۵)۔ (۹۳۶)۔ (۹۳۷)۔ (۹۳۸)۔ (۹۳۹)۔ (۹۴۰)۔ (۹۴۱)۔ (۹۴۲)۔ (۹۴۳)۔ (۹۴۴)۔ (۹۴۵)۔ (۹۴۶)۔ (۹۴۷)۔ (۹۴۸)۔ (۹۴۹)۔ (۹۵۰)۔ (۹۵۱)۔ (۹۵۲)۔ (۹۵۳)۔ (۹۵۴)۔ (۹۵۵)۔ (۹۵۶)۔ (۹۵۷)۔ (۹۵۸)۔ (۹۵۹)۔ (۹۶۰)۔ (۹۶۱)۔ (۹۶۲)۔ (۹۶۳)۔ (۹۶۴)۔ (۹۶۵)۔ (۹۶۶)۔ (۹۶۷)۔ (۹۶۸)۔ (۹۶۹)۔ (۹۷۰)۔ (۹۷۱)۔ (۹۷۲)۔ (۹۷۳)۔ (۹۷۴)۔ (۹۷۵)۔ (۹۷۶)۔ (۹۷۷)۔ (۹۷۸)۔ (۹۷۹)۔ (۹۸۰)۔ (۹۸۱)۔ (۹۸۲)۔ (۹۸۳)۔ (۹۸۴)۔ (۹۸۵)۔ (۹۸۶)۔ (۹۸۷)۔ (۹۸۸)۔ (۹۸۹)۔ (۹۹۰)۔ (۹۹۱)۔ (۹۹۲)۔ (۹۹۳)۔ (۹۹۴)۔ (۹۹۵)۔ (۹۹۶)۔ (۹۹۷)۔ (۹۹۸)۔ (۹۹۹)۔ (۱۰۰۰)۔ (۱۰۰۱)۔ (۱۰۰۲)۔ (۱۰۰۳)۔ (۱۰۰۴)۔ (۱۰۰۵)۔ (۱۰۰۶)۔ (۱۰۰۷)۔ (۱۰۰۸)۔ (۱۰۰۹)۔ (۱۰۱۰)۔ (۱۰۱۱)۔ (۱۰۱۲)۔ (۱۰۱۳)۔ (۱۰۱۴)۔ (۱۰۱۵)۔ (۱۰۱۶)۔ (۱۰۱۷)۔ (۱۰۱۸)۔ (۱۰۱۹)۔ (۱۰۲۰)۔ (۱۰۲۱)۔ (۱۰۲۲)۔ (۱۰۲۳)۔ (۱۰۲۴)۔ (۱۰۲۵)۔ (۱۰۲۶)۔ (۱۰۲۷)۔ (۱۰۲۸)۔ (۱۰۲۹)۔ (۱۰۳۰)۔ (۱۰۳۱)۔ (۱۰۳۲)۔ (۱۰۳۳)۔ (۱۰۳۴)۔ (۱۰۳۵)۔ (۱۰۳۶)۔ (۱۰۳۷)۔ (۱۰۳۸)۔ (۱۰۳۹)۔ (۱۰۴۰)۔ (۱۰۴۱)۔ (۱۰۴۲)۔ (۱۰۴۳)۔ (۱۰۴۴)۔ (۱۰۴۵)۔ (۱۰۴۶)۔ (۱۰۴۷)۔ (۱۰۴۸)۔ (۱۰۴۹)۔ (۱۰۵۰)۔ (۱۰۵۱)۔ (۱۰۵۲)۔ (۱۰۵۳)۔ (۱۰۵۴)۔ (۱۰۵۵)۔ (۱۰۵۶)۔ (۱۰۵۷)۔ (۱۰۵۸)۔ (۱۰۵۹)۔ (۱۰۶۰)۔ (۱۰۶۱)۔ (۱۰۶۲)۔ (۱۰۶۳)۔ (۱۰۶۴)۔ (۱۰۶۵)۔ (۱۰۶۶)۔ (۱۰۶۷)۔ (۱۰۶۸)۔ (۱۰۶۹)۔ (۱۰۷۰)۔ (۱۰۷۱)۔ (۱۰۷۲)۔ (۱۰۷۳)۔ (۱۰۷۴)۔ (۱۰۷۵)۔ (۱۰۷۶)۔ (۱۰۷۷)۔ (۱۰۷۸)۔ (۱۰۷۹)۔ (۱۰۸۰)۔ (۱۰۸۱)۔ (۱۰۸۲)۔ (۱۰۸۳)۔ (۱۰۸۴)۔ (۱۰۸۵)۔ (۱۰۸۶)۔ (۱۰۸۷)۔ (۱۰۸۸)۔ (۱۰۸۹)۔ (۱۰۹۰)۔ (۱۰۹۱)۔ (۱۰۹۲)۔ (۱۰۹۳)۔ (۱۰۹۴)۔ (۱۰۹۵)۔ (۱۰۹۶)۔ (۱۰۹۷)۔ (۱۰۹۸)۔ (۱۰۹۹)۔ (۱۱۰۰)۔ (۱۱۰۱)۔ (۱۱۰۲)۔ (۱۱۰۳)۔ (۱۱۰۴)۔ (۱۱۰۵)۔ (۱۱۰۶)۔ (۱۱۰۷)۔ (۱۱۰۸)۔ (۱۱۰۹)۔ (۱۱۱۰)۔ (۱۱۱۱)۔ (۱۱۱۲)۔ (۱۱۱۳)۔ (۱۱۱۴)۔ (۱۱۱۵)۔ (۱۱۱۶)۔ (۱۱۱۷)۔ (۱۱۱۸)۔ (۱۱۱۹)۔ (۱۱۲۰)۔ (۱۱۲۱)۔ (۱۱۲۲)۔ (۱۱۲۳)۔ (۱۱۲۴)۔ (۱۱۲۵)۔ (۱۱۲۶)۔ (۱۱۲۷)۔ (۱۱۲۸)۔ (۱۱۲۹)۔ (۱۱۳۰)۔ (۱۱۳۱)۔ (۱۱۳۲)۔ (۱۱۳۳)۔ (۱۱۳۴)۔ (۱۱۳۵)۔ (۱۱۳۶)۔ (۱۱۳۷)۔ (۱۱۳۸)۔ (۱۱۳۹)۔ (۱۱۴۰)۔ (۱۱۴۱)۔ (۱۱۴۲)۔ (۱۱۴۳)۔ (۱۱۴۴)۔ (۱۱۴۵)۔ (۱۱۴۶)۔ (۱۱۴۷)۔ (۱۱۴۸)۔ (۱۱۴۹)۔ (۱۱۵۰)۔ (۱۱۵۱)۔ (۱۱۵۲)۔ (۱۱۵۳)۔ (۱۱۵۴)۔ (۱۱۵۵)۔ (۱۱۵۶)۔ (۱۱۵۷)۔ (۱۱۵۸)۔ (۱۱۵۹)۔ (۱۱۶۰)۔ (۱۱۶۱)۔ (۱۱۶۲)۔ (۱۱۶۳)۔ (۱۱۶۴)۔ (۱۱۶۵)۔ (۱۱۶۶)۔ (۱۱۶۷)۔ (۱۱۶۸)۔ (۱۱۶۹)۔ (۱۱۷۰)۔ (۱۱۷۱)۔ (۱۱۷۲)۔ (۱۱۷۳)۔ (۱۱۷۴)۔ (۱۱۷۵)۔ (۱۱۷۶)۔ (۱۱۷۷)۔ (۱۱۷۸)۔ (۱۱۷۹)۔ (۱۱۸۰)۔ (۱۱۸۱)۔ (۱۱۸۲)۔ (۱۱۸۳)۔ (۱۱۸۴)۔ (۱۱۸۵)۔ (۱۱۸۶)۔ (۱۱۸۷)۔ (۱۱۸۸)۔ (۱۱۸۹)۔ (۱۱۹۰)۔ (۱۱۹۱)۔ (۱۱۹۲)۔ (۱۱۹۳)۔ (۱۱۹۴)۔ (۱۱۹۵)۔ (۱۱۹۶)۔ (۱۱۹۷)۔ (۱۱۹۸)۔ (۱۱۹۹)۔ (۱۲۰۰)۔ (۱۲۰۱)۔ (۱۲۰۲)۔ (۱۲۰۳)۔ (۱۲۰۴)۔ (۱۲۰۵)۔ (۱۲۰۶)۔ (۱۲۰۷)۔ (۱۲۰۸)۔ (۱۲۰۹)۔ (۱۲۱۰)۔ (۱۲۱۱)۔ (۱۲۱۲)۔ (۱۲۱۳)۔ (۱۲۱۴)۔ (۱۲۱۵)۔ (۱۲۱۶)۔ (۱۲۱۷)۔ (۱۲۱۸)۔ (۱۲۱۹)۔ (۱۲۲۰)۔ (۱۲۲۱)۔ (۱۲۲۲)۔ (

### فقراء تین قسم کے ہوتے ہیں

حضرت عباس بن دہقانؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بشر بن حارثؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ اس وقت رضا اور تسلیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے، ایک شخص جو صوفی بنا پھرتا تھا اس نے کہا اے ابونصر! تو نے لوگوں کے ہاتھ سے نیکی کا راستہ چھین لیا تاکہ تمہاری منزلت آشکارا ہو، اگر تو واقعی زاہد ہو تا اور دنیا سے بے تعلق ہوتا، تو تو ان کے ہاتھ سے پکڑتا تاکہ ان کے ہاں سے تیرا مرتبہ کھو جاتا، اور جو کچھ وہ تجھے ہدایا دیتے ان کو فقراء کے لئے دے دیتا پھر تو کل کر کے بیٹھ جاتا اور غیب سے گزراہ کی روزی حاصل کرتا۔

اس کی یہ بات حضرت بشرؒ کے ساتھیوں پر بڑی گراں گزری، تو حضرت بشرؒ نے فرمایا: اے جوان جو اب سن! فقراء تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) وہ فقیر جو کسی سے نہیں مانگتا اور اگر اس کو دیا جائے تو لیتا بھی نہیں یہ شخص روحانیت میں سے ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ پر کسی معاملہ میں قسم اٹھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کے مطابق کر دیں۔

(۲) ایک فقیر وہ ہوتا ہے جو سوال نہیں کرتا اور اگر اس کو دیا جائے تو اس کو قبول کر لیتا ہے، یہ فقراء میں درمیانہ درجہ کا ہے اس کا طرز تو کل کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سکون حاصل کرنے کا ہوتا ہے یہ وہ شخص ہے جس کیلئے حظیرۃ القدوس سے خوان رکھا جاتا ہے۔

(۳) ایک فقیر وہ ہوتا ہے جو صبر کو حرز جان بنائے رکھتا ہے اور صرف دفع الوقتی سے کام لیتا ہے، جب اس کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف نکل جاتا ہے اور اس کا دل سوال کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے اس مانگنے کا کفارہ صدق سوال ہوتا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا حضرت بس کافی ہو گیا اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔ (ایضاً ۷۷-۷۸)

### اولیاء مر کر بھی زندہ ہیں

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت شعاروں کو ان کی وفات کے باوجود زندہ بنا دیا ہے اور نافرمانوں کو ان کی زندگی میں ہی ان کو مردہ بنا رکھا ہے۔ (یعنی) نیک لوگوں کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے حالات و آثار کا تذکرہ ہوتا ہے اور ان سے عمل کی رہنمائی ملتی ہے اور بدکار جیسے جی مرے ہوئے کی طرح ہیں ان کے اعمال قابل نفرت ہیں اور قابل ذکر ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ بدکار زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہیں ان کی زندگی آخرت کے اعتبار سے ان کے کسی کام کی نہیں اور یہ دنیا میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ (ایضاً ۹۰-۹۷)

### ولی کبھی مشہور ہو جاتا ہے

”حضرت سعید بن سلام مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی مشہور تو ہو جاتا ہے لیکن (شہرت سے) فتنہ میں نہیں پڑتا (یعنی اس حال میں بھی اپنے کو بچ سمجھتا ہے)۔“

☆..... فائدہ: مذکورہ ارشاد کی تشریح یہ ہے کہ جو ولی مشہور ہوتا ہے تو اس کی یہ شہرت خدا کی طرف سے اس پر اور اس کے متعلقین پر بطور برکت کے ہوتی ہے جو اسے اپنے رب تعالیٰ سے غیر متوجہ نہیں کرتی اس صورت میں یہ ولی شہرت سے سعادت پاتا ہے اور جو لوگ اس کی

افتداء کرتے ہیں ان کی کثرت کی وجہ سے اس ولی کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ ولی جس کی شہرت اسے یاد خداوندی سے ہٹا دے ایسا شخص مفتون کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے سب کی حفاظت فرمائیں۔ (ایضاً: ۱۴-۱۵)

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک مرتبہ حج سے واپسی پر کسی شہر سے گزر رہے مہینہ رمضان کا تھا شہر کے لوگوں کو پتہ چل گیا تو پورا شہر ان کی زیارت کیلئے امنڈ پڑا، حضرت کے پاس تھیلہ میں خورد و نوش کا سامان تھا حضرت نے اس میں سے روٹی نکالی اور سب کے سامنے کھالی یہ دیکھ کر پورا شہر یہ کہتے ہوئے واپس ہو گیا کہ یہ کیسا پیر ہے جو رمضان میں روزے بھی نہیں رکھتا، خادم نے عرض کیا حضرت کیا آپ کو روزہ یا دن نہیں تھا؟ فرمایا: یاد تھا لیکن اس ہجوم کو دیکھ کر میرے نفس میں بڑائی آئی تو میں نے اس کی سرزنش کرنے کے لئے مخلوق کو اپنے پاس سے بھگا دیا لیکن یہ لوگ بھی عجیب ہیں کہ جانتے نہیں کہ مسافر پر روزہ فرض نہیں۔ میں روزہ کی قضا کر لوں گا اور اپنے نفس کو فتنہ سے محفوظ رکھا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

اشتہار خلق بند محکم است      بنیادیں از بند آہن کے کم است

”مخلوق میں مشہور ہو جانا مضبوط بیڑی ہے، اور یہ بیڑی لوہے کی بیڑی سے کم نہیں ہے“

طاؤس رانقش و نگاری کہ بہت خلق      تحسین کنند او خجل از زشت پائے خویش

”مور کے حسن و جمال کی مخلوق تو بڑی تعریف کرتی ہے لیکن مور خود اپنے پنجوں کو دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال مخلوق کی تعریف پر فخر نہیں کرتا بلکہ اپنے نقائص کو دیکھ کر روتا اور شرمندہ ہوتا ہے۔

(الہ از حضرت مولانا محمد دریں انصاری دمت برکاتہم، بحوالہ لطافت صوفیہ ۱۵)

### ولی دست سوال دراز نہیں کرتا

حضرت نصر آبادیؒ فرماتے ہیں: ”اولیاء کرام (دست) سوال (دراز) نہیں کرتے بلکہ (فقر و فاقہ سے ان کے ہونٹ اور زبان خشک اور آواز پست ہو جاتی ہے۔“ (رسالہ تشریح ص ۲۶۲، ماخذ: بلا)

یعنی اولیاء کرام بوقت ضرورت بھی دست سوال دراز نہیں کرتے بلکہ ان کے فقر و فاقہ کی حالت اور مسکنت ان کے چہرہ سے چھلکتی ہے ان کے چہروں کو دیکھ کر لوگ ان کی ضروریات کا علم حاصل کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اپنی ضروریات کا کسی سے سوال نہ کرنا، بھی ولایت کی علامت ہے۔ (ایضاً: ۱۵-۱۶)

### ولایت کا انتہائی مرتبہ

حضرت نصر آبادیؒ فرماتے ہیں: ”اولیاء کے آخری مقامات انبیاء کرام کے ابتدائی مقامات ہیں۔“ (رسالہ تشریح ص ۲۶۲، ماخذ: بلا ۱۶)

### ولی کے اعمال

حضرت سہل بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں: ”ولی وہ ہے جس کے اعمال مسلسل (شریعت کے) موافق ہوں۔ (خلاف شرع کا نہ کرتا ہو)۔“ (ایضاً)

### ریا کاری اور منافقت سے محفوظ

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: ”ولی وہ ہے جو نہ تو ریا کاری کرتا ہے اور نہ منافقت کرتا ہے اور جس کے اخلاق یہ ہوں اس کے دوست کم نہیں ہوتے (بلکہ بہت ہوتے ہیں) (ایضاً)

### ولایت کی دیگر صفات

حضرت ابوعلی جوزجانی فرماتے ہیں: ”ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی ہو، مشاہدہ حق سبحانہ میں باقی ہو اس کی ضروریات اللہ تعالیٰ پوری فرماتے ہیں اس پر انور کفالت مسلسل قائم رہتے ہیں وہ اپنے نفس کے متعلق (کسی کو) خبر نہیں دیتا اور غیر اللہ کے ساتھ چین نہیں بکڑتا۔ (جس طرح مچھلی کو پانی کے بغیر سکون نہیں ملتا)“ (ایضاً)

### ولایت کے چار مراتب اور ان کا اثر

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں: ”اولیاء کرام کے مراتب اسمائے (باری تعالیٰ) کے ساتھ مختلف اعتبارات کے ساتھ ہیں ہر فریق انہیں چار اسماء میں سے کسی کے ساتھ قائم ہے اور یہ (اسماء) ”الاول“ ”الآخر“ ”الظاہر“ ”الباطن“ ہیں جو اس مرتبہ کے حاصل ہونے سے ان میں فانی ہو گیا وہی ولی کامل اور تام ہے پس جس کا مرتبہ ذات باری کے اسم ”الظاہر“ کے ساتھ قائم ہے تو وہ خدا کی قدرت کے عجائبات ملاحظہ کرتا ہے۔ اور جس کا مرتبہ ذات باری کے اسم ”الباطن“ کے ساتھ ہے تو وہ خدا کے انوار سے جو کچھ اسرار میں واقع ہوتا ہے ان کو ملاحظہ کرتا ہے، اور جس کا مرتبہ خدا کے اسم ”الاول“ کے ساتھ ہے تو اس کی مصروفیات امور ماضیہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اسم ”الآخر“ سے ہوتا ہے تو وہ امور مستقبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس ولی کی طاقت کے بقدر مکشوف ہوتا ہے ہاں جس کی امداد حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے احسان کے ساتھ کرے اور اپنی طرف سے اس کی ضروریات کی کفایت کرے (تو اپنی قدر سے بھی آگے کے امور ظاہر ہوتے ہیں)“

حضرت بایزید بسطامی کے اس ارشاد پر حضرت علامہ قشیری فرماتے ہیں ”یہ جو حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا ہے (ان کا یہ ارشاد) اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کے نیک بندے ان (مذکورہ) اقسام سے بالا ہوتے ہیں نہ تو وہ انجام کار کے ذکر میں ہوتے ہیں اور نہ امور مستقبلہ کی فکر میں ہوتے ہیں۔ اور نہ سب راستوں کے درپے ہوتے ہیں اسی طرح اصحاب حقائق مخلوقات کی مدح سرائیوں سے غافل رہتے ہیں (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ”آپ خیال کریں گے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں“ (ایضاً)

### اولیاء خدا تک رسائی کا ذریعہ ہوتے ہیں

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: ”ولی زمین میں اللہ کی خوشبو ہے جسے صدیقین (صدیقین وہ ہیں جن کے قول میں تضاد نہ ہو) سونگھتے ہیں تو اس کی خوشبو ان کے دلوں کو معطر کرتی ہے اور وہ اس (ولی) کے ذریعہ اپنے مولیٰ کا شوق پیدا کرتے ہیں اور نیک عادات کے درجات کے موافق عبادت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں“۔ (ایضاً ۲۶۳، ماخذ: بلا: ۱۷-۱۸)

### غذائے ولایت

حضرت محمد واسطیؐ سے سوال کیا گیا ولی کو اس کی ولایت میں غذا کس طرح دی جاتی ہے؟ تو فرمایا ولایت کی ابتداء میں ولی کو عبادت کی غذا دی جاتی ہے اور بڑھاپے میں خدا تعالیٰ کی لطافت سے پردہ پوشی کے ساتھ (غذا دی جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ تعریفات اور صفات کی طرف جذب فرما دیتا ہے پھر اسے مختلف اوقات میں اپنے (سامنے) کھڑے ہونے کی لذت چکھا دیتا ہے۔

### ولی کی مزید تین صفات

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: ”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی کی علامت تین چیزیں ہیں (۱) .. اللہ کیساتھ مشغول رہنا (۲) .. اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ بھاگ کرنا (۳) .. اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود بنانا“۔ (ایضاً)

### ولی کے مدارج ترقی

حضرت خرازؒ فرماتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے ساتھ دوستی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں پس جب وہ ذکر میں لذت پاتا ہے تو اس پر قرب کا دروازہ کھول دیتے ہیں پھر اسے اپنی مجالس انس تک پہنچا دیتے ہیں پھر اسے کرسی توحید پر بٹھاتے ہیں پھر اس سے پردے ہٹا دیتے ہیں اور فردانیت کے مقام میں داخل کر دیتے ہیں اور اس کے لئے اپنا جلال اور عظمت ظاہر کرتے ہیں جب اس کی نظر جلال اور عظمت خداوندی پر پڑتی ہے تو اپنی خواہشات چھوڑ بیٹھتا ہے بس اس وقت بندہ بے بس اور فانی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ رہتا ہے اور اپنے نفس کے دعوؤں سے نکل جاتا ہے“۔ (ایضاً)

### اولیاء اللہ سے محبت

چونکہ یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتے ہیں اور ان کی محبت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ (مائدہ ۹۴) ”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے (خلاق کے دل میں) محبت پیدا کر دے گا۔“

☆..... حضرت شاہ عبدالقادرؒ ایت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دیگا۔“ (منہج القرآن ماخذ: اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال: بس ۷۱)

☆..... حضرت مولانا مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں کہ ایمان اور عمل صالح جب مکمل ہوں اور بیرونی عوارض سے خالی ہوں تو ان کا خاصہ یہ ہے کہ مومنین صالحین کے درمیان آپس میں بھی الفت و محبت ہو جاتی ہے، ایک نیک صالح آدمی دوسرے نیک آدمی سے مانوس ہوتا ہے اور دوسرے تمام لوگوں اور مخلوق کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

☆..... حدیث: بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب

کسی بندے کو پسند فرماتے ہیں تو جبرئیل امینؑ سے کہتے ہیں کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو۔ جبرئیل سارے آسمانوں میں اس کی منادی کرتے ہیں اور سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر یہ محبت زمین پر نازل ہوتی ہے۔ (زمین والے بھی اس محبوب خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔

☆ حضرت ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں: ”جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں“۔ (معارف القرآن ۶/۵۹، بحوالہ قرطبی، ماخذ: ۱۷۰-۱۸)

☆ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ”جاننا چاہئے کہ مقبولیت و محبوبیت اور چیز ہے، اور شہرت اور چیز ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی ابتدائیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں پھر رفتہ رفتہ وہ قبول عام ہو جاتا ہے۔ باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں خوب سمجھ لو!۔

### اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کی صحبت میں رہنے کا حکم

اولیاء اللہ پر چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور ان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اچھے بیٹھنے کا حکم تمام اہل ایمان کو دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (توبہ: ۱۱۹) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی تدبیر یہ بتائی کہ صالحین اور صادقین کی صحبت اختیار کرو، پھر ”صادقین“ کا لفظ اختیار فرما کر اللہ والوں کی پہچان بھی بتائی کہ وہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہوں، نیت و ارادہ بھی سچا ہو، قول کے بھی سچے ہوں اور اعمال بھی اچھے اور سچے ہوں۔

☆ حدیث پاک میں اولیاء اللہ کی پہچان میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں پیش کیا گیا: ”عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یارسول اللہ من اولیاء اللہ الذین اذا راءوا ذکر اللہ“ ”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا ”یارسول اللہ ﷺ! اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”وہ لوگ جنہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے۔“

گویا اولیاء اللہ کے اعمال اس درجہ شریعت کے حکموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ان کا ظاہر و باطن تعلق مع اللہ میں اس قدر سچا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا (اگر سیاہ اعمال کی وجہ سے اپنے ضمیر بالکل ہی نہ برباد کر چکا ہو) تو فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ شخص اللہ والا ہے۔

چونکہ انسان طبعاً صحبت سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے حکم دیدیا گیا کہ اگر تم بھی اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کے ساتھ بیٹھ کر اللہ کے ذکر کی توفیق ہو، دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور دنیاوی فکروں میں کمی محسوس ہو اور یہی علامت ولی اللہ ہونے کی ہے۔



☆..... قاضی ثناء اللہ پانی پٹی لکھتے ہیں: ”اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار کی یاد دلانے اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ، جو سورج کی شعاعوں سے جگمگاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے، آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ ان کا حضور اللہ کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (کہ منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) ”واللہ لایہدی القوم الفاسقین“ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ (تفسیر مظہری ۳۲/۵، غذا ۱۹۰/۲۰)

### کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: ”اس میں اختلاف کیا ہے کہ ولی بھی اپنی ولایت کو جانتا ہے یا نہیں بعض نے تو یہ کہا ہے (کہ اس کو اپنی ولایت کا جاننا) درست نہیں ولی تو اپنی ذات کو کم نظر سے دیکھتا ہے، اگر اس سے کوئی کرامت ظاہر ہو تو وہ اس سے بھی ڈرتا ہے۔ کہ یہ (شیطان کا) دھوکہ نہ ہو۔ وہ ہر وقت خوف میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا خوف یہ ہے کہ وہ جس (حال) ولایت میں ہے اس سے نیچے نہ گر پڑے اور اس کا انجام اس کے حال کے خلاف نہ ہو جائے اس مذہب کے لوگ مستقبل میں بھی ولایت کی بقاء کو ولی کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔“

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ بات درست ہے کہ ولی کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کا) ولی (اور دوست) ہے یہ حضرات حسن عافیت کا یقین ہونے کو ولایت کی شرط قرار نہیں دیتے۔ (جو شخص فی الحال ولی ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اخیر تک ولی رہے یہ ہو سکتا ہے کہ اب ولی ہو اور پھر اس کی ولایت چھین لی جائے جیسے کہ بلعم بن باعور کی ولایت حضرت موسیٰؑ پر بدعا کرنے کی وجہ سے چھین لی گئی۔

(موسى، نجم البشائر ص ۱۰۱)

”اور بعض جو لوگ مستقبل میں بھی ولایت کے باقی رہنے کے علم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد ولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ولی کوئی کرامت بھی عطاء کی گئی ہو اور وہ کرامت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے اس بات کا علم ہو کہ وہ انجام حساب میں عذاب سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ کرامات اولیاء پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اگرچہ اسے انجام عاقبت کا خوف نہ رہے تب بھی ہیبت تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی جلالت شان ہر حال میں تمام اور مضبوط ہو۔ کیونکہ معمولی سی تعظیم اور ہیبت نسبت زیادہ خوف کے دلوں کو زیادہ ہدایت دیتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: ”آپ ﷺ کے صحابہ میں سے دس جنتی ہیں“۔ تو بالضرور یہ دس وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اپنی عاقبت یا سلامت جان لی اور ان کے حال پر (میں بشارت نے) کوئی فرق نہ ڈالا۔“

”اور معرفت نبوت کی صحت کی شرط معجزہ کی تعریف کی واقفیت پر ہے اسی کے ضمن میں حقیقت کرامات کا علم بھی داخل ہے تو جب وہ اپنی کرامات کو ظاہر ہوتا دیکھتا ہے تو اسے ممکن نہیں کہ وہ کرامت اور غیر کرامت میں فرق نہ کر سکے؟ (یعنی اسے کرامت اور غیر کرامت میں فرق کا علم ہو جاتا ہے تو جب وہ کرامت کی کوئی چیز دیکھتا ہے تو وہ اسی سے سمجھ لیتا ہے کہ وہ اس حال میں حق پر ہے۔“

”پھر یہ درست ہے کہ وہ مستقبل کے لئے بھی جانتا ہے کہ وہ اسی حالت (ولایت) میں باقی رہے گا اور یہ پہچان بھی اس کی کرامت ہی کے طور پر ہوتی ہے اور کرامات اولیاء کو تسلیم کرنا درست ہے چنانچہ اولیاء کرام کی بہت حکایات اس پر دلالت بھی کرتی ہیں اور ہمارے شیخ استاد ابوعلی الدقاق بھی یہی بیان فرماتے تھے۔ (طبقات الصوفیہ مترجم اردو ۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵)

## اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال

اس کے بارے جو کچھ حضرت مولانا محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی نے اپنے کتاب ”اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال“ میں نقل کیے ہیں میں اس کو من و عن نقل کر دیتا ہوں۔ گزشتہ مباحث سے معلوم ہو گیا کہ ولی کون شخص ہوتا ہے اور عند اللہ اس کا کیا مرتبہ اور مقام ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے محبت کرنے، اس کا احترام کرنے اور اس کی نصیحت میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے محبت کرنے، اس کا احترام کرنے اور اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنے کے بجائے اگر اس سے بدگمانی رکھی جائے، اس کے بارے میں غیر محتاط گفتگو کی جائے، اسے گالیاں دی جائیں، اس سے نفرت اور عداوت رکھی جائے تو کس قدر خطرناک بات ہوگی، کیونکہ اس شکل میں آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہی نہیں کرتا اس کو معمولی سمجھ کر مقابلہ اور ضد پر آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے صرف دو گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا ارتکاب براہ راست غیرت خداوندی کا لکارنا اور اس کی طرف سے اپنے خلاف اعلان جنگ کر دانا ہے۔

(۱) ان میں سے ایک گناہ تو سود لینا اور دینا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (278) فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾ (البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کیلئے خبردار ہو جاؤ اگر تم توبہ کر لو تم تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا۔“

(۲) ... دوسرا بڑا گناہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے، وہ اللہ کے محبوب بندوں سے دشمنی ہے۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قال من عادى لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشئنی احب الی ما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاداکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہا وجلہ الذی یمشی بہا ولئن سألنی لا عطینہ ولئن استعاذنی لا عید نہ وما ترددت عن شی انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت ونا اکرہ مساء تہ۔“ (بحری کتاب الرقاق، باب الموضع)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں (اور یہ اس وجہ سے کہ) میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ (فرائض ادا کرنے کے بعد) نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا

نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے وہ اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دے دیتا ہوں وہ اگر کسی (دشمن یا شیطان) سے میری پناہ چاہتا ہے، تو اس کو محفوظ رکھتا ہوں اور مجھ کو کسی کام میں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں، انتشار دہن نہیں ہوتا، جتنا اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے، وہ تو موت کو (جسمانی تکلیف کی وجہ سے) برا سمجھتا ہے، اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔“

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ تحریر ماتے ہیں: کہ تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل شانہ، سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پاسکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوسامہؓ، وہب بن منبہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

(۲)۔ بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے، جس شخص نے میرے دلی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔

(۳)۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے۔ (فتح الباری)

(۴)۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا، معاذ کیوں رو رہے ہو، عرض کیا میں نے اس (پاک) قبر والے (ﷺ) سے ایک بات سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (مبادا میں کہیں مبتلا نہ ہو جاؤں) میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاؤ وہ بھی شرک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے۔ (حکم مستدرک)

(۵)۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”حضرت جبریلؑ نے اللہ جل شانہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر۔ (درمنثور)

(۶)۔ حضرت وہبؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میرے عزت و جلال کی قسم، جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اتر آیا ہے۔ (درمنثور ۴، ۱۸۹)

(۷)۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ، ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرے، اس نے میرے ساتھ دشمنی کا اعلان کیا۔“

(۸)۔ یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے جو اولیاء اللہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے عداوت رکھے وہ اللہ جل شانہ سے لڑائی باندھنے کیلئے میدان میں آیا۔

(۹) .... ایک حدیث میں ہے کہ ”میں اپنے ولی کے لئے ایسا انتقام لیتا ہوں، جیسا کہ جنگجو شیر اپنا بدلہ لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ اولیاء اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے موالات (دوستی) کی اور اس کو پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا، اور اس سے بغض رکھتے ہیں جس سے اللہ نے بغض رکھا، اور اس سے راضی ہوئے جس سے اللہ راضی ہوا، اور اس سے ناراض ہوئے جس سے اللہ ناراض ہوا، اور اس کا حکم کیا جس کا اللہ نے حکم کیا، اور اس سے رک گئے جس سے اللہ نے روک دیا۔“

(۱۰) امام نوویؒ ”شرح مہذب“ میں لکھتے ہیں: ”بخاری شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ”اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے، میرے طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔“

علماء کرام اولیاء اللہ ہیں

☆ خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے ”اگر فقہاء علماء اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں تو پھر کوئی اس کا ولی نہیں ہے۔“

☆ حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ”جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے اس نے رسول اللہ کو اذیت پہنچائی۔“

☆ حضرت ابو القاسم ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ ”میرے بھائی ایک بات سن لے! اللہ تعالیٰ جل شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقویٰ (اختیار) کرنے والے ہیں۔ یہ بات سنی ہے کہ علماء کے گوشت (غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ تعالیٰ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو علماء کی اہانت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو غیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے، مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔“ (۱۲۳۳) (۱۲۳۴)

اہانت ولی اللہ سوء خاتمہ پر دلالت کرتا ہے

کتنا اندیشہ ناک معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو، اس کا بھلا ٹھکانہ کہاں اور پھر اگر اس کی سزا میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک، کان، آنکھ جاتے رہیں، تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدا نخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے، کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ آئمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے، کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

☆ صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے: ”اللہ تعالیٰ سے بندے کی لڑائی دلالت کرتی ہے، خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کے لئے

خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی ہے اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خراب چیز ہوگی۔“

☆ شیخ احمد (ابن اثیرؒ) نے جامع الاصول میں لکھا ہے: ”ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے

والے ہوں، بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں، نہ ہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت و عید اس بارے میں وارد ہوئی ہے اور بڑی خطرناک چیز ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل شانہ سے اعراض ہے اور امراض سے بھرا ہوا ہے، ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا معاذ اللہ اندیشہ ہے۔“

اہل اللہ پر اعتراض کرنے کی وجہ

علامہ سقرانی (طبقات کبریٰ) میں لکھتے ہیں: ”امام ابرتراب نخشی جو مشائخ صوفیاء میں ہیں، فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔“ (شریعت و طریقت کا تنازعہ ص ۲۳۶، ۲۳۷)

اہل اللہ کی اہانت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے گرجاتے ہیں

حضرت شیخ علی خواص جو مشہور اولیاء میں ہیں۔ فرماتے ہیں: ”اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ ایسے شخص کی بات پر کان دھرو، جو علماء و مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ حفاظت سے گرجاؤ گے۔ اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔“ (طبقات کبریٰ)

جو علماء دین کی توہین کرتا ہے ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جا ہے

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ: ”جو لوگ علمائے دین کی توہین کرتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے۔“ (ارواح شمسہ: ۳۶۔ اکبر کی شان میں گستاخی، ایضاً)

بے ادب کا انجام

حضرت اقدس بقیۃ السلف شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ﴿ذَلِك بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ: ”ان یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جو ان گناہوں سے منع کرتا تھا، اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے، قتل کر ڈالا اور قرآن (اللہ کی آیات) کا صریح انکار کیا۔ اور یہ گناہوں کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء ربانی گناہوں کی مداومت سے نہایت تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ ایچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو اس کی برائی دل میں جم جاتی ہے حتیٰ کہ آخر نوبت کفر کے حدود تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: ”من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان الفرائض عوقب بحرمان المعرفة“ جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے اس کو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے

اس کو فرائض سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔“ یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے، شریعت کے معمولی آداب کو بھی استخفاف اور فضول سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے، چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جو اہم آداب میں سے ہیں۔ اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے ساتھ استخفاف اور انتہا میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم ہی سوچو کتنا خطرناک معاملہ ہے، لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپرواہی کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر جزو کچھ ایسا آپس میں مربوط ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے، اللہ جل شانہ ایک سنت ان سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حدیث: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جب اللہ جل شانہ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اس کو تو دیکھے گا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں مبغوض بن جائے گا، اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہو جائے گی اور وہ خائن بن جائے گا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال جائے گی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پہنچ جائے گا تو لوگوں کے ہاں مردود اور ملعون بن جائے گا اور جب اس درجہ پہنچ جائے گا تو دیکھے گا کہ اسلام کی رسی اس کے گلے سے نکل جائے گی۔

(جامع الصغیر)

حدیث: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص کسی مسلمان کو اذیت پہنچاتا ہے، وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ (جامع الصغیر)

کتنی سخت بات ہے جب عام مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں کتنا سخت ہوگا۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۱۲ تا ۱۷، خز: اولیاء اللہ کی اہانت کا دوا: ۳۱۳-۳۱۴)

اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے

اولیاء اللہ کو اذیت پہنچانا کیونکہ سوء خاتمہ اور کفر تک پہنچا دینے والا عمل ہے۔ اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے علماء نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

اسام ذہبی کبیرہ گناہ کے بارے میں اپنی مستقل تصنیف ”کتاب الکبائر“ میں لکھتے ہیں: ”اکا و نواں (۵۱) گناہ کبیرہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (۵) وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ۵۷-۵۸)

ترجمہ: ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں، اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت میں پھینکا رہا، اور ان کے واسطے ذلت کا عذاب تیار رکھا ہے، اور جو لوگ بے گناہ مسلمان مردوں اور عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں انہوں نے جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔“

☆ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“ (بخاری)

☆ ... اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”وہ مجھے جنگ کے لئے دعوت دیتا ہے۔“ (ایضاً)

☆ ایک حدیث حضور اقدس ﷺ کا ارشاد فرمایا: ”اے ابو بکر! اگر تو نے ان (فقراء مہاجرین) کو ناراض کر دیا تو تو نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا۔“ (کتاب الکبائر: ۱۶۹)

☆ علامہ ابن حجر مکی کبیرہ گناہوں کے بارے اپنی مستقل تصنیف ”الزواجر عن اقتراعات الكبائر“ میں لکھتے ہیں: ”پنستھواں (۶۵) کبیرہ گناہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے۔“

اس کے بعد علامہ موصوف نے اولیاء اللہ کے ستانے پر صحیح بخاری کی احادیث نقل کی ہیں، جن میں اس فعل کو براہ راست اللہ سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں: ”تنبیہ: اولیاء اللہ کی اہانت کے کبیرہ ہونے پر بعض علماء نے واضح تصریح کی ہے کیونکہ اس گناہ پر صریح وعید آئی ہے اور اس وعید سے زیادہ وعید کیا ہوگی کہ اسے اللہ سے جنگ قرار دیا گیا ہے، جس کی وعید سوائے سود کھانے کے کسی اور گناہ پر نہیں سنائی گئی۔ اور ظاہر ہے جس سے اللہ دشمنی کرے وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتا، العیاذ باللہ اس کا لازمی انجام یہ ہوگا کہ وہ کفر پر سریرگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔“

☆ ..... آگے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: ”میں نے زرکشی کی کتاب ”الخصام“ میں دیکھا ہے۔ انہوں نے اس حدیث (اللہ کی طرف سے اعلان جنگ) کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”غور کرو اس اہل اللہ کی اہانت پر وہی وعید سنائی گئی ہے جو سود کھانے پر سنائی گئی ہے۔“

☆ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں: بھائی! اللہ مجھے اور تجھے نیکی کی توفیق دے، اور سیدھے رستے پر چلائے، یہ علماء کا گوشت بڑا زہریلا ہوتا ہے، جو ان کی اہانت کا مرتکب ہوتا ہے عادت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو رسوائی کا شکار کرتا ہے اور جو کوئی بھی ان کے عیوب بیان کرتا پھرتا ہے، موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قلب ہلاک کر دیتے ہیں (اور العیاذ باللہ وہ اس سے محروم ہو کر مرتا ہے)

”فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یتصیبہم عذاب الیم“ (جداس: ۱۱۱، ۱۱۲)

صاحب کتاب الزواجر نے کبیرہ گناہوں پر اپنی تصنیف ”الزواجر فی التحدیر من الکبائر“ میں اولیاء اللہ کی اہانت اور ان سے عداوت رکھنے پر بہت تفصیلی اور نفیس کلام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”اکاون وال (۵۱) کبیرہ گناہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے۔“

لکھتے ہیں: ”اہل اللہ سے دشمنی کرنا، ان کا مذاق اڑانا، ان سے بدسلوکی کرنا، ان کے بارے میں زبان چلانا، یہ سب ہمارے معاشرے میں جہالت کے عام ہو جانے کے دلیل ہے۔ قیامت کی نشانی ہے کہ جاہل اور کم ظرف لوگ سیادت حاصل کر لیں گے اور صلحاء اور متقین پیچھے کر دیئے جائیں گے، رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ”قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایسے لوگوں کو خوش نصیب ترین نہیں سمجھا جائے گا جو خود بھی کہیں ہوں گے اور ان کے باپ دادا بھی۔“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انہ لا یذل من والی اللہ ولا یعز من عادی اللہ“ (ترمذی، حدیث نمبر ۴۶۳) جسے اللہ دوست رکھتا ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا اور جسے اللہ دشمن رکھتا ہے وہ کبھی عزت نہیں پاسکتا۔“

جو لوگ علماء حق کے درپے آزار ہیں ان کی اہانت اور تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ یقیناً علماء کی نسبت اپنا نقصان زیادہ کرتے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں، بشرطیکہ یہ گالیاں دینے والے لوگ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یہ دنیاوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیداد چیز ہے، نقصان پہنچا سکیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی اور دنیوی نقصان کر رہے ہیں۔

☆... نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔“

ایسے لوگ ہر چند اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب امت (ﷺ) ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

☆... حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”حالمین وحی اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔“

☆... مولانا عبدالحیٰ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ”اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور اہل علم کی تحقیر کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر اور وجہ سے ہے، تب بھی اس شخص کے فاسق و فاجر ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا و آخرت کے عذاب کا مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔“ اس کے بعد فقہائے کرام کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث شریفہ سے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔

☆... شیخ ابوالحسن شاذلیؒ جو اکابر صوفیاء اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: ”اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ابتلا رہا ہے، ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہو سکتے ہیں، حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے کسی ولی کا انکار کر سکتا ہے۔“

☆... شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کا مفصل ذکر فرمایا ہے، جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ: ”بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم و عبادت میں مشغول ہوتے لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنے ذات کے لئے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کیلئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لئے مل رہا ہے، حالانکہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بناء پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔“ (طبقات)



یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے برا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں حالانکہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ: ”ایک مرتبہ شیخ عبدالاحد (حضرت مجدد صاحب کے والد) کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی انہوں نے صبر و سکوت فرمایا اتنے میں دیکھا غیرت الہی جوش انتقام میں ہے، شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا، کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے، اس کو تردد ہوا اور عورت گر کر مر گئی۔“

اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں۔ اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلاء سے بہت سہل ہے۔

### اہل اللہ سے محبت کا حکم

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے۔ اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔ امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دار

جو انان سعادت مند پند پیر دانارا

(۱)۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ”آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔“

(۲)۔ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

(۳)۔ ایک حدیث میں ہے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا ”یا رسول اللہ قیامت کب آوے گی۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے (کہ انتظار و اشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے مجھے محبت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔“ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی قرین قیاس ہے۔ ان حضرات کو حضور اکرم ﷺ سے کتنی محبت تھی۔

(۴)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ”آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے لہذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔“ (مشکوٰۃ شریف)

یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”صالح اور بہتر ہم نشین کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اسکی خوشبو تو پہنچے گی، اور بڑے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی تو بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی اڑے تو اس کا دھواں اور بو تو پہنچے ہی گی۔“ بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔

(۶) حضرت لقمان حکیمؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیرے نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکا نہ سمجھنا وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے۔ (درمنثور ص ۱۶۳)

(۷) حضرت لقمان حکیمؓ کی نصیحت ہے کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر، اس سے تو بھلائی کو پہنچے گا اور ان پر رحمت نازل ہوگی تو تو اس میں شریک ہوگا۔ اور بروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائے گا۔ (درمنثور ص ۱۶۵)

اس لئے بری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہئے۔ اور اللہ والوں کی صحبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہئے۔ ان کی صحبت اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔

البتہ فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے

البتہ جیسے ہر چیز میں اصلی نفی کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاتا ہے یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔

اے بسا ابلیس کہ دم روئے ہست پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

مغالطہ سے برے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور اس کا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو، نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو۔ وہ نیک ہے شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہو سکتا۔

(۱) ... نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔“

(۲) ... حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو۔ جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔“ (جامع التفسیر ورقم ۱۵۰ بالصحتہ)

اس لئے محبت اور تعلق رکھنے کے لئے یہ شرط تو ضروری ہے کہ اس کے دینی حالات معلوم ہیں اور شریعت کے موافق اس کا ہونا محقق ہو جائے۔ لیکن جس شخص کا حال معلوم نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف، اس سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔

(۳).... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”یہاں اگر تو اس پر قادر ہو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر۔ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہے۔“

محض سنی سنائی باتوں سے حکم لگا دینا ظلم عظیم ہے

تنبیہ: البتہ محض سنی سنائی باتوں سے اس پر کوئی حکم لگا دینا برا بھلا کہنا بے جا ہے۔ (بلکہ ظلم عظیم ہے)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب ”شریعت و طریقت“ میں جو ان کی آخری تصنیف ہے، بہت تاکید سے فرماتے ہیں: ”اہل اللہ سے محبت رکھنا اکسیر اعظم ہے، اور ان سے دشمنی سم قاتل ہے۔ میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کا عمل کرنا بہت مشکل ہے، محدث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحب تقویٰ ہونا، صاحب ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کالمیں کے ساتھ اگر کوئی شخص محبت پیدا کرے

تو ”المرء مع من احب“ کے قاعدے سے انشاء اللہ تعالیٰ سارے ہی دین کے اجزاء سے حصہ وافر ملے گا۔“ (شریعت و طریقت، ۱۴۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ”فضائل تبلیغ“ میں نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں: کہ ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجہی ہونا، بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جا رہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں، علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے بچوں میں شامل ہیں اور علماء سوء علماء رشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بے حد لحاظ کے قابل ہیں۔

(۱).... اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماء سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہئے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَ مَسْئُولٍ﴾ (بنی اسرائیل ۳۶) ”اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی۔“ (بیان القرآن)

اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علماء سوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

☆... نبی کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود تورات کے مضامین کو عربی میں نقل کر کے سناتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”تم لوگ نہ ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق و تکذیب سے روک دیا۔

لیکن ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں گو اس کا اہل حق ہونا بھی محقق ہو۔

(۲) دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علماء حقانی، علماء رشد، علماء خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء کرام کی شان ہے اس لئے ان کی لغزشوں، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرمادیں بلکہ غالب یہ ہے کہ ان کی لغزشیں ان شاء اللہ معاف ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقائے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگزر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جل شانہ کے برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا لیکن وہ بمقتضائے عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا لوگوں کے لئے بددینی کا سبب ہوگا اور ایسا کرنے والوں کے لئے وبال عظیم ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ان من اجلال الله تعالى اکرام ذی الشیبة المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیہ ولا السجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط“۔ (ترغیب عن ابی داؤد) ”تینوں اصحاب ذیل کا اعزاز اللہ کا اکا عزا ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ حافظ قرآن جو افراط تفریط سے خالی ہو تیسرا منصف حاکم“۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: ”وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے، وہ ہمارے امت میں سے نہیں ہے۔“ (ترغیب عن احمد واکام وغیرہا)

عن ابی امامۃ عن رسول اللہ ﷺ قال ثلث لا یستخف بہم الا منافق ذو الشیبة فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط“ (ترغیب من اطہر الی) ”نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے (نہ کہ مسلمان، وہ تینوں شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم“۔

بعض روایات میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ کہ ”مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے: (۱) ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ (بیان القرآن) یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چون و چرا کا کیا حق ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لا پرواہی کا معاملہ کیا جائے۔“

ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتبوں میں موجود ہیں۔

(۱) کی اہانت کا منہ منہ حضرت مولانا ذاکر محمد اسماعیل مبین مدنی مدظلہ اعلیٰ خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہجر مدنی کی کتاب ”اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال“ سے ماخوذ ہے (ص ۵۲۲)

## قدرت اور عادت کے درمیان فرق

ایک ہے کام کی قدرت (یعنی کر سکتا) اور ایک ہے اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہر انسان اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ خورد و نوش، لباس، سواری اور معاشرت کے متعلق جو امور اس کی عادت میں داخل ہیں وہ ان کے خلاف پر بھی قادر ہے گو ان کے خلاف پر عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت کے قائل ہیں ان کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ خدا کی قدرت اور عادت یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز و جدا ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ سب کر ڈالے اور جو کر ڈالے اس کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے۔ ہم قادر مطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں وہ بچے کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گر ادیا گیا ہو یا زمین سے آگ آگیا ہو۔ مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عام جاری عادت کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بغیر انسان کو پیدا کرنا خدا کی قدرت میں شامل ہے۔ آخر ابتداء آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقہ پیدائش سے بالکل مختلف تھی اور تمام اقوام و ملل کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر از دواجی وسائل اور موجودہ قانون تاسل کے بغیر محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے جوان جوان پیدا ہو گئے تھے۔ جو شخص یہ سب کچھ تسلیم کرتا ہے قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا قضا ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے علیحدہ ہو کر کوئی بھی کام کرنے سے مجبور اور عاجز ٹھہرے۔ (اسامی عقدہ ۸۰/۸۱)

## سحر

☆..... سحر کی لغوی تعریف: سحر لغت میں ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو۔

☆..... سحر کی اصطلاحی تعریف: کچھ اس طرح کی جاتی ہے کہ سحر کہتے ہیں کسی خبیث النفس (یعنی کسی گندے انسان) کا غیر شرعی اسباب کی مدد سے (خواہ وہ اسباب ظاہری ہوں یا مخفی ہوں) یا غیر شرعی کلمات کی مدد سے یا ارواح خبیثہ کی قوت سے مدد لے کر کسی پر اثر ڈالنا یا کوئی اثر ظاہر کرنا۔ (تمام سحر و جادو، ص ۱۰۰، عرف القرآن مفتی محمد شفیع قدس سرہ، المجلد ۱، مفتی زین العابدین صاحب ۱۱۷)

## سحر اور معجزہ میں فرق

سحر اور معجزہ میں متکلمین نے متعدد فرق ذکر کئے ہیں:

☆..... فرق (۱) اول یہ کہ سحر ایک فن ہے کہ جو تعلیم اور تعلم کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ تعلیم و تعلم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن عزیز میں ارشاد ہے: ﴿وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَنَّ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ يَتَعَلَّمُونَ مِنْهَا مَا يَفْرِقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَرَوْحِهِ وَمَا

هُم بِصَاحِبِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ﴿١٠٢﴾ [القرآن: ۱۰۲/۲]

ترجمہ: لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ہاروت و ماروت کسی کو سحر نہیں سکھاتے تھے مگر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم منجانب اللہ آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجے گئے پس کفر مت کرو پس سیکھتے تھے ان سے وہ چیز سے جس سے میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالیں۔ اور اس سحر سے وہ کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ایسی چیز کو سیکھتے تھے جو انکو ضرر دے نہ کہ نفع۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار سحر کے تعلیم اور تعلم کا ذکر کیا ہے جس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ سحر ایک فن ہے کہ جو تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ تعلیم و تعلم اور مباشرت اسباب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے معجزات کی بابت یہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ [القرآن: ۱۰۹/۶] ترجمہ: کہہ دیجئے کہ جزایں نیست کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اس کی مثال دوا اور دعا کی سی ہے اس لئے کہ کوئی مریض اگر دوا سے صحت یاب ہو جائے تو اس کو علاج کہتے ہیں کیونکہ علاج کے معنی مباشرت اسباب کے ہیں اور اگر کوئی مریض دعا کے ذریعہ سے آرام پا جائے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں اسباب ظاہر یہ کو کوئی دخل نہیں۔

فرق (۲) یہ ہے کہ سحر کا معارضہ ہو سکتا ہے ایک ساحر دوسرے ساحر کے سحر کو باطل کر سکتا ہے مگر معجزہ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کو باطل کر سکتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحرین فرعون سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

﴿مَا جِئْتُمْ بِهِ السَّحْرُ﴾ [القرآن: ۱۸/۱۰] ترجمہ: یعنی جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ سب جادو ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ سَيُظْلِمُ إِنْ اللَّهُ لَا يُضْلِحُ عَمَلُ الْمُفْسِدِينَ﴾ [القرآن: ۸۱/۱۰] ترجمہ: تحقیق اللہ اس کو ضرور باطل فرمائے گا تحقیق اللہ مفسدین کے کام نہیں سنو، رتا۔ یعنی اس کے سحر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے اس عمل کو عن قریب باطل فرما دیں گے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے ساحرین نے ایمان قبول کیا۔

فرق (۳) یہ ہے کہ ایک ساحر کا سحر دوسرے ساحر کے سحر کے منافی ہو سکتا ہے مگر ایک نبی کا معجزہ دوسرے نبی کے معجزہ کے منافی نہیں ہو سکتا۔

فرق (۴) یہ ہے کہ بعض مرتبہ سحر کی کوئی حقیقت و اقیقت نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن عزیز میں ارشاد ہے: ﴿يُخِيلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ إِنَّهَا تَسْعَى﴾ [القرآن: ۲۰/۶۶] ترجمہ: ان کے سحر سے خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دوزر رہے ہیں۔

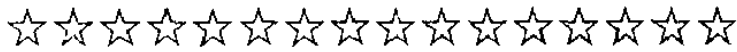
﴿سِحْرُوا اغْيِبِ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ [القرآن: ۷/۱۱۶] ترجمہ: لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

معلوم ہوا کہ سحر فقط تخیل اور نظر بندی ہے اور اسی وجہ سے سحر کو بقاء نہیں بخلاف معجزہ کے کہ وہ باقی رہ سکتا ہے جیسے صالح علیہ السلام کا ناقہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم۔ قرآن کریم کا اگر سحر ہونا ممکن ہوگا تو تمام اشعار عرب اور تواریخ عالم کا سحر ہونا بھی ممکن ہوگا۔

فرق (۵) یہ ہے کہ سحر بدون شرائط مخصوصہ اور اوقات مخصوصہ کے عمل میں نہیں آ سکتا بخلاف معجزہ کے کہ اس کے لئے زمان اور

مکان مخصوص نہیں۔

- ☆..... فرق (۶) یہ ہے کہ سحر ہوائے نفس اور اغراض دنیویہ کے لئے ہوتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ محض دینی غرض کے لئے ہوتا ہے۔
- ☆ .. فرق (۷) یہ ہے کہ سحر و شعبدہ سفہاء اور جہلاء ہی میں رائج ہوتا ہے اور وہی لوگ اس کو قبول کرتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ علی رؤس الاشہاء و عتلاء اور عظماء کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہے اور عتلاء ہی اسی کو قبول کرتے ہیں۔
- ☆..... فرق (۸) یہ ہے صاحب معجزہ پاکیزہ ہستیاں ہوتی ہیں اور صاحب سحر گندے لوگ ہوتے ہیں۔
- ☆..... فرق (۹) یہ ہے کہ صاحب معجزہ کا مستقبل روشن ہوتا ہے صاحب سحر کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔
- ☆..... فرق (۱۰) یہ ہے کہ معجزہ دائمی ہوتا ہے اور سحر کا اثر ایک وقتی چکر ہوتا ہے۔
- ☆..... فرق (۱۱) صاحب معجزہ میں للہیت ہوتی ہے اور ساحر میں ریاکاری ہوتی ہے معلوم ہوا کہ معجزہ و سحر دو مختلف حقیقتیں ہیں ایک رحمانی ہے اور دوسرا شیطانی ہے۔ (علم الکلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی)



## کرامات اولیاء

معجزات سے ملتی جلتی چیز کرامت ہے۔

☆..... کرامت کی تعریف: کرامت کے معنی بزرگی اور شرافت کے ہیں۔

☆... اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں نیک امتی کے ہاتھ پر خرق عادت یعنی عام دستور سے ہٹ کر کوئی بات یا کوئی کام صادر ہو جائے۔

لیکن یاد رکھیں، یہاں نبی کے ہی فیض سے اور اس کی کمال اطاعت سے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر زندگی گزارنے کی برکت سے ہی ہوتا ہے۔ جیسے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا معجزہ نبی کی نبوت کے سچے ہونے کی دلیل ہوتی ہے اسی طرح نیک امتی (ولی) کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہونے والا کام نبی کے اتباع کے دعویٰ کی دلیل ہوتی ہے۔

## کرامت کی اقسام

کرامات اولیاء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)..... کرامت کبریٰ (۲)..... کرامت صغریٰ۔

☆..... کرامت کبریٰ حقیقیہ: کہتے ہیں امتی کی زندگی اپنے نبی کی اتباع میں گزار رہی ہو ہر کام ہر شب و روز سنت مبارکہ کے مطابق ہو۔ خواہ اس کے ہاتھ پر کبھی خرق عادت کوئی بات ساری زندگی ظاہر ہوئی ہو یا نہیں۔ یہی اصل کرامت ہے جس کو کوئی کرامت سمجھتا ہی نہیں کیونکہ کرامت و شرافت مشکل ہے اس میں انسانی نفس کے خط کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور صاحب کرامت مشکل میں اور آزمائش مبتلا ہوتا ہے۔

☆... کرامت صغریٰ صورت یہ: کہتے ہیں کسی نیک امتی کے ہاتھ پر کوئی خرق عادت چیز ظاہر ہو جائے۔ ایسے صاحب کرامت ہی ساری دنیا والی کامل سمجھتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم پر یہ بات آشکارا ہے کہ کسی امتی کے نیک ہونے کی یہی دلیل نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر ہو بلکہ اس کرامت سے بڑی اور حقیقی کرامت یہ ہے کہ امتی کی پوری زندگی نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ پر گزر جائے اور کوئی کام بھی خرق عادت ان کے ہاتھ پر ساری زندگی ظاہر نہ ہو ایسے شخص کی ولایت پر کسی عقلمند کو شک کی بھی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ولایت کے لئے کسی خاص عمر کو پہنچنا ضروری نہیں ہے صرف زندگی شریعت کے مطابق ہو جائے۔ (عقائد اہل سنت والجماعہ: منتہی زین العابدین: ۱۲۶/۱۲۵)

## اولیاء کرام کی کرامتیں حق ہیں

کرامت اولیاء اللہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَلِمَاتٍ دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمَخْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ حَارِثَ قَا﴾ یعنی جب مریم کے عبادت خانے میں ذکر کیا گئے تو وہاں ان کے پاس بے موسم کھانا دہرا ہوا دیکھا کہ جس سے تعجب کر کے پوچھنے لگے ﴿قَالَ اَنْتِ لَكَ هَذَا﴾ کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا ہے ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾۔ مریم نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے



ہاں سے آیا ہے۔

☆... اور بہت سے دور دراز سے بلقیس کا تخت آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کا وزیر جو نبی تھا ایک دم بھر میں لے آیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں اس تخت کا آنا بھی ثابت ہے ﴿فَلَمَّا رَأَتْهُ مُسْتَعْجِلَةً بِحُجُبِ سُلَيْمَانَ﴾ نے اس تخت کو اپنے دربار میں کھڑا ہوا دیکھا اور ہوا پر اڑنا بھی بہت سے اولیاء سے منقول ہے جیسا کہ سلیمان سرحسیؒ سے اور جمادات کا کلام سننا اس حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جس کو بیہوشی اور البو نعیم نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔

(۱) ... سلیمانؑ اور ابوداؤدؒ کے آگے ایک رکابی تسبیح کرنے لگی اور وہ ان کو سنائی دی۔

(۲) ... بخاریؒ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلتے دیکھا اور ہم کھانے کی تسبیح کھاتے وقت سنا کرتے تھے۔

(۳) ... بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نیل کو ہانکے لئے جاتا تھا تھک کر راہ میں اس پر چڑھ لیا نیل نے کہا میں اس لئے نہیں پیدا ہوا ہوں بلکہ کھیتی کے واسطے پیدا ہوا ہوں سو وہ شخص صاحب کرامت تھا کہ اس نے نیل کی گفتگو سنی کچھ نبی نہ تھا۔

(۴) ... بخاریؒ نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ اسید بن حضیر اور عبادہ بن بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کسی معاملہ میں باتیں کرتے تھے۔ کہ اس میں کچھ رات گزر گئی اور وہ رات نہایت اندھیری تھی۔ پھر دونوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنے گھر چلے دونوں کے ہاتھوں میں دو عصی تھے ان میں ایک کا عصی روشن ہو گیا پھر جب دونوں کی راہ الگ ہوئی تو دوسرے کا عصی بھی روشن ہو گیا کہ وہ دونوں عصیوں کی روشنی سے اپنے گھر پہنچ گئے۔ انتہی

(۵) ... بیہقی اور ابو نعیم اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کہ اس کا ساریہ نام تھا ایک فوج کا سردار کر کے نہاوند کی طرف جو مدینے سے کئی مہینے کی راہ ہے بھیجا تھا۔ ایک روز وہاں کفار نے مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے یہ داؤں کیا کہ وہاں پہاڑ کے نیچے گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جنگ شروع ہوئی یہ حال اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں جمعہ کے روز منبر پر خطبہ پڑھتے وقت حضرت عمرؓ کو دکھلادیا۔ انہوں نے خطبہ پڑھنے ہی میں یہ آواز بلند فرمایا۔ ”ساریۃ الجبل الجبل“ اے ساریہ پہاڑ سے بچ پہاڑ سے بچ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی آواز ساریہ کے لشکر تک پہنچا دی وہ عمرؓ کی آواز سُنکر گئے اور کافروں پر فتح یاب ہوئے۔ انتہی

یہاں دو کرامتیں ظہور میں آئیں ایک یہ کہ عمرؓ کو کئی مہینے کی راہ کی دور بات دکھائی دوسری یہ کہ حضرتؓ کی ان دور دراز لوگوں تک آواز پہنچی۔

(۶) ... ابویعلیٰ اور بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوة میں خالد ابن ابوالولدیؓ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کافر کے ہاتھ سے ایسے زبرد قتل کی شیشی پی لی کہ اگر اس کا ایک قطرہ جاندار پر ڈال دیں تو ہلاک کر دے اور پھر ان کو کچھ ضرر نہ ہوا۔

(۷) ... اور امام مستغفری نے باسناد صحیح حضرت عمرؓ کے رقعہ سے دریائے نیل کا جاری ہونا نقل کیا ہے جیسے زیادہ تفصیل مطلوب ہو وہ ”دلائل النبوة و شواہد النبوة و کلام المبین“ وغیرہ کتب کو دیکھے المختصر جس قدر کرامات کہ صحابہؓ میں ظاہر ہوئیں اور جو ان کے بعد

تابعین اور تبع تابعین سے ظہور میں آئیں حد تو اتر کو پہنچ گئی کہ ان کا انکار کرنا بے انصاف مکابر کا کام ہے خصوصاً متاخرین میں حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی کرامات کا تو ایک عالم گواہ ہے اور ان کے بعد آج تک اولیاء اللہ سے جو کرامات ظاہر ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ ان کا بھی ایک جہان نے مشاہدہ کیا ہے اور کرتا ہے پھر انکار کرنا محض تعصب نہیں تو اور کیا ہے معتزلہ اور شیعہ نے جب اپنے سلف اور خف میں کسی کو اس مرتبہ کا نہ پایا کہ اس کی کرامات دیکھتے تو سرے سے کرامات ہی کا انکار کر بیٹھے۔ معتزلہ کی یہ جھٹ ہے کہ اگر ولی سے کرامت ظاہر ہو تو اس میں اور نبی کے معجزہ میں کوئی فرق نہ رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ولی دعویٰ نبوت کا نہیں کرتا بلکہ اپنے نبی کے پیرو ہونے کا مقرر ہوا کرتا ہے گویا یہ کرامت اس کے نبی کے حق میں معجزہ ہے کہ اس کی صداقت پر دلالت کرتی ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہاں دعویٰ نبوت ہوتا ہے شیعہ بغیر کسی برہان قاطع کے ولایت کا باب بند کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاتم الولاہت کہتے ہیں۔

### کرامت میں حکمتیں

ولی سے کرامت ظاہر ہونے میں چند حکمتیں ہوتی ہیں:

۱۔ اول: یہ کہ اس کے نبی کی تصدیق عوام کو حاصل ہو جاوے اور قیامت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اولیاء اللہ کے سبب سے جاری رہے۔

۲۔ دوم: یہ کہ مبتدی ہے تو اس کا یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور پھر نہایت رغبت سے عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اگر منتہی ہے تو اس کے مریدوں کے یقین کو قوت بخشتی ہے۔

۳۔ فائدہ: عام کو کرامت اور استدراج میں تمیز نہیں اس لئے بے نماز شراب خور فسقوں کی خارق عادت باتیں دیکھ کر ان کے مطمع ہو جاتے ہیں اور ان خوارق کو کرامت اور فاسق کو ولی کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ولی کا درجہ مومن صالح کے بعد ہے یعنی جب مومن صالح ہو بیٹا ہے اس کے بعد ذات و صفات الہی کا عارف ہو گا بذات ترک کرتا ہے۔ اور عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوتا ہے تو جز بہ شوق الہی اسے بارگاہ کبریا میں کھینچ لے جاتا ہے تب وہ خاصان درگاہ میں شمار کیا جاتا ہے پھر اس وقت اس سے جو خوارق ظہور میں آویں ان کا نام کرامت اور یہ شخص ولی ہے وراگر اس درجہ کو نہیں پہنچا بلکہ فقط مومن صالح تو اس کے خوارق کا نام کرامت نہیں۔ اور اصطلاح میں یہ شخص ولی نہیں پھر جو سرے سے مومن صالح ہی نہیں بلکہ کبائر میں مبتلا ہے یا مومن ہی نہیں وہ ہرگز ولی نہیں اور اس کے خوارق دام شیطانی ہیں کرامت نہیں بلکہ اس کو استدراج کہتے ہیں۔

### اولیائے کرام، اللہ کے محتاج ہیں

اولیاء اللہ کے بہت سے اقسام ہیں بعض قطب بعض ابدال بعض اتار ہیں اولیاء کرامت کے ظاہر کرنے میں اللہ کے محتاج ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام معجزات کے ظاہر کرنے میں جناب باری کے محتاج ہیں جب حکم الہی ہوتا ہے ظہر کرتے ہیں آپ سے جس وقت چاہیں نہیں

ظاہر کر سکتے اسی وجہ سے کرامت کے ظاہر ہونے پر ولایت کا دار و مدار نہیں۔ کیونکہ ہزار ہا اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ ان سے کبھی کرامت ظاہر نہیں ہوئی بلکہ بعض کرامت کے ظہور سے دور بھاگتے ہیں۔ اور یہ ان کے جناب باری سے اسرار ہیں ان کو وہی خوب جانتے ہیں واللہ اعلم۔

### اطلاع غیب یا کشف

اللہ تعالیٰ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام بعض غیب کی چیزیں بتلا دیتا ہے سو یہ یقینی ہوتی ہے اور اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات پر کشف یا الہام سے مطلع کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بطور ظن کے ہوتا ہے اور یہ سب غیب کے جاننے میں اللہ کے محتاج ہوتے ہیں جب چاہتا ہے کسی کو ان میں سے کسی چیز کی خبر دیتا ہے تب وہ اسی قدر جانتے ہیں اور جب چاہتا ہے ان کو ان کی پشت پائے کی خبر بھی نہیں ہونے دیتا چنانچہ بہت سے امور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے جب جبرائیل علیہ السلام بحکم الہی آ کر خبر کرتے تھے تب مطلع ہوتے تھے کیا خوب کہا ہے۔

گہے بر طارم املی نشینم      گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

پس ہر وقت ہر چیز کی خبر خاص اللہ ہی جانتا ہے اگر کوئی کسی فرشتے یا نبی یا ولی کو یوں سمجھے گا مشرک ہوگا اور یہ شرک فی العلم ہو جائیگا

### اولیاء اللہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں

اولیاء اللہ کی دعا اکثر اللہ قبول کر لیتا ہے لیکن وہ جہاں مرضی الہی دیکھتے ہیں دعا کرتے ہیں اور جہاں مرضی نہیں پاتے تو مارے ہیبت الہی کے نام بھی نہیں لیتے ان کی زندگی میں یا بعد مرنے کے ان کو حاجت روا اور مستقل نفع و ضرر دینے والا سمجھ کر ان سے حاجات طلب کرنا اور دروازے ان کے نام کی دہائی دینا ان کی قبروں کی نذر و نیاز کرنا ان کے نام کا تھان و جھنڈا یا چبوترہ بنا کے پوجنا علیٰ ہذا القیاس سب بدعت ہے کہ اس سے اللہ بھی اور اس کے اولیاء بھی از حد بیزار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی منع فرمایا ہے۔

### احکام شرعی کسی کو معاف نہیں

کوئی عاقل بالغ اس درجہ کو نہیں پہنچتا کہ احکام شرعی کے اس سے دور ہو جاوے خواہ کوئی نبی ہو یا ولی ہو یا مومن صالح یا کوئی اور کسی سے بے عذر شرعی احکام شرعی معاف نہیں جس طرح اور سب پر فرض واجب ہیں اسی طرح ولی و نبی پر بھی کیونکہ جس قدر خطابات تکلیف شرع میں وارد ہیں سب عام ہیں کسی کی اس میں خصوصیت نہیں اور سب مجتہدوں کا اس بات پر اتفاق ہے دوم یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص موت تک بہ تکلیف مکلف رہتا ہے۔ ﴿وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ حَتَّىٰ يَأْتِيَكُمُ الْيَقِينُ﴾ اپنے رب کی عبادت کر موت آنے تک اور سب مفسرین متفق ہیں کہ یقین سے مراد یہاں موت ہے کذا قال الملا علی القادری فی شرح الفقہ الاکبر بعض گمراہوں نے جن کو مباحین کہتے ہیں یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب بندہ صدق دل سے ایمان لاوے اور نہایت محبت الہی اور صفائی قلب اسے حاصل ہو جاوے تو اس سے شرع کی امر و نہی دور ہو جاتی ہیں اور ہر گناہ اس کا مباح ہوتا ہے پھر اس کے سبب اللہ اس کو دوزخ میں داخل نہ کرے گا۔ اور ان میں سے بعض تو یہی کہتے ہیں کہ اس درجہ میں سب عبادات ظاہری اس کے ذمہ سے دور ہو جاتی ہیں فقط تفکر آیات اس کی عبادت ہوتی ہے سو یہ کفر اور گمراہی ہے کیونکہ سب سے محبت الہی اور صفائی قلب اور ایمان میں انبیاء علیہم السلام کامل ہیں خصوصی جناب سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے ہر ایک کمال میں اکمل ہیں کوئی فرد بشر ان کے برابر نہیں ان کے لئے تو اور زیادہ تکلیف شرعی تھی ساقط ہو جانا تو درکنار سب سے

الگ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی کہ شب بیداری کرتے ہوئے پائے مبارک پر درم کر آئے تھے اور جو کوئی یوں کہتا تھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ ”اولا اکون عبدا شکورا“۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں سلا ریہ مدار یہ وغیرہ لوگ یہی کرتے ہیں نماز و روزہ کو فرض نہیں جانتے کبار کو حلاں سمجھتے ہیں اور جو کوئی ان سے قرآن و حدیث کی دلیل پیش کرتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے لئے ہے ہمارا قرآن اور ہے یا ہمارے دس پارے اور ہیں سو ایسے لوگ قطعی کافر ہیں ان کے خوارق دام شیطانی ہیں ان سے دور ہونا چاہیئے۔

### معجزہ اور کرامت میں فرق

☆..... فرق (۱) جو خرق عادت مکذبین نبوت کے الزام اور تعجیز کے لئے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ معجزہ ہے اور اگر اس خرق عادت سے مقصود تشریف اور تکریم ہو تو وہ کرامت ہے خواہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو یا ولی کے، لہذا معجزہ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت عام ہے۔ معجزہ اور کرامت کا یہ فرق علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیض کے باب رابع کے ابتدا ہی میں ذکر کیا ہے اور قاضی عیض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے یہی فرق مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شہاب نے اس کو فرق مذکور کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت کا لغوی مفہوم بھی اسی فرق کی تائید کرتا ہے۔

☆..... فرق (۲) ایک فرق معجزہ اور کرامت میں یہ ہے کہ معجزہ کا اظہار ضروری ہے بخلاف کرامت کے کہ اس کا اخفاء ضروری ہے۔ ”عس ضرورۃ“ یہ فرق علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ ”کما فی البیوا قیت و الحواہر“۔

☆..... فرق (۳) بعض آئمہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ کرامت کبھی کبھی والی کے بغیر علم اور بغیر قصد ہی کے صادر ہو جاتی ہے بخلاف معجزہ کے کہ اس کا ظہور نبی کے عم اور قصد کے بعد ہوتا ہے بسا اوقات ولی کو اپنی کرامت کا علم نہیں ہوتا۔ بخلاف نبی کے کہ اس کو معجزہ کا علم ضروری ہے۔

### کرامت اور استدراج

جو خرق عادت عباد اللہ المخلصین اور اخیار و صالحین میں سے کسی کے ہاتھ پر ان کی تشریف و تکریم کے لئے ظاہر ہو وہ کرامت ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اور اگر کسی فاسق و فاجر یا ملحد اور کافر کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو تو وہ کمر اور استدراج ہے۔

”خواتم الحکم میں مواقع النجوم“ سے نقل کیا ہے کہ کرامت اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے اور استدراج اعمال سیئہ کا نتیجہ ہے فاسق و فاجر کے ہاتھ پر امر خارق کا ظہور من جانب اللہ ایک فتنہ اور ابتلاء عظیم ہوتا ہے۔

کرامت اور استدراج کا فرق خود صاحب کرامت اور صاحب استدراج کے فرق سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے صالح اور طالح کا فرق کوئی دقیق نہیں محض صورت دیکھ کر انسان معلوم کر سکتا ہے کہ یہ صالح ہے اور وہ طالح۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور      کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

## معونیت

اور اگر امر خارق کسی مستور الحال کے ہاتھ پر ظاہر ہو کہ جس کا صالح اور فاسق ہونا معلوم نہ ہو تو اس کو معونیت کہتے ہیں۔

(۱)..... اول: حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانہ فتن میں جو کچھ دجال سے احیاء امامت اور خوارق کا ظہور ہوگا اس کے اسرار و حکم تو اللہ ہی کو معلوم ہیں لیکن یہ ظہور موجب التباس اور اشتباہ نہیں اس لئے کہ اول تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام فتنہ دجال سے آگاہ فرما چکے ہیں۔

(۲)..... دوم: یہ کہ دجال ایک شخص کو اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کرے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ بعد زندہ ہونے کے پھر اس سے کہے گا کہ کیا اب اس خرق عادت کے بعد بھی تو ایمان نہ لائے گا تو وہ شخص جواب میں یہ کہے گا کہ مجھ کو تو تیرا دل پہلے سے بھی زیادہ منکشف ہو گیا۔ اس کے بعد دجال اس کو پھر قتل کرنا چاہے گا لیکن قتل پر قادر نہ ہوگا۔ حالانکہ کسی کا قتل خوارق میں سے نہیں ہے جس سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہ پہلی مرتبہ جو احیاء مقتول اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوا تھا وہ محض اللہ کا فعل تھا۔ اس دجال عاجز کے ہاتھ پر اس کا ظہور محض ابتلاء اور امتحان کے لئے تھا۔

(۳)..... سوم: یہ کہ اس کا نفس دعویٰ اس کے کذب کی بین دلیل ہوگا ہر عاقل جانتا ہے کہ ایک جسم محدود، سراپا غمزہ و احتیاج کا دعوائے الوہیت میں کیسے صادق ہو سکتا ہے۔

(۴)..... چہارم: یہ کہ اس کا اعور یعنی ایک چشم ہونا اور بقول متنبی اس کا نصف الاعی اور نصف البصیر ہونا دعوائے الوہیت کی تکذیب کے لئے بالکل کافی ہے کہ معاذ اللہ خدا ہو کر اپنی آنکھ کی بھی اصلاح نہ کر سکا۔

(۵)..... پنجم: یہ کہ صحیح مسلم میں حدیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث دجال میں یہ روایت آئی ہے۔ ”مکتوب بین عینہ کافر یقرأہ مؤمن کاتب و غیر کاتب الخ“۔ ”دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر مؤمن پڑھے گا خواہ وہ پڑھا لکھ ہو یا بے پڑھا ہو“۔ پس ان امور کے ہوتے ہوئے وہ خوارق کس طرح موجب التباس اور اشتباہ بن سکتے ہیں۔ ہاں موجب فتنہ اور ابتلاء ضرور ہیں۔

## خذلان و نکبت

خوارق کی ایک قسم خذلان و نکبت بھی ہے وہ یہ کہ کوئی خرق عادت مدعی نبوت کے مقصد اور مطلب کے بالکل خلاف ظاہر ہو۔ مثلاً مسلمان کذاب کہ جس نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اظہار اعجاز کی غرض سے کسی ایک چشم کی آنکھ پر تھوک لگایا تاکہ یہ آنکھ درست ہو جائے لیکن قضائے الہی سے دوسری آنکھ بھی نابینا ہو گئی۔ اس کا نام خذلان اور نکبت ہے یعنی من جانب اللہ یہ اس کی تکذیب اور رسوائی ہے۔ یہ قسم حقیقت میں معجزے کے مشابہ اور مماثل نہیں بلکہ اس کا عکس اور مقابل ہے۔

## مراتب وحی

(۱)۔ مکالمہ الہی بلا واسطہ: جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء میں اس سے سرفراز فرمائے گئے۔ کما ☆..... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ (القرآن: ۵۳/۱۰۸) ترجمہ: پس حق تعالیٰ شانہ آپ سے قریب ہوئے اور نزول اجلال فرمایا اور دو کمان بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے بندہ کی طرف وحی بھیجی جو کچھ بھی بھیجی یعنی کلام فرمایا۔

(۲)۔ تکلم الہی من وراء الحجاب: جیسے موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ شانہ نے کوہ طور پر کلام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ (القرآن: ۱۲۴/۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ مُوسَىٰ لِأَمْرَاتَيْنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ ارْنِي إِلَيْكَ﴾ (القرآن: ۱۴۳/۷) ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام وقت معین پر پہنچے اور رب العالمین نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے ان سے یہ کہا کہ اے رب تو مجھ کو دکھا تاکہ میں تجھ کو دیکھوں۔

﴿يَا مُوسَىٰ إِنَّ اصْطَفَيْنَاكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلامِي﴾ (القرآن: ۱۴۴/۷) ترجمہ: اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے پیغام اور کلام سے برگزیدہ بنایا۔

(۳)۔ ارسال ملک: یعنی فرشتہ کا اپنی ہیبت اصلیہ یا کسی بشری شکل میں متمثل ہو کر آنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (القرآن: ۵۱/۴۲) ترجمہ: یا بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی فرشتہ پس وہ نازل کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو خدا چاہتا ہے۔

ابتداء نبوت کے وقت جبریل امین اصلی شکل میں وحی الہی لے کر نمودار ہوئے۔ باقی اکثر اوقات حضرت وحید کلینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ جیسا کہ سنن نسائی میں با سند صحیح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مگر بعض اوقات حضرت وحید رضی اللہ عنہ کی شکل کے علاوہ اور شکل میں بھی آئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبریلؑ میں ہے: ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک شخص آیا کہ جس کے کپڑے تو نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے جس پر کوئی اثر سفر کا بھی نہیں معلوم تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ کچھ مسائل دریافت کر کے چلے گئے۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے تمہیں دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۱۱)

(۴)۔ صلصلة الجرس: گھنٹہ کی طرح گونج اور آواز کا سنائی دینا جیسا کہ صحیح بخاری میں امام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ کبھی کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وحی کی یہ قسم میرے اوپر بہت سخت ہے پس وحی مجھ سے

منقطع ہو جاتی ہے اور حالانکہ میں اس کو بہت محفوظ کر چکا ہوتا ہوں کہ جو فرشتہ نے کہا ہے اور کبھی بھی فرشتہ مرد کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے اس کو محفوظ کر لیتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سردی کے دن میں دیکھا ہے کہ وحی آپ سے منقطع ہوتی تھی اور پسینہ آپ کی پیشانی سے ٹپکتا ہوا ہوتا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۲)

چونکہ افادہ اور استفادہ افادہ اور استفادہ کے لئے یہ شرط ہے کہ سامع اور متکلم میں کوئی مناسبت ہو۔ اس لئے نزول وحی کبھی اس طرح ہوتا تھا کہ روح امین کی ملکیت اور روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ جاتی اور بشریت سے منسلک ہو کر ملا اعلیٰ میں پہنچ جاتے یہ قسم اول ہے۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت جبریل امین کی ملکیت اور روحانیت پر غالب آ جاتی اور روح امین متشکل بشکل ہو جاتے یہ دوسری قسم ہے۔

قسم اول کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ وحی کی یہ کیفیت مجھ پر نہایت سخت ہے اس لئے کہ بشریت سے ملکیت کی طرف منسلک ہو جانا نہایت صعب اور دشوار ہے اور ملائک پر جو رب العزت کی جانب سے وحی آتی ہے وہ بھی اس قسم کی ہوتی ہے۔

☆... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو فرشتے خوف اور ہیبت کی وجہ سے عاجزی سے پر پھڑا پھڑانے لگتے ہیں اور حق تعالیٰ کا کلام اس طرح سنائی دیتا ہے جیسا کہ صاف پتھر پر ایک زنجیر۔ پس جب ان کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم صادر ہوا تو اوپر والے بتاتے ہیں کہ حق بات کا حکم صادر ہوا یعنی فلاں حکم۔ (راہ البخاری ج ۱ ص ۷۰۸)

☆... حضرت ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی کہ جب اللہ تعالیٰ ملائک پر کوئی وحی نازل فرماتے ہیں تو اہل سموات کو اس طرح سنائی دیتی ہے کہ زنجیر کی آواز ایک صاف پتھر پر۔ پس گھبرا جاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید قیامت کے متعلق کوئی حکم آیا۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱۳)

اس حدیث میں جو صلسۃ الجرس کا لفظ آیا ہے اس سے آواز وحی مراد ہے۔ اور یہی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

☆..... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مرتبہ فرشتہ آتا ہے کبھی گھنٹی کی آواز میں، پس وہ وحی اس وقت منقطع ہو جاتی ہے کہ جب میں اس کو محفوظ کر چکا ہوں اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ مرد کی صورت میں آ کر کلام کرتا ہے پس جو کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۲)

(۵)..... رویائے صادقہ (سچا خواب)

(۱).... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ (القرآن ۳۷: ۱۰۲)

ترجمہ: (اے میرے بیٹے میں تجھ کو خواب میں ذبح کرنا ہوا دیکھتا ہوں پس بتلاؤ تمہارا کیا رائے ہے)۔

(۲).... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ ترجمہ: یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِذْ يَرْيَكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشَلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنْ اللَّهُ سَلَّمَ، إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (القرآن: ۲۸/۲۷)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو آپ کے خواب میں کم دکھایا اور اگر زائد دکھلاتے تو اے مسلمانوں تم بزدل ہو جاتے اور نزاع شروع کر دیتے۔ لیکن اللہ نے تم کو سلامت رکھا اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

(۴) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کا خواب ایک کلام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے خواب میں فرماتے ہیں۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صالحہ یعنی نیک خواب کے ذریعہ سے ہوئی۔ پس جو خواب بھی آپ دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا تھا۔ (صحیح البخاری باب بدء الوحی جلد ۱ ص ۳)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا رویائے صالحہ یعنی نیک خواب۔ (راویہ البخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۵)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رویائے صالحہ نبوت کا چیلیمساں جز ہے۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الروایا جلد ۲ ص ۳۹۴، بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۲)

(۸) عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل جلالہ کو باحسن صورت خواب میں دیکھا اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ اے میرے رسول ملا اعلیٰ میں کس چیز میں مکالمہ کر رہے ہیں۔

(رواہ الدارمی مرسلہ للترمذی نحوہ عنہ عن ابن عباس ومعہ ذہب جبل رضی اللہ عنہم)

### انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا رویا بالکل قطعی ہوتا ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدارج السالکین میں تحریر فرمایا ہے: انبیاء کرام کا خواب بھی وحی ہے اس لئے کہ وہ شیطان سے محفوظ ہے اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اسی وجہ سے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح پر خواب کی وجہ سے آمادہ ہو گئے۔

(مدارج السالکین جلد ۱ صفحہ ۲۸)

الحاصل انبیاء کرام کا رویا بالکل قطعی ہوتا ہے اس لئے کہ رویا انبیاء شیطان کے اثر سے بالکلیہ مامون و مصون ہوتا ہے۔ ان کا رویا فقط رحمانی ہوتا ہے نفسانی اور شیطانی نہیں ہوتا۔

۶۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی جانب سے، دوسرا رویائے حزن شیطان کی جانب سے تیسرا خواب ہے کہ انسان جو دن میں کلام وغیرہ کرتا ہے وہی شب کو خواب میں دیکھتا ہے۔ (مدارج السالکین، جلد ۱ صفحہ ۲۸)



علاوہ ازیں چونکہ انبیاء کرام کا صدق قطعی اور یقینی ہے اس لئے ان کے رویا کا صدق بھی قطعی اور یقینی ہے چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”اصدق الناس رؤیا اصدقہم حدیثا“ سب سے زائد سچے خواب والا وہی شخص ہے کہ جو اپنے کلام میں سب سے زائد سچا ہے۔ نیز انبیاء کرام کی آنکھیں اگر چہ سوتی ہیں مگر قلوب بیدار رہتے ہیں یہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ انبیاء کرام کا خواب قطعی ہو بلکہ رویائے انبیاء فقط ظاہری آنکھوں کے لحاظ سے رویا ہے باقی قلب کے اعتبار سے وہ بیداری کے حکم میں ہے۔ نیز رویائے انبیاء میں جس درجہ انکشاف ہوتا ہے وہ دوسروں کے رویا میں نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ”لا یرى رؤیا الا جانت مثل فلق الصبح“ سے معلوم ہوتا ہے۔ الحاصل انبیاء کرام علیہم السلام کا رویا بالکل قطعی ہے اور جس طرح انبیاء کرام معصوم ہیں اسی طرح ان کا رویا بھی معصوم ہے۔

(۶)..... تفہیم غیبی: تفہیم غیبی من جانب اللہ کسی کی نظر اور فکر میں ایسی برکت کا آجانا کہ اس کی قوت نظریہ کو کشاں صواب اور رشد کی طرف لے جائے اس کا نام تفہیم غیبی اور تفہیم الہی ہے۔

☆... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفِثَ فِيهِمُ الْقَوْمُ وَكُنَّا لَهُمْ شَٰهِدِينَ﴾ (78) فَفَقَهُمُنَا هَا سُلَيْمَانُ وَكَثَلًا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ﴿﴾ (القرآن ۷۸/۷۹)

ترجمہ: اور جب کہ داؤد اور سلیمان اس کھیتی کا فیصلہ کرنے لگے جس کو قوم کی بکریاں رات میں روند گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے پس وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور علم اور حکمت ہر ایک کو عطا کیا۔

حق تعالیٰ شانہ نے علم اور حکمت کو دونوں نبیوں کے لئے ذکر فرمایا مگر اس واقعہ معینہ میں تفہیم کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص فرمایا۔

☆... حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی خاص شے بتلائی کہ جو اور لوگوں کو نہیں بتلائی۔ فرمایا کہ نہیں جو سب کو بتلایا وہی مجھ کو بھی۔ قسم ہے خدا کی مگر ایک فہم اور سمجھ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور میرے پاس ایک یہ صحیفہ ہے کہ جس میں آپ کے ارشاد فرمودہ احکام ہیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۳)

☆... حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: پس فہم اللہ کا بندہ پر ایک عظیم انعام ہے اور وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو ان امور کا ادراک اور فہم ہونے لگتا ہے کہ جو دوسرے کو نہیں ہوتا اگرچہ دوسرا شخص قوت حفظ اور اصل معنی کے سمجھنے میں اس کے برابر ہو پس یہ فہم صدیقیت کا عنوان اور ولایت نبوۃ کا خاص نشان ہے اور اس میں علماء کے مراتب مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ ہزار عالم ایک عالم کے برابر شمار کئے جاتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فہم کو دیکھوں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ بدر سے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر دریافت فرمائی تو صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول کی وفات کی خبر دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تمہاری وفات کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معنی پر موافقت فرمائی اور یہ معنی دوسرے صحابہ پر مخفی رہے حالانکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سب سے کم عمر تھے اور ظاہر آیت میں کوئی اشارہ

وفات کی جانب نہیں۔ اگر تفہیم الہی نہ ہوتی تو یہ مطلب نہ سمجھ میں آتا۔ (مدارج السالکین: جلد ۱ صفحہ ۲۲)

(۷) الہام: جو علم کہ قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہ یا ملا اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قرآن تعالیٰ: ﴿فَالْتَمَسَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (القرآن: ۸۱/۸) ترجمہ: پھر اللہ نے اس کے فجور اور تقویٰ کا اس کو الہام فرمایا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لئے فرمایا تاکہ نفس اس پر عمل کرے۔ اور فجور کا الہام اس لئے فرمایا تاکہ اس سے پرہیز کرے۔

جہن: ... حصین بن منذر خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا تعلیم فرمائی: ”اللہم الیمنی رشدی واعدنی من شر نفسی“۔ ترجمہ: اے اللہ مجھ کو رشد اور ہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے۔

قرآن تعالیٰ شانہ: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِي﴾ (القرآن: ۲۸/۷) ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

قرآن تعالیٰ شانہ: ﴿وَإِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ الْحَوَارِيِّينَ أَنْ امْنُوا بِمِی وَبِرَسُولِی﴾ (القرآن: ۵/۱۱۱) ترجمہ: حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

قرآن تعالیٰ جل جلالہ: ﴿فَلَنُؤَذِّبَنَّهُمُ الْقَارِعَیْنِ اِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّا أَنْ نَتَّخِذَ فِیْہُمْ حُسْنًا﴾۔

ترجمہ: اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ احسان کرو۔

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔

کما قال تعالیٰ شانہ: ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾۔ ترجمہ: اور ہم نے سکھلایا اس کو اپنی طرف سے ایک علم۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں: ”والعلم اللدنی هو الذی لا واسطۃ فی حصولہ بین النفس

وبین الباری واسما کا الصوء من سراج الغیب یقع علی قلب صاف فارغ لطیف“۔

ترجمہ: علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ جو سراج غیب سے سب صاف و شفاف پر واقع ہوتی ہے۔

بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ مکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے: ”قد اخذتم علمکم میتا عن میت ونحن

اخذ علمنا عن الحی الذی لا یموت“ (کنز الدقائق والخواص ج ۲ ص ۹۱) تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم میتا عن میت حاصل کیا ہے اور ہم نے علم حی لا یموت سے لیا ہے۔

اور کبھی ملا اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروح کہتے ہیں ملک الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

”کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقہا“

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔

☆... وقال تعالى: ﴿إِذْ يُوْحٰى رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنْبٰٓى مَعَكُمْ فَتَبٰٓتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ (القرآن ۱۲/۸)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

☆... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن" جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نو اس بن سمان کے واسطے سے روایت کیا ہے اس واعظ اللہ سے نبی البہام الہی بواسطۃ الملائکہ مراد ہے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ متشکل بشر ہو کر شفاہا اور عیاناً مخاطب اور کلام کرتا ہے۔

☆... کمال قال تعالى: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (القرآن ۱۲/۸) ترجمہ: اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور تجھ کو پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو فضیلت دی۔

☆... کما قال تعالى شانه ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يَشْرُکُ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ الْمَسِيْحُ عِيسٰى بِنُ مَرْيَمَ وَجِہًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ﴾۔ ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک خاص کلمہ کی جس کا نام مسیح بن مریم ہوگا جو دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔

☆... وقال تعالى شانه: ﴿وَإِذْ کُورُ فِی الْکِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِیًّا (16) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِہِ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَیْہَا رُوحَنَا فَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا (17) قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا (18) قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکَ لِاَهْبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا﴾۔ ترجمہ: اور ذکر کرو کتاب میں مریم کا جب کہ وہ شرقی مکان میں اپنے لوگوں سے علیحدہ ہوئیں۔ پس ایک پردہ بنایا۔ پس بھیجا ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ جو آدمی کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ حضرت مریم بولیں کہ اللہ کی پناہ تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے کہ کہ جزایں نیست کہ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا دے جاؤں۔

☆... فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطب اور سلام کرنے لگے۔ (حراج العائین صفحہ ۳۲ جلد ۱۲)

☆... ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل ہیں کہ وہ کرانا کا تین کو دیکھا کرتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔ (کذا فی الاصابہ: جلد ۳ ص ۲۶)

☆... حجة الاسلام قدس اللہ سرہ احياء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک عالم ملکوت اور ملاً اعلیٰ کی طرف ہے

اور دوسرا شہادت کی طرف۔ ظہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسہ ظاہر سے قلب میں داخل ہوتے ہیں اور عالم ملکوت اور ملا اعلیٰ کے علوم، باطنی دروازہ سے قلب میں آ جاتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے۔ بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سرالہی ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے احباب کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے محدث اور معمم اور مکلم ہوں گے۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت میں ہے ”و ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث“ اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جس کے باطن قلب میں ان حواس ظہرہ کے علاوہ علوم و معارف کے لئے کوئی دوسرا راستہ کھل گیا ہو۔ بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں کہ جو کسی کتاب کو یاد کر لے اس لئے کہ اگر وہ اس کو بھول جائے تو جاہل رہ جائے گا۔ عالم حقیقہ وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جس وقت چاہے علم حاصل کرتے ہو بغیر حفظ اور تدبیر کے اور یہی علم ربانی ہے۔ اور ”علما منا من لدنا علما“ میں اسی طرف اشارہ ہے اگرچہ بر علم اللہ ہی کے پاس ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود قلب میں منجانب اللہ آتا ہو۔ (احیاء العلوم)

حجۃ الاسلام قدس سرہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی حوض کو لایا جائے۔ دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اس کو آلات سے صاف کر کے اسی میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا۔ اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے کبھی علم اس میں حواس خمسہ کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت و عزلت مجاہدہ و ریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی۔ حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں مگر اس باطنی باب کا افتتاح تحصیل علوم اور صلاح و تقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدہ کبیرہ اور مراقبہ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

☆ کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بما علم اورثة الله العلم بما لم يعلم .

☆ ..... وقال صلی اللہ علیہ وسلم من اخلص لله اربعین صباحا اظهر الله تعالیٰ ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه .

☆ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفکر ساعة خیر من عبادة ستین سنة .

فالمفکر اذا سلک سبیل الصواب یصیر من ذوی الالباب وتفتح روزنة من عالم الغیب فی قلبه فیصیر عالما کاملا عاقلا ملہما۔ (رسالہ لدنیہ ص ۳۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے چشمے اس کے

قلب سے اس کی زبان پر جاری فرمادیتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ سا تھ سال کی عبادت سے بہتر ہے پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ مراقبہ عند اللہ اولی الالباب میں سے ہو جاتا ہے اور عالم غیب سے ایک روزانہ اس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔ اللہم اجعلنا منہم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

### استدراک

شیخ اکبر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ وحی الہام کبھی بذریعہ کتابت بھی ہوتی ہے کہ من جانب اللہ کوئی لکھی ہوئی شے عطا ہوتی ہے۔ شیخ فتوحات کے ایک اور باب میں فرماتے ہیں کہ اس کتابت کی من جانب اللہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ہر جانب سے پڑھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بیت اللہ میں ایک فقیر کو دیکھا کہ مطاف میں سے ایک لکھا ہوا ورق اتر جس میں اس فقیر کے متعلق یہ لکھا ہوا تھا کہ تو جہنم سے آزاد کر دیا گیا۔ اس ورق کی عجیب شان تھی وہ یہ کہ جس جانب اس ورق کو پلٹا جاتا تھا کتابت بھی اسی جانب پلٹ جاتی تھی۔ اسی طرح ایک مسکین عورت کہ جو میرے تلامذہ میں سے تھی اس نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ شانہ کو خواب میں دیکھا کہ حق جل و علانے اس کو ایک ورق عطا فرمایا ہے وہ ورق اس کے ہاتھ میں تھا مٹھی بند تھی کسی طرح کھلتی نہ تھی۔ میں نے اس سے یہ کہا کہ تو اپنے دل سے یہ نیت کر کہ اگر حق تعالیٰ شانہ اس کے ہاتھ کو کھول دیں تو فوراً اس کو نگل جاؤں گی اس نے یہ نیت کی اور ہاتھ کو منہ کے قریب کیا۔ قریب کرتے ہی ہاتھ کھل گیا اور جبراً قہراً وہ ورق خود بخود منہ میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو الہام فرمایا کہ ہماری مشیت یہ ہے کہ اس ورق کے مضمون پر کوئی مطلع نہ ہونے پائے۔ اور حق تعالیٰ شانہ نے کتاب لوح محفوظ اور کتاب مخلوقین کے فرق پر مجھ کو مطلع کر دیا ہے اور یہ عجیب علم ہے جس کا ہم کو مشاہدہ ہے اور ہم اس کو دیکھ چکے ہیں۔

### الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعتمد میں فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطا سے معصوم نہیں ہوتا یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رویا صالحہ میں ہے کہ انبیاء کا رویا صالحہ وحی ہوتا ہے اولیاء کا نہیں۔

☆ امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ”اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔“ ”فانہم واستقم“ یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد و ورع قناعت و توکل، رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام ہی کے ایمان اور صفات کا ایک عکس ہوتا ہے اور مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاء کرام کے ایمان اور زہد و ورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہے اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اس کے ہمسرہ ہو سکتا ہے ایمن الشری من الشریا۔ نیز الہام اولیاء فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے اور الہام انبیاء میں امر و نہی اور احکام الہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اس کا اخفاء اولی ہے جب تک کوئی ضرورت شرعیہ و دینیہ داعی

نہ ہو۔ (سما رک، مہمڈ ادریس کاندھلوی ۲۰۹۰/۲۔۲۳۵۔ بجوارہ منسل عقائد اہل السنۃ والجماعۃ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت

ہاتھ پاؤں چومنے کے بارے میں جو کچھ حضرت مولانا محمد روح اللہ نقشبندی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ”ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیسی کی شرعی حیثیت“ میں نقل فرمائی ہیں جو کہ حضرت مولانا سندھی کے رسالہ سے جو کہ مولانا مفتی شفیع صاحب نے اس کی مزید تشریح فرمائی ہے، حضرت مولانا مفتی مختار الدین مدظلہ العالی کی رسالہ سے، نیز احادیث مبارکہ اور مختلف فتاویٰ میں اقوال فقہاء سے جمع کردہ ایک نادر مجموعہ ہے میں اس کو بعون الملک الوہاب نقل کر دیتا ہوں۔

### ابتدائی باتیں

بزرگوں کے ہاتھ، اور پاؤں، چومنا ایک ایسا مستحسن فعل ہے جو نبی کریم ﷺ خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار۔ صحابہ کرام، مفسرین کرام، محدثین عظام، فقہاء کرام سے ثابت ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت زیر نظر مضمون کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ اس مستحب فعل کا شد و مد سے انکار کرنے والے حضرات ہاتھ اور پاؤں چومنے کو سجدے میں شمار کرتے ہیں۔ جو کہ ان کی کم علمی کی دلیل ہے۔ شریعت مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ کی تعریف کے وقت سات اعضاء کا زمین پر لگنا ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

- (۱) امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ”باب السجود علی سبعة اعظم بکناہ کر حضرت انسؓ کی روایت درج کی ہے کہ: ”امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء“۔ (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۹۲، مطبوعہ مصر، جہان شریف ۲۶۱)
- (۲) امام ابو یوسفؒ نے سیدنا عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ: ”انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول اذا سجد العبد سجد معه سبعة اذاب وجہہ و کفاه و رکتاہ و قدماہ“۔

(منتخب المحسنین من کلام سید الکونین، ج ۲، ترمذی شریف، ۱/۳۷، مطبوعہ حلی، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث احمدیہ، ج ۱، ص ۱۰)

”انہوں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے سات اعضاء چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔“

### تقبیل کی حقیقت

ہم اگر معلم اعظم حضور اکرم ﷺ کے براہ راست فیض یافتگان صحابہ کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ادباً اور تعظیماً حضور اکرم ﷺ کے دستِ اقدس، پاؤں مبارک، جسم اقدس حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے کسی فرد اور چیز تک کو بوسہ دیتے تھے۔

### لیکن چومنے کا ایک حد ہوتا ہے

لیکن ہاتھ پاؤں چومنے کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے جس درجہ میں اس کا ثبوت ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ و تابعینؓ کے جوہ واقعات آپ نے اس مضمون میں ملاحظہ فرمائے گئے، ان کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے جس درجہ میں سنت اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت ہوا ہے، ان تمام روایات و واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کام ہوئے مگر اتفاقی طور پر کسی ایک دو آدمی نے کر لئے نہ اس کی عادت تھی نہ سب مجمع کو یہ کام کرنا تھا نہ کوئی کسی کو اس کی دعوت دیتا تھا اور نہ کوئی کسی کو حرص کرتا تھا، بس اسی سادگی اور عدم پابندی کے ساتھ جہاں ہوں جائز و درست بلکہ مستحب بھی ہو سکتا ہے، جہاں یہ سادگی نہ رہی پابندی آگئی یا عادت پڑ گئی تو وہ مفاسد سے خالی نہیں (اس کے مفاسد بعد میں نقل کر دیتے ہیں) اور فقہاء کا یہ ضابطہ معروف و مشہور ہے کہ اگر کسی مستحب کام میں کچھ منکرات شرعیہ شامل ہو جائیں تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ مشن مقصود میں سے نہ ہو۔ جیسے جماعت نماز کے بعد کے مصافحہ کو بعض فقہاء نے اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس کو نماز کی ایک سنت جیسا قرار دے دینا خلاف شرع اور گناہ ہے۔ بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے اس کو اسی حد پر رکھا جائے تو بدشاہد دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ سب جائز بلکہ سنت و مستحب ہیں اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہو جائے وہ گناہ ہے۔ (از مفتی محمد شفیع، ماخذ ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیم کی شرعی حیثیت: ۴۷-۴۸)

### تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم

لفظ 'تقبیل' "ق، ب، ل، سے مشتق ہے، یَقْبِلُ، یَقْبِلُ، قَبْلًا۔ کا معنی ہے: آنا، قَابِلٌ: کا معنی ہے: کسی کے آسنے سامنے ہونا، ملاقات کرنا۔ جبکہ قَبْلَ یَقْبِلُ تَقْبِیلاً کا معنی ہے: چومنا، بوسہ لینا۔ (لسان العرب: ۱۱: ۵۴۴)

لغت عرب کی خصوصیت کی بنیاد پر (ق۔ ب۔ ل) سے مشتقات کے معانی بھی صیغوں اور متعلقات کی تبدیلی سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض ابواب میں اس کے اندر توجہ، میلان، جھکاؤ اور اظہار پسندیدگی و قبولیت کے معانی بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً "القبلة" کا معنی ہے: نماز کے لئے سمت توجہ، جب کہ "مقبول" کا معنی ہے قابل قبول اور پسندیدہ۔ (لسان العرب: ۱۱: ۵۴۴)

پس تعظیم بالتقبیل میں بھی کسی بابرکت ہستی یا متبرک چیز کے ساتھ محبت اور پسندیدگی شامل ہوتی ہے۔

### اقسام تقبیل

احادیث مبارکہ، صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، اور صالحین کے احوال کا مطالعہ کرنے سے تقبیل کی درج ذیل اقسام سامنے آتے ہیں۔

#### (۱) ..... تقبیل عبادت

حاجیوں اور مترہ کرنے والوں کا حجر اسود کو بوسہ دینا عبادت کے زمرے میں شامل ہے کیونکہ یہ مناسک حج اور افعال عمرہ میں سے ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروقؓ حج پر آئے، طواف کیا اور حجر اسود کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس سے فرمانے لگے: "انی اعلم انک حجرو لا تسخر ولا تنفع، ولولا انی رأیت النبی ﷺ یقبلک ما قبلتک" (بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحج اسود: ۲۰، ۵۷۹، رقم: ۱۵۴۳۔ مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر: ۱۱، رقم: ۹۲۵، ۹۲۶، رقم: ۱۲۷۰، ابن ماجہ، سنن کتاب النکاح، باب استحباب الحج: ۲، ۹۸۱۔ رقم: ۲۹۳۳، نسائی، السنن الکبریٰ: ۳، ۳۰۰، رقم: ۳۹۱۸)



”میں جانتا ہوں بیشک تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تیرا کبھی بوسہ نہ لیتا۔“ یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپؐ نے حجر اسود سے بوسہ لیا۔ (حکم المسند ۱-۲۳۸، رقم ۱۲۸۲)

### (۲)..... تقبیل تبرک

حضور اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار، صحابہ کرامؓ اور اولیاء و صالحین کے ہاتھوں اور ان سے منسوب اشیاء کو حصول برکت کے لئے بوسہ لینا بھی احادیث اور آثار و احوال سے ثابت ہے۔

(۱)۔۔۔ عبد الرحمن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ”رذۃ“ کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوع ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔۔۔ سوانہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا: ”میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھر کم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کا بوسہ لیا۔

(مسند احمد بن حنبل ۵۴۲، باب مسرہ ۳۳۸)

(۲)۔۔۔ ایک دفعہ حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا: ”أُمِسْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِيَدِكَ؟“ قَالَ: نَعَمْ بِفَقِيلِهَا۔“

(بخاری، باب لغزو، باب تئیں اید ۳۳۸، رقم ۹۱۴)

”کیا آپ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے ہاتھ سے مس کیا ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پس ثابت نے ان کے ہاتھ کو چوما۔

(۳)۔۔۔ صاحب الصحیح المسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاریؒ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر عرض کیا: ”دعسني حتى أقبل

رجليك، يا استاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث في علمه۔“ (ابن نطھ الحقیقہ لمعرفۃ احوال السنن والمسانید ۳۳۱)

”اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔“

### (۳)..... تقبیل محبت و فرحت

کسی بابرکت ہستی کو محبت و فرحت سے چومنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی کیفیت حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ مقام یحٰق پر واقع اپنے گھر سے گھوڑے پر آئے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد (شدت غم سے) انہوں نے کسی سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے اور ”وہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے تھے جو یمنی چادر میں لپیٹے ہوئے تھے۔ پس انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ لیا اور رو پڑے۔“ (مسند احمد بن حنبل ۵۴۲، باب ۱۱)

علامہ البیہقیؒ نے مجمع الزوائد میں ایک طویل حدیث میں حضور ﷺ کے دنیا سے رحلت فرمانے کا واقعہ یزید بن بانہوسؒ کی روایت میں مسند

امام حنبلؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے جس میں بیان ہے: ”ثم جاء ابو بکر ﷺ فرفع الحجاب فنظر اليه فقال انا لله وانا اليه

راجعون مات رسول الله ثم اتى من قبل راسه و حذر فاه وقبل جبهته ثم قال و انبياء ثم اتى من قبل راسه و حذر فاه

جبهته وقال واصفياه ثم اتى من قبل راسه و حذر فاه وقبل جبهته و اخلياه۔۔۔ قال البیہقیؒ و رجال احمد

نشات (مجمع الزوائد، ۳۱/۹) پھر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور پردہ اٹھایا۔ آپؐ نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا اور فرمایا ”انا لله وانا الیہ راجعون“ رسول ﷺ رحلت فرما گئے۔ پھر آپ ﷺ کے سر ہانے آکر اپنا منہ جھکایا اور حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کو چوما۔ پھر کہا ہائے میرے نبی! پھر اپنا سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا کر آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لے کر کہا ہائے میرے خالص دوست! پھر (تیسری مرتبہ) سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا کر حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور فرمایا ہائے میرے خلیل!۔

### (۴) ... تقبیل مودت و رحمت

بعض اوقات مودت و رحمت کے باعث بھی بوسہ لیا جاتا ہے، یہ بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

(۱) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”ابشری یا عائشة! فان الله قد انزل عذرك وقرأ عليها القرآن، فقال أنوای: قومی فقبلی رأس رسول الله ﷺ“ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی قبلة الرسل و ص ۳۵۵/۳، رقم ۴۵۵۰) اے عائشہ! تجھے خوشخبری ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تیرے عذر کے بارے میں حکم نازل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں تو میرے والدین نے مجھے کہا: کھڑی ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کے سر اقدس کا بوسہ لے۔“

(۲) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے وصال کا واقعہ مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا: ”یقبل عثمان بن مظعون وهو میت حتی رأیت الدموع تسيل“ ”حضور اکرم ﷺ عثمان بن مظعون کی میت کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جھک کر (رحمت سے) ان کا بوسہ لیا پھر روئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک رخساروں پر آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔“ (سنن کبریٰ ۲/۴۵۷، ابوداؤد، کتاب الجنازہ) اس قسم کی روایت معاذ بن ربیعہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد، معاذ بن ربیعہؓ قال رأیت رسول الله ﷺ یقبل عثمان بن مظعون“ رواہ البیہقی ورواہ حسن (مجمع الزوائد باب تقبیل میت: ۲۰/۳)

اس حدیث کو امام ترمذیؒ حضرت عائشہؓ سے نقل کر کے فرماتے ہیں: ”وفی الباب عن ابن عباس وجابر وعائشة قالوا ان ابابکر قبل النبی ﷺ وهو میت“ ”یعنی ابن عباس، جابرؓ اور عائشہؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کا بوسہ لیا۔ جب کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔ اور آخر میں فرماتے ہیں کہ عائشہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

### (۵) ... تقبیل شفقت

(۱) ... رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بدن کو بوسہ دیا۔

(۲) ... حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے چہرہ پر بوسہ دیا جب کہ ان کو بخار میں مبتلا دیکھا۔ (کما خرجه ابوداؤد)

(۳) ... رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عمر بن جابرؓ سے مرفوعاً

ابوداؤد وغیرہ نے شعبیؒ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ جب حبشہ سے لوٹے اور آپ ﷺ سے ملے۔ ”فالتزمہ

وقبل ما بین عینیہ“ تو حضور ﷺ نے انہیں گلے لگا لیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ (کما خرجه ابوداؤد: جلد ۱ کتاب الادب)

یہ واقعات وہ ہیں کہ تقبیل بزرگانہ شفقت کی بناء پر ہوئی اور اس میں فقہاء کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔

(۶) ... تقبیل تعظیم

شیخ محمد عابد سندھیؒ نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا کہ تعظیم و تکریم کے لئے دست بوسی یا قدم بوسی صرف ان لوگوں کی جائز ہے جو عالم صالح یا سلطان عادل ہو یا کوئی دینی شرف بزرگی رکھتا ہو، ان کے سوا دوسروں کے لئے جائز نہیں حرام ہے، کیونکہ نصوص حدیث سے اس کا جواز صرف دینی شرافت و فضیلت رکھنے والوں کے لئے ثابت ہے۔ ان کے سوا دوسروں کے لئے ثابت نہیں۔ البتہ علمی و دینی شرف رکھنے والوں کے لئے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی قوی روایات حدیث سے ثابت ہے۔

(۷) ... تقصیل حرام

جس طرح تقبیل کے جواز کی کئی اقسام ہیں اسی طرح تقبیل کی بعض صورتیں حرام ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔

- (۱) شاہانِ وقت یا متکبرین کے ہاتھ، یاؤں یا ان کے سامنے زمین کو چومنا۔

- (۲)..... اجنبی اور غیر محرم خواتین کے ہاتھ کو چومنا۔

- (۳) غرور، تکبر اور شہوتِ خفی کے باعث کسی کا بوسہ لینا۔

## احادیث متعلقہ تقبیل تعظیم

- (۱)۔ امام بوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت زرارہ بن عامر سے روایت کیا ہے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کی روایت ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے ”فقبل يد رسول الله ﷺ ورجله“ اور رسول اللہ کے دست مبارک اور پاؤں مبارک کا بوسہ لیا۔

- (۲) .. نیز ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس قصہ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں: "قال فدنونا من النبی ﷺ فقیبنا"

- یادیدہ۔ ”یعنی ہم آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ (رواد بن حنفی کتاب الادب)

- اسی قصہ کو طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں مزیدہ عبدی اور نافع عبدی کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔ (کندانی مجمع الزوائد ۶: ۲۹۰)

- (۳).....طبرانی نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی معافی کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے "فاخذیہ فقبلہا" اور آپؐ نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور اسے چوما۔

- (تیسرا ٹیبلٹ، فیکٹری برآمدیہ میں، ۱۹۶۱ء)

- (۴) .... حضرت امینؓ سے روایت ہے: ”انہ قبل ید النبی ﷺ“ (۱) یعنی یہ نبیؐ کے ہاتھوں سے پیدا ہوئے۔

- مجمع الزوائد، ۱: ۳۳۸) انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک چومے۔

- (۵)..... جمع الفوائد: ۲/۱۴۳۳ھ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کو بوسہ دیا اور موصول کے رتنے والے سے بتایا کہ بڑی نرمی کے ساتھ

- ابوسہ دیا۔ (حیۃ الصحابہ ۲/۵۸۳)

- (۶)..... نیز امام ابو داؤد نے حضرت صدیقہ عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں داخل ہوتے تو وہ استقبال

(۷) نیز ابو داؤد نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا کہ وہ ایک انصاری صحابی سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک روز کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باہم بات چیت کر رہے تھے۔ ان میں ایک شخص ہنسی مزاح کر نیوالا بھی جوان کو ہنسا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کی کوکھ کو ایک لکڑی سے چھیڑا تو اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ (آپ نے میری کوکھ میں لکڑی لگائی ہے میں اس کا بدلہ لوں گا) آپ مجھے بدلہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہیں تھا، ننگے بدن پر آپ کی چھڑی لگی ہے اور آپ کے بدن پر کرتہ ہے۔ اس لئے انتقام پورا نہیں ہوگا، راوی کہتا ہے: ”فرفع عن قميصه فاحتضنه وجعل يقبل كشحا“ آپ نے قمیص مبارک کچھ اٹھا دی یہ شخص آگے بڑھا اور آنحضرت ﷺ کو لپٹ کر آپ ﷺ کے پہلو کا بوسہ لینے لگا اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میری غرض اس گفتگو سے یہی تھی۔ (ترمذی الحدیث صحیح اردو ترجمہ شاہ ودائتہ اندھنی فتاح صحیح وخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن اسید بن ہنیر وشد کما فی کتبات اہل

(۹) عبدالرحمن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ”ربند ققے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوع ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔۔۔ سوانہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا: ”میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھر کم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کا بوسہ لیا۔“ (مسند احمد بن حنبل: ۵۴/۴، الادب المفرد: ۳۸۸)

(۱۲) . ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت صفوان سے روایت کیا ہے ”فقبلوا یدیه ورجلیه وقالوا نشہد انک نبی کئیہویوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا بوسہ لیا، اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ (اللہ کے) نبی ہیں۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس (یعنی ہوسہ دینے) کے باب میں یزید بن اسود، ابن عمر اور کعب بن مالکؓ سے بھی روایتیں موجود ہیں۔ (قال ابویٰ ترمذی فی الباب من یزید بن الاسود ابن عمر کعب بن مالک، و فی سنن ابن ماجہ عن عقیل بن یونس ابن مسال ان قوامن لیسو و یزید ابی النبیؓ و علیہ ابن ماجہ کتاب باب التذلل باب الرابع)

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم، سلطان عادل، اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے حضرت شیخ محمد عابد

سندھی نے مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم اور سلطان عادل اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے کیوں کہ سرور کائنات ﷺ ان تینوں صفات کے ایسے جامع ہیں کہ جس کی کوئی نظیر عالم میں نہیں۔

حدیث انسؓ میں چومنے سے ممانعت کی توجیہ

اس کے بالمقابل حضرت انسؓ کی ایک روایت سے جو تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ ان عام لوگوں لئے ہے جو اوصاف ثلاثہ مذکورہ سے خالی ہوں۔ ایک تو ابن شیبہ وابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے دوسری جامع ترمذی کی روایت ہے: "عن انسؓ قال قال رجل يا رسول الله الرجل منا يلقى اخاه او صديقه اينحنى له؟ قال لا، قال فيلتزمه ويقبله قال لا، قال فيأخذ بيده وينصافحه، قال نعم هذا حديث حسن." (الترمذی ۲، ابواب الادب)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے اور (تقبیل) جھکے؟ آپ نے فرمایا نہیں (دوبارہ سوال کر کے،) کہا کہ اسے گلے لگائے اور بوسہ لے؟ فرمایا نہیں۔ (انہوں نے تیسرے بار سوال کیا) کہا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا حضور ﷺ نے "ہاں"۔

(۱) ... اولیہ روایت مذکورہ بالا روایات کو منسوخ نہیں کر سکتی کیونکہ اس حدیث کو ناخ ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل یا قرینے کی ضرورت ہے۔ یہاں تو حضور ﷺ کے بعد صحابہ اور خلفاء راشدینؓ اور تابعینؓ تک سے جواز بلا تکلیف ثابت ہے۔

(۲) ثانیاً شیخ محمد عابد سندھی نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن میں مذکور الصدور اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف نہ ہو اس کے ساتھ یہ معاملہ معافیت اور تقبیل کا نہ کیا جائے، صرف مصافحہ کافی ہے اور قرینہ اس کا خود سوال ہے جو حدیث میں مذکور ہے، کیوں کہ سائل نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑے عالم یا بزرگ سے ملیں تو کیا کریں بلکہ سوال عام دوست یا بھائی کا کیا ہے جس کے جواب میں آپ نے معافیت اور تقبیل کو منع فرمایا۔

(۳) ... ثالثاً خود ثابت نے حضرت انسؓ کے ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا۔

حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ (حضرت انسؓ وہ صحابی ہیں جو نو سال حضور ﷺ کے گھر مبارک میں رہے) سے پوچھا: "امست الی سیدک؟" کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک کو چھوا ہے؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا۔ نعم۔ ہاں! "فقسلینا تو حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ کا ہاتھ چوم لیا۔ (الادب المفرد بخاری ص ۱۳۳، تنویر القلوب: ۲۰۰، دار الشریف ۲۱/۱)

وہ واقعات جن میں بعض صحابہؓ نے دوسرے بعض صحابہؓ کی دست بوسی کی ہے

(۱) ... حضرت امام بخاریؒ حضرت صہیبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر چومتے تھے۔ (ادب المفرد باب تقبیل الرجل)

(۲) ... تمیم بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے، ان کا استقبال حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے کیا۔ حضرت عمرؓ نے مصافحہ کیا اور ان کا ہاتھ چوما۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت تمیمؓ کہا کرتے تھے کہ ہاتھ کا چومنا سنت ہے۔

(اخرجہ عبدالرزق والحرانی فی مکارم الاخلاق والبیہقی وابن عساکر کذا فی کنز العمال ۲۲۰/۹)

(۳) طبرانی نے یحییٰ بن الحارث انزماری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں واثلہ بن اسقع سے ملا۔ ان سے کہا کہ آپ نے اس ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں میں نے عرض کیا آپ اپنا ہاتھ مجھے دکھائیے تاکہ میں اس کا بوسہ لوں تو انہوں نے میری درخواست کو منظور کر لیا اور میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

(رواہ الطبرانی، وفیہ عبدالملک القاری لم اعر فہ وبقیۃ رجالہ ثقات کذا فی مجمع الزوائد ۴۲/۸، رواہ الطبرانی)

(۴) حضرت عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک روز سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے (تکریما) ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے آپ ہٹ جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہمیں اپنے علماء اور بڑے لوگوں کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت زیدؓ نے فرمایا ذرا مجھے اپنا ہاتھ تو دکھائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنا ہاتھ نکالا تو حضرت زیدؓ نے اس کو چوم لیا اور کہا کہ ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر کنز العمال ۹۶/۱۳)

(۵) بیہقی وغیرہ نے غزوہ روم کا طویل واقعہ حضرت ابورافع سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ عبداللہ بن حذافہؓ مسلمانوں سمیت لوٹ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور جب پوری سرگزشت سنائی تو حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ (اخرجہ البیہقی وابن عساکر کذا فی معجم الصحابہ ۳۱۹/۱)

(۶) مستدرک حکم باب معرفۃ الصحبہ (۲۵۴/۳) میں حضرت ابوسفیان کے مناقب میں لکھا ہے کہ غزوہ خنین میں حضرت ابوسفیانؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حرب ہے۔ آپ ان سے راضی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کی سفارش قبول ہے میں ان سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے معاف فرمادے۔ پھر حضرت عباسؓ کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ وہ بیشک میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا جب کہ وہ گھوڑے کی رکاب میں تھا۔

(۷) ..... حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے۔ اسی مجلس میں عبداللہ بن مبارکؒ موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ ”فی تبیان الحقائق للعلامہ عثمان بن علی الزیلعی، وقال سفیان الثوری تقبیل العالم وید السلطان العادل سنة فقام عبد الله بن مبارك فقبل راسه“۔

(تبیان الحقائق: ۵/۶، کتاب الکرامۃ)

(۸) ... طبقات ابن سعد، (۲۲۴/۶) میں عاصم بن ابی النجود کے حالات میں حضرت ابوالاکل سے نقل کیا ہے کہ ابوالاکل کبھی کبھی گاؤں میں جاتے اور چند روز غائب رہتے تھے جب واپس آ کر حضرت عاصمؓ سے ملتے تو ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے تھے۔

(۹) ابن اسنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابوبکر بن محمد بن عمر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہاں کہ میں ایک روز حضرت ابوبکر بن مجاہد کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت شبلیؒ اس مجلس میں تشریف لائے تو ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہوئے اور ان سے معافہ کیا اور ان کی پیشانی کا

بوسہ لیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ ابو بکر مجاہد نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے ایک خواب میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اس کے بعد مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔

محدثین مفسرین، فقہاء کرام کے ارشادات

(۱)..... شیخ الحدیث شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ اشعة اللمعات میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے احوال میں لکھتے ہیں: صاحب الصیغ مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاریؒ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر عرض کیا: ”دعنی حتی أقبل رجلیک، یا استاذین و سید المحدثین و طیب الحدیث فی عللہ“۔ (اشعة اللمعات ج ۹، ج ۹، طبع دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۲ھ، ص ۳۳۱) ”اے استاذوں کے استاذ، سید الحدیثین اور علل حدیث کے طیب! آپ مجھے اجازت دیں تو آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔“

(۲)..... حضرت امام نوویؒ شارح مسلم شریف سے کسی نے پوچھا ”تقبل ید غیرہ ما حکمہ“ یعنی اپنے غیر کے (دوسرے آدمی کے) ہاتھ کو چومنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ”یستحب تقبیل ید یدی الصالحین و فضلا العلماء“ ”صالحین (اولیاء اللہ) فضلاء اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے۔“ (کتاب الاذکار للذہبی ص ۲۳۲، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۲)

(۳)..... علامہ ابن حجر مکیؒ سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ پاؤں چومنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ”المصافحة للقدام سنة و کذا تقبیل ما ذکر من نحو عالم و صالح و شریف و نسیب“ ”آنے والے کے ساتھ مصافحہ کرنا اور عالم دین صالح شریف اور عمدہ نسب والے کے ہاتھ اور پاؤں کے بوسہ سنت ہے۔“

(۴)..... امام ابو یوسفؒ اور علامہ ابراہیم بن محمد حلبیؒ فرماتے ہیں کہ ”عند ابی یوسف لا یکرہ ولا بأس بالمصافحة و تقبیل ید العالم و السلطان العادل“ ”امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کا بوسہ لینے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔“ (شرح الاشیاء والنظائر للذہبی ۲، ص ۵۱، شرح تہذیب الصالح فارسی ۱۹۱)

(۵)..... حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں ”انہ قال تقبیل ید العالم و السلطان العادل سنة“ ”بے شک عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا سنت ہے۔“ (مجمع الأنصر شرح ملتقى الأبحر حاشیہ ملتقى الحجج ۲۳۸، مطبوعہ مصر)

محقق کامل حضرت اسعد اللہ عیسیٰ المعروف سعدی الجلبیؒ عنایہ شرح ہدایہ میں اور امام اکمل الدین بابرؒ نے بھی شرح ہدایہ میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے: ”عن سفیان تقبیل ید العالم سنة“ ”عنایہ شرح بدیہ السعدی، عنایہ شرح حیدر ایلاء، مآکل الدین بر حاشیہ تہذیب، ص ۱۲۰، مطبوعہ مصر“

(۶)..... فقیہ ابولیت السمرقندیؒ اور علامہ جلال الدین السيوطیؒ اور علامہ عبد الغنی الدہلویؒ نے چومنے کے پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں: (۱)..... محبت کے طور پر (۲)..... رحمت کے طور پر (۳)..... شفقت کے طور پر (۴)..... احترام کے طور پر (۵)..... شہوت کے طور پر۔

محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے اولاد کا والدین کے سر کو

چومنا۔ شفقت کے طور پر چومنا ایسا ہے۔ جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا۔ عزت و احترام کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا اور شہوت کے طور پر ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے چہرہ کا بوسہ لینا۔

(بتن العربین مسمر قندی بر حاشیہ حمید القائلین ۱۵۹، مصباح الزجاجة للسيوطی بر حاشیہ ابن ماجہ: ۲۷۱، الخبجہ للعلا مہ عبد الغنی الدحلوی بر حاشیہ ابن ماجہ: ۲۷۱، در مختار ۲/۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ مظاہر حق ۵۴/۳، مطبوعہ لکھنؤ)۔

(۷) .. شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ”تقبیل ید عالم و زائد یا مردے کبیر السن جائز است“ ترجمہ: ”عالم دین اور زائد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔“ (اشعۃ النعمت ذری: ۳/۲۳ مطبوعہ نولکھور)

(۸) امام الفتلا، حضرت علامہ سید احمد بن محمد الحمویؒ تحریر فرماتے ہیں: ”مفتاح السعادت میں لکھا ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ کو چومنا جو تعظیم و تکریم کا مستحق ہے جیسے عماء دین سادات، اشراف اور ذوال احترام حضرات ہیں۔ ان کے ہاتھ چومنے میں ثواب کی امید ہے۔ جیسا کہ صحابہؓ سے بھی ثابت ہے۔ (شرح الاشیاء والنظار ۲/۳۵۲، مطبوعہ نولکھور)

(۹) علامہ قطب الدین دہلویؒ اپنی تصنیف لطیف (مظاہر حق) میں فرماتے ہیں: کہ بوسہ دینا اوپر ہاتھ عالم کے جائز ہے۔ بعضوں نے کہا کہ مستحب ہے۔ (مظاہر حق: ۵۴/۳، مطبوعہ لکھنؤ)

(۱۰) .. علامہ محمد بن عبد اللہ ترمذیؒ تحریر فرماتے ہیں عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مظاہر حق: ۵۴/۱)

(۱۱) علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ”در مختار“ کے مصنف علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں: تبرک کے طور پر عالم اور پرہیزگار متقی شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں مجتبیٰ نامی کتاب کے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ (در مختار: ۲/۳۳، حاشیہ جامع ترمذی: ۲/۹۸)

(۱۲) .. علامہ ابن عابدین شامیؒ اپنی مشہور و معروف کتاب رد المحتار المشہور رشامی شریف میں فرماتے ہیں: ”عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ لینے کو سنت کہا گیا ہے۔“ (رد المحتار: ۵/۳۲۷)

(۱۳) .. رف باللہ علامہ محمد امین الکردی الریلی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ”یسن تقبیل الید لصلاح ونحوہ کعلم وزہد“ علم اور زہد و منیرہ کی بناء پر ہاتھ چومنا سنت ہے۔ (تنویر القلوب: ۱۹۹، مطبوعہ مصر)

(۱۴) .. امام ابن قیمؒ اپنی کتاب بدائع الفوائد میں حضرت شیخ الحنابلہ ابن عقیلؒ کا ایک قصہ لکھتے ہیں کہ: حضرت شیخ الحنابلہ ابن عقیلؒ نے مصافحہ کرتے وقت بادشاہ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ تو کسی شخص نے انہیں اس فعل پر ملامت کی۔ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میرا باپ ہوتا اور میں اس کے ہاتھ کا بوسہ لیتا۔ تو کیا یہ میرے لئے جائز تھا یا کہ ناجائز؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ کیوں نہیں۔ ایسا کرنا تو آپ کے لئے جائز ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب باپ کے ہاتھ کو بوسہ لینا جائز ہے۔ حالانکہ وہ مخصوص افراد کی پرورش کرتا ہے تو بادشاہ کے ہاتھ کا بوسہ لینا کس طرح جائز نہ ہوگا۔ جب کہ وہ ملک کی تمام رعایا کی پرورش کرتا ہو۔ اسی لئے وہ زیادہ مکرم ہے۔

(بدائع الفوائد: ۳/۱۷۶، مطبوعہ مصر)

(۱۵) .. علامہ عبد الرحمن صفوریؒ کتاب ”شرعت الاسلام“ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ: ”جس نے اپنی والدہ کے پاؤں کا بوسہ لیا۔



پس اس نے خانہ کعبہ کی ولایت کو بوسہ دیا۔ (برزہ الجاس ۱/۱۷۱، مطبوعہ مصر)

(۱۶) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا غنیۃ الطالبین میں ارشاد ہے: ”اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغلیگیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھ کو انہوں نے تبرکاً بوسہ لیا۔ تو یہ شرعاً جائز ہے۔ (غنیۃ الطالبین: ۳۱)

(۱۷)..... شیخ المشائخ حضرت علی جویریؒ نے اپنی تصنیف ”کشف المحجوب“ میں اپنا واقعہ درج فرمایا ہے۔ نیز یہی واقعہ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ”میں (حضرت جویریؒ) ملک شام میں حضرت سیدنا بلال حبشیؓ مؤذن مسجد نبویؐ کے روضہ مبارک کے سربانے کی طرف لیٹا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں۔ اور حضور ﷺ ایک بزرگ کو آغوش مبارک میں لئے ہوئے ہیں۔ (جیسا کہ بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں) باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ تو دوڑ کر پر پشت پائش بوسہ وارم آپ کے پاؤں مبارک کی پشت پر میں (علی جویریؒ) نے بوسہ لیا۔ میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ تو حضور ﷺ نے اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی اور دلی کیفیت کو جان کر ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جو تمہارے ہی ملک کے ہیں۔“

(کشف المحجوب فارسی ص ۹۳، ۹۴، تذکرۃ الاولیاء فارسی ص ۱۳۳)

(۱۸)..... حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ عمر میں حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) سے بڑے تھے۔ مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جان نثار خادم اور عاشق جانناز تھے۔ جب تشریف لاتے تو بے اختیار حضرت کے قدموں کا بوسہ لیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کو شرم آتے۔ یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ۱۸۱/۲، تذکرۃ الثلیل: ۵۸۰)

(۱۹)..... حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا ظلیل احمد انبٹھویؒ کے حج کی روانگی کا واقعہ لکھتے ہوئے آخر میں رقم طراز ہیں: اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کا قدم بوس ہوا۔ (تذکرۃ الثلیل: ۱۰۷)

(۲۰)..... حافظ عبدالقادر تھانویؒ اپنا واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ کے پاؤں چومنے کا بیان کرتے ہیں کہ ارکان حج ادا کر کے قافلہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ گئے۔ اور بلا خطر مدینہ طیبہ پہنچے۔ اور اطمینان کے ساتھ زیارت سے مشرف ہو کر مکہ معظمہ میں بخیر و خوبی حضرت (حاجی امداد اللہ) سے قدم بوس ہوئے۔ (کرامات امدادیہ: ۹، از حیدر الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۲۱)..... مولانا حافظ عبدالغنیؒ کہتے ہیں کہ میں والد ماجد کے ساتھ حج پر گیا۔ تو حضرت والد ماجد منشی حاجی مولوی عبدالواحد آستانہ حضرت قبلہ عالم شیخ المشائخ الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب مہاجر کیؒ قدس سرہم ہوتے۔ بندہ بھی ہم رکاب والد ماجد تھا۔ دولت سرائے قدس پر پہنچ کر اطلاع کی گئی۔ حضرت اقدس دولت سرائے سے دیوان خانے میں تشریف فرما ہوئے۔ چہرہ مبارک سے معلوم ہوتا تھا کہ حالت مراقبہ سے اٹھ کر تشریف لائے ہیں۔ والد ماجد سے ملاقات فرمائی بندہ بھی دست بوس ہوا۔ والد ماجد کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرماتے رہے۔ (کرامات امدادیہ: ۴۰)

امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسئلہ تقبیل میں اختلاف کی توجیہ

فتاویٰ قاضی خان کتاب خطر والاباحۃ میں ہے کہ: ”ویکسرہ ان یقبل الرجل فم الرجل اویده اوشینا منه وفي قول ابی حنیفہ ومحمد ولا بأس بالمصافحة وقال ابو یوسف لا بأس بالتقبیل والمعانقة فی ازار واحد فان كانت المعانقة من فرق قمیص اوجبة او كانت القبلة علی وجه المسرة دون الشهوة جاز عند الكل.“ (فتاویٰ قاضی خان عاشرہ عالمگیری ۳/۴۲۲) ترجمہ: مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو یا کسی حصہ بدن کو ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے قول میں اور مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب وہ کرتے اور جبہ کے اوپر سے اور بوسہ لینا بطور مسرت و اکرام کے ہو شہوت سے نہ ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کی آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقبیل و معانقہ میں جو اختلاف امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا نقل کیا جاتا ہے وہ اس صورت میں ہے جس میں خطرہ شہوت کا یا مشابہت اس کی پائی جائے ورنہ معانقہ اور تقبیل تینوں آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔

..... بدائع میں شیخ ابو منصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتا ہے

شیخ ابو منصور (ماتریدیؒ) نے فرمایا کہ معانقہ اس صورت میں مکروہ ہے جبکہ ایسے طرز پر ہو جو شہوت کے ساتھ عریانی کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس سے (محض) اکرام اور احسان مقصود ہو تو مکروہ نہیں۔ اور یہی حکم بوسہ لینے کا ہے جو بوسہ، شہوت کے بوسہ کی مانند ہو وہ تو ممنوع ہے ورنہ مباح (جائز) ہے اور امام ابو یوسفؒ نے جس حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا وہ اسی صورت پر محمول ہے (کہ اس میں شہوت کا خطرہ یا مشابہت نہ ہو)

علامہ عینیؒ نے تقبیل کے مسئلہ پر بہت مختصر اور جامع بیان کر کے آخر میں فرمایا ہے: لیکن یہ سب کچھ جواز اس وقت ہے جب کہ (دست بوسی وغیرہ) بطور احسان و اکرام کے ہو اور جب یہ (دست بوسی وغیرہ) شہوت کی وجہ سے ہو تو یہ میاں بیوی کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں۔

☆ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ دست بوسی میں فقہائے کرام مختلف ہو گئے ہیں۔ امام مالکؒ نے اس کے جواز سے انکار کیا ہے اور ان روایات سے بھی جو اس میں آئی ہیں۔ جب کہ دوسرے فقہاء حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جس وقت وہ لوگ جہاد سے واپس ہوئے۔ انہوں نے کہہ یارسول اللہ ﷺ ہم فرار ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ایسا نہیں) بلکہ تم حملہ پر حملہ کرنے والے ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا، میں مسلمانوں کی جماعت ہو (عبداللہ بن عمرؓ) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لیا۔ دست بوسی کے جواز پر چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ الامام مالکؒ نے جو بوسہ کو مکروہ قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ تکبر اور بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے ہو یا اس شخص کے علم یا شرافت کی وجہ سے ہوتا ہے تو یہ جائز ہے۔

### بوسہ کی دو صورتیں

(۱).... ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی از خود کسی کے ہاتھ وغیرہ کو چوم لے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۲).... دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص زید سے مطالبہ کرے کہ آپ ہاتھ یا پاؤں مجھے چومنے کے لئے دیں۔ کیا زید کے لئے جائز ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے؟ ایسی حالت میں بعض فقہائے کرام منع فرماتے ہیں کہ زید ہاتھ پاؤں پھیلائے، کیونکہ یہ صورت ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے۔ اگرچہ حقیقتہً اس میں تکبر اور عجب نہ بھی ہو۔ پس بعض نے تو زید کے لئے ہاتھ پاؤں پھیلانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

☆.... فی الہندیہ: طلب من عالم اوزاھد یدفع الیہ قدمہ لیقبلہ لایرخص فیہ ولا یجیبہ الی ذالک عند البعض و ذکر بعضهم یجیب الی ذالک .

☆.... وفی ردالمختار تحت قولہ اجابہ لما اخرجه الحاکم ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ارنی شینا ازادابہ ینا فقال اذهب الی تلک الشجرة فادعها فذهب الیها فقال ان رسول اللہ یدعوک فجات حتی سلمت علی النبی ﷺ فقال لہا ارجعی فرجعت ثم اذن لہ فقبل رأسہ ورجلیہ وقال لو کنت آمرا حدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجہا وقال صحیح الاسناد۔ (من ساء الشریبالی رد المختار ۵: ۲۳۵)

اور بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے اس کو جائز فرمایا ہے البتہ از خود زید کے ہاتھ چومنا بلا اختلاف جائز ہے۔

☆.... اور اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ: ”اگر یکے از عالم یا زابد التماس پائے ہوی او کند باید کہ اجابت نہ کند و نگذارد کہ بوسہ و در قدیہ گفتہ لاباس بہ است۔“

☆.... مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا: ”تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جاسکتا۔ پس صحیح جواب تقبیل قدم فی نفسہ ہے اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ مبوب ۵: ۲۳۵ مورخہ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ)۔“

☆.... سوال: ”یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ دست ہوی وغیرہ اگر جائز بھی ہو جائے تو اگر اس کے لئے جھکنے کی صورت پیش آئے تو وہ انحاء یعنی جھکنے کی وجہ سے بھی مکروہ ہو جائے گا۔“

☆.... جواب: جو انحاء مقصوداً (بطور عبادت ہو) ہو وہ ناجائز ہے اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔ کیونکہ یہاں چومنے کے لئے ہوگا، جھکنا خود مقصود نہیں۔ جیسے کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز گر جائے اور کوئی جھک کر اسے اٹھالے۔ اس جھکنے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ حالانکہ یہ جھکنا رکوع سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں جھکنا مقصود نہیں بلکہ چیز اٹھانا مقصود ہے۔

## زمین بوسی

فقہ کی کتابوں میں ایسے دو مسئلے اور بھی ہیں جن کی وضاحت مناسب ہے تاکہ مختلف مسائل آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

(۱) ایک یہ کوئی شخص دوسرے آدمی سے مصافحہ کرنے کے بعد خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لے۔ اس فعل کو فقہاء کرام نے مکروہ اور ناجائز قرار دیا ہے۔

(۲) کسی عالم یا بزرگ کے سامنے زمین کو بوسہ دینا۔ فقہاء کرام اس کو حرام اور ممنوع فرماتے ہیں۔ ایسے کام کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں سخت مجرم اور گنہگار ہیں۔ کیونکہ یہ کام بتوں کے پوجنے اور عبادت کرنے سے مشابہت رکھتا ہے۔ ”وما یفعله الجہال

من تقبیل ید نفسه اذا لقی الغیر فهو مکروه فلا زخصة فیہ وما یفعلون من تقبیل الارض بین یدی العلماء فحرام،

الفاعل والراضی به آثمَان لانه یشبه عبادة الاوثان“ (تبیان الحق: ۵/۱، کتاب التبریہ کرائی، المحررات والفتاویٰ الہندیہ والدہ رختار وغیرہ ج ۱/۵: ۲۷۱)

خائنہ:

(۱) اگر ہاتھ وغیرہ کا بوسہ لینا شہوت وغیرہ کے ساتھ ہو یا کسی جانب میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ یا اشتباہ ہو تو بالاتفاق اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے سوا کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

(۲) چھوٹوں پر شفقت و رحم یا متقی علماء اور بزرگوں کے اکرام اور تعظیم کے لئے بوسہ بالاتفاق جائز اور ثابت ہے بشرطیکہ جس کی دست بوسی کی جائے اس کو اس عمل سے تکلیف نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کے نفس میں تکبر و عجب پیدا ہوتا ہو۔ ایسی حالت میں دوسری جانب کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو دست بوسی کا موقع دے۔

(۳) دنیاوی اقتدار اور حصول عزت کے لئے کسی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ چومنا ناجائز ممنوع ہے۔

(۴) ... محض رسم اور عادت کے طور پر بھی درست نہیں اور نہ اس میں حد سے تجاوز کرنا چاہئے کہ ہر وقت گلے ملنے لگیں یا بوسے دینے لگیں بلکہ کسی کے سفر سے واپسی یا رخصت کے موقع پر یا عرصہ دراز کے بعد ملاقات وغیرہ پر اللہ تعالیٰ و تبارک کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اور سادگی اور بغیر پابندی و بغیر تکلف کے علماء اور بزرگوں کے ہاتھ یا پیشانی کا بوسہ لینا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ہاتھ پاؤں چومنے کے جتنے مسائل میں نے نقل کر دیے ہیں یہ، خود ہے از کتاب ”ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت“ از مولانا محمد روج اللہ نقشبندی غفری مدظلہ العالی: ۸۶ تا ۱۰۸)

## قیام تکریمی و تعظیمی کی شرعی حیثیت

### قیام کے اقسام

☆..... کسی آدمی کے لئے کھڑا ہو جانے کی چند قسمیں ہیں:

(۱)..... اول قسم: کوئی سفر سے آنے والے کے استقبال کے لئے کھڑا ہو۔ یا آنے والے کو کسی چیز کی بشارت یا خوشخبری دینے کیلئے کھڑا ہو یا کسی مصیبت زدہ کے ساتھ ہمدردی اور تعزیت کی غرض سے یا جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے مجبوراً کھڑا ہونا۔ محبت کی وجہ سے (ایسے شخص کے لئے جس کے ساتھ محبت جائز ہو مثلاً مسلمان بھائی۔ اور کسی کی مدد، اعانت یا خدمت کی نیت سے کھڑا ہونا، مثلاً مریض کو سواری سے اتارنا چڑھانا یا تھامنا وغیرہ۔ یہ قیام کی یہ سب صورتیں بالاجماع جائز ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲)..... دوسری قسم: کسی کے آگے ایسے طریقے سے کھڑا ہونا جیسے عجیبوں کا دستور تھا کہ کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہوتا اور اس کے سامنے یا ارد گرد باقی لوگ کھڑے رہتے قیام کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۳)..... تیسری قسم: کوئی شخص دل میں یہ چاہت اور خواہش رکھے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جایا کریں۔ اس کے بارے میں شدید وعید آئی ہے اور بالاتفاق امت یہ خواہش اور آرزو ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۴)..... چوتھی قسم: کسی آدمی کے لئے صرف تعظیم و تکریم کے طور پر کھڑا ہو جانا، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ کوئی کفر و شرک جیسا شدید اختلاف نہیں بلاشبہ نماز میں کھڑا ہونا عبادت ہے لیکن ہر قسم کا قیام عبادت نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ”قوموا للہ قانتین“ کھڑے رہو اللہ کے سامنے“ کے تحت لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ نماز کی تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں۔ اگر یہ ساری حرکات نماز سے باہر بھی مطلقاً عبادت یا عبادت کے مشابہ بھی سمجھی جائیں تو اس طرح کسی کے سامنے دوزانو ہو کر التحیات کی صورت میں بیٹھنا بھی ناجائز ہوگا۔ حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جبرائیل آئے اور حضور ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر باادب بیٹھے ”فاسند رکعتہ لہی رکبتہ و وضع کفہ علی خذیہ..... الی آخر الحدیث“ (رداء البخاری، مسلم، وغیرہ)۔

علماء اور مشائخ وغیرہ کے سامنے دوزانو باادب بیٹھنا کسی کے ہاں بھی ناجائز نہیں، بالاجماع امت جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسی طرح کسی کے سامنے مطلقاً قیام بھی ممنوع نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے بہت سی صورتوں میں کسی کے لئے کھڑا ہونا بالاتفاق جائز بلکہ بعض اوقات مستحب ہے۔ مسلمان بھائی اور مہمان کے اکرام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

☆... ”عن ابن مسعود قال اذا اکرم الرجل اخاه فانما یکرم ربه“ (مجمع الزوائد: ۸/ ۱۶)

عن النبی ﷺ انه قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل الله وليكرم جاره وفي رواية من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ثلاث مرات (رواه احمد، مجمع الزوائد)

اسی طرح اپنے بڑوں، علماء اور مشائخ کی توقیر اور تعظیم کا حکم بھی ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال ليس من امتي من لم يسجل كبيرنا، الحديث .

وعن ابن عباس يرفعه النبي ﷺ قال ليس منا من لم يؤقر الكبير، الحديث (رواه احمد، مجمع الزوائد: ۱۳/۸)

### احترام کا طریقہ

اب ہم کسی کا احترام اور تعظیم کیسے کریں؟ احترام کے حدود کیا ہیں؟ شریعت اسلام نے ہمیں ان کے واضح جوابات دیئے۔ بعض جگہ روایت کے ظاہری تعارض اور دلائل کی بناء پر علماء میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے اس قسم کے اختلافات کے لئے بھی فقہاء کے ہاں حدود متعین ہوتے ہیں۔ بعض کے ہاں کوئی چیز سنت یا مستحب ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک وہ واجب یا اس کے برعکس مکروہ وغیرہ ہوتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ فقہائے کرام کے متعینہ حدود سے تجاوز نہ کریں اور ان کے اختلافات کو اپنے حدود کے اندر رہنے دیں۔

الغرض قیام کی چوتھی قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف صرف جائز اور مکروہ کی حد تک ہے اور جو لوگ اسے مکروہ فرماتے ہیں وہ من درجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”لم یکن شخص احب الیہم من رسول الله ﷺ وکانوا اذا راوه لم یقوموا لما

یعمرون من کراحتہ لذلک هذا حدیث حسن غریب“ (ترمذی ابواب الادب)

”یعنی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ تھا (اس کے باوجود) جب صحابہ آپ کو دیکھتے۔ تو آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہیں۔

(۲) ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوانؓ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ”فقال اجلسا

سمعت رسول الله ﷺ یقول من سره ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبا مقعده من النار“ (وفی الباب عن ابی

امامہ و هذا حدیث حسن“ (ترمذی ابواب ادب) ”پس حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے (تعظیماً) کھڑے ہوں پس وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔

حضرت امام ترمذیؒ اور دیگر حضرات فقہاء نے ان احادیث سے قیام کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ اب جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ

پہلی حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کا کھڑا ہونا، بے تکلفی، شدید محبت و تعلق اور تواضع کی بناء پر ناپسند تھا۔ اس

کے جواب میں قیام سے منع کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ بے تکلفی کا مطلب یہ نہیں کہ اکرام بھی نہ کیا جائے۔ (اب صحابہ کو بظاہر

اکرام کرنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ اور قیام کو جائز سمجھنے والے جواب یوں دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ سب سے آگے

چلیں۔ حالانکہ آگے چلنا کسی کے نزدیک ناجائز نہیں ہے، تو یہاں بھی کراہت طبعی مراد ہے نہ یہ کہ شرعاً مکروہ ہے۔

دوسری حدیث کے جواب میں قیام کے موافقین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تو قیام کے خواہش کرنا ممنوع ہے، یعنی اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں اور اس خواہش کی وجہ عجب و تکبر ہے۔ پس یہ خواہش تو بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے (جیسا کہ تیسری قسم کے بیان میں گزر چکا) لیکن اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک فقیہ صحابی ہیں انہوں نے تو رسول اللہ ﷺ کے قول مبارک سے ممانعت ہی مراد لی ہے اسی لئے تو انہوں نے منع فرمایا۔

اس کے جواب میں یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اُن کے تو وضع اور تقویٰ کی وجہ سے تھا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ اس حدیث کی وعید میں نہ آجائیں۔ کیونکہ وعید اسی کے لئے ہے جس کے لئے قیام کیا جاتا ہے، کھڑے ہونے والوں کے لئے تو نہیں ہے۔

لیکن اس پر یہ شبہ کیا گیا کہ لوگوں کا کھڑا ہونا سبب بن جاتا ہے خواہش قیام کا۔ تو جس طرح خواہش قیام ممنوع ہے اسی طرح اس کا سبب بھی ممنوع ہے۔ لیکن یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں قیام کی خواہش ممنوع ہے چاہے لوگ از خود کھڑے ہوں یا نہ ہوں اب اگر لوگ کسی آدمی کے لئے کھڑے نہ ہوں لیکن اس کی خواہش ہو کہ لوگ کھڑے ہوں تو یہ شخص اس وعید کے تحت آئے گا۔ بہر حال وعید صرف خواہش قیام پر وارد ہوئی ہے جس کی غرض لوگوں میں اپنے مرتبے کو دیکھنا ہے جو کہ تکبر اور تکبر ہے۔

(۳)..... "خرج رسول الله ﷺ متكئا على عصا فقمنا له فقال لا تقوموا كما يقوم الاعاحم يعظم بعضا بعضا" (ابوداؤد کتاب الادب ج ۲) "حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم ان کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم (اس طرح) مت کھڑے ہو جس طرح کہ عجمی لوگ بعض کچھ (دوسروں) کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۴).... حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ تاکہ ہم حضور ﷺ کے پاس اس منافق کے بارے میں استغاثہ دائر کریں۔ "فقال رسول الله ﷺ لا يقيم انما يلقاه الله تبارك وتعالى" یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کسی اور کے لئے نہیں کھڑا ہونا چاہئے صرف اللہ کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

(رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد و تہذیب و غیرہ وضع صحیح سنن و غیرہ و حسن الحدیث علی ما فی شذرات الذهب لابن مایہ و ترمذی و تہذیب و غیرہ ج ۱ ص ۱۰۸)

بلاشبہ یہ دونوں حدیثیں کھڑا ہونے کو واضح طور پر منع کرتی ہیں لیکن حدیث نمبر ۳ سے قیام کو ناجائز سمجھنے والے صرف وہ قیام مراد لیتے ہیں جو عجمیوں کا دستور تھا مثلاً ترکوں وغیرہ اقوام عجم کی یہ عادت تاریخ سے معلوم ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "والثالث ان يكون المقتدى جالس والناس قائمين فهذا طريق الاعاجم" یعنی تیسرا یہ ہے کہ مقتدی آدمی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے یا ارد گرد کھڑے ہوں یہی دستور عجمیوں کا ہے (عرف مقتدی من سنن الترمذی کتاب ابواب) (اب)

اسی طرح طبرانی اوسط میں انسؓ کی روایت سے ایک ضعیف حدیث بھی نقل کی ہے۔ "انما هلك من كان قبلکم بانهم عظموا ملو کھم بان قاموا و هم قعود" "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس طرح تباہ ہو گئیں کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرتے تھے اس طرح کہ وہ کھڑے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط و ترمذی و تہذیب و حوتروک)

اسی طرح مسلم کی ایک صحیح حدیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیماری میں بوجہ عذر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہؓ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز میں مشغول تھے تو جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کدتم انفسا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم و ہم قعود“ ”کہ تم عنقریب فارس اور روم کے لوگوں کا فعل کرو گے۔ کھڑے ہوتے ہیں (ارد گرد) اپنے بادشاہوں کے اور وہ (بادشاہ) بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ (مسلم کتاب الصلوات: ۱/۱۷۷)“

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع وہ قیام ہے جو عجمیوں کا دستور ہے کہ کوئی شریف تو بیٹھا رہے اور عام لوگ اس کے ارد گرد تعظیم کے لئے کھڑے ہوں۔

قیام کے مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہؓ ”کا کھڑا ہونا عجمیوں کی طرح تو نہیں تھا بلکہ وہ محض آپ ﷺ کی عزت و تکریم کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور پھر بھی رسول اللہ نے باوجود ان کے اخلاص کے، انہیں کو گویا منع فرمایا۔

اس کے جواب میں قیام کو جائز کہنے والے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صحابہؓ کو عجمیوں کی طرح کھڑے ہونے کی خبر دے رہے تھے اور (صرف) اسی طریقہ سے منع فرما رہے تھے (یعنی ان کی نفس سے منع کر رہے تھے) (پس ادب و عزت سے کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ صرف خلوص و محبت ہے)

باقی رہ گئی حدیث نمبر ۱۴ اس کے بارے میں قیام کو جائز سمجھنے والے جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے پھر بھی یہ عجمیوں کے قیام پر محمول ہے کیونکہ قیام کی وہ صورتیں جو قسم نمبر ۱ کے ذیل میں بیان ہو چکی ہیں باتفاق جائز ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قیام ممانعت صرف اسی قیام کی ہے جو عجمیوں کی رسم ہے جس کی طرف متعدد احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور وہ قیام بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔ اب جو علماء حضرات قیام کے جواز کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں

(۵) ... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو اور نشست و برخاست میں اتنا زیادہ مشابہت رکھتا ہو جتنا کہ حضرت فاطمہؓ رکھتی تھیں۔ ”اذا دخلت علیہ قام الیہا، فاخذ بیدہا فجلسہا و اجلسہا فی مجلسہ و کان اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدہ و اجلسہ فی مجلسہا“ ”یعنی جس وقت حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی، آپ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہو جاتے، اس کا ہاتھ پکڑتے اور بوسہ لیتے، اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اسے بٹھا دیتے۔ اور جب آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تو وہ آپ کی طرف کھڑے ہو جاتی، آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک پکڑتی اس کو بوسہ لیتی اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی۔ (ابوداؤد کتاب الادب ج ۱۲)

قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ قیام دونوں جانب سے قیام محبت اور قیام استقبال ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن قیام کو جائز سمجھنے والے اس جواب کو رد کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا قیام تو قیام محبت ہو سکتا ہے لیکن حضرت فاطمہؓ کا قیام تو تعظیم و تکریم ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر حضرت فاطمہؓ کا قیام بھی قیام محبت و استقبال مان لیا جائے تو یہ بعید از قیاس بات نہیں۔ اگر چہ اس میں تعظیم و تکریم کا قوی احتمال موجود ہے۔



قیام کے قائل حضرات زید بن حارثہ، عکرمہ بن ابی جہل، عدی بن حاتم، اسامہ بن شریک اور حضرت عمرؓ کی روایات و واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۶)..... حضرت زید بن حارثہ جب مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور پیشانی پہ بوسہ دیا (رواہ الترمذی، ۴، ابواب الدب) (۷)..... اور جب عکرمہ یمن سے واپس ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوئے، گلے لگایا۔ (رواہ طبرانی، معجم الزوائد، ۳۵/۱۱، وقال سندہ قوی)

(۸)..... عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کھڑے ہوتے یا حرکت فرماتے (مشکل الآثار، ۲/۳۷)

(۹)..... حضرت اسامہ بن شریک فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے لئے کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ (فتح الباری، ۱۱/۴۵، وقال سندہ قوی)

(۱۰)..... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے لئے اٹھے اور ان کے دست مبارک کو چوما۔ (فتح الباری، ۱۱/۴۵) (۱۱)..... حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ جب قبول ہوئی، اسی قصہ میں آیا ہے کہ طلحہ بن عبیدؓ اٹھ کر دوڑے اور حضرت کعبؓ کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں مبارک باد دی۔ (مشکل الآثار، ۲/۳۷)

اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات اور روایتیں احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا قیام سفر سے آنے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور عدی و عکرمہ رضی اللہ عنہم اپنے اپنے علاقہ کے رئیس تھے۔ (بلکہ حضرت عکرمہؓ تو سفر سے آئے تھے تو ان کے لئے یہ قیام فرمانا استقبال کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور عدیؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے اور حضرت عدیؓ سے مشہور الفاظ جو روایت ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ جب میں آپ ﷺ کے ہاں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ (حرکت کر کے میرے لئے جگہ کی) وسعت فرماتے) اور آپ ﷺ نے تالیف قلب کے لئے قیام فرمایا اور ان کی مدارات کی تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں یا پھر اس لئے کہ آپ ﷺ نے آثار سے ان کو اس کا متوقع پایا، اس لئے کھڑے ہوئے اسی طرح کے اور احتمالات بھی ہو سکتے ہیں۔

الغرض اسی طرح کی تمام احادیث اور روایات کو قیام استقبال، قیام محبت خوشی اور بشارت کے لئے کھڑا ہونا یا تعزیت کے لئے قیام قرار دے کر استدلال کرتے ہیں اور یہ احتمالات اتنے بعید بھی نہیں ہیں، اگرچہ بعض روایات میں اکرام کا پہلو زیادہ واضح ہے۔

(۱۲)..... جیسا کہ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب باہر تشریف لاتے تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ”حتی یدخل بیتہ“ جب تک آپ ﷺ گھر تشریف نہ لے جاتے۔ (رواہ الزوار و حکذا وجدته فیما جمعة ولعلہ عن محمد بن بلال عن ابیہ عن ابی ہریرۃ و هو الظاہر فان ہلالا تابعی ثقة روی عن محمد بن ابی ہلال عن ابیہ عن حدہ و هو بعید و رجال البزار ثقات، مجمع الزوائد، ۴۰/۸، وفي مشکل الآثار للإمام جعفر الطحاوی عن محمد ابن ہلال عن ابیہ عن ابی ہریرۃ نحوه) (مشکل الآثار، ۲/۳۸)

قیام کے مخالفین اس کے کئی جوابات دیتے ہیں۔ یہ قیام بوجہ ضرورت تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام کے لئے جانا چاہتا تھا۔ یا چونکہ نبی

کریم ﷺ کے گھر کا دروازہ مسجد میں تھا اور مسجد فراخ نہ تھی اس لئے صحابہ کھڑے ہو جایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ باسانی گھر تشریف لے جاسکیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو صحابہ خدمت کے لئے تیار ہوں۔ یعنی یہ قیام، قیام خدمت تھا۔

(۳) قیام کی جائز قرار دینے والے حضرات سعد بن معاذؓ کی صحیح حدیث جس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، اسی حدیث سے امام بخاریؒ، مسلم اور ابوداؤدؒ نے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب (یہود) بنو قریظہ اس وعدہ پر اترے کہ جو فیصلہ بھی حضرت سعد کریں گے، وہ انہیں قابل قبول ہوگا (تو) رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب ہی تھے پس گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ ”فلما دنا من المسجد قال رسول الله ﷺ للانصار قوموا الی سیدکم“ یعنی جس وقت حضرت سعدؓ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری کتاب الاستیذان، دسم کتاب الجہاد)

اس کے جواب میں قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیام تعظیمی کے لئے نہ تھا بلکہ سعد بن معاذؓ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی مرہم پٹی کی گئی تھی، ان کو گدھے سے اتارنے کے لئے آپ ﷺ نے لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ قیام مدد اور معاونت کے لئے تھا۔ اگر یہ قیام تعظیمی ہوتا تو یوں فرماتے ”قوموا لیسیدکم“ یعنی اپنے سردار کی خاطر کھڑے ہو جاؤ، بلکہ بعض روایات میں زیادہ وضاحت بھی آئی ہے کہ ”قوموا الی سیدکم فانزلوہ“ اپنے سردار کی طرف اٹھو اور ان کو سواری سے اتار لو۔

مخالفین قیام کے اس استدلال کا جواب موافقین حضرات یوں دیتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ ان کے پاس جا کر ان کی تعظیم و تکریم کے لئے سواری سے اتار لو۔ اور اس بات پر قرینہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ اپنے سردار کی طرف اٹھو (کھڑے ہو) تو لفظ سے ان کی تکریم و تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

### فقہاء کرام کے اقوال

مذکورہ بالا روایات میں قیام کی ممانعت اور جواز یعنی دونوں جانب بحث و کلام کی گنجائش موجود ہے اور علماء کرام نے ان پر بہت طویل بحثیں کی ہیں۔ حضرت نوویؒ نے قیام کے جواز پر پوری کتاب لکھی ہے اور طبرانیؒ وغیرہ نے اس کے جواز میں روایات و واقعات نقل کر کے ان روایات کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے قیام کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور ان کی عمدہ تاویلیں بھی فرمائی ہیں۔

(۲) ابن الحیثمؒ وغیرہ نے اختلافی قیام کے ناپسندیدہ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پوری تفصیل سے مدلل بحث کی ہے اور انہوں نے حضرت امام نوویؒ کے پوری رسالہ کو اپنی کتاب مدخل میں نقل کر کے اس سے عمدہ جوابات دیئے ہیں۔ جن کو فتح الباری نے بہت جامع اور مختصر انداز سے نقل کیا ہے۔ جمہور علماء نے اہل فضل حضرات کے آنے پر ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کو جائز بلکہ مستحب فرمایا ہے۔

(۳) ... چنانچہ مجمع البحار میں ہے: ”واحتج به الجماهير لا كرام الفضل بالقيام اذا اقلوا“۔ (مجمع البحرین ۱۸۲/۳)

یعنی جمہور علمائے کرام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل فضل کے اکرام کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے جب وہ آئیں۔

(۴) ... اور در مختار میں ہے آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب ہے۔

(۵) ..... اور حضرت امام حنبلؒ فرماتے ہیں: ”ورجع المنذرى ماتقدم من الجمع عن قتبية والبخارى ان القيام المنهى عنه

ان يقام عليه وهو جالس“ (فتح الباری: ۳۹/۱۱)

یعنی منذریؒ نے حضرت قتیبہؒ اور بخاریؒ سے (منع اور جواز کی روایات و واقعات میں جو تطبیق کی گئی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی (اس کو) پسند فرمایا ہے اور ترجیح دی ہے (یعنی کسی مسلمان بھی کسی کے اکرام کے لئے قیام جائز ہے) اور ممنوع وہ قیام ہے کہ (کسی شخص کے ارد گرد یا سامنے) لوگ کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔

(۶) ..... طحاویؒ شرح در مختار میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علماء تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں مختلف ہو گئے ہیں۔ بعض نے منع کیا ہے بوجہ ابوداؤد کی حدیث کے جو انہوں نے ابوامامہ سے روایت کی ہے پھر اس کو پورا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ بعض نے اس کو (قیام کو) جائز کہا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے لئے قیام کرتے تھے اور بعضوں نے اس میں تفصیل کی ہے جیسے قاضی خان فرماتے ہیں: ”یعنی کوئی قوم یا فرد تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور اس پر کوئی اہل فضل و شرف میں سے داخل ہو جائے تو (علماء) فرماتے ہیں کہ اگر وہ عالم ہو یا اس کا والد یا اس کا استاذ ہو تو اس (قرآن پڑھنے والے) کے لئے جائز ہے کہ ان کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے کھڑا ہونا درست نہیں۔ اور مجمع الفتاویٰ انطاکی میں ہے کہ جب اس سے زیادہ عالم یا اس کا ایسا استاذ جس نے اس کو قرآن مجید یا علم سیکھایا ہو، یا اس کا باپ ماں آجائے تو ان کے لئے کھڑا ہونا جائز اور ان کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں، اگر چہ آنے والا اہل فضل و شرافت والا ہو۔ اور شرنبلالیؒ نے ابن وہبان سے نقل کیا ہے جس پر انہوں نے تصریح کی ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں یہ کھڑا ہونا مستحب ہونا چاہئے۔ (الطحاوی علی در مختار: ۱۹۲/۳)

(۷) ... اور رد المحتار میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی قنویہ میں ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا ایسے آدمی کے لئے کھڑا ہونا جو اس پر داخل ہو اور تلاوت قرآن کرنے والے کا ایسے آدمی کے لئے جو اس کے پاس آئے تعظیماً کھڑا ہونا مکروہ نہیں، جب کہ وہ تعظیم کا مستحق ہو اور حضرت امام طحاویؒ کی کتاب مشکل لا ُثار میں ہے کہ غیر کے لئے کھڑا ہونا بذاتِ خود مکروہ نہیں بلکہ مکروہ قیام کی محبت و خواہش ہے ایسے شخص کے لئے جس کے لئے (لوگ) کھڑے ہو جایا کرتے ہیں اور اگر (کوئی) کھڑا ہو گیا ایسے آدمی کے لئے جس کے لئے (لوگ) کھڑے نہیں ہوا کرتے تو مکروہ نہیں۔

آگے جا کر فرماتے ہیں کہ: اور جو وعید (حدیث شریف میں) اس پر (قیام پر) آئی ہے تو وہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو اپنے سامنے لوگوں کے کھڑا ہونے کو پسند کرتا ہو، جیسا کہ ترک اور عجمی لوگ کرتے ہیں۔ (رد المحتار: ۲۴۶، ۵۰، مشیل آ: ۳۹/۲۰)

(۸) ..... ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بھی کچھ اختلاف ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے یا تلاوت کرنے والے شخص کے لئے کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا ناجائز۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ قاضی خان وغیرہ مسجد میں کھڑا ہونے کی اجازت دیتے ہیں لیکن کنز العباد وغیرہ میں تعظیم و تکریم

کے لئے مسجد میں کھڑا ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے: ”لا تعظمونی فی بیت ربی“ یعنی میرے رب کے گھر میں میری تعظیم نہ کیا کریں۔“

اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابو مسعود نقل فرماتے ہیں: کہ اس لئے ہمارے سلف اپنے شاگردوں کو وصیت فرماتے ہیں کہ ان کے لئے مسجد میں کھڑے نہ ہوں جس وقت وہ درس دیتے ہیں اور فرمایا کہ اس میں ہمارے زمانے کے متعارف قیام جو درس کے اختتام پر مسجد سے خارج ہوتا ہے (فتح المعین للعلامہ السعدی ۴/۳۰۲) جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ان تمام عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس قیام کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لئے تعظیماً کھڑا ہو جائے یا نہ۔ اکثر اس کے جواز بلکہ استحباب کے قائل ہیں بشرطیکہ آنے والا شخص اہل فضیلت میں سے ہو اور تعظیم و تکریم کا مستحق ہو، بلکہ بعض علماء کے اقوال سے تنازع فیہ قیام بھی کچھ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

جیسے ملا علی فرماتے ہیں: یعنی امام حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے بطور تعظیم کھڑا ہونا مکروہ ہے اور (صرف) اکرام کے لئے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ (امروۃ باب القیام ۵۸۲/۴)

اور فتح الباری میں اس بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں: امام غزالی فرماتے ہیں کہ قیام بطور تعظیم مکروہ ہے اور جو اکرام کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں اور یہ اچھی تفصیل ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۲۳)

اب اگر اس سے مراد یہی ہو جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عجمیوں کے دستور کے مطابق کھڑا ہونا تو ممنوع ہے اور علماء و مشائخ کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے (جیسا کہ علامہ علی قاریؒ اس تفصیل سے گویا یہی مطلب سمجھا ہے۔

جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ مذکورہ بالا قول کے تحت لکھتے ہیں: شاید امام حجۃ الاسلام کی مراد قیام اکرام سے قیام تحیۃ و سلام ہو جو کہ محبت کے بڑھانے کے لئے ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس پر مصافحہ دلالت کرتا ہے اور قیام اعظام سے مراد ان کا وہ قیام ہو جس میں وہ امراء اور بڑے لوگوں کی عادت کے مطابق بیٹھنا ہو اور لوگ اس کے لئے سیدھے (تعظیم کے لئے) کھڑے ہوں۔ (المرقۃ ۴/۵۸۲)

”حيث قال اولاً باب فى القيام الاحاديث التى تدل على الجواز ثم ترجم بعد تسعة ابواب، باب الرجل ليقوم للرجل يعظمه بذلك“ (كتاب الادب ابوداود)

پھر تو جمہور علماء کے قول اور اس میں کوئی فرق نہیں اور اگر اس قول سے مراد ان کا اسی قیام تعظیم و تکریم جو دینی شرف ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہو پھر تو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ اور اکرام کی خاطر جائز ہے۔ اسی طرح گویا تنازع فیہ قیام ہی میں تفصیل (یا فرق) کرنا مقصود ہوا اور امام ابن حجرؒ نے آخر میں ہذا تفصیل حسن فرما کر غالباً یہی فرق مراد لیا ہے کیونکہ بظاہر الفاظ اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں۔

اور امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں جواز اور منع پر جو مختلف ابواب جس انداز سے وضع کئے ہیں اور اسی طرح بعض دوسرے حضرات کے اقوال سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ قیام تعظیم کو مکروہ فرماتے ہیں اگرچہ عجم کا دستور نہ بھی ہو۔ لیکن مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے

قیام کو جائز فرماتے ہیں، بہر حال اگر اس تفصیل (فرق) کو تعظیمی قیام ہی میں مان لیا جائے تو شاید پھر اس کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہ رہے گا۔ کیونکہ مجلس سے فراغت کے بعد صحابہؓ کا قیام اور انتظار فرمانا حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لے جاتے اس روایت کو ضرورت پر اور حضرت فاطمہؓ کے قیام کو محبت اور انصار کے قیام کو حضرت معاذؓ کی مدد پر محمول کیا جائے (اگرچہ ان روایات میں قیام تعظیم کی کافی گنجائش ہے، تب بھی ان کو اکرام سے خالی ماننے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ ان سارے واقعات میں اکرام و احترام کا تصور بھی موجود ہے۔ پھر محبت و اکرام کے حکم میں بھی کوئی خاص فرق نہیں جیسے محبت اپنے محل و موقع میں جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان بھائی کا اکرام اور مہمان کا اکرام چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، بھی ضروری ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

البتہ کسی غیر کی توقیر و تعظیم اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن پھر بھی اکرام اور تعظیم کے حکم میں فرق صاف طور پر واضح ہے ہمیں بعض لوگوں کا اکرام کرنے کا تو حکم ہے لیکن تعظیم کی ممانعت ہے جیسے کافر مہمان وغیرہ کا اکرام جائز اور اس کی تعظیم ممنوع ہے۔

اور علامہ ابن عابدینؒ کسی آنے والے کے لئے ذبح کرنے کے حکم میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فان قصد التعظیم لا تحل... وان قصد الاکرام تحل“ ”یعنی اگر ذبح کرنے میں نیت اور قصد تعظیم کی ہے تو یہ مذبح حلال نہیں اور اگر قصد اکرام کی ہے تو حلال ہے۔ (رد المحتار: ۱۹۶/۵)

### قیام اکرام اور قیام تعظیم میں فرق

اب سوال یہ ہے کہ قیام تعظیم اور قیام اکرام میں فرق کیسے کیا جائے۔ اس فرق کو علماء کے اقوال سے کچھ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی شخص آئے اور آپ کے لئے کھڑے ہو جائیں، آگے بڑھ کر مصافحہ و سلام کریں اور اپنی جگہ پر بیٹھائیں یا پھر کسی کو رخصت کرتے وقت اس کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ۔ یہ سب کچھ اکرام و احترام میں داخل ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی غیر آپ کی طرف نہ آ رہا ہو، کسی دوسری طرف جا رہا ہو یا ویسے ہی راستے سے گزر رہا ہو، اس کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا۔ یہ برتاؤ اکرام سے باہر اور تعظیم میں داخل ہے۔ اسی طرح اور بھی قرائن ہو سکتے ہیں، جن کے ذریعے قیام اکرام اور قیام تعظیم میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ اسی فرق کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ کے قول سے بھی اشارہ مل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: قیام کے تین مراتب ہیں (پہلایہ) کسی کے سر پر (یعنی ارد گرد سامنے جب کہ وہ بیٹھا ہو) یہ تو جابر اور متکبر لوگوں کا فعل ہے (جو بالاتفاق ناجائز ہے) (دوسرا یہ کہ) کسی کے لئے کھڑے ہو جانا جب وہ آئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور (تیسرا یہ کہ) اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو جائے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ (فتح الباری: ۴۰۱)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: قیام کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ مقتدی اور پیشوا آدمی کسی ضرورت سے کسی دوسری طرف جا رہا ہو اور قیام کرنے والے شخص کی طرف نہیں آتا تو اس شخص کا قیام (اس مقتدی) کے لئے منع ہے۔ دوسری قسم یہ کہ مقتدی (امام) آدمی اس کھڑے ہونے والے شخص کے پاس آ رہا ہو تو اس آدمی کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ (لیکن) میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قیام بھی ناپسندیدہ ہے جب کہ اس میں مبالغہ کیا جائے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مقتدی بیٹھا ہو اور وہ لوگ (اس کے سامنے یا ارد گرد) کھڑے ہوں۔ یہی اعاجم کا دستور ہے۔ (عرف الشذی علی حاشیہ الترمذی باب الادب)

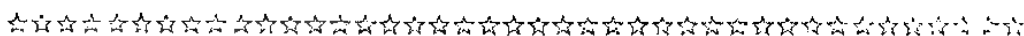
ان عبارات میں غور کرنے سے اکرام کے قیام اور تعظیم کے قیام میں فرق واضح ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی آمد پر اس کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ علامہ ابن قیمؒ متازع فیہ قیام میں، قیام سے منع کرنے والے حضرات کے ساتھ ہیں۔ لیکن پھر بھی اوپر بیان کردہ دوسری قسم کے قیام کو مکروہ اور ناجائز نہیں فرماتے۔ جس اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ قیام جس میں اختلاف ہے۔ صرف وہی قیام تعظیم و تکریم ہے جو علماء کرام اور مشائخ عظام کی عظمت و تعظیم کی وجہ سے کیا جائے۔ و اللہ اعلم۔

تنبیہ: بہر حال یہیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قسم کے اختلاف کو چاہے کتنا ہی شدید طور پر متنازع فیہ کیوں نہ ہوں، کفر و شرک کے برابر اختلاف بن لینا یا کفر و شرک جیسا اختلاف بنانا اور عوام کو اس غلط نظریہ کا باور کرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

چاہے کوئی قیام کو جائز سمجھتا ہو یا اس کا مخالف ہو، دونوں کے لئے ایک دوسرے پر بے جا الزامات لگانا کوئی دینی خدمت نہیں۔ اسی طرح قیام و تعظیم و تکریم کو جائز سمجھ کر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ رکوع اور سجدہ تعظیم بھی جائز ہیں یہ بھی بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدہ تحیہ کی حرمت صراحۃً ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ”ایسحنی بعضنا بعضا“ (کیا ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کے لئے جھکے؟ تو فرمایا کہ نہیں) اور جب آپ ﷺ کی ذات مبارک ہی کے لئے سجدہ کرنے کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قیام کی بعض قسمیں تو باجماع امت جائز اور ثابت ہیں۔ لیکن سجدہ اور رکوع کی کوئی قسم بغرض تحیہ دین اسلام میں جائز نہیں اور نہ صراحۃً ثابت ہے۔

(از حضرت مولانا مفتی محمد مختار لدین صاحب کربوٹہ شریف، خدیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، بحوالہ ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیف کی شرعی

(حیثیت: ۱۰۹۵۸۸)



## اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام کے نزدیک سنت، و بدعت کی حقیقت

یہاں ان لوگوں کے اعتراضات دفع کرتا ہو جو یہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کرام بدعت، اور شرک کرتے ہیں، ولی اور نبی ﷺ کو نور ذاتی، عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ باتیں بالکل غلط اور تصوف سے جہالت کی علامت ہے۔ لہذا یہاں سنت اور بدعت کے درمیان فرق اور ان کے تفصیلات درج کیئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ صوفیاء کرام بدعتی نہیں ہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعت ہیں، اور یہ کہ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ فاعلموا۔

(۱) ... نبی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹی تھی، امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا باقی اپنے غلط عقائد و نظریات کی بناء پر دوزخ میں جائیں گے، فرقہ ناجیہ کو حدیث میں ”ما انا علیہ واصحابی“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا معنی ”اہل السنۃ والجماعۃ“ ہے فرقہ ناجیہ یا اہل السنۃ والجماعت کون ہیں، ان کی چند علامتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ وہ ہیں جو قرآن کریم، سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کے طریق پر بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ جو تنازع اور اختلاف کے وقت کلام اللہ اور کلام الرسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان پر کسی کے قول کو مقدم نہیں کرتے، جو تمام اسلامی عقائد کو ان کی صحیح اور اصلی شکل میں قبول کرتے ہیں اور کسی عقیدے کے بارے میں غلو یا افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتے۔ جو کسی بھی طور پر غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے، غیر اللہ سے حاجتیں اور مرادیں نہیں مانگتے، غیر اللہ کو دعاء اور استغاثت کیلئے نہیں پکارتے، غیر اللہ کی نذر و نیاز نہیں مانتے اور غیر اللہ کے نام پر جان و روزنہ نہیں کرتے، جو اپنی تمام عبادات، معاملات، سلوک اور زندگی کے طور طریقوں میں سنت کو اختیار کرتے ہیں اور ہر قسم کی بدعات و خرافات سے بچتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کے علاوہ امت میں سے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے اور نہ ہی امت میں کسی کے ہر قول کو بلا احتمال خطا صواب قرار دیتے ہیں، جو تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام اولیاء اور آئمہ مجتہدین کا احترام کرتے ہیں اور غیر مجتہد کے لئے تقلید کو ضروری قرار دیتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور اس میں طریق مبتدع سے اجتناب کرتے ہیں۔ (دیکھئے النہج، ص ۳۶، مجمع سہم ۲، ۱۲۷، جامع ترمذی ۲، ۸۹ غیۃ المصابین ۱۹۵، شریعت ابن کثیر ۲، ۱۲۰، طحاوی، سنن، ج ۲، ص ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹

تو یہ ”احداث للدين“ ہے ”احداث فی الدین“ نہیں۔ اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا، جیسے حفاظت دین کے لئے مدارس و مکاتب کا قیام یہ کوئی دین نہیں بلکہ دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے، لہذا یہ بدعت نہیں۔

”فلم يتعلق بها امر تعبدی يقال فى مثله بدعة، الا على فرض ان يكون من السنة ان لا يقرأ العلم الا بالمساجد وهذا لا يوجد بل العلم كان فى الزمان اول يث بكل مكان من مسجد او منزل ، او سفر او حضر او غير ذلك حثفى الاسواق ، فاذا اعدا حد من الناس مدرسة يعنى باعدادها الطلبة فلا يزيد ذلك على اعداده له منزلا من منازلہ ، او حائطا من حوائطہ او غير ذلك فاين مدخل البدعة هاهنا؟“ (الاعتصام: ۱/۱۶۲)

(۴)..... بدعت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک منشاء ماثور کے بغیر دین میں کسی نئی چیز کا اختراع کرنا اور دوسرے اس چیز کو جزو دین سمجھنا، جس چیز میں یہ دونوں باتیں ہوں گی وہ بدعت کہلائے گی۔ اگر کسی چیز میں ایک بات ہو دوسری نہ ہو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ (فتح الباری ۳/۴۱۶) ملاحظہ فرمائیں: الاعتصام ۱/۱۶۲، ۱۹، شرح القصد ۳/۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲،



تسلک دائمی مضامین التشريع، وانما هذا الوصف بالبدع المحدثات۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۸۵) (۶) (الاعتصام: ۳۵۰۱)

### بدعت کی حکم کے اعتبار سے اقسام

بدعت کی حکم کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں (۱)۔ ایک بدعت فی العقیدہ (۲)۔ دوسری بدعت فی العمل۔

بدعت فی العقیدہ کبھی مخرج ملت ہوتی ہے اور کبھی مخرج ملت نہیں ہوتی، یعنی اس بدعت کا مرتکب بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مخرج ملت ہونے کی صورت میں اس کو بدعت مکفر کہا جاتا ہے، اور بدعت فی العمل مخرج ملت نہیں ہوتی البتہ موجب فسق و ضلالت ضرور ہے، اس کو بدعت مفترکہ کہا جاتا ہے۔

(۸)۔..... زمانہ کی نئی نئی ایجادات اور رہن بہن کے نئے نئے طور طریقے بدعت نہیں ہیں، اس لیے کہ ان پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ ”البدعة طريقة في الدين مخترعة تصاهي الشرعية يقصد بالسلوك عليها ما يقصد بالطريقة الشرعية“ ولا بد من بيان الفاظ هذا الحد فالطريقة والطريق والسبيل والسنن هي بمعنى واحد وهو مارسم للسلوك عليه وانما قيدت بالدين لانها فيه تخرج واليه يضيفها صاحبها وايضا فلو كانت طريقة مخترعة في الدنيا على الخصوصي لم تسم بدعة كاحداث الصنائع والبلدان التي لا عهد بها فيما تقدم“ (الاعتصام: ۹۱/۱)

(۹)۔..... بدعت کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً: احکام شریعت سے جہالت یا انہیں پس پشت ڈالنا، اتباع خواہشات، تعصب دینی اور تہذیب الکفار وغیرہ۔

”هذه الاسباب الثلاثة راجعة في التحصيل الى وجه واحد: وهو الجهل بمقاصد الشريعة، والتخرص على معانيها بالظن من غير تثبت او الاخذ فيها بالنظر الاول، ولا يكون ذلك من راسخ في العلم الا ترى ان الخوارج كيف خرجوا عن الدين كما يخرج السهم من الصيد المرمي“۔ (الاعتصام: ۱۵۶/۲، ۱۵۷)

(۱۰)۔..... خلافت راشدہ کا زمانہ سنت کا زمانہ ہے اس کے بعد دوسرے صدی ہجری تک کا زمانہ بھی سنت ہی کا زمانہ ہے، دوسری صدی ہجری میں بدعات کا آغاز ہوا، اس وقت موجود صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل علم نے بدعات کی بھرپور تردید فرمائی، سب سے پہلی بدعت، انکار تقدیر کی بدعت ہے، پھر ارجاء، رفض، خروج اور اعتزال وغیرہ بدعات نے جنم لیا۔

”الثالثة: اول بدعة ظهرت بدعة القدر وبدعة الارحاء وبدعة التشيع والخوارج، وهذه البدع ظهرت في القرن الثاني والصحابة موجودون وقد انكروا على اهلها كما سيأتي بيان ذلك ثم ظهرت بدعة الاعتزال ولم يزل المسلمون على النهج الاول ولزوم ظاهر السنة وما كان عليه الصحابة الى ان حدثت الفتن بين المسلمين والبغى على ائمة الدين وظهر اختلاف الآراء والميل الى البدع والاهواء وكثرت المسائل والوقعيات الرجوع الى العلماء في المهمات. فاشتغلوا بالنظر والاستدلال واستنباط النتائج وتمهيد القواعد وانتاج القضايا

والفوائد واخذوا فی التبویب والتفصیل، والترتیب والتأصیل“۔ (شرح عقیدہ سفارینیہ: ۷/۱)۔

(۱۱)۔ کوفہ، بصرہ، شام اور خراسان سے بالترتیب شیخ، ارجاء، قدر و اعتزال اور ہمہ وغیرہ نے جنم لیا، مدینہ منورہ مرکز علم نبوت ہونے کی بناء پر بدعت سے محفوظ رہا، تاہم مقام حروراء خارجیوں کا گڑھ رہا ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: الارشاد الی صحیح الاعتقاد: ۲۹۷، ۲۹۸ بحوالہ العقیدۃ الحنفیہ: ۲۹)

(۱۲)۔۔۔ عصر حاضر میں بھی بہت ساری بدعات و خرافات، رائج ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، مثلاً: عرس کرنا، قبروں پر چراغ جلانا، چادریں اور غلاف ڈالنا، پختہ قبریں بنانا، قبروں پر گنبد بنانا، میت کا قل، تہجہ، چالیسواں اور برسی وغیرہ کرنا، اذان کے اول یا آخر میں زائد کلمات مثلاً صلوة وسلام وغیرہ کا اضافہ کرنا، نماز کے بعد باواز بلند مخصوص ہیئت کے ساتھ مخصوص ذکر کرنا، گیارہویں کا قتل ہونا، نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا، تعزیہ بنانا، محرم میں پانی کی سبیل لگانا، (مروجہ) عید میلاد النبی منعقد کرنا، میلاد کے جلوس نکالنا، کوٹھے پکانا، اذان میں انگوٹھے چومنا، کسی خاص عمل یا خاص ذکر کو اپنی طرف سے اس نیت کے ساتھ کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا کہ ایسا کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا، حیلہ، اسقاط کرنا، خاص ایام یا خاص راتوں میں مخصوص طریق پر نوافل پڑھنا، مخصوص طریقے پر اور مخصوص آیات کے ذریعے ایصال ثواب کرنا، ایصال ثواب کے لئے کسی مخصوص دن یا وقت کا تعین کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۱، صحیح مسند: ۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۵/۱، ۱۰۵/۲، کتاب الاثر امام محمد: ۹۶-۹۷، فتاویٰ رازیہ: ۸۱/۱، ۸۱/۲، مدارج النبوة: ۱۰/۱، ۱۰/۲، ۱۰/۳، ۱۰/۴، ۱۰/۵، ۱۰/۶، ۱۰/۷، ۱۰/۸، ۱۰/۹، ۱۰/۱۰، ۱۰/۱۱، ۱۰/۱۲، ۱۰/۱۳، ۱۰/۱۴، ۱۰/۱۵، ۱۰/۱۶، ۱۰/۱۷، ۱۰/۱۸، ۱۰/۱۹، ۱۰/۲۰، ۱۰/۲۱، ۱۰/۲۲، ۱۰/۲۳، ۱۰/۲۴، ۱۰/۲۵، ۱۰/۲۶، ۱۰/۲۷، ۱۰/۲۸، ۱۰/۲۹، ۱۰/۳۰، ۱۰/۳۱، ۱۰/۳۲، ۱۰/۳۳، ۱۰/۳۴، ۱۰/۳۵، ۱۰/۳۶، ۱۰/۳۷، ۱۰/۳۸، ۱۰/۳۹، ۱۰/۴۰، ۱۰/۴۱، ۱۰/۴۲، ۱۰/۴۳، ۱۰/۴۴، ۱۰/۴۵، ۱۰/۴۶، ۱۰/۴۷، ۱۰/۴۸، ۱۰/۴۹، ۱۰/۵۰، ۱۰/۵۱، ۱۰/۵۲، ۱۰/۵۳، ۱۰/۵۴، ۱۰/۵۵، ۱۰/۵۶، ۱۰/۵۷، ۱۰/۵۸، ۱۰/۵۹، ۱۰/۶۰، ۱۰/۶۱، ۱۰/۶۲، ۱۰/۶۳، ۱۰/۶۴، ۱۰/۶۵، ۱۰/۶۶، ۱۰/۶۷، ۱۰/۶۸، ۱۰/۶۹، ۱۰/۷۰، ۱۰/۷۱، ۱۰/۷۲، ۱۰/۷۳، ۱۰/۷۴، ۱۰/۷۵، ۱۰/۷۶، ۱۰/۷۷، ۱۰/۷۸، ۱۰/۷۹، ۱۰/۸۰، ۱۰/۸۱، ۱۰/۸۲، ۱۰/۸۳، ۱۰/۸۴، ۱۰/۸۵، ۱۰/۸۶، ۱۰/۸۷، ۱۰/۸۸، ۱۰/۸۹، ۱۰/۹۰، ۱۰/۹۱، ۱۰/۹۲، ۱۰/۹۳، ۱۰/۹۴، ۱۰/۹۵، ۱۰/۹۶، ۱۰/۹۷، ۱۰/۹۸، ۱۰/۹۹، ۱۰/۱۰۰، ۱۰/۱۰۱، ۱۰/۱۰۲، ۱۰/۱۰۳، ۱۰/۱۰۴، ۱۰/۱۰۵، ۱۰/۱۰۶، ۱۰/۱۰۷، ۱۰/۱۰۸، ۱۰/۱۰۹، ۱۰/۱۱۰، ۱۰/۱۱۱، ۱۰/۱۱۲، ۱۰/۱۱۳، ۱۰/۱۱۴، ۱۰/۱۱۵، ۱۰/۱۱۶، ۱۰/۱۱۷، ۱۰/۱۱۸، ۱۰/۱۱۹، ۱۰/۱۲۰، ۱۰/۱۲۱، ۱۰/۱۲۲، ۱۰/۱۲۳، ۱۰/۱۲۴، ۱۰/۱۲۵، ۱۰/۱۲۶، ۱۰/۱۲۷، ۱۰/۱۲۸، ۱۰/۱۲۹، ۱۰/۱۳۰، ۱۰/۱۳۱، ۱۰/۱۳۲، ۱۰/۱۳۳، ۱۰/۱۳۴، ۱۰/۱۳۵، ۱۰/۱۳۶، ۱۰/۱۳۷، ۱۰/۱۳۸، ۱۰/۱۳۹، ۱۰/۱۴۰، ۱۰/۱۴۱، ۱۰/۱۴۲، ۱۰/۱۴۳، ۱۰/۱۴۴، ۱۰/۱۴۵، ۱۰/۱۴۶، ۱۰/۱۴۷، ۱۰/۱۴۸، ۱۰/۱۴۹، ۱۰/۱۵۰، ۱۰/۱۵۱، ۱۰/۱۵۲، ۱۰/۱۵۳، ۱۰/۱۵۴، ۱۰/۱۵۵، ۱۰/۱۵۶، ۱۰/۱۵۷، ۱۰/۱۵۸، ۱۰/۱۵۹، ۱۰/۱۶۰، ۱۰/۱۶۱، ۱۰/۱۶۲، ۱۰/۱۶۳، ۱۰/۱۶۴، ۱۰/۱۶۵، ۱۰/۱۶۶، ۱۰/۱۶۷، ۱۰/۱۶۸، ۱۰/۱۶۹، ۱۰/۱۷۰، ۱۰/۱۷۱، ۱۰/۱۷۲، ۱۰/۱۷۳، ۱۰/۱۷۴، ۱۰/۱۷۵، ۱۰/۱۷۶، ۱۰/۱۷۷، ۱۰/۱۷۸، ۱۰/۱۷۹، ۱۰/۱۸۰، ۱۰/۱۸۱، ۱۰/۱۸۲، ۱۰/۱۸۳، ۱۰/۱۸۴، ۱۰/۱۸۵، ۱۰/۱۸۶، ۱۰/۱۸۷، ۱۰/۱۸۸، ۱۰/۱۸۹، ۱۰/۱۹۰، ۱۰/۱۹۱، ۱۰/۱۹۲، ۱۰/۱۹۳، ۱۰/۱۹۴، ۱۰/۱۹۵، ۱۰/۱۹۶، ۱۰/۱۹۷، ۱۰/۱۹۸، ۱۰/۱۹۹، ۱۰/۲۰۰، ۱۰/۲۰۱، ۱۰/۲۰۲، ۱۰/۲۰۳، ۱۰/۲۰۴، ۱۰/۲۰۵، ۱۰/۲۰۶، ۱۰/۲۰۷، ۱۰/۲۰۸، ۱۰/۲۰۹، ۱۰/۲۱۰، ۱۰/۲۱۱، ۱۰/۲۱۲، ۱۰/۲۱۳، ۱۰/۲۱۴، ۱۰/۲۱۵، ۱۰/۲۱۶، ۱۰/۲۱۷، ۱۰/۲۱۸، ۱۰/۲۱۹، ۱۰/۲۲۰، ۱۰/۲۲۱، ۱۰/۲۲۲، ۱۰/۲۲۳، ۱۰/۲۲۴، ۱۰/۲۲۵، ۱۰/۲۲۶، ۱۰/۲۲۷، ۱۰/۲۲۸، ۱۰/۲۲۹، ۱۰/۲۳۰، ۱۰/۲۳۱، ۱۰/۲۳۲، ۱۰/۲۳۳، ۱۰/۲۳۴، ۱۰/۲۳۵، ۱۰/۲۳۶، ۱۰/۲۳۷، ۱۰/۲۳۸، ۱۰/۲۳۹، ۱۰/۲۴۰، ۱۰/۲۴۱، ۱۰/۲۴۲، ۱۰/۲۴۳، ۱۰/۲۴۴، ۱۰/۲۴۵، ۱۰/۲۴۶، ۱۰/۲۴۷، ۱۰/۲۴۸، ۱۰/۲۴۹، ۱۰/۲۵۰، ۱۰/۲۵۱، ۱۰/۲۵۲، ۱۰/۲۵۳، ۱۰/۲۵۴، ۱۰/۲۵۵، ۱۰/۲۵۶، ۱۰/۲۵۷، ۱۰/۲۵۸، ۱۰/۲۵۹، ۱۰/۲۶۰، ۱۰/۲۶۱، ۱۰/۲۶۲، ۱۰/۲۶۳، ۱۰/۲۶۴، ۱۰/۲۶۵، ۱۰/۲۶۶، ۱۰/۲۶۷، ۱۰/۲۶۸، ۱۰/۲۶۹، ۱۰/۲۷۰، ۱۰/۲۷۱، ۱۰/۲۷۲، ۱۰/۲۷۳، ۱۰/۲۷۴، ۱۰/۲۷۵، ۱۰/۲۷۶، ۱۰/۲۷۷، ۱۰/۲۷۸، ۱۰/۲۷۹، ۱۰/۲۸۰، ۱۰/۲۸۱، ۱۰/۲۸۲، ۱۰/۲۸۳، ۱۰/۲۸۴، ۱۰/۲۸۵، ۱۰/۲۸۶، ۱۰/۲۸۷، ۱۰/۲۸۸، ۱۰/۲۸۹، ۱۰/۲۹۰، ۱۰/۲۹۱، ۱۰/۲۹۲، ۱۰/۲۹۳، ۱۰/۲۹۴، ۱۰/۲۹۵، ۱۰/۲۹۶، ۱۰/۲۹۷، ۱۰/۲۹۸، ۱۰/۲۹۹، ۱۰/۳۰۰، ۱۰/۳۰۱، ۱۰/۳۰۲، ۱۰/۳۰۳، ۱۰/۳۰۴، ۱۰/۳۰۵، ۱۰/۳۰۶، ۱۰/۳۰۷، ۱۰/۳۰۸، ۱۰/۳۰۹، ۱۰/۳۱۰، ۱۰/۳۱۱، ۱۰/۳۱۲، ۱۰/۳۱۳، ۱۰/۳۱۴، ۱۰/۳۱۵، ۱۰/۳۱۶، ۱۰/۳۱۷، ۱۰/۳۱۸، ۱۰/۳۱۹، ۱۰/۳۲۰، ۱۰/۳۲۱، ۱۰/۳۲۲، ۱۰/۳۲۳، ۱۰/۳۲۴، ۱۰/۳۲۵، ۱۰/۳۲۶، ۱۰/۳۲۷، ۱۰/۳۲۸، ۱۰/۳۲۹، ۱۰/۳۳۰، ۱۰/۳۳۱، ۱۰/۳۳۲، ۱۰/۳۳۳، ۱۰/۳۳۴، ۱۰/۳۳۵، ۱۰/۳۳۶، ۱۰/۳۳۷، ۱۰/۳۳۸، ۱۰/۳۳۹، ۱۰/۳۴۰، ۱۰/۳۴۱، ۱۰/۳۴۲، ۱۰/۳۴۳، ۱۰/۳۴۴، ۱۰/۳۴۵، ۱۰/۳۴۶، ۱۰/۳۴۷، ۱۰/۳۴۸، ۱۰/۳۴۹، ۱۰/۳۵۰، ۱۰/۳۵۱، ۱۰/۳۵۲، ۱۰/۳۵۳، ۱۰/۳۵۴، ۱۰/۳۵۵، ۱۰/۳۵۶، ۱۰/۳۵۷، ۱۰/۳۵۸، ۱۰/۳۵۹، ۱۰/۳۶۰، ۱۰/۳۶۱، ۱۰/۳۶۲، ۱۰/۳۶۳، ۱۰/۳۶۴، ۱۰/۳۶۵، ۱۰/۳۶۶، ۱۰/۳۶۷، ۱۰/۳۶۸، ۱۰/۳۶۹، ۱۰/۳۷۰، ۱۰/۳۷۱، ۱۰/۳۷۲، ۱۰/۳۷۳، ۱۰/۳۷۴، ۱۰/۳۷۵، ۱۰/۳۷۶، ۱۰/۳۷۷، ۱۰/۳۷۸، ۱۰/۳۷۹، ۱۰/۳۸۰، ۱۰/۳۸۱، ۱۰/۳۸۲، ۱۰/۳۸۳، ۱۰/۳۸۴، ۱۰/۳۸۵، ۱۰/۳۸۶، ۱۰/۳۸۷، ۱۰/۳۸۸، ۱۰/۳۸۹، ۱۰/۳۹۰، ۱۰/۳۹۱، ۱۰/۳۹۲، ۱۰/۳۹۳، ۱۰/۳۹۴، ۱۰/۳۹۵، ۱۰/۳۹۶، ۱۰/۳۹۷، ۱۰/۳۹۸، ۱۰/۳۹۹، ۱۰/۴۰۰، ۱۰/۴۰۱، ۱۰/۴۰۲، ۱۰/۴۰۳، ۱۰/۴۰۴، ۱۰/۴۰۵، ۱۰/۴۰۶، ۱۰/۴۰۷، ۱۰/۴۰۸، ۱۰/۴۰۹، ۱۰/۴۱۰، ۱۰/۴۱۱، ۱۰/۴۱۲، ۱۰/۴۱۳، ۱۰/۴۱۴، ۱۰/۴۱۵، ۱۰/۴۱۶، ۱۰/۴۱۷، ۱۰/۴۱۸، ۱۰/۴۱۹، ۱۰/۴۲۰، ۱۰/۴۲۱، ۱۰/۴۲۲، ۱۰/۴۲۳، ۱۰/۴۲۴، ۱۰/۴۲۵، ۱۰/۴۲۶، ۱۰/۴۲۷، ۱۰/۴۲۸، ۱۰/۴۲۹، ۱۰/۴۳۰، ۱۰/۴۳۱، ۱۰/۴۳۲، ۱۰/۴۳۳، ۱۰/۴۳۴، ۱۰/۴۳۵، ۱۰/۴۳۶، ۱۰/۴۳۷، ۱۰/۴۳۸، ۱۰/۴۳۹، ۱۰/۴۴۰، ۱۰/۴۴۱، ۱۰/۴۴۲، ۱۰/۴۴۳، ۱۰/۴۴۴، ۱۰/۴۴۵، ۱۰/۴۴۶، ۱۰/۴۴۷، ۱۰/۴۴۸، ۱۰/۴۴۹، ۱۰/۴۵۰، ۱۰/۴۵۱، ۱۰/۴۵۲، ۱۰/۴۵۳، ۱۰/۴۵۴، ۱۰/۴۵۵، ۱۰/۴۵۶، ۱۰/۴۵۷، ۱۰/۴۵۸، ۱۰/۴۵۹، ۱۰/۴۶۰، ۱۰/۴۶۱، ۱۰/۴۶۲، ۱۰/۴۶۳، ۱۰/۴۶۴، ۱۰/۴۶۵، ۱۰/۴۶۶، ۱۰/۴۶۷، ۱۰/۴۶۸، ۱۰/۴۶۹، ۱۰/۴۷۰، ۱۰/۴۷۱، ۱۰/۴۷۲، ۱۰/۴۷۳، ۱۰/۴۷۴، ۱۰/۴۷۵، ۱۰/۴۷۶، ۱۰/۴۷۷، ۱۰/۴۷۸، ۱۰/۴۷۹، ۱۰/۴۸۰، ۱۰/۴۸۱، ۱۰/۴۸۲، ۱۰/۴۸۳، ۱۰/۴۸۴، ۱۰/۴۸۵، ۱۰/۴۸۶، ۱۰/۴۸۷، ۱۰/۴۸۸، ۱۰/۴۸۹، ۱۰/۴۹۰، ۱۰/۴۹۱، ۱۰/۴۹۲، ۱۰/۴۹۳، ۱۰/۴۹۴، ۱۰/۴۹۵، ۱۰/۴۹۶، ۱۰/۴۹۷، ۱۰/۴۹۸، ۱۰/۴۹۹، ۱۰/۵۰۰، ۱۰/۵۰۱، ۱۰/۵۰۲، ۱۰/۵۰۳، ۱۰/۵۰۴، ۱۰/۵۰۵، ۱۰/۵۰۶، ۱۰/۵۰۷، ۱۰/۵۰۸، ۱۰/۵۰۹، ۱۰/۵۱۰، ۱۰/۵۱۱، ۱۰/۵۱۲، ۱۰/۵۱۳، ۱۰/۵۱۴، ۱۰/۵۱۵، ۱۰/۵۱۶، ۱۰/۵۱۷، ۱۰/۵۱۸، ۱۰/۵۱۹، ۱۰/۵۲۰، ۱۰/۵۲۱، ۱۰/۵۲۲، ۱۰/۵۲۳، ۱۰/۵۲۴، ۱۰/۵۲۵، ۱۰/۵۲۶، ۱۰/۵۲۷، ۱۰/۵۲۸، ۱۰/۵۲۹، ۱۰/۵۳۰، ۱۰/۵۳۱، ۱۰/۵۳۲، ۱۰/۵۳۳، ۱۰/۵۳۴، ۱۰/۵۳۵، ۱۰/۵۳۶، ۱۰/۵۳۷، ۱۰/۵۳۸، ۱۰/۵۳۹، ۱۰/۵۴۰، ۱۰/۵۴۱، ۱۰/۵۴۲، ۱۰/۵۴۳، ۱۰/۵۴۴، ۱۰/۵۴۵، ۱۰/۵۴۶، ۱۰/۵۴۷، ۱۰/۵۴۸، ۱۰/۵۴۹، ۱۰/۵۵۰، ۱۰/۵۵۱، ۱۰/۵۵۲، ۱۰/۵۵۳، ۱۰/۵۵۴، ۱۰/۵۵۵، ۱۰/۵۵۶، ۱۰/۵۵۷، ۱۰/۵۵۸، ۱۰/۵۵۹، ۱۰/۵۶۰، ۱۰/۵۶۱، ۱۰/۵۶۲، ۱۰/۵۶۳، ۱۰/۵۶۴، ۱۰/۵۶۵، ۱۰/۵۶۶، ۱۰/۵۶۷، ۱۰/۵۶۸، ۱۰/۵۶۹، ۱۰/۵۷۰، ۱۰/۵۷۱، ۱۰/۵۷۲، ۱۰/۵۷۳، ۱۰/۵۷۴، ۱۰/۵۷۵، ۱۰/۵۷۶، ۱۰/۵۷۷، ۱۰/۵۷۸، ۱۰/۵۷۹، ۱۰/۵۸۰، ۱۰/۵۸۱، ۱۰/۵۸۲، ۱۰/۵۸۳، ۱۰/۵۸۴، ۱۰/۵۸۵، ۱۰/۵۸۶، ۱۰/۵۸۷، ۱۰/۵۸۸، ۱۰/۵۸۹، ۱۰/۵۹۰، ۱۰/۵۹۱، ۱۰/۵۹۲، ۱۰/۵۹۳، ۱۰/۵۹۴، ۱۰/۵۹۵، ۱۰/۵۹۶، ۱۰/۵۹۷، ۱۰/۵۹۸، ۱۰/۵۹۹، ۱۰/۶۰۰، ۱۰/۶۰۱، ۱۰/۶۰۲، ۱۰/۶۰۳، ۱۰/۶۰۴، ۱۰/۶۰۵، ۱۰/۶۰۶، ۱۰/۶۰۷، ۱۰/۶۰۸، ۱۰/۶۰۹، ۱۰/۶۱۰، ۱۰/۶۱۱، ۱۰/۶۱۲، ۱۰/۶۱۳، ۱۰/۶۱۴، ۱۰/۶۱۵، ۱۰/۶۱۶، ۱۰/۶۱۷، ۱۰/۶۱۸، ۱۰/۶۱۹، ۱۰/۶۲۰، ۱۰/۶۲۱، ۱۰/۶۲۲، ۱۰/۶۲۳، ۱۰/۶۲۴، ۱۰/۶۲۵، ۱۰/۶۲۶، ۱۰/۶۲۷، ۱۰/۶۲۸، ۱۰/۶۲۹، ۱۰/۶۳۰، ۱۰/۶۳۱، ۱۰/۶۳۲، ۱۰/۶۳۳، ۱۰/۶۳۴، ۱۰/۶۳۵، ۱۰/۶۳۶، ۱۰/۶۳۷، ۱۰/۶۳۸، ۱۰/۶۳۹، ۱۰/۶۴۰، ۱۰/۶۴۱، ۱۰/۶۴۲، ۱۰/۶۴۳، ۱۰/۶۴۴، ۱۰/۶۴۵، ۱۰/۶۴۶، ۱۰/۶۴۷، ۱۰/۶۴۸، ۱۰/۶۴۹، ۱۰/۶۵۰، ۱۰/۶۵۱، ۱۰/۶۵۲، ۱۰/۶۵۳، ۱۰/۶۵۴، ۱۰/۶۵۵، ۱۰/۶۵۶، ۱۰/۶۵۷، ۱۰/۶۵۸، ۱۰/۶۵۹، ۱۰/۶۶۰، ۱۰/۶۶۱، ۱۰/۶۶۲، ۱۰/۶۶۳، ۱۰/۶۶۴، ۱۰/۶۶۵، ۱۰/۶۶۶، ۱۰/۶۶۷، ۱۰/۶۶۸، ۱۰/۶۶۹، ۱۰/۶۷۰، ۱۰/۶۷۱، ۱۰/۶۷۲، ۱۰/۶۷۳، ۱۰/۶۷۴، ۱۰/۶۷۵، ۱۰/۶۷۶، ۱۰/۶۷۷، ۱۰/۶۷۸، ۱۰/۶۷۹، ۱۰/۶۸۰، ۱۰/۶۸۱، ۱۰/۶۸۲، ۱۰/۶۸۳، ۱۰/۶۸۴، ۱۰/۶۸۵، ۱۰/۶۸۶، ۱۰/۶۸۷، ۱۰/۶۸۸، ۱۰/۶۸۹، ۱۰/۶۹۰، ۱۰/۶۹۱، ۱۰/۶۹۲، ۱۰/۶۹۳، ۱۰/۶۹۴، ۱۰/۶۹۵، ۱۰/۶۹۶، ۱۰/۶۹۷، ۱۰/۶۹۸، ۱۰/۶۹۹، ۱۰/۷۰۰، ۱۰/۷۰۱، ۱۰/۷۰۲، ۱۰/۷۰۳، ۱۰/۷۰۴، ۱۰/۷۰۵، ۱۰/۷۰۶، ۱۰/۷۰۷، ۱۰/۷۰۸، ۱۰/۷۰۹، ۱۰/۷۱۰، ۱۰/۷۱۱، ۱۰/۷۱۲، ۱۰/۷۱۳، ۱۰/۷۱۴، ۱۰/۷۱۵، ۱۰/۷۱۶، ۱۰/۷۱۷، ۱۰/۷۱۸، ۱۰/۷۱۹، ۱۰/۷۲۰، ۱۰/۷۲۱، ۱۰/۷۲۲، ۱۰/۷۲۳، ۱۰/۷۲۴، ۱۰/۷۲۵، ۱۰/۷۲۶، ۱۰/۷۲۷، ۱۰/۷۲۸، ۱۰/۷۲۹، ۱۰/۷۳۰، ۱۰/۷۳۱، ۱۰/۷۳۲، ۱۰/۷۳۳، ۱۰/۷۳۴، ۱۰/۷۳۵، ۱۰/۷۳۶، ۱۰/۷۳۷، ۱۰/۷۳۸، ۱۰/۷۳۹، ۱۰/۷۴۰، ۱۰/۷۴۱، ۱۰/۷۴۲، ۱۰/۷۴۳، ۱۰/۷۴۴، ۱۰/۷۴۵، ۱۰/۷۴۶، ۱۰/۷۴۷، ۱۰/۷۴۸، ۱۰/۷۴۹، ۱۰/۷۵۰، ۱۰/۷۵۱، ۱۰/۷۵۲، ۱۰/۷۵۳، ۱۰/۷۵۴، ۱۰/۷۵۵، ۱۰/۷۵۶، ۱۰/۷۵۷، ۱۰/۷۵۸، ۱۰/۷۵۹، ۱۰/۷۶۰، ۱۰/۷۶۱، ۱۰/۷۶۲، ۱۰/۷۶۳، ۱۰/۷۶۴، ۱۰/۷۶۵، ۱۰/۷۶۶، ۱۰/۷۶۷، ۱۰/۷۶۸، ۱۰/۷۶۹، ۱۰/۷۷۰، ۱۰/۷۷۱، ۱۰/۷۷۲، ۱۰/۷۷۳، ۱۰/۷۷۴، ۱۰/۷۷۵، ۱۰/۷۷۶، ۱۰/۷۷۷، ۱۰/۷۷۸، ۱۰/۷۷۹، ۱۰/۷۸۰، ۱۰/۷۸۱، ۱۰/۷۸۲، ۱۰/۷۸۳، ۱۰/۷۸۴، ۱۰/۷۸۵، ۱۰/۷۸۶، ۱۰/۷۸۷، ۱۰/۷۸۸، ۱۰/۷۸۹، ۱۰/۷۹۰، ۱۰/۷۹۱، ۱۰/۷۹۲، ۱۰/۷۹۳، ۱۰/۷۹۴، ۱۰/۷۹۵، ۱۰/۷۹۶، ۱۰/۷۹۷، ۱۰/۷۹۸، ۱۰/۷۹۹، ۱۰/۸۰۰، ۱۰/۸۰۱، ۱۰/۸۰۲، ۱۰/۸۰۳، ۱۰/۸۰۴، ۱۰/۸۰۵، ۱۰/۸۰۶، ۱۰/۸۰۷، ۱۰/۸۰۸، ۱۰/۸۰۹، ۱۰/۸۱۰، ۱۰/۸۱۱، ۱۰/۸۱۲، ۱۰/۸۱۳، ۱۰/۸۱۴، ۱۰/۸۱۵، ۱۰/۸۱۶، ۱۰/۸۱۷، ۱۰/۸۱۸، ۱۰/۸۱۹، ۱۰/۸۲۰، ۱۰/۸۲۱، ۱۰/۸۲۲، ۱۰/۸۲۳، ۱۰/۸۲۴، ۱۰/۸۲۵، ۱۰/۸۲۶، ۱۰/۸۲۷، ۱۰/۸۲۸، ۱۰/۸۲۹، ۱۰/۸۳۰، ۱۰/۸۳۱، ۱۰/۸۳۲، ۱۰/۸۳۳، ۱۰/۸۳۴، ۱۰/۸۳۵، ۱۰/۸۳۶، ۱۰/۸۳۷، ۱۰/۸۳۸، ۱۰/۸۳۹، ۱۰/۸۴۰، ۱۰/۸۴۱، ۱۰/۸۴۲، ۱۰/۸۴۳، ۱۰/۸۴۴، ۱۰/۸۴۵، ۱۰/۸۴۶، ۱۰/۸۴۷، ۱۰/۸۴۸، ۱۰/۸۴۹، ۱۰/۸۵۰، ۱۰/۸۵۱، ۱۰/۸۵۲، ۱۰/۸۵۳، ۱۰/۸۵۴، ۱۰/۸۵۵، ۱۰/۸۵۶، ۱۰/۸۵۷، ۱۰/۸۵۸، ۱۰/۸۵۹، ۱۰/۸۶۰، ۱۰/۸۶۱، ۱۰/۸۶۲، ۱۰/۸۶۳، ۱۰/۸۶۴، ۱۰/۸۶۵، ۱۰/۸۶۶، ۱۰/۸۶۷، ۱۰/۸۶۸، ۱۰/۸۶۹، ۱۰/۸۷۰، ۱۰/۸۷۱، ۱۰/۸۷۲، ۱۰/۸۷۳، ۱۰/۸۷۴، ۱۰/۸۷۵، ۱۰/۸۷۶، ۱۰/۸۷۷، ۱۰/۸۷۸، ۱۰/۸۷۹، ۱۰/۸۸۰، ۱۰/۸۸۱، ۱۰/۸۸۲، ۱۰/۸۸۳، ۱۰/۸۸۴، ۱۰/۸۸۵، ۱۰/۸۸۶، ۱۰/۸۸۷، ۱۰/۸۸۸، ۱۰/۸۸۹، ۱۰/۸۹۰، ۱۰/۸۹۱، ۱۰/۸۹۲، ۱۰/۸۹۳، ۱۰/۸۹۴، ۱۰/۸۹۵، ۱۰/۸۹۶، ۱۰/۸۹۷، ۱۰/۸۹۸، ۱۰/۸۹۹، ۱۰/۹۰۰، ۱۰/۹۰۱، ۱۰/۹۰۲، ۱۰/۹۰۳، ۱۰

ہونے کی صورت میں اسی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔

(رد المحتار: ۱/۵۶۰) (ماخذ: مضمون بدعت عقد مداحل السنۃ والجماعۃ لمختصر مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب امت برکات الخلیفہ: ۲۵۱ تا ۲۵۶)

### بدعات کے بارے میں چند ضروری وضاحتیں

(۱) ... اگر کسی موقع پر حضور اکرم ﷺ سے عمل کی دو صورتیں منقول ہوں تو وہ دونوں دین ہی کہلائیں گی اصل اکثری و آخری عمل کو سنت کہیں گے اور دوسری صورت کو جائز کہیں گے بدعت نہ کہیں گے مثلاً آمین کو نماز میں سرّاً کہنا یا جہراً اصل سنت سرّاً کہنا کہیں گے ہے اور دوسری جو جائز یعنی جہراً کہنا شرعاً جائز ہے بدعت نہیں۔

(۲) ... اگر دونوں عمل ہونے میں برابر ہوں یعنی دو طریقے عمل کے رائج ہوں تو دونوں ہی سنت کہلائیں گی یعنی ایک موقع پر دو الگ الگ کام سنت ہو سکتے ہیں لیکن اس میں وجہ ترجیح بھی ہو سکتی ہے۔

(۳) دین میں بعض باتیں مقاصد میں سے ہیں اور بعض باتیں ذرائع و وسائل میں سے ہیں جو باتیں وسائل و ذرائع سے کسی دلیل کی بنیاد پر ہوں وہ بدعت نہیں بنتیں جب تک ان کو دین کا حصہ قرار نہ دے مثلاً جہاد مقصد ہے اسلحہ ذرائع میں سے ہے اگر کوئی یہ کہے کہ تلوار و سلحہ سے ہی جہاد ہو سکتا ہے اور یہی دین ہے تو تلوار و اسلحہ بدعت بن جائے گا ذرائع و وسائل کو اگر کوئی شرعی اصول متاثر نہ ہو تو ان کو بدلا جاسکتا کوئی قباحہ نہیں ہے۔

(۴) ... کسی چیز کا نیا ہونا عربی زبان میں بدعت (لغوی) کہلاتا ہے۔ شریعت میں بدعت نہیں کہلاتا مثلاً گاڑیاں جہاز وغیرہ بدعت نہیں ہیں ہاں البتہ اگر نئی چیز کو شریعت کا حصہ سمجھیں گے تو وہ بدعت قرار پائیگا۔ کسی چیز کا نیا ہونا عربی زبان میں بدعت (لغوی ہے) لیکن ہر نئی چیز کو شریعت میں بدعت نہیں کہتے بلکہ بدعت شرعی اس کو کہتے جو نئی بھی ہو اور کوئی اس کو دین کا حصہ بھی سمجھے۔

(۵) ... بزرگوں کے کشف والہام و کرامات دین میں حجت نہیں بنتے کیونکہ جو چیزیں شریعت میں حجت بنتی ہیں وہ چار ہیں: (الف) ... قرآن کریم (ب) ... حدیث (ج) ... اجماع امت (د) ... قیاس و اجتہاد شرعی۔

ان چاروں کے علاوہ کسی اور چیز کو حجت و دلیل بنانا خود بدعت ہے چہ جائیکہ اس کی وجہ سے بدعت کو دین بنانے کیلئے استعمال کیا جائے لہذا کشف و کرامات سے ثابت شدہ چیز کو دین نہیں کہیں گے ہاں یہ دونوں مؤید ہو سکتے ہیں۔ ہاں انبیاء کے کشف والہام حجت ہوتے ہیں۔

(۶) ... خیر القرون کا دور مطلق حجت نہیں بلکہ خیر القرون میں کئے گئے وہ اعمال جو امت کے ذمہ دار افراد نے کئے ہیں وہ حجت ہیں، وہ بھی جمہور نے کئے ہوں بعض کے اقوال و افعال حجت نہیں کہ جن سے جمہور کا مزاج متاثر ہو۔

(۷) ... ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں کیونکہ وہ تو اصولی درجے میں خود شریعت میں مذکور ہیں اجتہاد سے تو غیر منصوصہ، منصوصہ اصولوں سے ثابت کیا جاتا ہے یہ تو مخفی احکام کا اظہار ہے نہ ایجاد۔

(۸) ... اگر تابعین اور تبع تابعین اجتہاد نہ بھی کریں پھر بھی ان کے اقوال و افعال خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے حجت ہیں اور ان کے اقوال و افعال کو احادیث (مقطوع) ہی کہا جاتا ہے جو بدعت کے حکم سے خارج ہیں اکثر مجتہدین خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۹) ... لفظ بدعت کو بعض اسلاف نے بعض جگہوں پر بدعت حسنہ فرمایا ہے تو وہ لغوی اعتبار سے فرمایا ہے در نہ شریعت کے اصولوں میں وہ بدعت بنتی ہی نہیں ہے۔

(۱۰) بعض لوگ سنی ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور بدعت کے دلدادہ بھی ہیں اور کمزور دلیلوں کے سہارے ہندوستانی تہذیب کو رنگ و روغن کرنے کی کوشش میں مصروف دکھائی دیتے ہیں تو ان کی خدمت اقدس میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ سنی ہونے کے مدعی ہیں برائے کرم اپنے دعویٰ کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کیا کریں اور سنت اس جاری طریقہ کو کہتے ہیں جس کی بنیاد خیر القرون کو بنایا جائے لیکن وہ ایسا اس وجہ سے نہیں کرتے کہ اس سے تو مفادات کے محلات میں زلزلہ آ سکتا ہے۔

(۱۱) ... بعض غلط سلط روایات سے بدعات کا جواز ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ان کو علامہ شامیؒ کا وہ اصول ذہن میں رکھنا چاہئے جو انہوں نے اس بارہ میں فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

(الف)۔ بہت زیادہ کمزور روایات کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ جس کا راوی یا تو جھوٹا ہو یا جھوٹ سے متہم ہو۔

(ب)۔ کمزور روایت سے ثابت شدہ جزیہ وہ معتبر ہے جو کسی اصول کے تحت ہی آتا ہو اور کسی اصول شرعی سے متضاد نہ ہو۔

(ج)۔ ایسی روایت سے ثابت شدہ بات کو جائز ہی کہا جائے تاکہ سنت۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ)

### بدعت کی معرفت کے چند اہم اصول

تمام اصولوں کی جڑ تو یہی ہے کہ جو کام خیر القرون میں نہ ہوا ہو اور اسکے کرنے کا سبب موجود تھا اب اس کو کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ لیکن آسانی کیلئے بدعت کو پہچاننے کے چند اصول لکھے جاتے ہیں۔

(۱) شریعت نے کسی عمل کیلئے ایک جگہ مقرر کر دی تھی اب اس عمل کو اپنی خواہش سے کسی اور جگہ شروع کر دینا بدعت کہلاتا ہے مثلاً:

☆..... مثال نمبر ۱: نماز میں دو رو شریف کا پڑھنا آخری قعدہ میں مقرر ہے اپنی رائے سے پہلے عقدہ میں بھی مقرر کر لینا بدعت ہوگا اور شرعی خرابیاں اس سے الگ ہیں۔

☆..... مثال نمبر ۲: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو روضہ اقدس پر حاضری کے وقت کیلئے شریعت نے مقرر کیا ہے اس کو اذان یا اور مواقع پر پڑھنا بدعت کہلائے گا۔

☆..... مثال نمبر ۳: سالم بن عبدیہ صحابی رسول کی مجلس میں چھینکنے والے نے الحمد للہ کہنے کی جگہ السلام علیکم کہا (جو اچھے کلمات ہی ہیں) لیکن انہوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ایک شخص نے ایسے ہی کیا تھا اور آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا (صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم) کیوں وہاں الحمد للہ کہنا دین ہے۔ السلام علیکم کہنا بدعت ہے۔

☆..... مثال نمبر ۴: اذان کی جگہ مقرر ہے لیکن شیطان کو بھگانے کیلئے قبر پر اذان پڑھنا بدعت ہی کہلائے گا کیونکہ شریعت کا حکم نہیں در نہ عیدین، جنازہ، اشراق، چاشت، اذانین، کسوف، خسوف، استسقاء کیلئے بھی اذان پڑھنے کی امت کو اجازت ہوتی لیکن کسی کو شریعت

میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲)..... شریعت نے کسی عمل کو مطلق رکھا ہو اب کوئی اس کو مقید کر دے یعنی کسی عمل کو کرنے کیلئے امت کو آزاد کر دیا ہو کوئی خود ہی اس کی جگہ یا وقت مقرر کر دے تو یہ تقید بھی بدعت کہلائے گی مثلاً: زیارت قبور کیلئے وقت مقرر کرنا، دعا کیلئے یا قرآن پڑھنے کیلئے یا صدقہ خیرات کرنے کیلئے تیسرا دن ساتواں دن گیارہویں یا چالیسواں دن یا سالانہ دن مقرر کرنا بدعت ہی کہلائے گا کیونکہ یہ شریعت میں مداخلت ہے دعا تو ہر وقت کی جاسکتی ہے۔

(۳)..... شریعت نے کسی کام کی کوئی حالت مقرر کر دی ہے اس کو اسی کیفیت و حالت پر کرنا ہی لازم ہے اور اس مقرر شدہ کیفیت و حالت کو تبدیل کرنا بدعت کہلائے گا۔ مثلاً: (الف)..... جہری نماز میں جہر سے پڑھنا مقرر ہے لیکن ان کو سری بنادینا اور جن نمازوں میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان کو جہری بنادینا بدعت کہلائے گا (ب)..... نماز کے بعد ”اللہ اکبر استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ“ کی جگہ زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت کہلائے گا اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننا دین ہے اپنی مرضیاں چلانا دین نہیں بلکہ بے دینی ہے۔ (۴)..... جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو اب اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت کہلائے گا۔

مثلاً: (الف)..... نوافل کو اجتماعی طور پر جماعت سے پڑھنا یا (ب)..... انفرادی طور پر بڑھی گئی نماز کی دعا اجتماعی کرنا (ج)..... نماز جنازہ کے فوراً بعد (جنازہ کی دعا کو اجتماعی اور ہاتھ اٹھا کر کرنا بدعت ہی کہلاتا ہے۔

(۵)..... وہ مباح یا مستحب کام جن کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ ان کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کیا جانے لگے تو یہ مباح و مستحب کام بھی بدعت بن جائے گا اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۸۹ تا ۹۳)

### اسباب ایجاد بدعت

(۱)..... جہالت: وجہ اس کی یہ ہے کہ بدعت میں ظاہری اور نمائشی خوبصورتی ہوتی ہے اور انسان اس کی ظاہری خوبصورتی کو اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اس کا نفس اس کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ دیکھو یہ کتنی اچھی چیز ہے اور ایسی عمدہ چیز شریعت میں کیسے منع ہو سکتی ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کی حقیقی برائیوں پر نظر نہیں جاتی اور نہ ہی شریعت کا اصل حکم جہالت کی وجہ سے اس کو معلوم ہوتا ہے۔

(۲)..... شیطان: وہ اس طرح کہ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اگر یہ انسان گناہ کریگا تو جب خدا خونی کو غلبہ ہوگا تو توبہ کر کے اپنے جرموں کو توبہ کے ذریعہ دھوڈالے گا لہذا ایسی ترکیب کی جائے کہ اس کو دین کے رنگ میں گمراہ کیا جائے کہ نہ یہ اس گناہ کو گناہ سمجھے اور نہ ہی توبہ کی طرف اس کی نظر جائے یہی وجہ ہے کہ بدعتی بدعت کے جرم کے ارتکاب کے باوجود یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ جی کیا ہوا اللہ کا نام ہی تو لیا ہے حالانکہ وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ دین اللہ کے حکموں اور حضور کریم ﷺ کے طریقوں کا نام ہے۔ ناکہ اپنی مرضی سے اللہ اللہ کرنے اور اپنی خواہش پر چلنے کا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے پاس تین آدمی (حضرت علیؓ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ) کا مال صاحب مظاہر حق (آئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی (گھر کی) عبادت کے متعلق پوچھا (امہات المؤمنین کی طرف سے) ان کو خبر دی گئی۔ (اب ان تینوں نے سن کر) اس کو کم جانا (اور آپس میں) کہنے

گئے، ہری نبی کریم ﷺ سے کیا نسبت (وہ نبی ہیں) اللہ نے آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں (ہمارے تو نہیں بخشے) ایک کہنے لگا ہمیشہ ساری رات (نفلی) نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ (مسل) دن کے (نفلی) روزے رکھا کروں گا اور افطار (یعنی ناغہ) نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتیں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا (اگرچہ جائز ہے) حضور ﷺ (ان کی گفتگو کے وقت ہی) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں (آپس میں) کہی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں ناغہ بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں اور (رات کو) سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یاد رکھو) جس نے میرے طریقے سے منہ موڑا وہ میرا نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱/۲۷، غذایا: ۹۳، ۹۴)

ملاحظہ فرمائیں کیا ان تین بزرگوں نے عبادات میں نیک کام کی کثرت کا ہی عزم کیا تھا اور عبادات بھی وہ ہیں جن کا مختلف وقتوں و حالات میں شریعت نے حکم کام کی کثرت کا ہی لیکن حضور کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ کوئی کام کتنا ہی عمدہ اور اچھا ہو۔ لیکن میرے طریقے سے ہٹ جائے وہ معتبر تو کیا ہوتا وہ کرنے والا میرا امتی ہی نہیں ہے۔

(۳) ... جب جاہ و شہرت: کہ لوگ نئی نئی ایجادات کو شب و روز دیکھتے ہیں اور دین کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ہر نئے کام سے شہرت اور واہ واہ زیادہ ہوتی ہے اور ہر نیا کام لذیذ بھی ہوتا ہے اس لیے دین میں موہی رنگ بھرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(۴) ... اندھی تقلید: غیر اقوام کی اندھی تقلید بھی بدعت کے ایجاد کا ایک اہم سبب ہے وہ اس طرح پر کہ نئی ایجادات نے تمام ممالک کو ایک شہر کی طرح بنا دیا ہے تو مسلمان بھی دوسروں کی رسوم کو ان کی ظاہری خوبصورتی سے متاثر ہو کر کرنے لگے پھر ثواب کے حصول کے کیلئے ان رسوم کو مسلمان کرنے لگے تاکہ آزادی سے اپنی خواہشات کی تکمیل کی جاسکے۔ پھر ایسے لوگوں کی مدد مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جیسے لوگوں نے بناوٹی دلائل سے کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیروں کی رسوم دین محمدی کے نام سے مشہور ہونے لگیں (ایضاً: ۹۴/۹۵)

### بدعت کے نقصانات

(۱) دین مکمل ہو چکا ہے جتہ الوداع پر حضور اکرم ﷺ نے دین کی تکمیل کا اعلان بھی فرما دیا ہے پھر بدعت ایجاد کرنا گویا کہ اس بات کا دعویٰ کرنا ہے کہ یہ دین ناقص ہے اور جو اعدان نبی کریم ﷺ نے کیا وہ غیر صحیح ہے۔ یہ گمراہی ہے۔

(۲) بدعت گھڑنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں کس قدر اچھا ہے لیکن اس کا اچھا ہونا اللہ تعالیٰ اور نبی آخر الزمان ﷺ و صحابہ و تابعین و محدثین و فقہاء کرام کسی کی سمجھ میں نہیں آیا گویا کہ وہ بدعتی اپنے فہم کے کامل ہونے کا اور ان مذکورہ ہستیوں کے فہم کے ناقص ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ گمراہی ہے۔

(۳) گناہ کو اگر سمجھ کر ہی کیا جائے تو بھی شرعاً جرم ہی بنتا ہے لیکن اگر گناہ کو ثواب سمجھ کر کیا جائے تو وہ کفر بنتا ہے تو اسی اصول سے سمجھ لیں کہ بدعتی بدعت کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے جس سے اس جرم کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۴) بدعتی کو ساری زندگی توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ توبہ تو وہ کرے جو اس کو گمراہی جانے لیکن جو اس کو گمراہی تصور ہی نہیں کرتا

وہ توبہ بھی اس سے نہیں کرتا معلوم ہوا بدعتی کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

(۵) بدعت کی نحوست قوموں کو برکات و روشنی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم بدعت کو ایجاد کرتی ہے (یعنی بدعت کی دلدادہ ہو جاتی ہے) تو اسی کی مثل سنت اس قوم سے اٹھالی جاتی ہے اس لئے سنت پر عمل کرنا بدعت سے (کہیں زیادہ) بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۱۰۳، ماخذ: ۱۰۹۲) پھر دوسری حدیث بھی مشکوٰۃ شریف ہی میں ہے کہ ایسی قوم قیامت تک سنت سے محروم ہو جاتی استغفر اللہ کس قدر نحوست ظاہر ہوئی بدعت کی۔

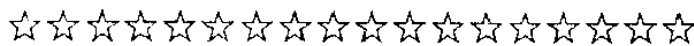
(۶) بدعت کی نحوست سے دل مردہ ہو جاتا ہے جس سے نیک عمل کی قوت بھی بتدریج ختم ہوتی ہے مثلاً: ختم گیارہویں چالیسواں پر اچھی خاصی رقم خرچ ہو کر حج و زکوٰۃ قربانی وغیرہ عبادات چھوٹ جاتی ہیں۔ عام طور بدعتی عبادات مالیہ سے غافل ہوتے ہیں۔

(۷) بدعتی حضور کریمؐ والتسلیمات کے مبارک طریقوں سے منہ موڑ کر عملاً سنت نبوی سے بغاوت کرتا ہے۔

(۸) پہلے اویان (یعنی دین) امتیوں کی دخل اندازیوں کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھے تھے شریعت محمدیہ کی حفاظت کا ذمہ اگرچہ خدائے قدوس نے خود لیا ہے۔ لیکن اللہ ایسے لوگ ناکامی کا منہ ہمیشہ دیکھتے رہیں گے۔

ہم... فائدہ: انہی غلط حرکتوں کی وجہ سے حضور کریم ﷺ نے بدعتی کے احترام سے منع فرمایا: ”قال النبی ﷺ: من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ہدم الاسلام“ (ترجمہ) جو شخص بدعتی کی تعظیم کرے اس نے اسلام کو گرانے میں بدعتی کی مدد کی۔

اس حدیث کی رو سے بدعتی نفرت کیے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس نے سنت کی قدر نہیں کی ہے البتہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدعت و اہل بدعت سے محفوظ فرمادے۔ اور اہل ہواء کو ہدایت دیدے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۱۰۳، ماخذ: ۱۰۹۲، ترجمہ: ۱۰۹۲) (۱۰۹۲-۱۰۹۳)



## اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک شرک کی حقیقت

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام شرک کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل اور غلط ہے، لہذا یہاں شرک کی حقیقت اور صورتیں بیان کیجائی جاگی، اور اس کے ضمن میں صوفیاء کرامؒ کا عقیدہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ان کا یہ عقیدہ ہے اور ان کی طرف شرک کی نسبت کرنا لاعلمی اور جہالت ہے۔ فاعلموا۔

☆... شرک کا معنی: ”شُرک“، ”تَشْرُکٌ“ اور ”اِشْرَاکٌ“ سے اسم ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ شرکۃ اور مشرکۃ کے معنی دو ملکوں کے مل جانے کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کسی ایسی شے کا پایا جانا جو دو یا دو سے زائد کے لیے ہو خواہ وہ شے ”ذات“ ہو یا ”وصف“۔ (غیاث القرآن ج ۳ ص ۲۱۳)

تَشْرُک کے معنی ہیں: حصے داری، ساجھا۔ اِشْرَاک (شرک کرنا) کے معنی ہیں کسی کو کسی کا ساجھی اور حصے دار بنانا۔ شریک کے معنی ہیں! ساجھی، حصے دار۔ مشرک کے معنی ہیں! شریک بنانے والا، شرک کرنے والا۔

☆..... شرک کی تاریخ: شرک کی ابتداء، کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی ابتداء سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے عہد نبوت میں ہوئی۔ اس دھرتی پر سب سے پہلے قوم نوح علیہ السلام بتوں کی نجاست سے ملوث و آلودہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور شرک و بت پرستی کی تردید کے لیے اپنے الو العزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ قوم نوح علیہ السلام پانچ بڑے بتوں کی پرستش کرتی تھی وہ، سواع، یعوق، یغوث اور نسر۔

☆... دنیا میں بت گری و بت پرستی کا آغاز: آئیے ذرا دیکھیں کہ قوم نوح علیہ السلام میں ان اوثان و اصنام کی پرستش کا آغاز کیونکر ہوا۔ بلکہ دنیا میں بت گری کیسے شروع ہوئی؟ اس کا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وہ، سواع، یعوق، یغوث اور نسر۔ یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک آدمیوں (اولیاء اللہ) کے نام تھے۔ جب یہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو پٹی پڑھائی کہ جہاں یہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے تم وہاں ان کے بت بنا کر نصب کرو، اور ان کے نام انہی بزرگوں کے نام پر رکھ دو چنانچہ انہوں نے ایسا کیا جب تک وہ لوگ زندہ ہے ان بتوں کی عبادت نہ کی گئی مگر جب وہ لوگ مر گئے اور حقیقت حال کا علم کسی کو نہ رہا تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ (صحیح بخاری کتاب التشریح سورہ نوح)

حضرت شیث علیہ السلام: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور آپ کا لقب شیث تھا جو شرف نبوت سے مشرف ہوئے۔

☆..... بیت اللہ میں بت پرستی کا آغاز:

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لُحی ہے۔ (عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ عمرو بن لُحی کی نسل سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رأیت عمرو بن لُحی یجرفُ قُصْبَہ فی النار“۔ میں نے دیکھا عمرو بن لُحی جہنم میں اپنی آنتوں کو گسیٹ رہا ہے۔



عمر بن لُحی کسی کام سے مکہ سے شام گیا، وہاں عمالِ حق کو دیکھا کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا تم بتوں کو کیوں پوجتے ہو۔ انہوں نے کہا، ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں ہم ان سے (خشک سالی میں) بارش کا سوال کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور (جنگ میں) فتح کی دعا مانگتے ہیں تو ہمیں فتح دیتے ہیں۔ عمرو نے ان سے کہا! تم مجھے بھی ایک بت دے دو میں اسے عرب لے جاؤں گا تاکہ وہ لوگ بھی اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جسے بھل کہا جاتا تھا۔ وہ اسے مکہ لے آیا اور نصب کر دیا اور لوگوں کی پوجا اور تعظیم کا حکم دیا۔ (سیرت ابن عساکر ج ۸ ص ۷۸، ۷۹)

چونکہ یہ حرم کا متولی تھا، اس لیے مکہ اور پھر عرب میں بت پرستی پھیل گئی۔ پہلے حرم کی تولیت کا تاج قبیلہ جزم کے سردار حارث کے سر پر تھا۔ عمرو نے لڑکر حارث اور اس کے قبیلہ کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی بن گیا۔ اور اس ظالم و لعین نے تولیت کعبہ کے شرفِ عظیم سے ناجائز فائدہ لے کر بانی کعبہ ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کے دینِ حنیف کو اول دفعہ بدل کر بت پرستی کی بنا ڈالی لعنہ اللہ۔

☆... عرب میں بت پرستی کا شیوع:

کعبۃ اللہ کا گھر ہے اللہ والوں کا دل اللہ کے گھر کی محبت و عقیدت کے مقدس اور پاک جذبہ سے معمور اور بھرپور ہے۔ بیت اللہ کی عقیدت کے اسی مقدس جذبہ سے عرب میں بت پرستی کا آغاز و شیوع ہوا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ، بنی اسماعیل (عرب) میں عبادتِ الحجارہ (بت پرستی) کا آغاز ہوا کہ جب مکہ کی سرزمین (کثرت آبادی کی وجہ سے یا وسائلِ معاش کی کمی کے باعث) ان پر تنگ ہو گئی اور وہ فراخی و وسعت کی تلاش میں دوسرے شہروں کی طرف نکلے تو جو بھی (مستقلاً یا طلبِ معاش کے لیے) مکہ سے روانہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ حرم کعبہ کے پتھروں میں سے ایک پتھر حرم ہی کی تعظیم کے پیش نظر لے جاتا تھا۔ جہاں جا کر ٹھہرتا وہاں اس پتھر کو رکھ دیتا اور طوافِ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتا۔ پھر نو بت یہاں تک پہنچ گئی کہ جس پتھر کو وہ اچھا سمجھتے اور پسند کرتے اس کی عبادت کرنے لگے۔ (تفسیر ابن حشام ص ۷۹، ۸۰)

☆..... خلاصہ: شیطانِ مردود و ملعون کے اغواء و اضلال سے دنیا میں بت گری و بت پرستی کا آغاز ہوا۔ ابلیس لعین نے رجالِ صالحین کے خمیں و متبعین کے دل میں وسوسہ ڈالا، ریشہ دوانی کی، اولیاء اللہ کی یادگار کے طور پر ان کے اصنام و انصاب، مجسمے اور بت بنوائے اور اس طرح دنیا میں بت پرستی کی بنیاد قائم کی۔ پھر عرب میں بت پرستی کا شیوع ہوا، تو بیت اللہ کی عقیدت اور حرم مکہ کی تعظیم کے جذبہ سے ہوا۔ غرض شرک کی اصل و اساس معرفت و محبتِ ربانی کے جذبہ پر قائم ہے۔ جس نے بھی جب کبھی کسی کو معبود بنایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کسی تعلق ہی کی بنا پر بنایا۔ خواہ مزمومہ نسب تعلق کی بناء پر، خواہ عبدی و قربی تعلق کی بناء پر آج بھی لوگ اولیاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کو معبود بناتے ہیں تو اس شرک کی بنیاد بھی ان اولیاء و مشائخ، ان صلحاء اُمت کا اللہ تعالیٰ سے قرب و تعلق ہے۔ اللہ رب العزت ہدایت عطا فرمائے۔

☆..... حالانکہ معبودانِ باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے:

(۱)..... ﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کش) سمجھتے ہو (ذرہ) ان کو پکارو (توسہی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔

(۲) ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِّنْ ذَوْنِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرْكَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ﴾ (سب: ۲۲) ترجمہ: آپ کہئے جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

(۳) ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ ذَوْنِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْغَنَكُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْغَنَكُوتِ﴾ (الغنکوت: ۴۱) ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں، ان کی مثل مکڑی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا، اور بلاشبہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے۔

(۴) ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ﴾ (فاطر: ۲۴) ترجمہ: او اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گھٹلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ماسوی اللہ تو کھجور کی گھٹلی پر جو باریک سا پردہ یا چھلکی سی ہوتی ہے، اس کے بھی مالک نہیں۔

(۵) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ سَأَلْتَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ (الحج: ۷۳) مشرک پر جنت حرام ہے:

شریک ایسی بڑی لعنت ہے، اتنا بڑا ظلم ہے کہ مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا، یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّهُ مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ خَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (مائدہ: ۷۲) بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا یا تحقیق اس پر اللہ نے بہشت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

### مشرک کے اعمال صالحہ اکارت ہو جائیں گے

مشرک کے اعمال صالحہ غارت و برباد جائیں گے، قیامت میں اس کی نیکیوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اللہ رب العزت نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کے نام ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (الاسم: ۶) ترجمہ: اور ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اوما کو اور کچھ بھائیوں کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو پسند کیا، اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی، یہ ہے اللہ کی ہدایت، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے۔

﴿وَلَوْ أَنشَرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (انعام: ۸۸) اور اگر یہ شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے سب اکارت ہو جاتے۔

☆.....شرک جو بھی کریں چاہے نبی ہو یا ولی ہو یا بزرگ ہو وغیرہ ان کے اعمال اکارت ہیں:

وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَنْ أَشْرَكَكَ لِيَحْبُطَنَّ عَمَلُكَ وَلِتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾  
بلاشبہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے (انبیاء علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے اور تو خسارہ میں رہے گا۔

### شرک کی اقسام

امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں، دین میں شرک دو قسم پر ہے، شرک عظیم، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور یہ سب سے بڑا کفر ہے، دوم شرک صغیر کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔ شرک عظیم کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... شرک اعتقادی (۲)..... شرک عملی، یا فعلی۔

### شرک اعتقادی کے اقسام

پھر شرک اعتقادی دو قسم پر ہے:

(۱)..... شرک فی العلم: یعنی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو عالم لغیب یا حاضر و ناظر جاننا،

(۲)..... شرک فی التصرف: اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مانوق الاسباب یعنی نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا۔

### شرک فعلی کے اقسام

☆..... شرک فعلی پانچ اقسام پر مشتمل ہے: (۱) شرک فی الذات (۲)..... شرک فی الصفات (۳)..... شرک فی العبادات (۴)..... شرک فی الاطاعت (۵)..... اور شرک فی العادات۔

☆..... حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شرک کی درج ذیل چار قسمیں کی ہیں:

(۱)..... شرک فی العلم: ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا، اور ہر چیز کی خبر بروقت رکھنی، دُور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہہ میں، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں۔

(۲)..... شرک فی التصرف: غلام میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور روزی کی کشائش اور نگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا، فتح و شکست دینی، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں بر لانی، بلائیں نالشی، مشکل میں دنگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اور کسی نبی، ولی کی، پیر، شہید کی، بھوت اور پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے، اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہے۔ اور اس کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں، یعنی اللہ کا ساتھ تصرف ثابت کرنا، سو یہ محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ

اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ... شرک فی العبادت: بعض تعظیم کے کام اللہ نے اپنے لئے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں، جیسے سجدہ اور رکوع اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتوں اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا، اور اس کی طرف سجدہ کرنا، اور اس کی طرف جانور لے جانا، اور وہاں مٹیں ماننا، اس پر غلاف ڈالنا، اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنا اور التجا کرنی اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر (حجر اسود) کو بوسہ دینا اور اس کی دیوار سے اپنا منہ ملنا، اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی، اور اس کے گرد روشنی کرنی، اور اس کا مجاور بن کر اس کی خدمت میں مشغول رہنا، جیسے جھاڑو بیٹی، روشنی کرنی، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لیے سامان درست کرنا اور اس کے کنوئیں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، غائبوں کے لیے جانا، رخصت ہوتے وقت اُلتے پاؤں چلنا، اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔

(۴) ... شرک فی العبادت: اللہ نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں، جیسے ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا اور جب اولاد ہو تو اس کے شکر میں اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کا نام عبد اللہ، عبد الرحمن، خدا بخش (وغیرہ) رکھنا، کھیت اور باغ میں تھوڑا بہت اس کے نام کا رکھنا، ریوڑ میں سے کچھ اس کی نیاز کر رکھنا..... اور کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا اور بُرائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے، جیسے قحط اور ارزانی، صحت و بیماری، فتح و شکست، اقبال و ادبار، غمی اور خوشی یہ سب اس کے اختیار میں سمجھنا اور اپنا ارادہ جس کام کا بیان کرنا ہو تو پہلے اس کے ارادہ کا ذکر کر دینا، مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کر دیں گے، اور جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی کے نام کی قسم کھانی، اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بنائی ہیں۔ پھر جو کوئی کسی انبیاء و اولیاء، اماموں اور شہیدوں کی یا بھوت اور پری کی اس قسم کی تعظیم کرے، وہ شرک بن جاتا ہے (تقریب الامان بہر جلد)

(۵) ... شرک فی الاطاعت: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ، ایک قوم تھی، اس کے بعض بعضوں کی عبادت کرتے تھے، یعنی اہل کتاب۔ ”کنا وایعبدون احبارہم ورہبانہم“۔ وہ اپنے احباب اور رہبان کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”اتخذوا احبارہم ورہبانہم ارباباً من دون اللہ“۔ ترجمہ: انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو خدا کے سوا رب بنا رکھا ہے۔ اور مسند امام احمد اور ترمذی میں ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بلی انہم احلوا الہم الحرام و حرموا علیہم الحلال فاتبعوہم فذلک عبادتہم ایہم“۔ ہاں! احبار و رہبان نے ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا اور انہوں نے ان کی متابعت کر لی، یہی ان کی احبار و رہبان کی عبادت تھی۔ یہ نقل کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”فالجهلة من الاحبار والرهبان ومشائخ الضلال يدخلون فی هذا الذم والتوبيخ“۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۲۷۷)

پس جاہل دینی پیشوا گوشہ نشین بزرگ اور گمراہ مشائخ (سبھی) اس مذہب اور اس زبردستی میں داخل ہیں۔ ترمذی کے الفاظ یہ

ہیں۔ ارشاد فرمایا: وہ لوگ احبار و یہاں کی (معروف طریقے سے تو) عبادت نہیں کرتے تھے، ”ولکنہم کانوا اذا حلوا الہم شیئاً استحلوه و اذا حرموا علیہم شیئاً حرموا“۔ (روہ اتر ندی، ترجمان السنۃ ج ۲ حدیث ۸۲۰)

لیکن جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے وہ اس کو حلال سمجھ لیتے اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے وہ اس کو حرام سمجھ لیتے۔ (یہی گویا ان کی عبادت تھی) تو یہود و نصاریٰ اور اہل عرب نے اپنے احبار و رہبان اور عمرو بن لُحی کی اطاعت بایں طور کی کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو ان کے حرام کہہ دینے سے حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو ان کے حلال کہہ دینے سے حلال کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کی عبادت قرار دیا۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا ”ذلک عبادتہم“ یہ شرک فی الاطاعت ہے۔

☆..... شرک فی الاطاعت کی حقیقت: یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کسی کی مستقل اطاعت کی جائے۔ یعنی اگر کسی کا حکم، حکم الہی کے خلاف بھی ہو تو بھی اس کے آگے تسلیم خم کر دیا جائے، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ قرآن میں اسے صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِنْ اطَعْتُمْوْهُمْ اَنْکُمْ لَمَشْرِکُوْنَ﴾ اگر تم نے ان (اولیاء الشیطان) کی اطاعت کی تو بیشک تم مشرک ہوئے۔

☆..... اطاعت مستقلہ کی حقیقت: یہ ہے کہ ملک و بادشاہی اللہ رب العزت کی ہے، ”لہ الملک و لہ الحمد“ تو حکم و حکومت بھی خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے ”ان الحکم الا للہ“۔ سوائے اللہ کے حکم کسی کا بھی نہیں۔ جب حکم کسی کا نہیں تو کسی کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اطاعت مستقلہ ہے، جو صرف اللہ احکم الحاکمین کا حق ہے۔

☆..... اطاعت غیر مستقلہ: ہاں! ایک اطاعت غیر مستقلہ ہے۔ یہ درحقیقت اللہ رب العزت کی اطاعت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے حکم سے ہوتی ہے جیسے رسول، اولی الامر، علماء دین و ائمہ مجتہدین وغیرہم کی اطاعت، قرآن کریم میں ”اطیعوا اللہ“ کے ساتھ ”اطیعوا الرسول“ کا حکم تو اکثر و بیشتر آیا ہے، اور ایک جگہ و اولی الامر منکم (نساء: ۵۸) بھی فرمایا گیا ہے۔ تو اس قسم کی اطاعت، درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، صاف فرمایا گیا ہے۔ ﴿مَنْ یُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللہَ﴾ جس نے رسول کا حکم مانا (درحقیقت) اس نے اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانا۔

☆..... تو جو اطاعت غیر اللہ کی ہو مگر ہو حکم الہی کے تحت! وہ نہ تو اطاعت مستقلہ ہے اور نہ ہی شرک یا حرام ہے۔ وہ تو الٹا مطلوب و محمود ہے۔ ہاں وہ اطاعت جو حکم الہی کے خلاف ہو، وہ اطاعت مستقلہ ہے، جو حرام و ممنوع ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرات فقہاء امت اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید و اطاعت کو ناجائز و ناروا بلکہ شرک کہنے والوں کی کم فہمی واضح ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرات فقہاء مجتہدین کی فقہ و اجتہاد کتاب و سنت کے تابع ہوتا ہے، خدا اور رسول خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

لہذا یہ عین اطاعت خدا اور رسول خدا ہے۔ ہاں اگر بالفرض ان حضرات میں سے کسی کا کوئی حکم خدا اور رسول خدا کے حکم کے خلاف ہو تو پھر لازمی طور پر اس کی اطاعت جائز نہیں، وہ رد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ امام الائمہ، امام اعظم رحمہم اللہ کا واضح ارشاد ہے کہ اگر میرا کوئی حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر مارو۔ ”قال اترکوا قولی بخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“

و قول الصحابة رضي الله تعالى عنهم ونقل عنه انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي۔ (تفسری مظہری ج ۲)

حقیقت یہ کہ امراء و حکام اسلام ائمہ دین و غیر ہم کی اطاعت اس وقت تک جائز و واجب ہے جب تک ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی معصیت سرزد نہ ہو۔ اگر ان کا کوئی حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو تو پھر اس کی اطاعت حرام ہے۔ احادیث پاک میں صراحت و تاکید موجود ہے۔

(۱) بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره ماله يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"۔ [متفق علیہ]

حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض ہے خواہ وہ حکم پسند آئے یا ناپسند ہو۔ جب تک اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ جب اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو مسلمان پر اس کی سمع و اطاعت جائز نہیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ عبد الملک کو جو بیعت نامہ لکھ کر بھیجا اس میں حمد و ثنا کے بعد لکھا "وَأَقْرَأُكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلَى سُنَّةِ اللَّهِ وَسُنَّتِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتَ بِهِ"۔ [موطاء، کتاب بیعت] میں تیری بات سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں (بشرطیکہ) اللہ تعالیٰ کے حکم اور سنت رسول کے موافق ہو۔ (وہ بھی) اپنی طاقت کے مطابق۔

(۳) بروایت نو اس بن سیمان، ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"۔ [رواہی شرح السنہ] خدا کے احکام خلاف ورزی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت (کا کوئی حق) نہیں۔

(۴) بروایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة في معصية إنما الطاعة في المعروف"۔ (متفق علیہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں (کسی کی) اطاعت (روا) نہیں۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوتی ہے۔

(۵) بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة لمن عصى الله" جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

(۱) شرک بالانصام: قال تعالى: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (19) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (20) أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ﴾ (انجم ۹، ۲۰، ۲۱) "بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں کچھ غور کیا؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں؟"۔

تو مشرکین مکہ لات و منات اور عزیٰ کو "خدا کی بیٹیاں" ہونے کی بناء پر خدا کے ہاں مقرب و مقبول اور ان کی شفاعت کو عند اللہ منظور سمجھتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں کفار قریش کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے ان کے سامنے پڑھا ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ﴾۔ جب آپ ﷺ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (19) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ پر پہنچے تو مشرکین کہنے لگے کہ: "وقالوا قد عرفنا ان الله يحيى ويميت ويخلق ولكن الهتنا هذه تشفع لنا عنده"۔ [طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۵]

کہنے لگے یقین کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے، لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود بارگاہ الہی میں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

ان بتوں کے نام ہی اسماء الہی سے مشتق ہیں

ابن جریر الطبری (۲۶۵ھ) اپنی تفسیر المسمیٰ "جامع البیان فی تفسیر القرآن" المعروف بہ "تفسیر ابن جریر" میں لکھتے ہیں۔ "اللات" اللہ سے مشتق ہے۔ اللہ کے ساتھ "تا" ملا دی گئی تو لفظ اللہ کی مؤنث "اللات" بن گیا، جیسے "عمرو" کی مؤنث "عمرة" اور "عباس" کی "عباسہ" اسی طرح مشرکین نے اپنے بتوں کے نام اسماء الہی پر رکھے تھے، چنانچہ لفظ "اللہ" سے "اللات" اور "العزیر" سے "العزی" اور ان کا زعم (باطل) یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، عالم اتریل، خازن)

(۲)..... شرک بالملائکہ: اسی طرح بعض مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

(۱)..... ﴿وَيَجْعَلُونَ لِّلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهُ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ﴾ (النحل ۵۷) اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (حالانکہ) وہ پاک ہے اور اپنے لیے جو چاہتے ہیں (یعنی بیٹے)۔

(۲)..... ﴿اَفَاَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ابْنَاتٍ﴾ بنی اسرائیل ۱۲۰

کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود (اپنے لیے) فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے۔

(۳)..... شرک بالجنت: مشرکین اللہ تعالیٰ سے جنوں کا بھی لہسی رشتہ قائم کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلُوا بَنُوْهُ وَبَنِيْنَ الْجِنَّةِ نِسْبًا﴾ (الصفت ۵۸۱) اور انہوں نے خدا اور جنوں میں (بھی) رشتہ داری قائم کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ سے اسی لہسی تعلق کی بناء پر مشرکین مکہ جنوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ ﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ (الاحقاف ۱۰۰)

اور لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آدمی جنوں کی پناہ پکڑتے تھے۔ ﴿كَانَ رَجُلًا مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرَجُلٍ مِّنَ الْجِنَّةِ﴾ (الحج ۶۱) غالباً عہد جاہلیت میں مشرکین جنوں کو غیب دان سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھتے تھے اور انہیں نفع نقصان پر قادر سمجھ کر ان سے ڈرتے تھے، ان سے پناہ مانگتے مدد طلب کرتے تھے اور ان کی رضا اور خوشی کے لیے نذر نیاز پیش کرتے اور چڑھا دے چڑھاتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ حالانکہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے اور مخلوق کی پرستش و عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت تو صرف خالق کا حق ہے۔

قرآن نے آکر مشرکین کے ان تصورات و عقائد کو مٹایا، مگر آج اہل اسلام نام نہاد مسلمان جنات سے ڈرتے ہیں۔ اپنی جہالت سے انہیں اپنے بیماروں خصوصاً بیمار عورتوں کے سر پر چڑھاتے ہیں۔ پیشہ ور بد معاش و بد قماش قسم کے لوگوں کو بلا کر اپنی معصوم و مظلوم بہو بیٹیوں کو ان کے آگے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ان کو سر کے بالوں سے پکڑ کر ان کے جن نکالتے ہیں۔ ان جنات کو عالم الغیب سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھی جاتی ہیں۔ پھر ان کو نکلنے اور چھوڑنے پر راضی کرنے کے لیے نذریں نیازیں پیش کی جاتی ہیں۔ مرغے بکرے وغیرہ کے چڑھا دے چڑھائے جاتے ہیں۔ جہالت کی اس ساری مہم میں عورتوں کو بے عزت کیا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کھیل میں ان

بیچاریوں کی عصمتیں لوٹ لی جاتی ہیں۔

(۴)..... شرک بالانبیاء: یہود و نصاریٰ کی ضدالت کی بنیاد بھی یہی تھی اور وہ حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے صلی تعلق کی بنا پر انہیں پوچھتے تھے۔ قوله تعالیٰ: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۳۰) اور (بعض) یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

(۵)..... شرک بالعباد: عموماً اللہ کے خاص بندوں اور مقبول و مقرب بزرگوں کو رب اور حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کو خود الہ بنادیا گیا اور خلق کثیر اس ضدالت و گمراہی کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بنی۔ یہ فتنہ دوسرے تمام فتنوں سے بہت وسیع و ہمہ گیر اور زیادہ مضروہلک ہے اور انسانیت کی پوری تاریخ اس فتنہ سے مجروح و داغدار ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اکثر اقوام عالم اس فتنہ میں مبتلا ہوئیں۔ کیا یہود و نصاریٰ اور کیا ہندو سکھ اور مسلمان، جہاں یہ فتنہ وسعت و ہمہ گیری کے اعتبار سے دوسرے سب فتنوں سے زیادہ اور اہم ہے وہاں اس لحاظ سے بہت زیادہ حیرت و عبرت اور حسرت و افسوس کا موجب ہے کہ اللہ کے جو محبوب و منتخب بندے شرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور جنہوں نے ہر قیمت پر شرک کو مٹانے کی سعی مسلسل کی اور اپنی جان تک قربان کر کے دنیا کو توحید کا سبق دیا، آروں سے چر گئے، آگ کے شعلوں میں پھنک گئے، سولی پر چڑھ گئے، تلوار سے کٹ گئے، ان کے وجود پاک کی نکابوٹی ہو گئی، ان کے لبہ سے زمین لالہ زار بنی، مگر ان عظیم بندگان خدا نے اف تک نہ کی ہر حال میں ہر قیمت پر اپنا فرض ادا کیا اور خلق خدا کو شرک کی لعنت سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، و احسرتا کہ اللہ کے بندوں نے خود انہی عظیم بندگان خدا کو خدا بنادیا۔ خود ان حضرات انبیاء و صلحاء اور صدیقین و شہداء کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنادیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کو اور ان کی مبارک مزاروں اور خانقاہوں کو معبد و مسجد بنالیا۔ ان کی قبروں کی چوماچائی ہونے لگی۔ مزاروں پر جہ سائی ہونے لگی۔ سجدے تڑپنے لگے۔ چڑھاوے چڑھنے لگے۔ ان کی تصویریں چومی جانے لگیں۔ ان کی تمثالیں اور مورتیاں بچنے لگیں۔ حتیٰ کہ ان کے نام پر بت اور صنم گھڑ ڈھال کر لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔ جن نفوس قدسیہ کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ جن کے وجود اطہر کا رُواں رُواں اور جن کے لبہ پاک کا قطرہ قطرہ نشر و اشاعت توحید اور سد باب و استیصال شرک کے لیے وقف تھا، ان کی وفات کے بعد ان کی مزار پاک کا ذرہ ذرہ شرک و بدعت کا مرکز بن گیا اور ان کا ہر اثر و نشان توحید باری تعالیٰ کے لئے چیلنج کی شکل و صورت اختیار کر گیا۔

☆..... اولیاء و صلحاء اولین: قدیم ترمذی مفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۰ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ، سواع، یغوث، اور نسر نیک اولیاء اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، بہت سے لوگ ان کے مقتدی و پیروکار تھے۔ جب یہ (اولیاء اللہ) وفات پا گئے تو ان کے مقتدیوں پیروؤں نے کہا! اگر ہم ان کی شکلیں بنالیں، جب ہم ان شکلوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ کر لیں گے تو عبادت الہی میں بہت ذوق و شوق پیدا ہو جایا کرے گا، چنانچہ انہوں نے ان کے مجسمے بنا ڈالے۔ جب یہ لوگ مر گئے اور نئی نسل آئی تو شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہارے اسلاف تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کے صدقے بارش سے سیراب ہوتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ (تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، المبدیۃ والنہایہ)



غور فرمائیے! مجسمہ ساز یوبت گری کی ابتداء عبادت الہی کے جذبہ سے ہوئی اور یاد خدا میں ذوق و شوق اور ولولہ و جوش پیدا کرنے کے لئے انہوں نے آدم علیہ السلام کے ان نیک بیٹوں کے مجسمے یعنی بت بنا ڈالے۔ مال کار جن کی پوجا ہو کر رہی۔

☆..... بت مقصود نہ تھے بلکہ بت تو صرف اولیاء و صلحاء کی عبادت کا قبلہ و ذریعہ تھے

مشہور و متداول تفاسیر وغیرہ میں اکابر مفسرین و علماء نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ بت پرست جو بتوں کی پرستش کرتے تھے اس سے مقصود بتوں کی پوجا نہیں تھی بلکہ مقصود اصلی ان حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء کرام و مقربین کرام و مقربین بارگاہ الہی کی عبادت و رضا طلبی تھی جن کی شکل و صورت پر انہوں نے وہ صورتیاں بنا رکھی تھیں۔

☆..... چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور مشرکین ان بتوں کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ستاروں یا ارواح سماویہ یا گزشتہ حضرات انبیاء و صلحاء کی صورتیاں ہیں اور ان کی عبادت سے ان کا اصل مقصود ان چیزوں کی عبادت ہے جن کی شکل و صورت پر انہوں نے وہ صورتیاں بنا رکھی ہیں۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ صورتیاں ستاروں کی شکلوں پر بنائی گئی ہیں یا یہ فرشتوں اور گزشتہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی صورتیاں ہیں۔ وہ ان صورتیاں مجسموں کی تعظیم اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کی تعظیم حقیقت میں ان ملائکہ اور حضرات انبیاء سابقین کی تعظیم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۶۱)

☆..... اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے رقمطراز ہیں کہ: "ان الشفعاء لیست الا صنم انفسہا بل اشخاص مقربون ہی تمائیلہم"۔ شفعاء سے بعینہ بت مراد نہیں بلکہ اس سے ان کی مراد وہ مقرب بندے ہیں جن کے وہ مجسمے ہیں۔

☆..... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بتوں کو صاف قبلہ تحریر فرماتے ہیں۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اگلے نیک لوگوں نے خدا کی خوب عبادت کی اور بارگاہ الہی میں مقرب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا فرمادی پس مشرکین نے ان بزرگوں کے ناموں پر پتھر (کے بت) تراش لیے ان بزرگوں کی طرف توجہ کرتے وقت وہ ان بتوں کو قبلہ بنا لیتے۔

☆..... خلاصہ ان تصریحات و تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مشرکین کے معبود ذوی العقول صلحاء و اولیاء اللہ تھے۔ بد بخت افراد و قبائل بظاہر بتوں کی پوجا کرتے بھی تھے تو پتھروں وغیرہ کے یہ صنم اور بت مقصود بالذات نہ تھے بلکہ ان عباد اللہ الصالحین کی طرف متوجہ ہونے کا حیلہ و ذریعہ اور قبلہ تھے۔ مشرکین ان بتوں کے آگے شریکۂ اعمال کرتے ان کی پوجا پاٹ چوما چاٹی کرتے تو محض اس لیے کہ اس ذریعہ سے انہیں ان اولیاء و صلحاء کا تقرب حاصل ہو جائے گا، وہ ان سے خوش اور راضی ہو جائیں گے اور ان کی بیگڑی بن جائے گی۔ ورنہ دنیا میں ایسا حلق اور بے وقوف کوئی مشرک نہیں جو یہ سمجھے کہ یہی ہمارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت ہمیں خدا تک پہنچادیں گے یا ہماری مشکل حل کر دیں گے۔

☆..... آج قبریں اولیاء اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہیں

بالکل اسی طرح آج کے نام نہاد مسلمان حضرات اولیاء کی قبروں خانقاہوں اور ان کے بعض آثار و نشانات کی عبادت کرتے ہیں مگر اس سے مقصود قبر وغیرہ کی بالذات عبادت نہیں ہوتی، مقصود صاحب قبر اس بزرگ کی تعظیم و عبادت ہوتی ہے۔ اسی کی رضا و خوشنودی کا حصول

مطلوب ہوتا ہے، گو بظاہر بوس و کنار سجدہ و طواف قبر کا ہوتا ہے اور منت منوتی جھنڈے نشان مکان، پیپل، بڑ، جنڈ، جال اور گھوڑے وغیرہ کی مانی جاتی ہے۔ ورنہ ایسا احمق اور اندھا کوئی شخص نہیں ہو سکتا جو مٹی چونے کی قبر اور مکان و نشان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے یا یہ یقین کرے کہ پیپل بڑ جنڈ جال یا جھنڈ اور گھوڑا انسان کو بچے دیتا ہے۔

پھر اولیاء و صلحاء کی عبادت مقصود نہ تھی ان کی عبادت قرب و وصل الہی کا ذریعہ تھی

بتوں کی عبادت سے مقصود اللہ کے عظیم بندوں نبیوں اور ولیوں کی عبادت تھی۔ پھر ان اکابر کی عبادت بھی اصلاً مقصود نہیں تھی، یہ خود ذریعہ تھی بارگاہ الہی میں قرب و وصل کا۔ ان کا زعم تھا کہ ان اعظم رجا کی ہم عبادت کریں گے تو یہ خوش ہو کر بارگاہ الہی میں ہماری سفارش کریں گے۔ ان کے واسطے سے ہماری اِلٰہِ اعلیٰ خدائے واحد تک رسائی ہو جائے گی۔ ہمیں اس طرح اس ذات واجب الوجود کا تقرب حاصل ہو جائے گا۔ قریباً تمام اکابر و اجلہ ائمہ تفسیر و علماء اعلام کی یہی تحقیق ہے۔

(۱) چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔ نیک (بزرگ اولیاء اللہ) لوگ مرجاتے تو لوگ ان کی شکل و صورت پر مورتیاں گھڑ لیتے اور ان کی تعظیم میں لگ جاتے اور اس سے ان کی غرض ان وفات پانے والے بزرگوں کی تعظیم ہوتی تاکہ وہ بزرگ عند اللہ ان کے سفارشی ہوں۔ ان کے اس قول ما بعدہم الا سے ان کی یہی مراد ہے۔

(۲) سید شریف علی بن محمد الجرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں: بت پرست دو واجب الوجود الہوں کے قائل نہیں نہ وہ اپنے بتوں کو صفات الوہیت سے متصف مانتے ہیں گو وہ انہیں الہ کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو اس لیے بتوں کو الہ بنایا کہ وہ حضرات انبیاء یا تارک اند نیا عبادت گزار بندوں یا فرشتوں یا ستاروں کی مورتیاں ہیں اور وہ ان کی عبادت کے طور پر تعظیم کے اندر (اس لیے) مشغول ہو گئے تاکہ وہ اس سے الہ حقیقی تک پہنچ سکیں۔ عہد آخر کے شہرہ آفاق مفسر محقق علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ، ایک قول ہے کہ اصنام کی طرف شفاعت کی نسبت باعتبار سمیت ہے، یہ اس لیے کہ، جیسا کہ مشہور ہے انہوں نے اپنے اعلیٰ مقام و ذی قدر صلحاء کی صورت پر ان بتوں کو بنا رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ نیک بزرگ بندے (اولیاء اللہ بارگاہ الہی میں) ان کی سفارش کریں گے۔

۶۷۔۔۔ کلمہ گو مسلمان کفار و مشرکین کے نقش قدم پر

تفسیر کبیر میں ہے۔ انہوں نے یہ بت ان پیغمبروں اور بزرگوں کی شکل و صورت پر بنا رکھے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بزرگ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے اور اس کی مثال اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہو گئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جب وہ ان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ قبروں والے بزرگ عند اللہ ان کی سفارش کریں گے۔

امام کی بیان کردہ یہ حقیقت حال کتنی دردناک ہے کہ مشرکین عرب جس طرح دنیوی ضروریات اصلاح معاش و سعت رزق وغیرہ حاجات یا نجات آخرت کی عند اللہ سفارش کے لیے اپنے بزرگوں کی شکل و صورت پر گھڑے ہوئے بتوں کے سامنے شریک اعمال اور پوجا پاٹ کرتے

تھے، کہ وہ بزرگ اور خاصانِ خدا جن کے یہ بت ہیں یا مورتیاں، ہم سے ان شرکیہ اعمال اس تعظیم اور عبادت کی وجہ سے خوش اور رضامند ہو جائیں گے اور اپنے خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر کے ہماری مشکلات حل اور ضروریات پوری کرا دیں گے، اسی طرح اس زمانے کے مدعیانِ اسلام اولیاء اللہ کی قبروں پر دنیوی حاجت روائی و مشکل کشائی یا نجاتِ اخروی کے لیے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، قبروں کی چوما چاٹی کرتے ہیں، طواف و سجدہ کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذرین، منتیں مانتے ہیں، آہ فریاد کرتے ہیں، روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ پھر حضرت امام رحمہ اللہ کا زمانہ تو چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں یہ تصور تھا کہ یہ اولیاء اللہ ہمارے ان شرکیہ اعمال سے راضی اور خوش ہو کر بارگاہِ الہی میں ہماری سفارش کریں گے اور اپنے اللہ سے ہمارا کام کرا دیں گے، مگر آج تو اللہ کو سفارش کرنے یا اللہ سے کام کرا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تو اکثر و بیشتر یہی ایمان و ایقان ہے کہ سب کچھ صاحبِ قبر حضرت صاحب کے اختیار ہے۔ مشکل کشائی یہ خود کریں گے۔ حاجت روایہ خود ہیں۔ ایک جہنم کے ایندھن نے تو بر ملا یہاں تک کہہ دیا۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟ لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے؟

☆..... مشرکین سابقین اور موجودہ مسلمانوں میں توافق و تطابق

(۱)۔ مشرکین کا یہ قول ہے کہ! ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ بت عند اللہ ہماری سفارش کریں گے۔

(۲)۔ یا ان کی یہ منطق! معبودِ اعظم (اللہ تعالیٰ) کی ذات اس سے بلند و بالا تر ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے بشرکی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ اللہ کے بزرگ بندوں (اولیاء اللہ و انبیاء علیہم السلام) کی عبادت میں لگے رہیں۔

(۳)۔ یا ان کا یہ کلام کہ! ان کی عبادت کے بغیر خدا کی عبادت قبول نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا رتبہ بہت بلند ہے اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا، لہذا ان کی عبادت ضروری ہے تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

(۴)۔ مشرکین مکہ کے اس مذکورہ بالا قول و کلام اور عہدِ حاضر کے جاہل مشرکین کا یہ بیچ اور پوچھ قول کہ! مکان پر چڑھنا ہو تو پہلے سیرھی کا انتظام کرنا ہوگا، بھلا سیرھی کے بغیر مکان پر کون چڑھ سکتا ہے؟

(۵)۔ یا یہ فضول دلیل کہ بادشاہ یا حاکم اعلیٰ سے کوئی کام ہو تو براہِ راست عرض نہیں کیا جاسکتا، پہلے نچلے درجہ کے حکام اور افسروں کی خدمت میں درخواست گزاری جائے گی، وہ اوپر اقتدار اعلیٰ تک پہنچائیں گے تب کام ہوگا۔ ہماری وہاں تک رسائی کہاں؟ اسی طرح کوئی بندہ براہِ راست بارگاہِ الہی میں درخواست و دعا نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی دعائیں ان بزرگوں، اللہ والوں سے کریں گے، وہ آگے اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے، اور ہمارا کام کرا دیں گے۔ تو یہ مشرکین و مسلمین کے زعم و خیال اور قول و منطق میں مشابہت کاملہ ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ایک منطق کل کے مشرکین کی تھی اور ایک دلیل آج کے نام نہاد مسلمین کی ہے (شرک و توحید کی حقیقت)

استعانتِ بغیر اللہ کے چند صورتیں

جس ذات نے انسانوں کی تخلیق کی ہے اس ذات نے اس انسان کو ہر طرح کی ضروریات مہیا کرنے کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ اس کا اعلان

ہے کہ میں تمہارے اتنا قریب ہوں کہ تم خود اپنے اتنے قریب نہیں ہو اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے اور جو نہ مانگے بلکہ دوسروں سے مانگے میں اس سے ناراض ہوتا ہوں اور اس کو اس جرم میں جہنم داخل کروں گا۔ پھر ایسی ذات کو چھوڑ کر کسی مجبور ذات کے سامنے ہاتھ پھیلا نا اور التجائیں کرنا دنی سی بھی عقلمندی نہیں ہے۔ اس لئے بنیادی عقائد میں سے ہے یہ بات کہ صرف اللہ ہی کو پکارا جائے کسی اور کو ہرگز ہرگز نہ پکارا جائے۔ اگر بکارا گیا تو اس پکارنے والے نے اللہ کی ذات و اختیار میں کسی کو شریک کیا، غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کی چند صورتیں بمع حکم لکھی جاتی ہے۔

☆ ... قسم اول: کسی کو فاعل مستقل اور قادر بالذات کے عقیدہ سے بکارنا یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اس عقدہ سے پکارنا کہ یہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ قدرت اس کی ذاتی ہے اور بغیر کسی مدد کے ہر حاجت پوری کر سکتا ہے یہ عقیدہ رکھنے والا کافر ہے ایسے شخص کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔

☆ ... قسم دوم: غیر اللہ کو قادر بالذات تو نہ سمجھے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے پاس قدرت تو ہے مگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اب یہ ہر چیز پر قادر ہے جیسے بادشاہ اپنے کچھ اختیارات اپنے وزیروں کو دے دے اسی طرح اللہ نے ان کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ اس عقیدے کا حامل شخص کافر ہے۔ اسی طرح حضور کریم ﷺ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے کفار کا یہی عقیدہ تھا۔ ایسے عقائد رکھنے والوں کے ذہن میں شیطان یہ بات داخل کر دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی عام بادشاہوں کی طرح ہیں کہ جن سے تمام انتظامات کئے نہیں جاتے اس لئے انکو سیکرٹری وغیرہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کو اسلئے معاونت کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے نہ تو تمام کام اکیلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی تمام شعبوں کی وہ نگرانی کر سکتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو بندوں پر قیاس کرنا کفر ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔

☆ ... قسم سوم: غیر اللہ کو نہ قادر بالذات سمجھے اور نہ ہی اس کی قدرت بے طائے الہی سمجھے لیکن غیر اللہ کے ساتھ معاملات ایسے کرے جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کو بھی یہی شبہ ہو کہ یہ اس غیر اللہ کو قادر بالذات سمجھتا ہے مثلاً کسی کی قبر پر سجدہ کرنا ان کے نام کی منت ماننا وغیرہ یہ اس کرنے والے کا فعل حرام ہے اور یہ شرک اعتقادی نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس فعل کا کرنے والا مسلمان تو ہے لیکن فاسق و فاجر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

☆ ... قسم چہارم: یہ استعانت کی صورت جو نر اور مباح ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ یعنی کسی غیر اللہ سے مدد مانگنا ایسی چیزوں میں کہ جن کا تعلق اسباب سے ہو یہ صورت جائز ہے۔

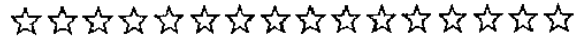
☆ ... شرط نمبر ۱: وہ اسباب عادیہ سے ہو جیسے روٹی سے بھوک مٹانا پانی سے پیاس دور کرنا یہ جائز ہے کیونکہ ان اشیاء کو تو شریعت نے ہی سبب قرار دے دیا ہے۔

☆ ... شرط نمبر ۲: وہ اسباب شرعیہ میں سے ہو مثلاً کسی سے دعا کروانا یا کسی سے جائز اور شرعی دائرہ میں تعویذ لینا یا جائز چیز کا دم کر دانا۔

☆ ... شرط نمبر ۳: کسی کو شرک کا شبہ نہ ہو تو بھی استعانت جائز ہے۔ تو ان شرائط کے ساتھ کسی سے مدد مانگنا جائز ہے۔

( آثار خیر مولانا خیر محمد جالندھری، ۱، ۲۰، ۱۱، خذ، عقد کد اہل السنۃ والجماعۃ زین العابدین صاحب ۹۸۰۹۷ )

نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو قادر سمجھنا یہ شرک فی الصفات الہی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ ہے اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک شریک کی حقیقت۔



## صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک آپ ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو نور ذاتی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل اور غلط ہے، لہذا یہاں یہ واضح کر دیا جائے گا کہ صوفیاء کرام کے نزدیک حضور ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں، حضور کرام صلی اللہ علیہ وسلم ذات کے اعتبار سے صرف بشر و انسان ہی نہیں بلکہ سید البشر، افضل البشر۔ خیر البشر فخر بنی آدم اور انسانیت کے سر تاج ہیں۔ اور صفات کے لحاظ سے نور ہی نہیں بلکہ مصدر نور، منبع نور اور منیر ہیں ہر مکان و زمان میں آپ ہی کے نور ہدایت ہونے سے چمک دمک کی بہاریں ہیں۔ ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ میں ہماری طرح ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے پوری انسانیت سے فائق ہیں۔

نور اور بشر میں تعارض نہیں ہے

آپ کی ہستی میں بشریت بطور ذات نورانیت بطور صفت جمع ہے۔ بشریت کا ثبوت قرآن کریم کی ان جیسی کئی آیات سے ہوتا ہے مثلاً:

قَالَ تَعَالَى ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (کہف۔ آیت ۱۱۰)

ترجمہ: آپ اعلان کر دیں کہ میں تو بشر ہی ہوں تم جیسا (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (نبی کی زبان سے اعلان کروانا شاید اس وجہ سے ہو کہ کوئی نبی کی محبت میں غلو کر کے گمراہ نہ ہو جائے)۔

☆..... آپ ﷺ کی صفت نور کا ثبوت قرآن سے۔

قَالَ تَعَالَى ﴿فَإِذَا جَاءَ كُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ لِنُورٍ﴾ (مائدہ۔ آیت ۱۱۵)

ترجمہ: بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور (عند البعض یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور روشن کتب (دونوں کا قدر مشترک مقصد ایک ہی ہے جو ضمیر سے سمجھ آ رہا ہے) راہ دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے۔ الخ۔

نور کے اقسام

نور کی دو قسمیں ہیں (۱) ... نور حسی (۲) ... نور معنوی نور ہدایت۔

☆ نور حسی: ایسے نور اور روشنی کو کہتے ہیں کہ جن کے وجود کے موجود ہونے کا علم حواس خمسہ ظاہرہ سے ہو جیسے ٹیوب لائٹ کی روشنی اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات کے اعتبار سے نور مانا جائے تو کیا آپ نور حسی ہیں؟

☆ ... نور معنوی یا نور ہدایت: ایسے نور کو کہتے ہیں جو ہدایت کے اعتبار سے نور ہوں جیسے علم کو نور کہا جاتا ہے اور علم نور معنوی ہے علم آنکھوں سے نظر نہیں آتا یہ تو فہم و فراست و بصیرت سے نظر آتا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نور معنوی یا نور ہدایت ہیں۔

☆ ..... ایک غلطی کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر البشر ہیں اور حقیقت میں نور ہیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے اگر تو مزاج بشریت

تبدیل ہو جاتا ہو تب تو یہ درست ہے لیکن اگر مزاج بشر والا ہی ہو تو پھر ظاہراً آپ کو بشر بنانے کا کیا فائدہ ہوا۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چند نور پیغام الہی لیکر آئے حضرت نے ان کی ظاہری بشریت دیکھ کر ان کو حقیقی بشر سمجھ کر ان کیلئے کھانا تیار کروایا۔ لیکن انہوں نے کھانا نہیں کھایا اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ ہم کھانا نہیں کھاتے اس لیے کہ ہم حقیقت میں نور ہیں ظاہراً بشر ہیں جس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً بھی بشر ہیں حقیقتاً بھی بشر ہیں لہذا اہل ہوا کا نظریہ درست نہیں ہے۔

☆ مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: ”اے بھائی! محمد رسول اللہ ﷺ اپنی اس اونچی شان کے باوجود بشر تھے اور حادث ہونے (پیدا ہونے) اور ممکن الوجود ہونے کا نشان آپ میں قائم تھا۔ بشر خالق بشر کا مقام کیا پاسکتا ہے اور ممکن الوجود واجب الوجود کا درجہ کیا لے سکتا ہے اور حادث قدیم کا جس کی عظمت بہت اونچی ہے۔ کیسے احاطہ کر سکتا ہے؟

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: انبیاء کرامؑ عام انسان کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں۔ حقیقت بشری اور ذات انسانی پر سب بنی نوع انسان کے ساتھ وہ متحد اور ایک ہیں ان کی باقی بنی نوع انسان سے خصلت ان کی صفات کاملہ کی بنا پر ہے۔ (نہ یہ کہ وہ انسان ہی نہ ہوں) (مکتوبات دفتر اول، ص ۶۶۶، بحوالہ فرقہ بریلویت پاک، دہندہ تحقیقی جائزہ ۲۸۵-۲۸۷)

☆ ..... علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: سو ہمارے نبی کریم ﷺ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور بشر ہیں آپ پر بیماریاں اور ضرورتیں اترتی ہیں خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے آپ کہہ دیں میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔ (البواب الشیح ۲/۲۱۸، بحوالہ ۱۷)

☆ ..... امام نوویؒ لکھتے ہیں: ”علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام اعضاء بدن اور جہات وجود میں اللہ تعالیٰ سے نور مانگا اس سے مراد حق کا بیان اس کی روشنی اور اس کی طرف راہ پانا ہے سو آپ نے اپنے تمام اعضاء اور اپنے پورے جسم میں اللہ تعالیٰ سے نور کی درخواست کی کہ آپ کے تمام تصرفات تمام حالات میں آپ کی ہر جہات میں نور اترے۔ (شرح صحیح مسلم ۲۶۰/۱)

☆ ... حافظ بن حجر عسقلانی بھی لکھتے ہیں: ”یہ سب امور ہدایت، بیان اور سچائی کی چمک کی طرف لوٹتے ہیں۔

☆ ..... علامہ یوسف اردبیلی الشافعیؒ نے بھی یہاں یہ تعبیر اختیار کی ہے۔ آپ کی یہ نور طلبی بتائی ہے کہ آپ ذاتاً نور نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے صفۃ نور ہونا طلب کر رہے ہیں۔

☆ ..... سوال: اگر آپ ذاتاً نور نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے اول ما خلق اللہ نور ی یہ خلقت میں نور ہے صفت و اکتساب میں نہیں۔

☆ ..... جواب: اگر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ کہیں ثابت ہو تو لفظ نور یہاں روشنی کے معنی میں نہیں روح کے معنی میں ہوگا۔ روح اور پھر نبی کی روح وہ ایک نورانی چیز ہے۔ اور مزید یہ کہ اس وقت روح مبارک کا جسد بشری سے تعلق بھی نہیں اس اعتبار سے آپ کی روح اقدس کی پیدائش گویا ایک نور کی پیدائش تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نورانیت سے آپ کے دنیا میں تشریف لانے پر آپ کی بشریت کی نفی ہوگئی۔

ملائی تاری لکھتے ہیں: ”اسی طرح آپ کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا کیا اور نور اور روح کا معنی یہاں ایک ہے ارواح سب نورانی ہیں۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح میں سب پہلے میری روح کو خلقت بخشی“۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ۱/۱۶۷ طبع جدید، ماخذ بالا)

نور وہ چیز جو روشن ہو روشنی اس کی صفت ہو اور اس کی روشنی میں چیزیں بھی دیکھی جاسکیں۔

جہ: سلامہ نوویؒ خدا کے نور کے ضمن میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ دلوں کو محاسن اخلاق کی راہ دکھاتا ہے اور ان میں حق کو روشن کرتا ہے اور اسے جن لیتا ہے“۔ (مرۃ ۵/۹۹)

سویا در ہے کہ نور محمدی سید البشر پر اتر اہو نور ہے۔ اور یہ افاضہ الہی ہے خدا کی عطا اور دین ہے، یہ صحیح نہیں کہ نور محمدی الہی سے صادر ہوا یا یہ کہ وہ اللہ کے نور کا حصہ ہے اس کی ذات الہی سے کوئی شرکت نہیں۔ نور الہی سے نور محمدی کا صدور الحادی عقیدہ ہے۔

☆... سایہ نہ ہونے کے متشابہ سے مغالطے میں نہ پڑیں:

بعض لوگوں کے عقیدہ میں آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونا بطور خرق عادت نہیں نور کی صفت کے طور پر تھا اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ میں بشریت بالکل نہ ہو اور آپ کی پیدائش عناصر سے نہ ہو اور یہ عقیدہ بالکل عیسائیت کی گود میں ل بٹھاتا ہے کیوں کہ جو مسلمان حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے قائل گزرے ہیں۔ وہ آپ میں یہ شان بطور معجزہ اور خرق عادت تسلیم کرتے تھے، اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ آپ عاۃ اس نوع سے ہوں جس کا سایہ ہوتا ہے اور یہ بشریت کا صریح اقرار ہے قرآن کا انکار نہیں۔ (فرق بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ: ۲۹۶ تا ۲۹۴)

یہ لوگ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ اگر آپ ذاتاً نور تھے تو پھر آپ ساری زندگی اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے نور کیوں مانگتے۔ یہ سب اسلئے تھا کہ آپ کا ہر فعل اور ہر قدم کائنات کیلئے نور بن جائے یہ نور ہدایت کا پھیلانا ہے جس کی آپ نے اللہ کے حضور طلب کی تھی۔

☆... کیا نور سے بالا کوئی اور درجہ روشنی بھی ہے؟

روشنی کے دو پیمانے سامنے رکھئے۔ (۱)۔ سورج (۲)۔ چاند..... چاند کی روشنی جہاں بھی ہو وہیں ہوتی ہے یہ آگے نہیں پھیلتی۔ سورج جہاں ہو وہاں بھی ہے اور جہاں نہ ہو وہاں بھی اس کی روشنی پھیلی ہوتی ہے۔ دن کے وقت کروں کے اندر جو دن کی روشنی ہے وہ سورج کی روشنی کا ہی فیض عام ہے۔ روشنی کے اس انتشار اور پھیلاؤ کو ضیاء کہتے ہیں اور جو روشنی جہاں ہو وہی رہے اسے نور کہتے ہیں قرآن کریم میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا﴾ (یوسف: ۵) اس سے یہی کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ ضیاء اپنے پھیلاؤ اور انتشار میں نور سے قوی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ یا حضور نبی خاتم کیلئے لفظ نور تو آ سکتا ہے لفظ ضیاء نہیں اور اس سے بھی مراد نور ذات نہیں نور ہدایت ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ کے نور نبوت کی قیامت تک پھیلی ہے۔ اس سے آگے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں۔

☆... خدا کا نور عام ہے یا کسی ایک فرد میں محدود ہے:

فلا سمعہ ”الواحد لا یصدر منه الا الواحد“ کے قائل ہیں ان کے قول پر خدا کا نور کسی ایک فرد میں اترے گا اور پھر آگے پھیلے گا اور پھر یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ خدا نور ذات ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ نور ہدایت ہے اسی طرح حضور نبی ﷺ بھی نور ذات نہیں کہ ان کا



نور بقول شیعہ صرف ایک (حضرت علیؓ) میں اترے۔ آپ نور ہدایت ہیں جن کا نور سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

جب یہ بات طے ہوئی کہ اللہ رب العزت کی ذات نور نہیں۔ نور اس کی صفت فعل ہے۔ تو یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اس کا نور عام ہے کسی ایک میں محدود نہیں۔ اللہ رب العزت نے سب انسانوں کو ظلمت میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنا نور (نور ہدایت) ڈالا۔ یہ افاضہ الہی کسی ایک فرد پر نہ تھا۔ بہت سے سعادت مند اس دولت کو پا گئے۔ ان سعادت مندوں کے دل وہ ظروف ہیں جن میں نور الہی ان کی بساط استعداد اور طلب کے مطابق اترتا ہے۔ سب سے زیادہ جس ذات گرامی نے اس نور کو اپنے اندر جذب کیا وہ حضور ﷺ خاتم النبیین تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے شرح صدر فرمادیا تھا۔ اور ہدایت کی ساری راہیں ان پر کھول دی تھیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ”بے شک زمین والوں میں اللہ کے کچھ ظروف ہیں اور تمہارے رب کے ظروف اللہ کے نیک بدوں کے دل ہیں اور ان میں اللہ کو سب سے پیارے وہ ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پیہچنے والے ہیں۔“ (تفسیر مظہری: ۵/۵۸۸)

اللہ کے ان ظروف میں اللہ رب العزت کا نور اترتا ہے کسی ایک میں نہیں سب اس اضافہ نور سے منور ہیں اور یہ آخرت تک ان کے ساتھ جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ﴾ (الہد: ۱۲) اب کیا یہ مومن اور مومنات نور من اللہ ہو گئے۔ (العیاذ باللہ) یا ان کا یہ نور نور ذات تھا؟ یہ نور ذات کے ڈھلے پیمانے تھے جو ان کے آگے آگے اور دائیں چلتا ہوگا۔ نوری باری تعالیٰ کے یہ انسانی ظروف تو ایک طرف خود زمین بھی اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گی تو کیا یہ اللہ کا نور ذات ہوگا نہیں اللہ کی ذات نور نہیں اور نہ اب تک کسی نے اس کی ذات اور کنہ کو دریافت کیا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ﴾ (الزمر: ۶۹) اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور رکھ دے جائیں گے، سب بنی آدم بشمول جمیع انبیاء و مرسلین اپنے جدا جدا حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ معلوم کریں کہ تخلیق آدمؑ نور سے ہوئی یا آپ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ فرشتے نور سے، جنات آگ سے، اور انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان تینوں میں مٹی سے پیدا ہونے والا سبقت لے گیا اور نور والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوئے صرف شیطان اس بات کو نہ سمجھا کہ مٹی سے پیدا ہونے والا نور نار سے کیسے بڑھ سکتا ہے۔ فضیلت بشری کا یہ پہلا انکار ہے جو ابلیس نے کیا۔ جیسا کہ آیت مذکور ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ (28) فَادَا سَوِيَّتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (29) فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ (30) إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ (الحجر: ۳۱-۳۸) ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: ”میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ لہذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔“ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔“

اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ حضرت آدمؑ میں اللہ نے اپنی روح ڈالی تھی۔ مگر حضرت آدمؑ کے بارے میں کسی نے روح من روح اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔ یہ روح آدمؑ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اضافت تشریفی ہے اور وہ اللہ کی پیدا کردہ خاص روح تھی جو اللہ نے آدمؑ میں

پھونکی خالق خود روح نہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بشر (آدم) کو خلقت بخشی اسے پیدا کر کے پھر اس پر اپنا نور ڈالا یہ بھی اللہ کا پیدا کردہ تھا ایک خاص شان کا نور تھا۔ مگر آدم کے بارے میں کسی نے نور من نور اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔ حضرت آدم خلقت میں بشر تھے صفت میں اس اترنے والے نور سے راہ پا گئے پس حضرت آدم کی بشریت میں جو نوع و ذات کے اعتبار سے تھا اور ان کے نور ہدایت ہونے میں (جو بطور صفت انہیں ملا) کوئی تعارض نہ رہا۔

☆ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا حضرت آدم سے تسلسل:

حضرت ﷺ کو بھی حکم ہوا کہ اپنی بشریت کا اعلان کریں اور بشریت بھی وہی جو حضرت آدم کی جملہ اولاد کی ہے البتہ اس اولاد میں آپ ایک محسوس امتیاز کے حامل ہیں کہ آپ پر وحی آتی ہے جو اوروں پر نہیں آتی ارشاد ہوا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ (تکویف: ۱۰) ”آپ کہہ دیں میں اس کے سوا نہیں کہ بشر ہوں جیسے تم۔ وحی آتی ہے مجھ پر معبود تمہارا ایک معبود ہے۔“ یہ نص صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نوع بشر سے ہیں جیسے اور انسان اس نوع سے ہیں ہاں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نص کا منکر نہ ہوگا مگر وہی جو کافر ہو۔ مسلمان کی توجرات نہیں کہ وہ نص صریح کا منکر ٹھہرے۔ یہ عقیدہ کافروں کا تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا بشر ایک معمولی مخلوق ہے بھلا اس پر نبوت کیسے آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور حضور ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی بشریت اور رسالت دونوں کا ایک اعلان کریں اور ان دو میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ بشریت میں آپ جملہ بنی آدم کے ساتھ شریک ہیں مگر آپ ﷺ بے مثل بشر ہیں۔

☆ بشریت انسان کے معنی میں:

قرآن کریم میں لفظ بشر اور انسان ایک معنی میں آتے ہیں: ﴿فَإِمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾ (مریم: ۲۱) ”سوا اگر تو دیکھے کسی بشر کو تو کہہ کہ میں نے روزہ کی نذر مانی ہے رحمٰن کی۔ سو آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گا۔“ یہاں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔

☆ دوسری شہادت: قال تعالیٰ: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین: ۴) کہہ کر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا واضح کیا ہے سوا اگر انبیائے کرام کی بشریت کا انکار کیا جائے اور انہیں کسی اور نوع کی مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں مقام نبوت کی کھلی توہین اور بے ادبی ہوگی۔

☆ تیسری شہادت: قال تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۷۹) کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو دے اسے کتاب، حکم اور نبوت اور وہ لوگوں کو کہے تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اور کتاب کا مورد ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں۔

☆ چوتھی شہادت: قال تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (غیر ذی: ۵۱) ”اور یہ کسی بشر کے بس میں نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر یہ تین صورتیں ہیں: (۱)..... اندر ہی

اندر ایک بات دل میں اترے (۲)۔ پردے کے پیچھے سے کوئی آواز سنائی دے۔ (۳)۔ یادہ کسی کو قاصد بنا کر بھیجے جو اس کے اذن سے اسے اس کی بات کہے۔“ اس آیت معلوم ہوا کہ خدا جب بھی اپنا پیغام دینے کیلئے کسی سے ہم کلام ہو تو وہ بشر سے ہی ہم کلام ہوا اور اس میں بشر کا اعزاز ہے نبوت کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔

☆..... سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات دوسرے انبیاء کے متعلق تو کہی جاسکتی ہے لیکن حضور ﷺ تو نور من نور اللہ تھے وہ اس حکم میں شمار نہیں کیے جاسکتے؟

☆..... جواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے معاً بعد حضور ﷺ کو بھی اس حکم میں شریک فرمایا ہے: ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (اشعری ۵۲) ”اور اسی طرح ہم نے بھی آپ کی طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے اور آپ نہ جانتے تھے کیا ہے کتاب اور نہ ایمان (کی تفصیل) لیکن ہم نے کیا ہے اسے ایک روشنی اس سے ہم اپنے بندوں کو راہ بتلا دیتے ہیں“

☆..... انبیاء کا برسبیل تواضع کوئی بات کہنا:

تواضع اپنے آپ کو نیچے رکھ کر بات کہنے کو کہتے ہیں گورنمنٹ سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر ہے ایک کلرک بھی ہے اور ایک مالی بھی اور ایک چوکیدار بھی۔ اب اگر وہ ہیڈ ماسٹر انہیں کیجا اکٹھا کر کے کہے میں بھی تمہاری طرح گورنمنٹ کا ایک ملازم ہوں گورنمنٹ سروس میں ہوں جیسے تم تواضع ایک قدرے مشترک پر لے آئی ورنہ وہ تو سارے ادارے کا سربراہ ہے تواضع کرنے والا تواضع میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا۔ ہاں وہ اپنے آپ کو قدرے مشترک میں لا کر ایک بات کہہ رہا ہے۔ یاد رکھیے انبیاء کرام تواضع میں بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ آنحضرت ﷺ نے ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اگر بطور تواضع فرمایا تو بھی آپ ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا۔ تواضع قدر مشترک میں آنا ہے جھوٹ بولنا نہیں ہے اگر کوئی ڈپٹی کمشنر کہے میں ڈپٹی کمشنر نہیں ہوں تو یہ تواضع نہ ہوگی جھوٹ ہوگا۔ یاد رکھیے انبیاء کرام بطور تواضع کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

☆..... حدیث میں حضور ﷺ کا اپنی بشریت کو بیان کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر نماز میں کوئی اور صورت پیدا ہوتی ہے تو میں تمہیں اس کی خبر کرتا لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی بشر ہوں میں بھی بھول سکتا ہوں جیسے تم سوجب میں کبھی بھولوں تو مجھے یاد کرادیا کرو اور جب تم اپنی نماز میں شک میں پڑ جاؤ تو درست صورت حال معلوم کرو اور اس غلبہ فکر پر اپنی نماز پوری کرو اور دو سجدے (سجود کے) ادا کرو۔“

اس حدیث میں آپ کا اپنی بشریت کا اعلان ایک ضرورت کے موقع پر ہوا تو اسے کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ آپ محض انکساری اور تواضع کے طور پر اپنے آپ کو بشر کہہ رہے تھے۔ انکساری سے کبھی بات پر دلائل نہیں دیئے جاتے بھولنا ایک انسانی فطرت ہے ایک بشری تقاضا ہے یہ پیغمبر پر بھی وارد ہوتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ لکن منشا دونوں کے بھولنے کا الگ الگ ہے۔ ہماری غفلت اور بے توجہی ہے اور پیغمبر کی بناء پر حکمت ہے۔ علماء اہل سنت نے اس حدیث پر لکھا ہے: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ پر احکام شرع میں بھول وارد ہونے کی

دلیل ہے اور یہی جمہور علماء اسلام کو موقف ہے اور قرآن اور حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کو اس بھول پر رہنے نہیں دیا جاتا اللہ تعالیٰ انہیں صحیح صورتہ حال بتا دیتے ہیں۔“ (شرح صحیح مسلم للہ: ۱/۲۱۲)

ام المؤمنین حضرت سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم اپنے مقدمے میرے پاس لے کر آتے ہو اور میں بھی انسان ہوں ہو سکتا ہے کہ کوئی تم میں سے اپنے دلائل میں زیادہ تیز زبان ہو سو میں تم سے کسی کے حق میں دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو یہ ایک قطعہ نار ہے جو میں اسے دوں گا وہ ہرگز اسے نہ لے۔“ (جامع ترمذی: ۱/۱۶۰)

صحابہ کرامؓ کا حضور ﷺ کے بشر ہونے کا عقیدہ

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ہر حدیث میں لکھتا تھا۔ مجھے دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ میں حضور ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کروں فرمایا ”کیا آپ ہر چیز جو حضور ﷺ سے سنتے ہیں لکھ لیتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ بشر ہیں جو کبھی غصے میں ہوتے ہیں کبھی خوشی میں (ایسے مواقع کی بات کس طرف سنائی جاسکتی ہے)“ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں اس پر میں لکھنے سے رک گیا اور آنحضرت کو اس کی خبر کی آپ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہاں سے جذبات بھی ہوں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا ”اكتسب فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج الاحق۔“ (سنن ابی داؤد: ۵۱۳/۲، سنن دارمی: ۱/۱۲۵)

اس سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ کے بشر ہونے پر سب صحابہ متفق تھے ہاں ان کا یہ سمجھنا کہ حضور ﷺ سے جذبات میں ایسی بات بھی نکل سکتی ہے جو درست نہ ہو اسکی حضور ﷺ نے اصلاح فرمادی اور کہا کہ میرے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ حضور ﷺ نے اس میں ان کی اس کے اقرار بشریت سے انکار نہ فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی فرماتی ہیں: ”آنحضرت ﷺ اپنا جو تامر مت کر لیتے تھے اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم اپنے گھروں میں کام کرتے ہو اور بشر تھے جیسے دوسرے لوگ نوع بشری سے ہیں۔“  
دسویں صدی کے مجدد دماغی قاریؒ اور گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی نے اس حدیث کو بلا جرح قبول کیا ہے لکن بعض لوگ اس سے بغاوت کرتے ہیں۔

حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں: بے شک حضور ﷺ نے وفات پائی اور بات یہ ہے کہ آپ بے شک انسان تھے۔ (سنن دارمی: ۱/۲۹۹)

شرح عقائد نفسی میں اسلام کا یہ عقیدہ ان الفاظ میں ہے: ”وقد ارسل اللہ تعالیٰ رسلا من البشر الی البشر مبشرين لاهل الايمان والطاعة بالجنة والمنذرين لاهل الکفر والعصیان بالنار والعقاب۔“ (شرح عقائد نفسی: ۱۳۳)

حافظ ابن ہمام اسکندرؒ نے تعریف کی ہے: ”النبي انسان بعثه الله لتبليغ ما وحي اليه وكذا الرسول فلا فرق بينهما بل هما بمعنى“۔ (المسارہ)

..... حضور ﷺ کی بشریت کے متعلق اولیاء کرام کا عقیدہ:

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں: ”جب تم انبیاء کے سردار بھی کہتے ہیں کہ مجھے بھی غصہ آتا ہے جیسے کسی اور بشر

کو غصہ آئے پھر اولیاء کرام کی بات کیا ہے اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے اہل و عیال کے ساتھ رہنے اور ان سے موانست میں تمام لوگوں کیساتھ شریک ہیں یہ مختلف قسم کے تعلقات جو لوازم بشریت میں سے ہیں خواص و عوام میں کسی سے منافی نہیں ہوتے حق تعالیٰ انبیاء کرام کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو ایسے اجساد نہیں بنایا کہ وہ کھاتے نہ ہوں اور ظاہر بین کفار کہتے تھے اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھاتا ہے اور لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ (مبداء معاد: ۲۶)

☆..... بشریت کا اقرار کیا صحت ایمان کیلئے شرط ہے؟

آنحضرت ﷺ کی بشریت قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے اور صحابہ کرام اجماعی موقف کے مطابق ہے تو یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ﷺ نوع بشر میں سے تھے صحت ایمان کیلئے کیوں شرط نہ ہوگا۔ یہی سوال حضرت الشیخ ولی الدین عراقی سے ان الفاظ میں پوچھا گیا: ”هل العلم بكونه ﷺ بشرا ومن العرب شرط في صحة الايمان او من فرض الكفاية“ آپ نے اس پر یہ جواب تحریر فرمایا: ”یہ صحت ایمان کیلئے شرط ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں کہ آپ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ نوع بشر میں سے تھے یا فرشتوں میں سے یا جنات میں سے یا یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عرب تھے یا عجم سے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں وہ شخص تکذیب قرآن کا مرتکب ہے اور اسلام جو بات خلف عن السلف کہتا چلا آیا ہے اور جس چیز کا دین میں سے ہونا بالضرورت معلوم ہو چکا ہے یہ شخص اسلام کا منکر ہے۔“

(غایۃ المواظع للعلامة خير الدين ابی البركات ۱۹/۲) (از فرقہ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ منظمہ اسلام مولانا محمد الیاس سمسن حفظہ اللہ: ۲۸۱-۳۱۷)

حالانکہ اہل بدعت کا یہ عقیدہ بہت سی خرابیوں پر مبنی ہے

☆..... خرابی نمبر ۱: اللہ کی ذات جیسے قدیم ہے تو اس کی صفات بھی قدیم ہیں کیا صفت قدیم ہیں یعنی نور کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت کرنے سے دو قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔؟ جو عیسائیت کے عقیدہ حلول کی طرح ہی کفریہ ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کب منتقل ہوا۔؟ ولادت سے پہلے یا بعد میں تو صفت قدیم کا ذات حادث میں منتقل ہونا ہی ناممکن ہے اور یہ سوچ بھی نری جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اس کے ثبوت پر نہ کوئی آیت پیش کی جاسکتی ہے نہ ہی کوئی حدیث شریف۔

☆..... خرابی نمبر ۲: اس عقیدہ سے ان بے شمار آیات قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء کرام کو رجال (یعنی انسان و بشر) کہا گیا ہے۔

☆..... خرابی نمبر ۳: یہ عقیدہ اس لئے بھی درست نہیں کہ بشر (یعنی امتی) غیر بشر (یعنی نور نبی) کی درست اطاعت نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں کا مزاج مختلف ہوتا ہے اس لئے اگر نور کو نبی بنا کر مبعوث کیا جاتا تو قدم قدم پر امتی اپنے نبی کے ساتھ جھگڑا کرتے کیونکہ نور نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا ہے نہ غمگین ہوتا ہے ہر امتی یہی کہتا سنا دیتا کہ جی آپ ہماری مجبوری نہیں سمجھتے ہمیں غربی کی وجہ سے چوری کرنا، ڈاکہ مارنا، رشوت لینا پڑتی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ نبی ظاہر تو انسان ہی ہوتا ہے لہذا کھاپی بھی سکتا ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کئی انبیاء کرام کے کئی مرتبہ مہمان بنے ہیں۔ انہوں نے تو ظاہری بشر ہوتے ہوئے کبھی نہیں کھایا معلوم ہوا کہ ظاہری چیز حقیقت کو تبدیل کر سکتی۔

خرابی نمبر ۴: اگر آپ علیہ السلام کو بشر و انسان مان لیا جائے پھر تو آپ علیہ السلام کے والدین کے بارہ میں کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ کہ ان کو بھی بشر و انسان ہی مان لیں گے لیکن اگر آپ کو نور مانیں اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بشر و انسان مانیں تو ایک جنس کا دوسری جنس کو جنم دینا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ کے ساتھ آپ کے والدین کو بھی نور مانیں تو اس میں آپ کی کیا خصوصیت رہی؟ پھر یہی سوال آپ علیہ السلام کے اجداد کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے جس کا حل نہیں بنتا۔

خرابی نمبر ۵: آپ کو بشر و انسان مان لیں تو آپ ﷺ کی اولاد محرمات بھی انسان و بشر ہی کہلائے گی لیکن اگر آپ کو جنس کے لحاظ سے نور تسلیم کر لیں اور آپ کی مقدس اولاد کو بھی نور تسلیم کر لیں تو پھر آج تک جتنے بھی اہلسنت کے افراد ہوئے ہیں وہ بھی اگر نور ہوں تو پھر آپ کی کیا فضیلت رہی؟

لیکن اگر ان کو بشر تسلیم کریں تو پھر ایک جنس (یعنی نور) دوسری جنس (یعنی اولاد بشر) کو جنم دے گی تو صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ خرابی نمبر ۶: اگر آپ کی بشریت کا عقیدہ رکھیں تو آپ کے حرم پاک میں رہنے والی وہ مقدس خواتین (یعنی امہات المؤمنین) جو بشر ہی تھیں، کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آپ کو نور مانیں اور امہات المؤمنین کو بشر۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا ایک جنس دوسری جنس سے ازدواجی زندگی قائم کر سکتی ہے تو اس کا جواب یقیناً نہیں میں ہی ہوگا۔

لیکن اگر امہات المؤمنین کو بھی نور مان لیں تو امہات المؤمنین کے والدین پر جا کر پھر یہی سوال سر اٹھائے گا جس کا حل کرنا مشکل ہوگا۔ خرابی نمبر ۷: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے نور کو اشرف المخلوق نہیں بنایا گیا۔ جو لوگ حضور کریم کو انسانیت سے معاذ اللہ نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ کیا وہ افضل کو مفضل بنا کر توہین کے مرتکب نہیں ہو رہے؟

خرابی نمبر ۸: نوریوں کو اللہ نے حکم دیا کہ تم میرے خلیفہ حضرت آدم کو سجدہ کر کے یہ اقرار کرو کہ حضرت آدم ہم سے بہتر ہیں لیکن اگر ہم کہیں کہ نور ہونا اعزاز ہے کیا اللہ تعالیٰ نے غلط حکم دیا تھا کہ افضل کو کہہ دیا کہ تو مفضل کو سجدہ کر..... حالانکہ اللہ نے صحیح حکم دیا تھا۔ سوچئے اور دیکھئے اس غلط عقیدہ سے کتنی فحش غلطیاں پیدا ہوئیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ آپ جنس کے لحاظ سے بشر اور صفات کے لحاظ سے نور ہیں قرآن و حدیث و عقل کے عین مطابق ہے (اگر عقل ہو) اور نوع کے لحاظ سے آپ کو نور اور لباس کے بشری ہونے کا عقیدہ بالکل ہی غلط ہے۔

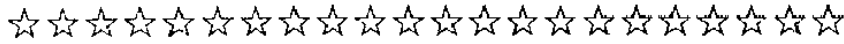
اس غلطی کی وجہ

شیطان نے یہ غلطی کی کہ حضرت ابوالبشر کو حقیر سمجھ کر سجدہ سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح بہت سے لوگ بشر ہونے کو حقیر..... نور ہونے کو بشر سے زیادہ عزت والا ہونا سوچ کر یہ غلط یقین رکھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں ہیں بلکہ نور ہیں کیونکہ بشر ہونا یہ عزت کی بات نہیں ہے حالانکہ

بشر ہونا یہی عزت کی بات ہے کہ نوروں نے ابوالبشر کو سجدہ کیا ہے۔ ہاں البتہ آپ بشر ہیں لیکن تمام بشروں سے کروڑوں درجہ افضل ہیں۔ نبی عام بشر نہیں ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ سمجھ آیا کہ بشر، آدمی، اولاد، آدم، عبد، رجل، انسان، جو ایک ہی مسمیٰ کے مختلف نام ہیں، برے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ علیہ السلام ایسے بشر کہ کوئی بشر آپ جیسا نہیں، نور ایسے کہ کوئی نور آپ جیسا نہیں، انسان ایسے کہ کوئی انسان آپ جیسا نہیں ہے۔

(از عقائد اہلسنت والجماعۃ مفتی زین العابدین ۱۳۴ ۱۳۶)



اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک عالم الغیب صفت خاصہ باری تعالیٰ ہے

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرامؒ نبی اور ولی کو عالم الغیب سمجھتے ہیں، حالانکہ اس غلط عقیدہ کی نسبت صوفیاء کرامؒ کی طرف کرنا ظلم عظیم ہے حالانکہ ان کا نبی اور ولی کے بارے میں عقیدہ یہ ہے:

عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں دیا گیا تھا چہ جائیکہ اولیاء کرامؒ کو غیب کا علم دیا گیا ہو۔ اہلسنت والجماعت کے صوفیاء کرامؒ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علوم عطا کئے گئے کہ جو کسی نبی اور کسی بھی مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے۔ لیکن آپ کو وہ مقدس علوم دیے گئے ہیں کہ جو علوم آپ کی شان کے لائق تھے اور شیطانی اور مادی علوم آپ کی شان کے لائق نہ تھے اس لئے آپ کو وہ نہ دیئے گئے۔ یہاں تک کہ تمام اولین اور آخرین کے تمام مقدس علوم آپ علیہ السلام کے علوم کے مقابلہ میں ایسے ہیں کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔ لیکن آپ علیہ السلام کے علوم اللہ تعالیٰ کے علوم کے سامنے ایسے ہیں کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں اور مخلوق کے علوم محدود ہوتے ہیں۔ اور محدود علوم کا۔ خالق کائنات کے لامحدود علوم سے کسی بھی طرح کا کوئی تقابل ہی نہیں یہ تو صرف سمجھنے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔۔۔ ورنہ محدود کی لامحدود سے کیا مناسبت۔؟ اسی طرح اہل سنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے جو صریح جہالت ہے۔ (ایضاً)

### علم غیب کی تعریف

شریعت میں علم غیب اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی کو بغیر کسی ذریعہ کے اور بغیر کسی کے بتلائے غیب کی باتیں معلوم ہو جائیں۔ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے حضور کی یہ شان نہیں (اور کسی ولی کا یہ شان ہے)۔ اس لئے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف ذرائع سے علم حاصل ہوتا تھا اور ذرائع سے حاصل ہونے والے علم کو علم غیب نہیں کہا جاتا۔

### علم کے ذرائع تین ہیں

(۱)۔۔۔ حواس خمسہ ظاہرہ (یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں)

(۲)۔۔۔ عقل صحیح (لیکن یہ بھی دین کی تقلید میں چھے تو۔۔۔۔۔ ورنہ یہ جہالت اور گمراہی پیدا کرتی ہے)

(۳)۔۔۔ انبیاء کرام کے لئے وحی (بشمول خواب والہام اور کشف وغیرہ) اور امتیوں کے لئے سچے خواب (بشمول الہام کشف و کرامات) عند البعض، لیکن یہ تیسرا ذریعہ علم یعنی نبی کے لئے وحی اور امتی کے لئے خواب یہ دونوں ذریعے غیر اختیاری ہیں کیونکہ وحی کا نزول نبی کے اختیار میں نہیں خواب کا نظر آنا امتی کے اختیار میں نہیں۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۳۷۱ھ)

☆..... دلائل:

(۱)۔۔۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (النمل: ۶۵) ”کہے جو بھی آسمان



وزمین میں ہیں (جنات، انسان، فرشتے) وہ غیب کا علم نہیں رکھتے مگر اللہ۔

انبیاء علیہم السلام پر غیب کا اظہار و اطلاع ہوتی ہے، غیب کی عطا نہیں۔ اس کے بتانے اور ظاہر کرنے سے کسی کو غیب کی اطلاع ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے تعلیم غیب کو اظہار غیب اور اطلاع غیب کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ عطا غیب سے نہیں، کیوں کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے جس میں اس کا کوئی شریک و سہم نہیں۔

(۲)..... ﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ (یونس: ۲۰) کہیے کہ غیب صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔

(۳)..... ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا زَطَبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (الانعام: ۵۹) اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین میں کی تار یکوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر وہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

(۴)..... ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ (الحشر: ۲۲) غیب و حاضر کا جاننے والا وہی رحمن و رحیم ہے۔

(۵)..... ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام: ۷۳)

(۶)..... ﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهُ﴾ (یوسف: ۱۲۳) اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کے غیب۔

(۷)..... ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد: ۹)

(۸)..... ﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (نمل: ۷۷)

(۹)..... ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (حجرات: ۱۸)

(۱۰)..... ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ (انعام: ۵۰) تم کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (میرا یہ دعویٰ نہیں ہے) اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔

(۱۱)..... ﴿قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ (یونس: ۲۰)

(۱۲)..... ﴿قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الکہف: ۲۶)

(۱۳)..... ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبة: ۱۰۱)

☆..... انبیاء میں کسی کو بھی علم غیب نہیں دیا گیا:

(۱۴)..... حضرت نوح فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ (انعام: ۵۰) تم کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (میرا یہ دعویٰ نہیں ہے) اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔

(۱۶) ابراہیم کے پاس فرشتے انسان کی شکل میں آئے اور انہیں نہیں پہچانتا۔ (دیکھئے: الذاریات: ۱۳۳) معلوم ہوا کہ ابراہیم کو اور نہ آپ کی بیوی کو علم غیب تھا۔

(۱۷) اسی طرح لوطؑ کے پاس فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے وہ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ (دیکھئے: یوسف: ۸۰)

(۱۸) خود حضور ﷺ کو زہر دیا گیا۔ کچھ عرصہ تکلیف کا احساس رہا۔ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ ستایا گیا۔ سب سے زیادہ ایذا میں دی گئیں لیکن قرآن کریم میں آپ کی زبانی اعلان کر دیا: ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ (۱۸-۲۰) اگر میں غیب کی باتیں جاننے والا ہوتا تو میں بہت بھلائی منافع حاصل کر لیتا اور کوئی برائی نہیں لگتی۔“

(۱۹) ﴿وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَأُظْهِرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَاَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا قَالَ نَبَاَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (احقریم: ۳)

اگر حضور ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یہ راز کی بات کیوں بیان فرماتے اور نہ ام المؤمنین یہ سوال فرماتیں کہ یہ راز کی بات کسی نے بتائی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتی تھیں کہ آپ ﷺ تو عالم الغیب ہیں۔ ہاں وہ اتنا ضرور جانتی تھیں کہ آپ اللہ کی اطلاع پر ہی مطلع ہوتے ہیں۔

(۲۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے کہے کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں وہ کاذب جھوٹا ہے۔ اللہ فرماتا ہے غیب کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں پہلے سے اپنے کام کے بارے میں جان لیتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں ہری (قربانی کا جانور) نہ ہاں لاتا اور لوگوں کے ساتھ احرام سے باہر ہوتا جب وہ لوگ احرام سے باہر ہوئے۔

(۲۲) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مَرْسَهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَانَتْ هَافِي عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنِ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (حزاب: ۶۳)

(۲۳) ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾ (حزاب: ۶۴)

(۲۴) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۲۵) ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (نمل: ۲۴-۲۵)

(۲۵) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۴۸) ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (یشعرا: ۴۸)

اللہ! (یشعرا: ۴۸)

(۲۶) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا﴾ (ذی اسرائیل: ۵۱)

(۲۷) ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۳)

(۲۸) ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا﴾ (طہ: ۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم کی اس آیت کو اس طرح پڑھا۔ ”قیامت آنے والی ہے اگر ممکن ہوتا تو میں اس کو اپنے نفس سے بھی چھپا لیتا۔“ (درمنثور، ۲، ۹۸، ابن کثیر، ۶، ۲۳۹، جامع البیان، ۲۵۹)

(۲۹)۔ بخاری شریف حدیث جبریل و مسلم شریف اس پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا۔

(۳۰) حدیث قتادہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور پہنچاتے کہ یہ لوگ چور ہیں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فرقہ بریویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ، ۲۱۰، ۲۲۹)

لہذا جب انبیاء کرام غیب کا علم نہیں دیا گیا ہے تو اولیاء کو بطریق اولیٰ نہیں دیا گیا ہے۔

### علم الہی اور علم نبوی میں فرق

☆ پہلا فرق: علم الہی ذرائع کا محتاج نہیں ہے اور انبیاء کرام کے علوم اور حضرت محمد ﷺ کے علوم ذرائع کے محتاج ہیں اور اسے حاصل ہونے والا علم، علم غیب نہیں ہوتا۔

☆ دوسرا فرق: علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے کہ اللہ کی ذات قدیم ہے تو صفات الہی بھی قدیم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں اور مخلوق حادث ہے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی حادث ہے۔ علم حادث علم غیب نہیں ہوتا۔

☆ تیسرا فرق: خدا تعالیٰ کی ذات ہر چیز کو محیط ہے تو خدا کی صفت علم بھی ہر چیز کو محیط ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ذات ہی ہر چیز کو محیط نہیں تو آپ کا علم ہر چیز کو کیسے محیط ہو سکتا ہے اور علم غیب یا عالم الغیب ہونے کے لئے علم محیط شرط ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محیط نہیں لہذا آپ علیہ السلام عالم الغیب بھی نہیں ہیں۔

☆ چوتھا فرق: اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود اور لا متناہی ہے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محدود و متناہی ہے اور عالم الغیب ہونے کے لئے لامحدود و علم کی ضرورت ہے جو ہمارے نبی کو دیئے نہیں گئے۔

☆ پانچواں فرق: اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور حضور کریم ﷺ کا علم ذاتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ذاتی ہیں اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ ذاتی ہیں اور نہ ہی آپ کو علم غیب عطائی سے نوازا گیا اس لئے کہ اگر آپ کو عطائی کا علم غیب ہوتا تو آپ علیہ السلام حدیث جبرائیل (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں) میں جبرائیل کے سوال ”أَخْبِرْنِي عَنْ السَّاعَةِ“ کہ آپ خبر دیجئے مجھے قیامت کے وقوع کے متعلق“ کے جواب میں یہ نہ فرماتے ”فَمَا الْمُسْتَوَلُ أَعْلَمُ مِنَ السَّائِلِ“ ”میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہوں“ بلکہ عطائی کا علم غیب سے ضرور جواب مرحمت فرماتے لیکن آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم الغیب نام اصول و قواعد سے جاننے کا ہے کہ جب چاہو قواعد کی قوت کے معاملہ کو حل کرلو۔ جیسے قرآن کریم نے علم الہی کے بارہ میں ارشاد فرمایا ”وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ“ اور اس کے پاس (یعنی اللہ کے پاس) ہیں غیب کی کنجیاں کوئی نہیں جانتا مگر وہ ہی“ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں اور کنجیوں کا استعمال مرضی پر موقوف ہوتا ہے جب چاہے تالا کھول لے۔ ایسے اختیارات حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیئے گئے کہ جب چاہیں غیب کی باتوں کا پتہ چلا چلیں۔ ایسے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

☆..... چھٹا فرق: علم الہی کی اور تفصیلی ہے یعنی حق تعالیٰ کو ہر چیز کا تفصیلی علم ہے کوئی چیز اور کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے لیکن مخلوق کا علم اللہ کے مقابلہ میں کلی نہیں بلکہ جزی ہے تفصیلی نہیں بلکہ بعض ہے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی..... اور عام بندوں کا علم بھلیکین عام بندوں کے بعض و جز سے حضور کریم علیہ السلام کا بعض و جز کی علم بہت بہت بڑھا ہوا ہے مثلاً سمندر سے ایک بھری ہوئی بالٹی کا پانی بھی سمندر کے مقابلہ میں بعض ہے اور سمندر کے مقابلہ میں دریاؤں کا پانی بھی بعض ہے۔ لیکن بالٹی والے بعض اور بیس دریاؤں والے بعض میں بہت فرق ہے۔ عام مخلوق کا علم حضور کریم کے سامنے ایسے ہے جیسے بیس دریاؤں کے سامنے ایک بالٹی، اور علم نبوی علم الہی کے سامنے ایسے ہے جیسے بیس دریا سمندر کے سامنے۔

☆... سو اس: جب حضور کریم کو عالم الغیب کہنا درست نہ ہوا تو پھر وہ غیب کی باتیں جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتائی ہیں ان کو کیا کہیں گے۔؟

☆..... جواب: وہ باتیں جو غیب بھی تھیں اور ان کا بتانا ضروری بھی تھا ان کی خبر اور اطلاع آپ علیہ السلام کو بذریعہ وحی کر دی گئی اور بے شمار ایسی باتیں جن کا بتانا مناسب نہ تھا ضرورت نہ تھی وہ آپ کو بھی نہ بتائی گئیں۔ لہذا آپ کو غیب کا علم تو نہ دیا گیا ہاں البتہ غیب کی ضروری باتوں کی اطلاع اور خبریں آپ کو دے دی گئیں اور وہ باتیں آپ علیہ السلام نے امت کو بتادیں۔ اور آپ کی ہی زبان مبارک سے یہ اعلان بھی کروادیا کہ عالم الغیب صرف اللہ ہیں تاکہ خواہ مخواہ آپ ہی کا نام استعمال کر کے امت میں گمراہ لوگ گمراہی کی تبلیغ نہ کرتے رہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے والا کافر ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

### اس غلط عقیدہ کے نقصانات

- (۱) ... شرک فی العلم الہی کی وجہ سے گمراہی کو اختیار کیا۔
- (۲) ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے سے ہجرۃ کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے۔
- (۳) ... وحی کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جو عالم الغیب ہے اس سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے نہ دنیا نہ آخرت نہ لوح محفوظ نہ عرش نہ کرسی۔
- (۴) ... آپ کے سفر معراج کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جس ذات سے کوئی چیز غائب ہی نہیں تو اس کے لئے سفر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (عقد کدابل النہ والجماعۃ: ۱۳۸/۱۴۰)

## اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک کوئی نبی اور ولی مختار کل نہیں ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو مختار کو سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صوفیاء کرام اہل السنۃ کا عقیدہ نہیں بلکہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے۔ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ مندرجہ ذیل ہے۔ فاعلموا۔

(۱)..... اہل سنت والجماعت کے ہاں مختار کل صرف اللہ کی ذات ہے۔ (نہ کوئی نبی مختار کل ہے اور نہ کوئی ولی) پوری کائنات کا نظام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے اپنی خدائی میں وہ جس طرح چاہیں تصرف کر سکتے ہیں۔ اپنے علاوہ کسی مقدس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ نہ کلی نہ جزئی کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی سے اللہ کے نظام میں تصرف و مداخلت کر سکے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختار کل کا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف کفریہ عقیدہ ہے۔

### تشریح مختار کل

☆... مختار کے معنی:

مختار یہ باب افعال (اجوف) سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور باب افعال (اجوف) سے اسم مفعول کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ مختار اگر اسم فاعل بنائیں تو معنی یہ ہوگا: ہر چیز کا اختیار رکھنے والا۔ تو اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی مختار کل کہنا جائز ہوگا قرآن وحدیث صحابہ وتابعین اور اجماع امت کے مطابق۔ یہی عقل اور نقل کے عین مطابق ہے کیونکہ تمام اختیار چاہے تکوینی ہوں یا تشریعی ہوں وہ اللہ ہی کے پاس ہیں اس معنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کہنا کفر اور شرک ہے۔

مختار اگر اسم مفعول ہو؟ اگر مختار کو (اسم مفعول) بنائیں تو مختار کے دو معنی کئے جاسکتے ہیں (۱) ... چنا ہوا (۲)..... اختیار دیا ہوا۔

اگر مختار کو اول معنی میں لیں تو مطلب ہوگا کہ آپ علیہ السلام تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے پسند کئے ہوئے منتخب کئے ہوئے ہیں تو یہ مطلب قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے اس میں کسی بھی شخص کو کوئی اختلاف نہیں واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے ہیں۔ آپ جیسی شخصیت اللہ تعالیٰ نے نہ تو آپ سے پہلے پیدا کی ہے نہ بعد میں کریں گے۔

اگر دوسرے معنی مختار کے لئے جائیں یعنی اختیار دیئے ہوئے تو مختار کل کا مطلب ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے اختیار دیئے گئے ہیں تو یہ عقیدہ کفریہ ہے اور قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی یا ولی یا کسی بندہ کو نہ کلی نہ جزئی نہ ذاتی نہ عطائی اختیارات دیئے ہیں۔ اس دوسرے معنی کا وقوع نہ اللہ پر نہ غیر اللہ پر ہو ہی نہیں سکتا ہے کیونکہ اللہ اختیار دیئے نہیں گئے ہیں، وہ ان کے ذاتی ہیں۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۳۰/۱۳۲)

ہر نبی اور ہر رسول مختار کل نہیں ہے

(۱)..... حضرت نوح علیہ السلام: ﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ

الْعَظِيمِ﴾ (الانبیاء: ۷۶)

ترجمہ: اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

(۲) ... حضرت ایوب علیہ السلام: ﴿وَإِيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنَى الصُّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (83) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿۸۴﴾ (انبیاء: ۸۳) ترجمہ: اور ایوب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے۔ اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا کتبہ عطاء فرمایا اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

(۳) حضرت یونس علیہ السلام: کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ترجمہ: پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

(۴) ... حضرت ذکریا علیہ السلام: ﴿وَذَكَرْنَا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ﴾ (89) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ﴿۹۰﴾ (انبیاء: ۸۹-۹۰) ترجمہ: اور ذکریا (علیہ السلام) جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیوں اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو تجلی عطاء فرمایا، اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

(۵) ... حضرت ابراہیم علیہ السلام: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشِّرْهُمْ بِغُلَامٍ﴾

ترجمہ: (دعا کی) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

(۶) ... حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام: ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ وَنَصَرْنَا هُمَا فَكَانُوا هُمَا الْغَالِبِينَ﴾ ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر بھی احسان کیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

(۷) ... حضرت لوط علیہ السلام: ﴿وَإِذْ لُوطُ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ﴾

ترجمہ: اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

(۸) ... اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔

خلاصہ: ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ رسوٰی نے دکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور و بے بس ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا قبول کیا، اور دکھ، درد، کرب، و بے لگم و مصیبت سے نجات دی۔ تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مجبور محض و بالکل بے بس و بے اختیار تھے۔ اور تو اور اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دور نہ کر سکے۔

(۹) . وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبْرُوا عَلٰی مَا كَذَّبُوا اَوْ وُذُوْا حَتّٰی اَنْتَهُمْ نَضَرُوْا ۝

ترجمہ: اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کا تکذیب کی گئی، انہوں نے اس کو اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔ یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا۔ ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی ازیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم کا ہدف و نشانہ بنے اور صبر و خلیب کا مظاہرہ کیا۔ آخر اللہ رب العزت، قادر و قدیر کی مدد و نصرت آئی اور حق غالب آیا۔

(۱۰) ..... حضرت یعقوب علیہ السلام: نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازہ سے جانا یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی، اس لئے ساتھ ہی فرمادیا کہ: وَمَا اَعْنٰی عَنْكُم مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ الْحَكَمَ اِلَیَّ ۝ ترجمہ: اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔ یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الہی میں ہے میں قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا۔ چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الہی ہوگا۔ میں حکم الہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: مَا كَانَ يَعْزِيْهِمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۝ ترجمہ: ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ذاتی مختار کل ہیں نہ عطائی مختار کل ہیں

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے تو یہ وہی حرکت ہے جو مشرکین مکہ چودہ سو سال پہلے کر چکے ہیں کیونکہ اختیارات کا منبع اور سرچشمہ وہ بھی اللہ ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے بنائے ہوئے خداؤں کو جو اختیار ملے ہیں وہ اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ اب یہ خدا اپنی مرضی سے تصرف کر سکتے ہیں اس سوچ کو قرآن کریم نے بے شمار جگہوں پر بڑی قوت سے رد فرمایا ہے قدیم مشرکین اور جدید مشرکین کا عقیدہ ایک ہی ہے جو دونوں کے دماغی خلل کی پیداوار ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب (۱۲۳)

امام المسلمین علیہ السلام کی بے اختیاری

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوب خدا سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک ذرہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے

(۱) ..... ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ (اعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

(۲) . ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ (یونس: ۴۹)

علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ ”استثناء منقطع عند جمع أى ولكن ما شاء الله تعالى کائن“ ترجمہ: یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی (میں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا) لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوگا۔

جہ... علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسی (متوفی ۳۷۷ھ) اپنی تفسیر مدارک التزیل میں رقمطراز ہیں کہ ”قُلْ يَا مُحَمَّدَانِي لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرَامِنَ مَرَضٍ أَوْ فَقْرٍ وَلَا نَفْعًا مِّنْ صِحَّةٍ أَوْ غِنًى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ اسْتِثْنَاءً مُنْقَطِعٍ أَي وَلَكِنْ مَا شَاءَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ كَانَتْ“

(۳) ... قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ ترجمہ: آپ کہئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نفع و ضرر کے اختیار کسی نفع کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کج ذہن کج بحث یہ جھٹ کرتے ہیں کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اسکو کہاں لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع و ضرر اور سود و زیاں کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں، لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔ کج سختی کے ساتھ کج سختی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں۔

(۴) ... يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۱۵۰﴾ ”اے انسانو! تم خدا کے محتاج ہو، اللہ ہی بے نیاز خوبیوں وال ہے۔“

(۵) ... وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ﴿۷۸﴾ ”اور کسی رسول کی یہ طاقت نہیں کہ کوئی معجزہ بغیر خدا کے حکم کے لائے۔“

(۶) ... قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۰﴾ ”رسولوں نے اپنی قوموں سے کہا ہم تو تمہاری طرف انسان ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان کرتا ہے، ہماری یہ حیثیت بھی نہیں ہم کوئی معجزہ بغیر حکم الہی لائیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

(۷) ... حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ﴿۱۱۰﴾ ”جب پیغمبر مایوس اور ناامید ہو گئے اور انہیں گمان ہونے لگا کہ لوگ ہمیں جھٹلائیں کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔“

حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا: آپ نے فرمایا: وہ جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو مانا اور ان کی تصدیق کی جب ان پر آزمائش مصیبت طویل ہو گئی اللہ کی مدد میں دیر لگی، حتیٰ کہ رسول بھی اپنی قوم کے جھٹلانے والوں کے ایمان سے مایوس سے مایوس ہو گئے تو رسولوں کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب تو یہ ایمان لانے والے بھی ہمیں جھوٹا خیال کرنے لگیں گے اس وقت اللہ نے اپنی مدد فرمائی۔“

(۸) ... وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْفِرُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۹۹﴾



”اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا (اے نبی) تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ سب ایمان لے آویں۔“

(۹) ..... ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۰۰) ”کسی جان کی مجال نہیں کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے“

(۱۰) ..... ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (اعراف: ۱۸۸)

(۱۱) ..... ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾ (کہف: ۱۷) ”جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو گمراہ کرے تو آپ کو بھی اس کا کوئی حمایتی اور مددگار ہرگز نہ ملے گا۔“

(۱۲) ..... ﴿يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (توبہ: ۹۲)

”منافقین قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ ان سے راضی ہو جاؤ پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو بے شک اللہ ان فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا یعنی اگر آپ ان کی قسموں کا بھی اعتبار کر لیں ان کے عذر قبول کر لیں اس کے باوجود بھی اللہ ان سے راضی نہیں ہوگا۔“

ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقلیم بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسند رشد و ہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۳) ..... ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (انعام: ۵۶)

ترجمہ: تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری اس آیت کا شان نزول صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورہ القصص، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

(۱۴) ..... ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (اشعر: ۲۰) ترجمہ: شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بنی نوع انسان سے محبت و رحمت کا جو بحر و دریا موجزن تھا۔ اس کے طوفان و ظلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوش رحمت اور دردمحبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے مھلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا، فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نکلے، آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

(۱۵) ..... ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ﴾ (نور: ۸۰)

ترجمہ: بیشک اللہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی سوز گذار رحمت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان کے لانے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

(۱۶) ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران: ۸۰)

ترجمہ: آپ کا کچھ اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

(۱۷) ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۸۰) ترجمہ: آپ ان

کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشنے گا۔

(۱۸) ﴿وَأَلْفَ بَيْنٍ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ

حَكِيمٌ﴾ (النحل: ۶۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے دل میں الفت ڈال دی۔ اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈال دی۔ بیشک وہ زور (دقت) والا حکمت والا ہے۔

اس ارشاد الہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفت قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا، اور ان کے قلوب میں الفت و محبت کے دریا بہا دیئے، وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائل عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں بنا سکتے۔

(۲۰) ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ أَنِّي مَلَكٌ﴾۔ آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم

سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبیوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک و ہوا علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔ ”اننا قاسم واللہ يعطی“ کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کر دیئے ہیں، ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے، نیز کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔ اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار اور قاسم و مقسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لیے ان تینوں باتوں کی احتیاج و ضرورت نہیں، نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف

اس کے ہر نبی نے بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قرینہ انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں! ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ

لَكُمْ أَنِّي مَلَكٌ﴾ (پارہ ۱۲- جلد ۳۴) (ماخذ شرک و توحید کی حقیقت)

(۲۱)..... ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ (یونس: ۱۰۸) حضور ﷺ سے خطاب ہے کہ لوگوں سے کہیے کہ اے لوگوں تمہارے رب کی طرف سے حق (دین) پہنچ چکا ہے، پس جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی اسی پر پڑے گی اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار نہیں۔

(۲۲)..... ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (بقرہ: ۲۷۲) ”یعنی ان یہود کو سیدھے راستے اور ایمان پر لانا آپ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ ہاں اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔“

(۲۳)..... ﴿إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّن نَّاصِرِينَ﴾ (نحل: ۳۷)

(۲۴)..... ﴿وَإِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بَأْيَةٌ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعْتُهُمْ عَلَىٰ الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (انعام: ۳۵) حضور ﷺ سے خطاب ہے کہ اگر ان مشرکوں کا تم سے منہ پھرنا تم کو شاق گزرے ”تم پر بھاری ہو“ تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لویا آسمان میں کوئی زینہ، پھر کوئی معجزہ نشانی لے آؤ۔ اگر اللہ کو منظور ہو تو سب کو ہدایت پر کر دے۔ پس ہرگز نہ ہو، نادانوں میں سے۔ مقصد یہ ہے کہ ایمان و ہدایت دینا ہمارا کام ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے پر ہرگز رنج نہ کرو۔ ان کے ایمان لانے کی امید چھوڑ دو۔

(۲۵)..... ﴿وَلَوْلَا أَنْ تَبْتَئَكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنْ إِلَيْهِمْ ضَيْغًا قَلِيلًا﴾ (74) إِذَا لَذَقْنَاكَ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿ (اسراء: ۷۴، ۷۵) اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو روئی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔“

(۲۶)..... ﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بَأْيَةٌ قَالُوا لَوْلَا جِئْتَنَاهَا قُلْ إِنَّمَا اتَّبَعُ مَا يوحىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي﴾ (الاعراف: ۲۰۳)

”اور جب کوئی معجزہ نشانی آپ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو لوگ کہتے ہیں کہ آپ معجزہ کیوں نہیں لائے آپ کو حکم ہوا کہ یہ میرا رب میری طرف جو وحی کرتا ہے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں۔“

(۲۸)..... ﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (15) قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿ (یونس: ۱۶، ۱۵) (از فرقہ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ، ملت ظرا سلام محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم اعلیٰ ۲۵:۸۰-۲۶۹)

(خلاصہ) دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں چند مقامات پر بیان فرمائی گئی ہے۔ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان چند مقامات پر حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ نہ مقصود ہے نہ آسان۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک و اختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت و بے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اجمالاً صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

”یا فاطمہ بنت محمد سلینی ماشئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً“ (صحیح مسلم)

ترجمہ: اور اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کر لے، میں اللہ کے مقابلے میں ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔

(۲) ”قاتل اللہ یہودی قیولون لولا دفع عنہ ولا املک له ولا لنفسی شیئاً لایلو مونی فی ابی امامتہ“ (مشکوٰۃ المصابیح باب مداد قدر ترجمہ: یعنی اللہ یہود کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ السعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دور کر دی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لئے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لیے، مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

(۳) ”اللہم هذا قسمی فیما املک فلا تلمنى مما تملک ولا املک“۔ ترجمہ: اے اللہ! جو (باری نان و نفقہ وغیرہ ظاہری) تقسیم میرے بس میں تھی وہ میں نے کر دی، اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مؤخذہ نہ فرمائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب نکاح)

حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یعنی الحب السودة حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہ کی محبت و صورت دوسری ازواج مطہرات کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار نہ تھا لہذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کر رہے ہیں۔ تو آپ کو اپنے دل کی محبت والفت پر بھی اختیار نہیں، بے اختیار کی حد ہو گئی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ و دارمی)

(۴) ”اللہم انی استخیرک بعلمک واستقذیرک بقدرتک واستلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب“ (رواہ بخاری شریف "مشکوٰۃ المصابیح" باب الطوح)

ترجمہ: الہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں، بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لئے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

(۵) ”اپنی موت و حیات پر اختیار نہیں اسی طرح آپ ﷺ کی ایک اور دعائیں آیا ہے: ”اللہم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ما علمت الحیوة خیر الی وتوفنی اذا علمت الوفات خیر الی“۔ (رواہ النسائی "مشکوٰۃ المصابیح" باب مع الدعاء)

ترجمہ: الہی! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے

لیے خیر ہو اور مجھے وفات دے جب تیرے علم میں وفات میرے لیے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علم غیب اور قدرت کاملہ کا خاصہ خدا ہونا ثابت ہو ہے، وہاں اپنے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرما رہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت و حیات اللہ رب العزت کے قدرت میں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات و وفات کا بھی اختیار نہیں۔

(۶)۔ ایک قطرہ بارش پر اختیار نہیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں عہد رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! موشی ہلاک ہو گئے، بال بچے بھوکے ہیں ”فادع اللہ لنا الخ“ حدیث مشہور ہے۔ دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابیؓ درخواست کرتا ہے کہ آپ ہمارے لیے اللہ سے اس کی دعا فرمائیں۔ اور اگر بارش رکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لیے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہی بارش ختم کرانی ہے تو بھی رب قہر و قدیری کی بارگاہ قدس میں دست سوال دراز کر کے دعا کرتے ہیں: ”اللہم حولنا ولا علینا“ محبوب رب العالمین کی شان محبوبیت و مقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ رب العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے۔ اور آٹھ دن لگاتار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن باین ہمہ بے اختیاری و بے بسی کا حال یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذات قادر سے! اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی رب قدیر سے۔

(۸)۔ سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، حضرت سائل ہیں: ”اللہم انی اسئلک من کل خیر خزئہ بیدک و اعوذ بک من کل شر خزئہ بیدک“۔ (متدرک حاکم ج اول ص ۵۲۵) ترجمہ: الہی! میں تجھ سے ہر بلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔

(۹)۔ ... معطی اللہ ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاسم: ”ما اعطیکم ولا امنعکم انما انا قاسم اضع حیث امرت“۔ (رواہ بخاری مشکوٰۃ المصابیح باب رزق الولاۃ) ترجمہ: نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ رکھتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کر نیوالا ہوں۔ جہاں مجھے (اللہ تعالیٰ کا) حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

(۱۰)۔ ”من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین و انما انا قاسم و اللہ یعطی“۔ (متفق علیہ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہترین کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ دینے والا اللہ ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: دیتے اللہ ہیں، میں صرف تو صرف بانٹتا ہوں۔ یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں، باقی ہی اس کی سمجھ سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔ یا لوگوں نے اس حدیث پاک سے الٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اس ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود آپ کے ملک و اختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری صاحب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ (ذوالقواء ج اول ص ۳۳۳)

بائتین حضرات انبیاء علیہ السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار نہیں، اور انہوں (یعنی شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ) نے اسی حدیث ”انما انا قاسم واللہ یعطی“ سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قاسم ہیں، اور ملک و اختیار آپ کا بالکل نہیں۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷۱)

(۱۱) ”ادھب فخذ غیرہا فلسست بالفقر الی اللہ منی“ ترجمہ: جاؤ تم دوسری اٹھلاؤ، تو مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت بارگاہ رب العزت میں طالب دعا رہتے تھے۔ ہمہ وقت دعا صبح و شام، رات دن، دعا سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا سفر پر جاتے، گھر سے نکلتے، واپس آتے دعا، وضو اور نماز کے بعد دعا، نماز کے اندر دعا، پھر دعا، ہر وقت ہر مجلس میں خلوت میں وجہوت میں اللہ سے دعا، حتیٰ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصول و اساس ہی دعا کرنے والے کی بے بسی و بے اختیاری ہے، مجبوری و لا چاری ہے۔

۶۶۷..... گرا اختیار و اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اور جب ہر وقت دست طلب و دعا دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعا تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ شفاعت ہیں سفارش، کسی کو کسی کے لیے سفارش کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے، اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مسلم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں۔

۶۶۸..... خلاصہ: قرآن کریم سے چند مقامات پر اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مقامات پر ثابت ہوا کہ نبی کریم امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع و نقصان کا ملک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی و بے اختیاری کے ان شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختار کل ہونے کا ادعاء باطل برابر جاری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے سے دوسرے حضرات انبیاء علیہ السلام کی نصوص کتاب و سنت سے مطلق بے اختیاری ثابت و واضح ہونے کے بعد اور کون ہے جس کو اختیار حاصل ہو۔ (شرک اور توہم کی حقیقت)

### چند وضاحتیں

معلوم ہوا کہ مختار کل صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہیں ہیں۔

(۱) حتیٰ کہ انبیاء کرام کے معجزے اور اولیاء کاملین کی کرامات میں بھی ان کی مرضی شامل نہیں ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہیں تو نبی کے ہاتھ پر معجزہ اور ولی کے ہاتھ پر کرامت کو ظاہر کر دیں اگر نہ چاہیں تو ان کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

(۲) ... انبیاء کرام پوری زندگی یہی اعلان کرتے رہتے ہیں کہ نفع و نقصان کا، لک صرف اللہ ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ تو اضحیٰ کی وجہ سے تھا تو عرض یہ ہے کہ مع ذلک تو اضحیٰ جھوٹ بولنا جائز ہے؟ کیا یہ غلط بیانی نہیں حالانکہ یہ سوچ انبیاء کرام کے بارے میں رکھنا خود ایک الگ کفر ہے۔

(۳) . ہر نبی ہمیشہ اللہ کے سامنے دعا کرتے ہیں التجائیں کرتے ہیں تو انبیاء کرام کا یہ فعل خود ہی اس کی دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مختار کل نہیں سمجھتے۔

(۴) . . . حلت اور حرمت احکام کی نسبت جو ہمارے نبی اور دیگر انبیاء کی طرف کی جاتی ہے، وہ بطور مبلغ ہونے کے ہے۔ انبیاء کرام کو اشیاء کے حلال اور حرام کرنے کا اختیار نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کریم کا اعلان ہے۔ قال تعالیٰ ﴿مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (نجم آیت ۲-۳) ترجمہ: وہ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بات کرتے اپنی چاہت و خواہش سے نہیں ہوتا وہ (یعنی بات کرنا) مگر صرف وحی سے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے الخ (تفسیر بیان القرآن ملاحظہ فرمائیں) خواہ الفاظ کی وحی ہو جو قرآن کہلاتی ہے خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی ہو جس سے آپ اجتہاد فرماتے ہوں (معلوم ہوا کہ نبی کا اپنی طرف حلت اور حرمت کی نسبت کرنا بطور مجاز ہے نہ کہ حقیقتاً ورنہ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ اٰلَہٗكَ ۖ ترجمہ: اے نبی تم کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کر دیا ہے) میں جو شہد کے واقعہ کے بارہ میں نازل ہوئی آپ کو تنبیہ نہ کی جاتی۔ معلوم ہوا کہ آپ کو احکام کی حلت و حرمت کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(۵) . . . کبھی کبھار فقہاء مجتہدین کی طرف بھی کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے کی نسبت کر دی جاتی ہے وہ نسبت مجازاً ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اور مجازاً بھی نسبت اس لئے کر دی جاتی ہے کہ فقہاء موجد دین نہیں بلکہ شارح و کاشف دین ہیں۔ قرآن کریم و احادیث میں مذکور اصول و کلیات کی روشنی میں ہر زمانہ میں پیش آنے والی جزئیات کو حل کرتے ہیں جو امت کو پیش آتی ہیں یعنی اصولوں کی روشنی میں جزئی مسائل کو عوام کی آسانی کے لئے حل کرنا فقہاء کرام کا کام ہوتا ہے اور یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

(۶) . . . تکوینی اور تشریحی اور مافوق الاسباب (یعنی وہ کام جن کو اسباب سے نہیں جوڑا گیا) امور تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں اس میں کوئی با اختیار نہیں ہے۔ البتہ جو کام اسباب مادیہ سے ہیں جیسے ڈاکٹر و حکیم سے دوائی لینا یا اسباب روحانیہ سے ہیں جیسے کسی سے دعا کرنا یا دم و تعویذ وغیرہ لینا۔ تو یہ چیزیں ماتحت الاسباب (یعنی جو چیزیں اسباب کے اختیار کرنے سے اللہ نے جوڑی ہوئی ہیں) سے تعلق رکھتی ہیں اس میں بندہ کو کچھ اختیار بھی ہے کہ اپنے کام دوسروں سے کرانا جائز ہے۔ لہذا ان اسباب کو اس عقیدہ سے اختیار کرنا جائز ہے کہ مسبب الاسباب (یعنی کرنے والے اللہ ہی ہیں) تو اسباب اختیار کرنا جائز ہوگا۔ یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی دینداری ہے۔ بغیر اسباب اختیار کئے تو توکل بھی معتبر نہیں ہے بلکہ یہ تعطل ہے۔ (مناہد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۲ھ)

لہذا جب انبیاء کرام مختار کل نہیں تو اولیاء کرام بطریق اولیٰ مختار کل نہیں کا یہ عقیدہ ہو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام میں سے نہیں ہیں۔ اور جو لوگ اس باطل عقیدے کی نسبت صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف کرنا ظلم عظیم اور بہتان ہے، اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست دیکھائے، اور ان کو توبہ کی توفیق نصیبمائیں۔

## اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک کوئی نبی اور ولی حاضر و ناظر نہیں ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے، صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ اس بارے میں درج ذیل ہے۔ فاعلموا۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حاضر اور ناظر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کمالات کے باوجود حاضر و ناظر نہیں ہیں اور آپ علیہ السلام کے بارے میں حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا زری جہالت ہے اور یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے۔

..... حاضر اور ناظر کے معنی: یہ دونوں عربی کے لفظ ہیں حاضر کا معنی موجود ہونا اور ناظر کا معنی دیکھنے والا ہونا۔ جب ان دونوں یعنی حاضر یعنی حاضر و ناظر کو ملائیں گے تو معنی و مفہوم یہ ہوگا کہ حاضر اور ناظر وہ ذات ہے کہ جس کے وجود کا کسی خاص جگہ سے تعلق نہ ہو اور وہ ذات پوری کائنات کو محیط ہو اور اس کی نظر کائنات کے ذرے ذرے پر ہو۔ یہ مذکورہ تعریف تو صرف اور صرف رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محیط نہیں اس لئے آپ حاضر اور ناظر بھی نہیں ہیں۔ صرف اللہ ہی حاضر ہیں جو قرآن کی ان جیسی آیات سے سمجھا گیا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (ہر چیز اللہ کے سامنے ہے) اور ناظر ہونا ان جیسی آیات سے سمجھا گیا ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”جو بھی تم کرتے ہو اس کو اللہ دیکھنے والا ہے۔“

اہل بدعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر اور ناظر مانتے ہیں اور اس حاضر اور ناظر کی کئی طرح سے تشریح کرتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں۔

(۲) آپ علیہ السلام کی روح مبارک ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے۔

(۳) ... آپ علیہ السلام تو بنفس نفیس اپنے روضہ پاک میں تشریف فرما ہیں البتہ وہیں سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔

حالانکہ یہ تمام تشریحات نقل اور عقل کے بالکل خلاف ہیں اس غلط عقیدہ کی وجہ سے بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

☆..... پہلا سوال: کیا حاضر اور ناظر ذات کو معراج کی ضرورت تھی بقول اہل بدعت ہر چیز تو ان کے سامنے تھی۔

☆..... دوسرا سوال: کیا حاضر اور ناظر ذات کو ہجرت کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ آپ تو ہر جگہ موجود تھے۔

☆..... تیسرا سوال: کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ۵۳ سال مکہ میں رہے اور ۱۰ سال مدینہ میں رہے کیونکہ آپ تو بیک وقت ہر دو جگہ

موجود تھے۔ اس طرح کے سینکڑوں سوالات اس غلط عقیدہ کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ لہذا نہ آپ کی صرف روح نہ آپ کا صرف جسم نہ آپ کی

روح اور جسم، نہ پیدائش سے پہلے نہ اپنی زندگی میں نہ وفات کے بعد بالکل حاضر اور ناظر نہ تھے۔ آپ اپنے روضہ پاک میں آج بھی آرام

فرما رہے ہیں اور عشاق اور مشتاقان مدینہ آپ کے روضہ پر اسی لئے حاضر ہو کر برکت حاصل کرتے ہیں کہ آپ یہاں موجود نہیں ہیں۔ بلکہ

روضہ پاک میں ہیں بزاز یہ بر حاشیہ عالمگیری ج ۶ ص ۳۲۶ پر ہے۔ کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رو میں ہر جگہ حاضر ہیں اور سب کچھ جانتی



ہیں وہ شخص کافر ہے۔

☆..... اصل مغالطہ

اہل بدعت کو اصل مغالطہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (احزاب ۴۵) ترجمہ: (اے نبی بے شک ہم نے بھیجا آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری بنانے والا اور ڈرسانے والا) سے لگا ہے کہ بعض یا رلوگوں نے شاہداً کا ترجمہ حاضر ناظر کیا ہے وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ گواہ کے لئے حاضر اور ناظر ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ شاہداً کا ترجمہ حاضر اور ناظر کرنا یہ خود فریبی ہے یا شہادت کی ادائیگی کے اصولوں سے لاعلمی ہے۔ نقلی جوابات کی تو ضرورت نہیں ایک الزامی جواب لکھا جاتا ہے۔ کہ اگر لفظ شاہد سے حاضر اور ناظر والا معنی مراد لیں تو امت محمدیہ کے لئے یہی لفظ سورہ بقرہ میں لفظ شہدا کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ کیا اس مقام پر بھی شہدا سے حاضر اور ناظر ہی مراد لیں گے۔ اگر لیں گے تو پھر اس میں حضور پاک کی تخصیص کیا ہوئی۔؟ اگر نہیں لیں گے کیوں وجہ کیا ہے۔؟ خلاصہ یہ ہوا کہ حاضر اور ناظر صرف اللہ ہیں، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام تربلند شان کے باوجود حاضر و ناظر نہیں اور یہ حاضر اور ناظر کا عقیدہ غیر اللہ کے لئے رکھنا بالکل جاہلانہ حرکت ہے (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۶۳ھ ۱۴۶۳ھ تکمیل کیے۔ ص ۶۰۸ فرمائیں۔ فرقہ بریلویت پاک دہند کا تحقیقی جائزہ: ۲۵۱ تا ۲۶۰)

اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ کی معراج جسمانی حق ہے

عقیدہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت معراج ہوتا تھا یعنی ہر وقت آپ کیفیت معراج میں رہتے تھے۔ (ہدایت آخرت تعلق مع اللہ میں ہر لمحہ عروج ہوتا تھا) اور حیات روحانی (معروف) یعنی خواب میں آپ کو عالم آخرت کے احوال کئی مرتبہ دکھائے گئے لیکن معراج جسمانی (یعنی روح بمع جسد اطہر) بھی ہوئی ہے جس کا تذکرہ سورۃ بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔ وہ یہی معراج جسمانی ہی ہے گویا کہ معراج جسمانی کا ثبوت یہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور تقریباً پچیس صحابہ سے منقول روایات سے بھی ثابت ہے اور اسی پر پوری امت کا اجماع بھی ہے یعنی جمہور صحابہ و تابعین آپ کی معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ لہذا جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار سنگین غلطی ہے جو درست نہیں ہے۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۶۰/۱۴۶۱ھ: مفصل حق اہل السنۃ والجماعۃ، معتمد، قم، اخرون)

## اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک توسل جائز ہے

### توسل

(۱) ... حضرت محمدؐ کے وسیلہ سے دعا کرنا بہت اچھا ہے۔ اہل سنت والجماعۃ علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ دعاء میں حضرت محمدؐ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے بلکہ تمام انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے توسل سے بھی جائز ہے۔ مثلاً یوں کہے یا اللہ میں بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء کرام یا صالحین کرام دعا کی قبولیت کا متمنی ہوں۔

..... وسیلہ کا معنی: لفظ وسیلہ، یہ عربی کے لفظ وسل سے (نکلا) ہے جس کے معنی ملنے اور جڑن کے ہیں۔

..... شرعی اصطلاح: میں وسیلہ کہتے ہیں۔ ہر اس چیز یا ذریعہ کو جس کو رغبت اور محبت کے ساتھ استعمال کر کے معبود کی قربت حاصل کی جائے۔

لفظی تحقیق: یہ لفظ سین اور صاد دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں ان کا معنی قریب قریب ہوتا ہے البتہ معمولی سا یہ فرق ضرور بیان کیا جاتا ہے کہ صاد سے معنی میں عموم ہوتا ہے کہ کسی سے محبت یا رغبت سے ملا جائے یا ان کے یعنی محبت اور رغبت کے بغیر ملایا جائے لیکن سین کے ساتھ مستعمل ہونے کی صورت میں معنی ہوگا کہ وہ ملنا صرف محبت کی وجہ سے ہو۔ بعض احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک مخصوص مقام اور درجہ بھی ہے کہ جو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ملے گا۔ لسان العرب میں ہے: **وسل: والوسيلة: "ال منزلة عند الملك والوسيلة الدرجة والوسيلة: القربة. ووسل فلان الى الله وسيلة اذا عمل عملا تقرب به اليه. والواسل: الراغب الى" (لسان العرب ۸/۸۶۶)**

(۲) . انبیاء کرام علیہم السلام، صلحاء واولیاء، صدیقین وشہداء وافتیاء کا توسل جائز ہے، یعنی ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔ **"وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي ﷺ الى ربه ولم ينكره احد من السلف والخلف الا ابن تيمية فابتدع مالم يقله عالم قبله" (الدرر ۵/۳۵۰)**

روح المعانی میں ہے: **"ان الوسل بجاه غیر النبی ﷺ لا باس به ایضا ان کان المتوسل بجاه مما علم ان له جاها عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه ووليته" (روح المعانی ۶/۱۳۸)**

(۳) ..... توسل نیک ہستیوں کی زندگیوں میں بھی جائز ہے، اور ان کی وفات کے بعد بھی جائز ہے۔ **"ويستفاد من قصة العباس" استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاح واهل بيت النبوة. يجوز التوسل الى الله تعالى والاستغاثة بالانبياء والصالحين بعد موتهم" (برقہ محمودیہ ۱، ۲۷۰، حوالہ تسبیح الصبور ۳۵۰)**

**"عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصدیقین فی حياتهم وبعد وفاتهم بان يقول فی دعائه اللهم انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر**

ذلک (المہند علی المہند، ۱۲، ۱۳)

(۴) ... توسل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعاء کرے کہ یا اللہ! میں آپ کے فلان ولی کے وسیلہ سے اپنی دعاء کی قبولیت چاہتا ہوں، اور اپنی حاجت برآری کا خواستگار ہوں، یا اسی جیسے دوسرے کلمات کہے۔

عن عمر بن الخطاب قال فی واقعة العباس اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبينا ﷺ فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبينا فاستقنا قال فیسون۔ (صحیح بخاری ۱/۱۳۷)

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال ادع الله ان یعافینی قال ان شئت صبرت فہو خیر لک قال فادعه قال فامرہ ان یتوضا فیحسن وضوءہ ویدعوبہذا الدعاء اللهم انی استلک واتوجه الیک بنیک محمد نبی الرحمة انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضى لی اللهم فشفعه فی۔ (بخاری ۲/۱۹۷)

(۵) بزرگوں کو وسیلہ بنانے کے بجائے براہ راست انہی سے حاجات مانگنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔

”قال النبی ﷺ اذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله“۔ (مشکوٰۃ لصاحب ۲/۴۵۳)

مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے: ”فان منهم من قصد بزيارة قبور الانبياء والصلحاء ان يصلى عند قبورهم ويدعو عندها ويسائلهم الحوائج وهذا لا يجوز عند احد من علماء المسلمين فان العبادة وطلب الحوائج والاستعانة لله وحده“ (مجمع بحار الانوار ۲/۷۳۰۔ زیہ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں جو اللہ اعلم ۱/۱۲۱)

(۶) اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے اسمائے حسنیٰ اور اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ، بر الوالدین، صدقہ، ذکر، تلاوت قرآن، دور و شریف اور اجتناب معاصی وغیرہ سے توسل جائز ہے۔

”لما جاء فی الصحيحین من ”حدیث الغار“ ان ثلثة نفر قد اخذهم المطر فمالوا الی غار فی الجبل فانحطت علی فم غارهم صخرة من الجبل... الی ان فرج الله عنهم بتوسل صالح اعمالهم“۔ (صحیح بخاری ۲/۸۸۳، ۸۸۴)

شرح نووی علی مسلم لکھا ہے: ”استدل اصحابنا بهذا علی انه يستحب للانسان ان يدعو فی حال کربہ و فی دعاء الاستسقاء وغیرہ بصالح عمله ویتوسل الی الله تعالیٰ به لان هوالاء فعلوه فاستجیب لهم و ذکره النبی ﷺ فی معرض الشاء علیهم و جمیل فضائلهم“ (شرح نووی علی مسلم ۲/۴۵۳)

فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے: ”فالتوسل الی الله بالنسین هو التوسل بالایمان بهم وبطاعتهم كالصلوة والسلام علیهم ومحبتهم وموالاتهم او بدعائهم وشفاعتهم“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۱۳۳)

(۷) ... جیسے نیک اعمال کا توسل جائز ہے، ایسے ہی نیک اور برگزیدہ ہستیوں کا توسل بھی جائز ہے، کیونکہ ذوات یعنی نیک لوگوں کا توسل درحقیقت اعمال ہی کا توسل ہے۔

(۸) توسل کا درجہ اسام میں زیادہ سے زیادہ استجب (یعنی مستجب ہونے) کا ہے لہذا توسل کو واجب کہنا یہ خود صریح گمراہی۔

(۹) اللہ تعالیٰ جیسے اپنے کسی کام میں مجبور نہیں ہیں اسی طرح کسی بھی بڑی سے بڑی ذات کا توسل کر لیا جائے تو اس کا ماننا اللہ تعالیٰ پر لازم اور ضروری نہیں ہے۔ مان لیں تو بھی صحیح اور اگر کسی کو حیثیت اللہ تعالیٰ نہ دیں تو بھی صحیح ہے۔

(از عقائد، بل السیۃ والجماعۃ حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت برکاتہم العالیہ: ۷۶ تا ۷۵)

## ☆ توسل کی تین صورتیں ہیں

☆... صورت نمبر (۱) توسل کی یہ صورت اگرچہ مذکورہ عبارت میں آئی گئی ہے لیکن آسانی کے لئے پھر پیش خدمت ہے۔ انسان اپنی دعا میں یا تو اپنی کسی نیکی یا غیر کی نیکی یا کسی نیک شخصیت کے توسل سے یہ دعا کرے کہ یا اللہ میری یہ دعا اس نیک عمل یا اس نیک شخصیت کی برکت سے قبول فرما کیونکہ وہ آپ کی جناب میں بامقام ہے اس کے اس تحقق کی لاج رکھ لے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ یہ صورت توسل کی جائز ہے اور اس کے بے شمار نظائر قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

☆... صورت نمبر (۲) بندہ خود کو اس قابل نہ سمجھے بلکہ کسی دوسرے شخص سے ہی عرض کر دے کہ آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہیں میرے لئے دعا کر دیں اگرچہ میری بھی اللہ تعالیٰ دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں لیکن بہ نسبت میرے آپ کی زیادہ قبول کرتے ہیں نیکی میں بڑھے ہوئے ہونے کی وجہ سے یہ صورت ہمیشہ سے بزرگوں میں رائج رہی ہے اور اس میں تواضع بھی زیادہ ہے کہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھا بلکہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جانا۔

☆... صورت نمبر (۳) تیسری صورت توسل کی یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہماری پہنچ اور رسائی اللہ تعالیٰ تک نہیں ہے ہم بزرگوں سے درخواست کریں گے آگے وہ اللہ تعالیٰ تک خود ہی پہنچ سکتے ہیں یا بطاء الہی ان کے پاس ہماری درخواستیں قبول کرنے کے اختیارات موجود ہیں۔ یہ وسیلہ کی تیسری صورت بالکل جہالت پر مبنی ہے اور نری گمراہی ہے۔ اور اس کے اندر دو سنگین قسم کی غلطیاں موجود ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ کی صفت سميع اور قدرت پرزوا آتی ہے۔

☆... غلطی نمبر (۱) لوگوں نے خدائی دربار کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح تصور کر لیا ہے کہ جس طرح بادشاہوں تک بغیر درباری یا چپڑاسی یا دزیروں و مشیر رسائی نہیں ہوتی ہے کہ ہر کوئی عرض معروض کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دربار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ کے لئے کسی ذریعہ کو استعمال کرنا ضروری ہے حالانکہ بادشاہوں پر جو خود مخلوق ہیں خالق کو قیاس کرنا ہی غلط ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کیا جائے حالانکہ بادشاہوں کو اپنے خلفاء یا دزیروں رکھنے کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ وہ بیک وقت ہر کسی کی سن نہیں سکتے یا ان تک کوئی شخص پہنچ نہیں سکتا۔

لیکن اس کے برعکس خدائی معاملہ یہ ہے کہ وہ ذات اتنی بلند شان کی مالک ہے کہ وہ بیک وقت بیک لمحہ کروڑوں افراد کی سن سکتے ہیں اور وہ ہر وقت سنتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہ یہ ہمیشہ سے اعلان ہے کہ: **قَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾** [بقرہ] ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں (جو) اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ سوچ اس کی صفت سمیع کے خلاف ہے اور انکار ہے۔

☆..... غلطی نمبر (۲) یہ ہوئی ہے کہ جیسے بادشاہ سے اپنے تمام امور خود مٹائے نہیں جاتے وہ خود ہی اپنی اختیارات اپنے چند مشیروں و زیروں کو نروں کو دے دیتے ہیں اور خود ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ نائین جب چاہیں جو چاہیں کرتے رہیں بادشاہ کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے کچھ اختیارات انبیاء و اولیاء کو دے دیتے ہیں وہ باختیار ہو کر جو چاہیں کرتے ہیں۔ لیکن اس غلطی کا پہلی غلطی سے سنگین اور فحش ہونا کسی عاقل پر مخفی نہیں ہے کہ اس سوچ میں اللہ کو مجبور ظاہر کیا گیا ہے جو قدرت کا عکس ہے اور ناممکن ہے اس لئے کہ بادشاہ عاجز پر خدا قادر کو قیاس کرنا حد درجہ گمراہی ہے۔

فرمان الہی! اللہ تعالیٰ اپنا تعارف ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ کے الفاظ سے کروا چکے ہیں کہ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جب اس نے تمام نظام کائنات بغیر مشورہ اور بغیر کسی مدد کے بنایا ہے وہ اس کے چلانے پر بھی قادر ہے اور چلا رہا ہے۔ اور وہ اس نظام کے چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ وسیلہ کی اول دونوں صورتیں صحیح ہیں، تیسری اور آخری صورت گمراہی کا منبع اور بنیاد ہے۔

(حکماء محل السنۃ احمدیہ مفتی زین الدین کرناہی دامت برکاتہم العالیہ ۱۵۳ تا ۱۵۷)

## اہل السنۃ الجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک ایصالِ ثواب حق ہے

☆..... ایصالِ ثواب: زندہ مومن کی دعاء اور صدقہ دینے سے مردہ مومن کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر مردہ مومن عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کو دعا اور خیرات سے تخفیف ہو جائیگی یا بالکل معاف ہو جائے گا اور اگر عذاب میں مبتلا نہیں تو اس دعا اور خیرات سے اس کے وہاں درجات زیادہ ہو جائیں گے بہر طور اس کو نفع ہوتا ہے اور قرآن و احادیث و اجماع صحابہؓ پر دلیل ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ اور واسطے ان لوگوں کے کہ جو انصار و مہاجرین کے بعد آئے اور کہتے ہیں کہ الہی ہم کو بخش اور جو ہم سے پہلے مومن ہیں ان کو بخش اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اموات کو بھی شامل ہے اگر اس دعا سے سابقوں کو کچھ نفع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بعد والوں کی مدح میں ذکر نہ فرماتا بلکہ یہ دعا فعل عبث گناہ جاتا اور جنازے کی نماز پڑھنا حضرت محمد ﷺ کے عہد سے اب تک جمہور اسلام کے ہاں چلا آتا ہے اگر میت کو اس سے کچھ نفع نہیں تو گویا ایک فضول امر ہے اور کس طرح سے فضول ہو سکے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نسبت نہایت تاکید فرماتے ہیں اور میت کو نفع ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔

(۱)..... چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت سے منقول ہے کہ جس میت پر سو مسلمان نماز پڑھیں اور اس کے لئے شفاعت کریں تو اللہ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

(۲)..... اور دوسری جگہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس میت پر چالیس آدمی جو مشرک نہ ہوں نماز پڑھیں تو اللہ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

(۳)..... اور طبرانی نے اوسط میں انسؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میری امت پر اللہ کی بڑی رحمت

ہے کہ جو قبر میں گنہگار داخل ہوں گے بسبب دعا و استغفار مسلمانوں کی قبر سے بے گنہ ہو کر اٹھیں گے۔

ج۱۔ ... صدقہ کے نافع ہونے میں بہت سی احادیث وارد ہیں:

- (۱) چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ میری ماں بے وصیت کے مر گئی اور مجھے گمان ہے کہ اگر کچھ وہ بولتی تو وصیت کرتی اب اس کو ثواب ہوگا اگر میں صدقہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔
- (۲) بخاری نے روایت کی ہے سعد بن عبادہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اگر اب میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اسے نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔

(۳) سعدؓ نے کہا اب میں آپ کو گوہر کرتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

- (۴) امام احمدؒ اور اصحاب سنن اربعہ نے سعد بن عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کے لئے پوچھا کہ ان کو کون سا صدقہ نافع ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ نافع ہے۔ پس سعدؓ نے ایک کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے نام سے صدقہ دیا۔
- (۵) طبرانی نے اوسط میں انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر والے کسی میت کی طرف سے بعد موت کے صدقہ دیتے ہیں تو جبریل نور کے طباقوں میں لگا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ نہایت خوش ہوتا ہے اور اس کے پاس والے کہ جن کے پاس کسی نے ہدیہ نہیں بھیجا غمگین ہوتے ہیں۔

(۶) بیہقی اور دیلمی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردہ قبر میں غریق کے مانند دعا کا منتظر رہتا ہے پس جب ماں باپ یا دوست خالص کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب سمجھتا ہے اور بلا شک زندوں کی دعا کو قبر میں پہاڑ کی مانند بنا کے بھیجتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے استغفار تحفہ ہے غرض اور بہت احادیث اس مضمون کی کتب احادیث میں وارد ہیں اگرچہ اخبار احادیث ہیں لیکن مجموعہ سے ثبوت یقینی ہو جاتا ہے اور سلف سے خلف تک کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

فقہی تفصیل:

مالی عبادت کے ثواب پہنچنے میں سب اہل سنت متفق ہیں ہاں بدنی عبادت میں اختلاف ہے امام شافعیؒ انکار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اولہ کے عموم سے ثابت کرتے ہیں دوسری اور بہت احادیث ان کے لئے ہیں چنانچہ بخاریؒ اور مسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مر جاوے تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کر دیوے۔ مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے اگر اس کی طرف سے میں ادا کر دوں آیا کافی ہو جائیں گے آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا اگر میں اس کی طرف سے حج کر دوں تو اس کو کافی ہوگا آپ نے فرمایا ہاں روزہ کا بدنی عبادت ہونا تو خود ظاہر ہے لیکن حج بھی بدنی عبادت ہے کیونکہ جس قدر ارکان حج ہیں ان میں کبھی روپیہ کی ضرورت نہیں اس لئے جو قربانی کی حاجت نہیں رکھتے ہیں ان کو روزے رکھنے کا حکم ہے روپیہ فقط کعبے پہنچنے کے لئے شرط ہے اور اسی سبب سے فقیر پر بھی مکے میں پہنچنے سے حج واجب ہو جاتا ہے اور اسی لئے سب اہل مکہ پر فرض ہے بدنی عبادت کا نفع

پہنچنا میت کو صاف ثابت ہو گیا اس لئے کہ میت پر کوئی چیز واجب نہیں رہتی فقط زندگی میں تکلیف شرعی تھی پھر میت کی طرف سے واجب ادا کرنے کے یہی معنی ہیں کہ میت حالت حیات کے واجبات ترک کرنے کے سبب جو ماخوذ تھا اس وارث کے ادا کرنے سے رہا ہو گیا اور یہی نفع ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ کل مالی عبادت کا ثواب اور بدنی میں حج اور روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے تو جمع فقہاء اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن کے پڑھنے اور اعتکاف اور نوافل وغیرہ عبادت بدنیہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

(۳) چنانچہ بیہیج نے شعب الایمان میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردے کو بند کر کے نہ رکھا کرو۔ جلدی لے جایا کرو اور اس کے سر کی طرف سے سورہ ”بقدرہ“ کا اول اور اس کے پاؤں کی طرف سورہ ”بقدرہ“ کا اخیر پڑھا کرو۔ (۴) اور امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے معقل بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کے پاس سورہ ”یس“ پڑھا کرو۔

(۵) ...خلال نے شخصیؓ سے روایت کیا ہے کہ انصار میں جب کوئی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے۔ (۶) ابو محمد سمرقندی نے حضرت علیؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جو شخص قبرستان میں جا کر گیارہ بار ”قل هو اللہ“ پڑھ کے مردوں کی روح کو بخش دے تو اس کو بھی جس قدر مردے وہاں ہیں ثواب ملے گا۔

(۷) ...ابوالقاسم سعد بن علی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قبرستان میں جا کر ”سورہ فاتحہ“ اور ”قل هو اللہ“ اور ”الھکم التکاثر“ پڑھ کر سب مردوں کی روح کو بخش دے تو تمام مومنین اور مؤمنات قیامت کو اس کو شفیع ہوں گے۔

(۸) ...عبد العزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے انسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جو شخص قبرستان میں جا کر سورہ ”یس“ پڑھے مردوں کے عذاب میں تخفیف ہو جاوے اور جس قدر مردے ہیں اس قدر اس کو بھی ثواب ملے۔

(۹) ...امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبلؓ سے روایت کیا ہے کہ اگر قبرستان میں جا کر ”فاتحہ“ اور ”قل هو اللہ“ اور ”معوذتین“ تین بار پڑھ کر اہل مقابر کی روح کو بخش دے تو انکی روح کو ثواب پہنچے گا نقل کیا ہے ثناء اللہ محدث پانی پتی نے ترجمہ کشف الصدور جلال الدین سیوطی میں واللہ اعلم۔

☆..... فائدہ: اگر کوئی کافر کسی کافر مردہ کے لئے دعا کرے یا صدقہ دے یا کسی مومن مردے کے لئے دعا کرے یا صدقہ دے ہرگز نفع نہ دے گا کیونکہ کافروں کے سب اعمال حبط ہیں اور بعد مرنے کے کافر کو تخفیف نہیں ہوتی کہ کسی کی دعا یا صدقہ سے تخفیف ہو جاوے اور اسی طرح اگر مومن کسی کافر مردہ کے لئے دعا کرے یا صدقہ دیوے وہ بھی اس کو نفع نہ دے گا فقط مومن کی دعا یا صدقہ مومن ہی کو نفع دیتا ہے۔

## اہل السنۃ والجماعۃ صوفیا کرام کے نزدیک حق تعالیٰ کسی چیز کیساتھ متحد نہیں ہوتا

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام حلول کے قائل ہیں حالانکہ ان کی طرف یہ نسبت کرنا غلط ہے۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے: حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا، اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے، اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی (ایک چیز کے دوسری چیز میں سما جانے اور پیوست ہو جانے کو حلول کہتے ہیں جیسے کپڑے میں سیاہ یا سفید رنگ پیوست ہو جاتا ہے) اور نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک اللہ تعالیٰ انسان اور حیوان شجر اور حجر میں حلول کرتا ہے۔ سامری کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ پچھڑے میں خدا حلول کر آیا ہے۔

اہل حق صوفیاء صرف وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے قائل نہیں کہ عالم موجود ہو پھر ذات حق کے ساتھ وجود میں متحد اور ایک ہو۔ وحدت کے قول سے حلول کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ حلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں حلول کرے) دونوں موجود ہوتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جب کہ اہل حق حضرات عالم کے وجود کو ذات حق کیو وجود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا حلول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ (اسلامی عقائد: ۵۲/۵۳)

### وحدة الوجود کی تحقیق

صوفیاء نے وحدت کا معنی یکتا کالیا ہے اور یکتا، بے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی ہمسرنہ ہو۔ کہتے ہیں۔ ”فلان واحد فی الحسن، واحد فی العلم“ وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں۔ یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں۔ وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے دوسرے وجودات اس سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جاسکے گو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون قرآن وحدیث کے ذرا خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

غرض وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو دوسروں کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں۔ نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تھانیدار چیر اسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ کم معلوم ہوتا ہے مگر وزیر اعظم کے سامنے وہ بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے۔ نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر پڑھنا اس نے سیکھا ہو۔

غرض گفتگو میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشے اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بس قری تو فلاں ہے، خنّی وہ ہے، حسین تو یہ ہے اور ناقص سے اس کی مکمل نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ (یعنی اپنی ذات میں) بھی کچھ نہیں۔ یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کہ کسی درجہ میں قابل ذکر



نہیں۔ اس لئے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے۔ بہر حال جب صوفیاء کے نزدیک اتحاد وجودین (یعنی دو وجودوں کا بالکل ایک ہونا) کفر ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے کتنا فرق ہے۔ وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے اور یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں نعوذ باللہ منہ وحدۃ الوجود کی یہ جو تحقیق ذکر کی گئی ہے جب تک یہ آدمی کے علم کی حد تک رہے تو صوفیاء اس کو توحید کہتے ہیں اور جب یہ بات کسی شخص کا حال بن جائے یعنی یہ کہ اس کی مستقل کیفیت یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے آگے دوسروں کے وجود کو مثل معدوم کے سمجھتا ہے تو اس کو فنا کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الشہود کا حاصل بھی ہے۔

(سہ ماہی تہذیب ۵۵ ص ۵۵)

### وحدۃ الشہود کی تحقیق

اس کا ترجمہ ہے مشہود کا ایک ہونا یعنی واقع میں تو ہستی اور موجود متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کا عدم ہوتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس کی ایک مثال لکھی ہے:

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ  
بتابد شب کرک چوں چراغ  
یکے شمش اے کرک شب فروز  
چہ بودت کے بیروں نیائی بروز  
نہ بینی کہ آن کرک خاک زاد  
جواب از سر و شنای چہ دادہ  
کہ من روز و شب جز بہ صحرانیم  
ولے پیش خورشید پیدا نیم۔

ترجمہ: شاید تم نے دیکھا ہوگا کہ باغ وغیرہ میں ایک کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ کسی نے اس سے کہا کہ اے رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھ کو کیا ہوا کہ تو دن کو باہر نہیں آتا۔ تمہیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے عقل مندی سے کیا عمدہ جواب دیا۔ کہ میں تو دن رات جنگل کے سوا کہیں نہیں ہوتا مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔

غرض جن لوگوں کی نظر آفتاب (وجود حقیقی) پر ہوتی ہے اس وقت جگنو یعنی اشیاء عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر آفتاب وجود حقیقی سے غائب ہے وہ البتہ اشیاء عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں اور جو محقق ہیں کہ مغلوب الحال نہیں ہیں ان کی نظر آفتاب وجود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ پر ہونے کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ صرف لفظی اختلاف ہے مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔ (سہ ماہی تہذیب ۵۵ ص ۵۶)

بہر حال حق تعالیٰ کسی شے کے ساتھ متحد نہیں اور نہ کوئی شے حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہے اس لئے کہ جب اس کی شان یہ ہے کہ "لیس کمثلہ شی"

”نہ کوئی اور اس کا ذات میں مماثل ہے نہ صفات میں تو پھر اتحاد کیسے ممکن ہے۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ ”انا الحق“ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ میں حق اور خدا ہوں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں نہیں ہوں صرف حق تعالیٰ موجود ہے۔ کہ جس کی بارگاہ میں تغیر ذات اور افعال میں تغیر اور تبدل سے منزہ ہے۔ موجودات کے تغیر سے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ (کتوب صفحہ ۱۶۶)

مثلاً لوہا اگر آگ میں ڈال دیا جائے اور وہ لوہا آگ کے فیض سے ایسا صاف اور شفاف اور سرخ ہو جائے کہ آگ کا ہم رنگ بن جائے اور اس حالت میں یہ لوہا بزبان حال ”انا النار“ کہے تو درحقیقت اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں فی حد ذاتہ نار ہوں بلکہ یہ ان آثار کی طرف راجع ہے کہ جو لوہے میں آگ کے فیض صحبت سے پیدا ہو گئے ہیں۔ یا کوئی صاف و شفاف آئینہ کہ جو آفتاب سامنے رکھے ایسی حالت میں اگر یہ آئینہ ”انا الشمس“ (میں آفتاب ہوں) کہے تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں حقیقتاً آئینہ آفتاب ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں کچھ نہیں یہ جو کچھ شعاعیں اور انوار مجھ میں موجزن ہیں وہ آفتاب کی بجلی اور انعکاس کا پرتو ہے۔ اسی طرح مقرر بان الہی کہ جن کے قلوب آئینہ سے زائد صاف اور شفاف، مصفیٰ اور محلی ہو جاتے ہیں اور اس ”نور السموات والارض“ کے انوار اور تجلیات ان میں منعکس ہونے لگتے ہیں ایسی حالت میں ان حضرات سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں کہ جن کو عوام اور قاصد الافہام ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں کہ جو ان کے دین و ایمان کے لئے باعث تخریب ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت ان کا مطلب وہ ہوتا ہے کہ جو ہم شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر چکے ہیں۔ اور مولانا رومی قدس سرہ السامی نے اس مسئلہ کو مثنوی میں مختلف طریق سے متعدد مواضع میں حل فرمایا ہے۔



## اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرامؒ کے نزدیک تصرف کی حقیقت

### تصرف کی حقیقت

از سر لکھیم الامت حضرت مولانا شریف علی تھانوی، ترجمہ: حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب

حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا ہے ﴿وَأَيَّدْنَا لَهُ بُرُوحَ الْقُدُسِ﴾ یعنی ہم نے جبریلؑ کے ذریعہ ان کی تائید کی۔ یہ تائید جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے مختلف صورتوں سے ہو سکتی ہے جن میں سے میرے نزدیک اس جگہ سے زیادہ اقرب وہ صورت ہے جس کو تفسیر رحمانی میں اختیار کیا گیا ہے ہے کہ جبریلؑ ان کے ملکی آثار کو حضرت عیسیٰؑ کے بشری خواص پر غالب کر دیتے تھے اور وہ ان ملکی اثرات سے کام لیتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی تائید باطنی ہے جس کو تصرف کہا جاتا ہے۔ اور اس احتمال (تائید باطنی) کے اقرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس احتمال کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسانؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یا اللہ! روح القدس (جبریلؑ) کے ذریعہ ان کی تائید کر۔ یہ روایت مسلم شریف میں مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ تائید باطنی مراد ہو سکتی ہے (جس سے بمقابلہ کفار اشعار بلیغہ کہنے کی طاقت پیدا ہو) اور چونکہ ایک وحی سے دوسری کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے تائید مذکور کی وہی تفسیر رائج معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث میں مراد ہے۔

### حقیقت تصرف، توجہ، جمع خواطر

اور حقیقت اس تائید کی یہ ہے کہ خاص کیفیات محمود کا دوسرے شخص پر افاضہ کیا جاوے جس سے اس میں آثار خاصہ پیدا ہو جو ویں اور یہ آثار اغراض و مقاصد کے اختلاف کی بنا پر مختلف انواع والوان کے ہوتے ہیں اور اس تائید کا اہل تصوف کی اصطلاح میں تصرف اور توجہ اور جمع خواطر کہتے ہیں۔

### ثبوت تصرف بآیات و حدیث

پس یہ آیت اس عمل کے لئے اصل ہے۔ اور اس سے زیادہ صریح اس باب میں سورہ انفال کی یہ آیت ہے ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (انفال ۱۱) یعنی جب وحی بھیجتا تھا آپ کا پروردگار ملائکہ پر کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔

زجاج نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ تثبیت و تائید فرشتوں کی طرف سے اس طرح ہوتی ہے کہ وہ کچھ کیفیات مؤمنین کے قلوب میں القاء کرتے ہیں جس سے ان کے عزائم صحیح اور ہمتیں قوی ہو جاتی ہیں۔ اور فرشتہ کو حق تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ قلب میں خیر کا القاء کر سکتا ہے جس کو الہام کہا جاتا ہے جس شیطان کو القاء شرکی قوت حاصل ہے جسکو وسوسہ کہا جاتا ہے (سورہ بقرہ ۱۰۲)۔

اور ان دونوں آیتوں سے زیادہ صریح باعتبار دلالت کے وہ ہے جو صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ سے حدیث وحی میں جبریلؑ کے فعل کے متعلق وارد ہوا ہے کہ مجھے جبریلؑ نے آغوش میں لے لیا اور مجھے دبایا اور پھر دوسری مرتبہ اسی طرح دبایا پھر تیسری مرتبہ اسی طرح کیا۔

(یعنی ابتداء وحی میں جب آنحضرت ﷺ پر تنزیل وحی کا سلسلہ جاری کرنا تجویز کیا گیا تو جبریل نے افعال مذکور کئے) اس میں ظاہر بلکہ متعین یہ ہے کہ یہ ڈھانپنا تقویت قلب کے لئے تھا تا کہ وحی کی برداشت ہو سکے جیسا کہ علامہ محدث عبداللہ بن ابی جرہ (جس تو ۱۱ صدی ہجری کے اکابر محدثین میں سے ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجرؒ ان کے اقوال سے فتح الباری میں استدلال کرتے ہیں) اپنی کتاب ”بہجة النفوس“ میں صحیح بخاری کی حدیث ”بدأ الوحی“ کے تحت میں فرماتے ہیں کہ تیسواں فائدہ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ڈھانپنے والے کے جسم کا دوسرے شخص کے ساتھ اتصال (جو القاء کیفیت کے طرق میں سے ایک طریقہ ہے) اس کے ذریعہ اس شخص میں ایک کیفیت نور یہ پیدا ہو جاتی ہے جس سے یہ شخص اس کیفیت کا متحمل ہو سکتا ہے جو اس پر القاء کی جائے۔ کیونکہ جبریلؑ کا جسم جب آنحضرت ﷺ کے جسم شریف کے ساتھ متصل ہوا تو اس کے ذریعہ سے آپ میں وحی کے تحمل کی وہ قوت پیدا ہو گئی جو پہلے نہ تھی۔

ثابت ہوا کہ قرآن مجید وحدیث اس عمل کی مشروعیت وجواز پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ دلالت ظنی ہے کیونکہ آیات وحدیث مذکورہ میں دوسرے احتمالات بھی ہو سکتے ہیں مگر دلالت کا ظنی ہونا مقصد کے لئے مضر نہیں کیونکہ مسئلہ ظنی ہے اس میں ظن غالب ہے بلکہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ اگر کوئی خاص دلیل منقول ہی نہ ہوتی جب بھی مضر نہ تھا کیونکہ اس فعل کی مشروعیت قواعد سے معلوم ہے اس لئے کسی نقل خاص کی حاجت نہیں اور بہت سے بزرگان دین بالخصوص مشائخ نقشبندیہ اس کا استعمال مقاصد محمودہ کیلئے کرتے ہیں جو دین میں مطلوب ہیں اور ان کی کتابوں میں اس کی تفصیل نہ کور ہے مثلاً عزم، توبہ اور نفس پر خوف و خشیت یا شوق و رغبت فی الطاعة کا رنگ غالب ہو جانا وغیرہ۔

### قوت تصرف پیدا ہونے کا طریقہ

اور یہ قوت تصرف ان مشائخ میں اکثر مجاہدات و ریاضات نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کشتی لڑنے کی قوت ریاضت جسمانی (ورزش وغیرہ) سے پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی شخص میں فطرتاً بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ صورت بہت قلیل ہے۔

### استعمال تصرف کا شرعی حکم

اس عمل کا حکم فقہی یہ ہے کہ فی نفسہ مباح و جائز ہے پھر غرض و مقصود کے تابع ہے یعنی اگر اس کا استعمال کسی غرض محمودہ کے لئے کیا جاوے جیسے تصرفات مذکورہ جو مشائخ صوفیہ کے معمول ہیں تو یہ فعل بھی ”تبعاً للغرض“ محمود سمجھا جائے گا اور اگر کسی مقصد مذموم کیلئے اس کا استعمال کیا تو یہ فعل بھی مذموم ہو جائے گا۔ پھر مذمت و کراہت میں جو درجہ اس کی غرض اور مقصد کا ہوگا اسی کے مطابق اس فعل کی مذمت و کراہت میں کمی بیشی ہوگی۔

خلاصہ: یہ کہ دونوں قسم کے تصرف باعتبار ذات اتحاد نوعی رکھتے ہیں اور باعتبار متعلقات کے ان میں صنفی تفاوت ہے۔

تنبیہ: بہر حال میں یہ تصرف کوئی کمال دینی نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و مقرب ہونے کی علامت ہے (بلکہ ہر مشق کرنے والا یہ قوت اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے اگرچہ فاسق کافر ہی کیوں نہ ہو جیسے بہت سے جوگیوں کے قصے مشہور ہیں)۔

## تنبیہات

یہاں تک تمام کلام اصل مسئلہ کے متعلق تھا۔ اب چند ضروری تنبیہات یہاں بیان کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے:

☆... تنبیہ نمبر ۱: اس بارے میں کہ یہ تصرف جس کو مشائخ استعمال کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے سنت ہے یا نہیں؟

سو اس بارے میں جو کچھ ثابت ہوا وہ میں نے رسالہ ”الطرائف والظرائف“ کے حصہ دوم میں لکھ دیا ہے اسی کا بعینہ اس جگہ نقل کر دینا کافی معلوم ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے نقل صحیح کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے ان کا دوسوہ جاتا رہا اور بعض بیماروں کے بدن پر دست مبارک پھیرا جس سے ان کا مرض جاتا رہا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگا کہ آپ نے تصرف کا استعمال فرمایا اور کچھ زیادہ بعید نہیں کہ اس قسم کی روایات سے کوئی شخص استعمال تصرف کے سنت ہونے پر بھی استدلال کرنے لگے۔

لیکن جب غور سے دیکھا جاوے تو یہ استدلال تام بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس عمل کا تصرف ہونا اس کا محتاج ہے کہ نقل صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپ ﷺ نے اپنی باطنی قوت کو ان آثار کے پیدا کرنے کے لئے جمع فرمایا ہو اور یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ افعال اس بناء پر کئے ہوں کہ آپ کو بذریعہ وحی ان افعال کا ان لوگوں کے حق میں بدو ن جمع خواطر و استعمال تصرف نافع و مفید ہونا معلوم ہو گیا ہو اور اس احتمال کی بنا پر یہ افعال اصطلاح تصرف میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ تمام علماء امت نے ان واقعات کو بھی معجزات میں شمار کیا ہے جو کہ تصرف سے بالکل جدا ہیں۔

اور سب سے زیادہ واضح قرینہ اس بات پر کہ آنحضرت ﷺ سے کبھی تصرف صادر نہیں ہوا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ ان کے ایمان لانے کے بہت زیادہ متمنی اور خواہشمند تھے۔ بلکہ ان کے لئے صرف دعا اور دعوت دینے پر کفایت فرمائی۔ اور اگر کسی وقت آپ ﷺ سے تصرف کا صدور تسلیم کر لیا جاوے جب بھی اس سے اس فعل کا سنت اصطلاحی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اصطلاحی سنت ہونا اس پر موقوف ہے کہ یہ فعل معمول ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کشتی لڑنے کو سنت نہیں کہتے۔ حالانکہ ایک مرتبہ آپ نے رکانہ کے ساتھ کشتی بھی کی ہے۔ بلکہ اگر عادت ہونا بھی ثابت ہو جائے جب بھی سنت مقصودہ ہونے کا حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سنت عادیہ کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ عبادت بھی ہو۔

☆... تنبیہ نمبر ۲: کیا تصرف ولایت اور بزرگی اور مقبولیت عند اللہ کی علامت ہے؟

☆..... جواب: تو جواب یہ ہے کہ ”ہرگز نہیں“ جیسے دوسرے قویٰ بدنہ اور ہاتھ پیر وغیرہ کے استعمال کا حال ہے وہی اس کا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

☆..... تنبیہ نمبر ۳: کیا استعمال تصرف میں کوئی دینی دنیوی مضرت بھی ہے؟

☆... جواب: تو جواب یہ ہے کہ ہاں! بعض مضرتیں بھی ہیں دنیوی مضرت تو یہ ہے کہ اس کی کثرت کرنے سے عامل کے قویٰ دماغیہ اور

قلبیہ ضعیف و مضحل ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے امراض پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے جیسا کہ بکثرت مشاہدہ و تجربہ ہوا ہے۔ اور مضرت دینی یہ ہے کہ عوام اس کو دلالت و بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں اور یہ ایک اعتقادی ضرر ہے اور مرید کا یہ ضرر ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں اور یہ ضرر عملی ہے اور انہیں مضرتوں کی وجہ سے محققین طریق نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ مضرتیں وجہ مضبوطی قوی اور سلامت فطرت اور خوش فہمی کے موجود نہ تھیں لیکن ایک خلف کو سلف پر قیاس نہیں کیا جاسکتا خوب سمجھ لو۔ اور مزید فائدہ کے لئے رسالہ ”دلائل القرآن علی مسائل النعمان“ کے ساتویں باب کا مطالعہ کیا جائے جس کو فاضل صالح مولوی محمد شفیع صاحب دیوبند نے تالیف کیا ہے۔ تو اس مسئلہ کے متعلق بعض فوائد اس میں بھی ملیں گے۔ (از رسالہ حقیقت تصرف)

### کرامت اور تصرف میں فرق

عوام بلکہ بہت سے خواص بھی چونکہ کرامت اور تصرف میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ کرامت کے جو دعویٰ کا انکار کر بیٹھتے ہیں جیسا کہ متقدمین میں سے استاذ ابوالخٹق اور حلیمی اور بہت سے معتزلہ کا مذہب ہے (شرح موقف، ۵۷۹/۲) اور متاخرین میں ہمارے زمانہ کے بہت سے روشن خیال تو تعلیم یافتہ حضرات یہی رائے رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بھی ایک قسم مسمریزم کی سمجھتے ہیں۔

معجزہ رابا سحر کردہ قیاس

ہر دور ابرمکر بنیادہ اساس

واقعہ یہ ہے کہ کرامت اور تصرف بالکل جدا جدا دو چیزیں ہیں۔ دونوں کی حقیقت جدا احکام جدا ہیں۔ لیکن ظاہر میں چونکہ دونوں کی صورت خرق عادت کی سی ہے اس لئے التباس ہو جاتا ہے۔

فرق کی توضیح یہ ہے کہ کرامت بجا واسطہ اسباب طبعیہ کے محض حق تعالیٰ کے فعل سے صادر ہوتی ہے اس میں صاحب کرامت کے قصد اور فعل کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ کرامت کا صدور صاحب کرامت کے اختیار میں ہوتا ہے کہ جب چاہے صادر کرے۔ اور تصرف میں اس کے خلاف تمام تر مدار تصرف کرنے والے کے قصد و عمل پر ہے اور قصد کے ساتھ قوی فکریہ و قلبیہ کے استعمال سے ہی اس کا صدور ہوتا ہے اس لئے حقیقت یہ ہوئی کہ تصرف میں اسباب طبعیہ ہی کارگر ہیں مگر مخفی طور پر جیسے بعض لوگ خاص ادویہ کا استعمال ہاتھ وغیرہ پر مخفی طور سے کرنے کے بعد آگ ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور ان کا ہاتھ نہیں جلتا۔ تو درحقیقت وہ خرق عادت نہیں مگر اسباب کے مخفی ہونے کی وجہ سے صورت خرق عادت معلوم ہوتا ہے۔ اور کرامت میں اسباب کا کوئی دخل نہیں وہ حق یہ خرق عادت ہے اسی لئے شرح موقف وغیرہ میں معجزہ اور کرامت کے فرق کا مدار صرف اس پر رکھا ہے کہ اگر اس کی ساتھ متحد اور دعویٰ نبوت ہو تو معجزہ ہے ہی ورنہ کرامت اور یہ دونوں مقبول الہی اور ولی یابی ہونے کی علامت ہیں۔

### تصرف اور کرامت کے احکام میں فرق

کرامت چونکہ انسان کا فعل ہی نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ احکام جواز یا عدم جواز اور مذمت یا استحسان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو سکتا یعنی

اس میں ذمہ و کراہت کا احتمال ہی نہیں۔ اگر کسی کراہت کی وجہ سے کسی شخص کو ضرر بھی پہنچ جائے تو اس کی کوئی ذمہ داری صاحب کرامت پر عائد نہیں ہوتی جیسے کہ بہت سے اہل اللہ کے حالات میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ کسی شخص نے ان کی توہین و دل آزاری کی اور وہ فوراً بغیر ان کے قصد و اختیار کے منجانب اللہ کسی آفت یا ہلاکت میں مبتلا ہو گیا بخلاف تصرف کے کہ اگر اس کے ذریعہ کسی مسلمان کو بلا وجہ ضرر پہنچایا تو تصرف کرنے والا ایسا ہی گناہگار ہوگا جیسے ہاتھ پیر وغیرہ جو ارج سے کسی پر ظلم کرنے سے گناہگار ہوتا ہے یہ حقیقت غامضہ احقر (شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی شفیع) کو سیدی و سندی حضرت حکیم الامتؒ کے ایک فتویٰ سے واضح ہوئی جس کی صورت یہ تھی کہ شاہجہانپور کے ایک بزرگ نے حضرت سے استفتاء کیا کہ ایک شخص نے ناحق میری دل آزاری کی دفعۃً اس پر قبر متوجہ ہوا اور وہ ہلاک ہو گیا اس کی وجہ سے مجھے تو کوئی گناہ ہوا۔ حضرت والا نے یہی جواب دیا کہ اگر آپ نے اس کی ہلاکت کا قصد اور اس کیلئے صرف ہمت کیا ہے تو بیشک آپ قتل کے گناہگار ہوئے اگرچہ آگے جارحانہ نہ ہونے کے سبب قصاص نہ آئے اور اگر صرف ہمت نہیں کیا خود بخود یا محض بددعا کرنے سے یہ واقعہ پیش آیا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ (از سرانہ تصرف کی حقیقت)

☆... تنبیہ: تصرف کا ایک عوامی معنی ہے کہ اولیاء اللہ کی قوت اور ان کا کام ہے، تسلط، یہ معنی غلط ہے اور جو فن تصوف کا معنی ہے اس مراد قوت توجہ، مختلف آثار بید کرنا ہے، یہ صحیح ہے۔

☆ اصحاب القبور کا تصرف:

☆... سوال: جناب مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

☆... جواب: اگر اصحاب القبور کے تصرفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر ان کا یہ تصرف موجود اور صحیح ہے، ورنہ تصرف اصطلاحی تسلط غیبی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ مکا قال شاہ ولی اللہ: در آنجا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی۔ گفتہ اند کہ در ایشان در قبر خود مثل احیا تصرف میکند۔ (صحت ۶۱)

”لما قال محمد بن سليمان الرصاصي: معنى البيت ان كرامات الاولياء حال كونهم في الدنيا لهما وجود وثبوت وقوع اى حال حياتهم وكذا بعد الموت بمعنى اكرامه في قبره او حال حضرت فيه وتوسيعه لاسمى تتم ذك في العالم كم يعقد جهلة العوام“۔ (رحمة الای شرح ہذا الامالی ۷۳)

”قال شاه ولي الله: وذلك لان شيخ عبد القادر له شعبة من السريان في العالم وذلك انه لمامات صار بئينة الملاء الاعلى ونطبع فيه الوجود سارى في العالم كله“۔ (تہذیبات الالبہ ۱، تنبیہ ۳۶ ومنہ فی مداد الفتوی ۵، کتاب السلوک، بحوالہ فتاوی حقائقہ ۲/۲۶۶)

## روحانی علاج کے لئے ہسپتالوں کا ثبوت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خانقاہوں کا قیام بدعت شریعت میں اس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت سے ان خانقاہوں کا قیام ثابت ہے۔ توجہ فرمائیں۔

وہ جگہیں جہاں خوابیدہ دلوں کو جگانے کیسے یعنی اندھے دلوں کو بینا کرنے کے لئے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے ذکر اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ خانقاہیں کہلاتی ہیں۔ کتاب و سنت سے ان خانقاہوں کے قیام کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

☆ قرآن مجید سے دلائل:

☆..... دلیل نمبر ۱: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا بَيِّتُ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (36) رَجُلًا لَا تُلْهِهُمُ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (نور: ۳۷)

☆ اس آیت کا ربط ماقبل آیت سے بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ”اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل ہدایت کون لوگ ہیں اور نور ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے؟ سو بتلاتے ہیں کہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے جہاں صبح و شام اللہ کا ذکر ہوتا ہے“ (معارف القرآن: ۵/۱۳۲)

☆ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: ﴿وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ [ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے] اس میں تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن پاک اور دیگر اذکار سب داخل ہیں۔ ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں“ (معارف القرآن: ۵/۵۳۲)

☆..... دلیل نمبر ۲: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾ (آیہ: ۳۷)

☆ مفسرین اس آیت کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”الذین احصرُوا فی سبیل اللہ“ ”ہو الذین احصرہم الجہاد فمنعہم من التصرف، لا یستطیعون، لا شغلہم بہ، ضرباً فی الارض، للکسب وقیل ہم اصحاب الصفة“ (تفسیر رش: ۹۰/۱)

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ﴿أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے تعلیم پانے اور شب و روز یاد الہی میں بہت سے صحابی گھربار چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، جن کے فیض نے آنحضرت ﷺ کے بعد تمام عالم کو منور کیا۔ (تفسیر حقانی: ۲/۱۸)

☆ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ﴿أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جو خدا کی راہ میں مقید اور پابند ہیں یعنی دین کی خدمت اور عوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری اور باطنی دشمنوں کے جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے۔ جس طرح کافروں کی گردن کشی کیلئے



جہاد و قتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کیلئے مجاہدات اور ریاضات بھی عظیم ترین عبادت ہے۔ حدیث میں ہے ”المجاهد من جاهد نفسه“ (معارف القرآن ۱/۲۱۲)

☆..... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ﴿أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ان فقراء کے لئے جن کو راہ خدا میں روک دیا گیا ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل یا جہاد میں مشغول ہیں۔ (تفسیر مظہری ۲/۷۷)

☆..... سید امیر علی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”قوله لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مجلس مراقبہ میں اپنے نفسوں کو روک رکھا ہے۔ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾ یعنی اپنی معاش و حوائج ضروریہ تلاش کرنے کے واسطے اپنی مجالس مراقبہ سے جدا نہیں ہوتے ہیں۔ اس جہت سے کہ ان پر حال کا زور ہے اور ذکر الہی ان پر غالب ہے اور اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں اور محبت ان پر شدت سے اور عشق کثرت سے طاری ہے کہ ان کو کمائی میں مشقت کی استطاعت نہیں رہی“ (مواہب الرحمن ۱/۹۰)

..... دلیل نمبر ۳: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ (الباقیہ ۲۸) ”آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اصحاب صفہ جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست، مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف کا نمونہ ہیں۔

☆..... حضرت عبدالرحمن بن سہلؒ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں تھے کہ آیت ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ نازل ہوئی۔ حضور ﷺ اس آیت کے نازل ہونے پر ان لوگوں کی تلاش میں نکلے۔ ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے“ (اخر جہان جریر و الطمرانی وابن مردودہ کذا فی الدر)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا ”تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے یعنی مرنے جینے کے رفیق اور ساتھی تم ہی لوگ ہو۔“

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؒ وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت ذکر اللہ میں مشغول تھی کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نے دیکھا کہ رحمت الہی تم لوگوں پر اتر رہی ہے تو میرا بھی جی چاہا کہ آکر تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ ان ہی جیسے احکام سے صوفیہ نے استنباط کیا ہے کہ خانقاہیں قائم کی جائیں جہاں سالکین اسی طرح بیٹھ کر ذکر کر سکیں۔ جس طرح اصحابہ صفہ کیا کرتے تھے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ پر تشریف لائے آپ نے ان کے فقر اور مشقت کو محسوس کیا تو فرمایا اے اہل

صفہ خوش ہو جاؤ جو شخص میری امت میں سے تمہاری صفت پر رہنا پسند کرے گا وہ بہشت میں میرا ساتھی ہوگا۔“

خانقاہوں میں رہ کر اصحاب صفہ کی طرز پر زندگی گزارنے والے ”الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبہم“ پر عمل پیرا ہونے والے اور ”واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبیلا“ کا مصداق بننے والے ذاکرین کے لئے مبارک باد ہے۔ درحقیقت قلوب کے اجتماع کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رافت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے اسی وجہ سے جماعت کی نماز مشروع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب ججاج بیک حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں اسی لئے مشائخ کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسے طالبین کے ساتھ بیٹھنے میں کوتاہی نہ کریں۔ حضرت کاندہلویؒ آیت کریمہ ”وَاصْبِرْ نَفْسَکَ“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے“ (معارف القرآن: ۴/۴۱۲)

پس ثابت ہوا کہ خانقاہوں کے قیام کا مقصد انہی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔

☆ ... احادیث سے دلائل

☆..... دلیل نمبر ۱: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: ”حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سیکھ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) فرماتے ہیں۔“ (اخرجاہم و موسم والترندی)

☆..... دلیل نمبر ۲: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔“ (رواہ احمد والبیہقی)

☆..... دلیل نمبر ۳: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: ”حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں پر نور چمکتا ہوگا۔ وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے۔ وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں اور خاندانوں سے آکر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔“ (اخرجاہم و بیہقی)

آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں۔ آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے۔ جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے۔“ (انفال: ۲۴)

فسوف تری اذا انكشف الغبار افرس تحت رجلک او حمار  
 ”عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر“

☆..... عقلی دلیل: اگر دنیا میں طب جسمانی کی تعلیم نہ ہو اور نہ کوئی اس کی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا جسمانی بیماریوں سے پر ہو جائے گی اور کوئی طبیب اور معالج نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی کی کوئی درسگاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر، الحاد اور معصیت والے لوگوں سے بھر جائے گی۔ خانقاہیں ان ہی روحانی امراض کے شفا خانے ہیں۔ ان شفا خانوں سے دوائے دل ملتی ہے دل کی بیماریوں کا علاج ہی تمام پریشانیوں کا حل ہے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

رہی یہ بات کہ کوئی شخص کفر و معصیت کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو تو اس سے ہمارا خطاب نہیں۔ ایسے شخص کے لئے دفتروں کے دفتری کار ہیں۔ ان اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے آج کے ظلمت و معصیت کے دور میں بھی صحیح خانقاہی نظام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔  
 اللهم ثبتنا علی طریقتهم وارزقنا من برکتهم واحشرنا فی زمرةمهم [اے اللہ! ہمیں ان کے طریقہ پر ثابت قدم رکھیں۔ اور ان کی برکات سے ہمیں نوازیں۔ اور ان ہی کے ساتھ ہمارا احشر و نشر فرمائے۔ (تصوف و سلوک: ۸۰-۸۸)]

## صوفیاء کرام کے چلہ کشی کا ثبوت

صوفیاء کرام کے چلہ کشی کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

☆..... سوال: کیا فرماتے علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مشائخ چالیس دن چلہ کشی کرتے ہیں کیا یہ چلہ کشی جائز ہے؟ اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟

☆ جواب: اگر چلہ کشی سے مقصود خلوت میں عبادت ہو۔ اور یہ مقصد ہو کہ چالیس دن لگا تار جو عبادت کی جاتی ہے وہ نفس میں راسخ ہو جاتی ہے اور یہ چلہ طہیبات کے تحریم عملی سے بھی خالی ہو۔ تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

قال الله تعالى ﴿لَا تَحْرَمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ﴾ (المائدة: ۸۷)

(چالیس دن دن کا تعین اس لئے کرتے ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوص نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔)

☆ .. ونظيره:

(۱) .. الخلاء فی غار حراء: عن عائشة أم المومنین قالت اول ما بدى به رسول الله ﷺ من الوحى الرؤيا

الصالحۃ فی النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء  
الخ (صحیح بخاری: ۲/۱، باب کیف كان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

(۲) واعتكاف موسى اربعين ليلة المروى بلانكير. قال الله تعالى ﴿واذ وعدنا موسى اربعين ليلة ثم اتخذتم  
العجل من بعده وانتم ظالمون﴾ (البقرة: ۵۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ 'معارف القرآن' میں تحریر فرماتے ہیں: رہا یہ امر کہ چالیس کا عدد کیوں خاص کیا گیا  
سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اعداد کے مختلف مرتبے ہیں آحاد (اکائیاں) عشرات (دہائیاں) مئات (سینکڑے) آلاف (ہزار) جن میں سے  
دس کا عدد فی حد ذاتہ فی نفسہ کامل اور مکمل ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے "تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ"۔ (یہ دس کامل ہیں) پس جس  
چیز کی خاص طور پر تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس عدد یعنی دس کو چار گنا کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی کاخیر چالیس دن تک کہا گیا اور  
حدیث میں ہے کہ بطن مادر میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ (خون بستہ) پھر چالیس روز تک مضغہ یعنی پارہ  
گوشت اس کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد کو عروج اور ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے پس جس طرح جسمانی  
عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد منتخب ہوا اسی طرح حق جل شانہ نے اپنی اس قدیم سنت کے مطابق حضرت موسیٰ کے باطنی اور روحانی  
عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد خاص فرمایا۔ ﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

وروی عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من خلص لله اربعين يوما ظهرت ينابيع  
الحكمة من قلبه على لسانه ذكره رزين العبدري (ترغیب و ترہیب ص: ۲۵ ج ۱)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چالیس دن تک عمل خاص اللہ کے لیے کرے تو علم اور حکمت کے  
چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

بنی اندر خود علوم اولیاء بے کتب و بے معید وادستا

اور اسی طرح نبوت و رسالت پیغمبری اور بعثت کے لیے چالیس کا عدد خاص کیا گیا۔ علاوہ ازیں اصل عمر انسان کی چالیس سال ہے اس کے  
بعد انحطاط اور زوال ہے جیسا کہ ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ (سورۃ احقاف) سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے  
حضرات اہل اللہ (حشرنا اللہ تعالیٰ فی زمرة ہم وامانا علی حبہم وسیرتہم امین) نے مجاہدہ اور ریاضت خلوت اور عزت کے  
لیے چلہ تجویز فرمایا۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم رہروے در سر زیلے ہی گفت این معما باقرینے

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے

(معارف القرآن لحضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ: ۱۸۰/۱-۱۸۱)

(۳) وقال النبی ﷺ: "من صلى اربعين يوما في جماعة يدرک التكبير الاولی كتب له برآءتان براءۃ من

النار وبراءة من النفاق“ (ترمذی: ۳۳/۱، باب فی التکبیرة الاولی ابواب الصلوة) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے۔  
 (۴).... قال الملا علی قاری: ”وفراسة رياضة وهی التي تحصل بالجوع والسهر والتخلي فان النفس اذا تجردت  
 عن العوائق والعلائق بالخلائق صار لها من الفراسة والكشف بحسب تجرد دها“ (شرح فقہ اکبر ۱۰۰، ما یصیر من  
 الخوارق علی ایدی بعض الکفرة، فتاویٰ فریدیہ: ۳۶۵، ۳۶۶) مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں،  
 جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ۔

لما قال شاه ولي الله: ”قال المشائخ من اراد الدخول فی الاربعینة یلزمه مراعات امور دوام الصیام ودوام  
 القیام وتقلیل الکلام والطعام والمنام والصحبة مع الانام والمواظبة فی الوضوء فی حالات الیقظة وعند المنام  
 وربط القلب مع الشیخ علی الدوام وترك الغفلة رأساً“۔ (شفاء العلیل بمرحمة القول الحمیل ۸۳، شرائط جلد ہنسی،



## مسائل متفرقہ

☆ اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم:

☆ سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد نے مصیبت کے وقت اپنے فلاں مرید کی غائبانہ مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

☆ جواب: اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر رد نما ہونا ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فضائل درود صفی ۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ اس سے علم غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے جو مضی الی الشک ہے۔  
کما قال العلامة ابن نجیم: "لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر للاعتقاده ان النبي يعلم الغيب"  
(المجرائق: ۳/۸۸، کتاب النکاح، فتاویٰ قاضی خان ۵۷۶/۳، و مثلاً فی مجمع النحر: ۱/۳۲۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۶۸)

☆ کشف القبور کے علم کا حکم:

☆ سوال: کشف القبور کیسا علم ہے، کیا قبروں کے اندرونی احوال کا کسی کو کشف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہو سکتا ہے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائے کہ کشف قبور علم غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

☆ جواب: کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہو جاتا ہے، یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیر اختیاری کیفیت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس میں تعلیم و تعلم جاری نہیں ہو سکتا اور اس کو علم غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور کشف ظن کا فائدہ دیتا ہے علم جازم کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے، حضور ﷺ کو بھی قبور کا کشف ہوتا تھا، جیسا کہ مشکوٰۃ میں باب عذاب القبر، فصل اول میں نقل کیا گیا ہے اسی کے تحت ملا علی قاریؒ مرقۃ میں لکھتے ہیں: "وهذا الحديث مثل قوله ﷺ لو علمتم ما علم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا. وفيه ان الكشف بحسب الطاقة ومن كوشف بما لا يسعه يطيح ويهلك."

(مرقۃ شرح مشکوٰۃ: ۱/۳۳۶، کتاب الایمان)

قال العلامة الشكارپوری: وقالوا اذا دخل المقبرة قرأ بسورة ان فتحنا في ركعتين ثم يجلس مستقبل الميت الخ۔ (قطب الارشاد: ۵۵۵، الفضل العاشر) و مثلاً فی شفاء العلیل ترجمۃ القول جمیل: ۸۵، پانچویں فصل کشف القبور

☆ کشف پر عمل کرنے کا حکم:

☆ سوال: کشف کی کتنی قسمیں ہیں، نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆ جواب: کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... مخالف الشریعہ (۲)..... موافق الشریعہ۔ پس موافق الشریعہ کشف پر تو صاحب کشف عمل کر سکتا ہے اور مخالف الشریعہ کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحب کشف کے لئے کشف دلیل نہیں بن

كما قال ملا علي قاري: "ولذا لم يعتبر احد من الفقهاء جواز العمل في الفروع الفقيه بما يظير للصوفيه من الامور الكشفية او من حالات المنامية".

☆... تصورِ فنا فی الشیخ کی شرعی حیثیت:

☆ ... سوال: تصوف کے ہاں ایک مسئلہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو تصوف میں فنا فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

☆..... جواب: تصوفین کا یہ مسلک قاعدہ کہ فناء فی الشیخ کو ترقی درجات کیلئے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، صلحاء اُمت نے اس کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی الغرض فناء فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقویٰ ذریعہء کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔

لما قال العلامة رشيد احمد گنگوہی:

☆ ...سوال: فتنی الشیخ اور فتنی الرسول ﷺ کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیاء کرام کیا فرماتے ہیں؟

☆..... جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں اتباع کرنا اور محبت کا غلبہ بوجہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے  
 ”فاتبعونی یحببکم اللہ“ (الایقظ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۹۸، کتاب السنوٰک)

☆ .... ربط قلب بالشيخ کی وضاحت:

☆... سوال: جناب مفتی صاحب! اہل تصوف کے ہاں ”ربط قلب بالشیخ“ کی اصطلاح مستعمل ہے، اس کا معنی اور مطلب کیا ہے؟

☆..... جواب: متصوفین کے ہاں ربط قلب بالشیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیضانِ رحمت شیخ (مرشد حقانی) کے قلب پر ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو یعنی شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔ (فتاویٰ حقانیہ ۲/۱۸۲، ۱۸۱)

☆.....الصوفی لائڈز کی وضاحت:

☆.....سوال: جناب مفتی صاحب! ”الصوفی لا مذهب له“ کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر مقلد اور لا مذہب ہوتا ہے، حالانکہ بہت سارے صوفیاء کرام شافعی المسکک ہوتے ہیں، اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

جواب: حکیم الامت تھانویؒ "انفاس عیسیٰ" میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الصوفی لا مذهب له" اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لا مذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورنہ فتویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے "رعاية الخلاف والخروج منه اولیٰ مالم یرتکب مکروہ مذہبہ" کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔

(انفاس عیسیٰ: ۲۸۳، ارشادات، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۸۳)

☆ ..... اولیاء اللہ کا جمع ہونا:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے غلط؟

جواب: صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں، لیکن یہ سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور رقم سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا، البتہ صوفیاء کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوتے ہیں اور بعض وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے بچانا چاہئے۔ اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبد العزیز سلجماسی مالکیؒ فرماتے ہیں: کہ دیوان اسی غر حرائیں لگتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کی باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے پیچھے ہوتا ہے الخ۔ (ابریر: ۵۱۹، چوتھا باب، دیون صالحین)

حضرت نے فرمایا کہ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کا ملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں: ۵۲۱، چوتھا باب۔ فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔ (ابریر: ۵۲۲، چوتھا باب، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۵۶)

☆ ..... فوت شدہ اولیاء کی نسبت معلوم کرنا:

☆ ..... سوال: کی کوئی شخص کسی فوت شدہ ولی اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے یا نہیں؟

☆ ..... جواب: کوئی سالک اور متقی و پرہیزگار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے، اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ: اما الاطلاع علی نسبة اهل الله فطريقه ان يجلس بين يديه ان كان حيا أو قبره ان كان ميتا ويفرع نفسه عن كل نسبة ويفضی بروحه الی روح هذا الشخص زمانا الخ.

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل: ۱۱۶، طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ، وکذا لک قال علامہ شکار پوریؒ فی "قطب الارشاد: ۶۵۶، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ: ۲/۶۵۷-۶۵۷)

☆ ..... مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا:

☆ ..... سوال: بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح آتی ہیں، اس سے تو تجسّد الارواح صحیح معلوم ہوتا ہے، کیا شریعت مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے؟



☆..... جواب: انبیاء و اولیاء کی ارواح دنیا میں آسکتی ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی ثناء اللہ پانی پٹی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے۔ لیکن اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات مفہمی الی الشریک ہو سکتی ہیں۔

كما قال العلامة آلوسی: فقد وقعت رؤيته ﷺ بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الامة.

(روح المعانی، ۲۲/۳۵، سورۃ احزاب آیت ۴۰)

قال العلامة جلال الدين السيوطي: ولا يمتنع رؤية ذاته الشريفه بجسد روحه وذلك لانه ﷺ وسائر الانبياء احياء ردت اليهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن هم بالخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي. (الحاوي للفتاوى، ۲/۲۶۳، القول بامكان رؤية السي ﷺ في البقعة، فتاوى حقایہ ۲۰، ۲۵۲)

☆. مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا:

☆..... سوال: سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے، شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

☆..... جواب: مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانین سے منقول ہے، اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لما قال شاه ولي الله: اما هذه التصرفات عند كبير آئتهم اصحاب الفناء في الله والبقاء به فلها شان عظيم واما عند سائرهم فالتاثير في الطالب يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية ثم يستغرق في نسة بالجمعية هذا الخ. (ثناء العليل ترجمہ القول الحمیل ۱۱۲، چہنی فصل تصرفات نقشبندیہ)

قال فقير الله جلال آبادي: والتصرفات الموجبة للكمال عند كبر المشايخ وسائرهم تصرفات اصحاب الفناء في الله والبقاء به ولها شان عظيم فالتاثير في باطن الطالب ان يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية الخ. (تغيب الارشاد ۱۲۰/۶۰۶، للشعبد يہ تصرفات، فتاوی حقایہ: ۲۵۲، ۲)

☆... جذب و حال و وجود و استغراق اہل طریقت

☆... تعریف: کسب و مجاہدے کے بغیر جو باطنی احوال حاصل ہو جاتے ہیں ان کو جذب کہتے ہیں اور انہی کو اجتہاد و محبوبیت بھی کہتے ہیں قولہ تعالیٰ: ﴿اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ (شوری، ۱۳) ”اللہ تعالیٰ اپنی طرف جس کو چاہئے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے۔“

کسی عجیب و غریب اور پسندیدہ حالت کا غلبہ جو ریاء اور مکاری سے نہ ہو بلکہ بے اختیاری سے ہو اصطلاح میں وجد یا حال جذبہ کہلاتا ہے پس

جو وجد کہ اختیار کے ساتھ ہو یا مجلس سماع میں امور نامشروع پر ہو وہ ہمارے طریقے کے خلاف ہے، یا یوں کہے کہ یہ جذب واجبہ کا شمرہ ہے اور وجد و حال کا کمال درجہ یعنی اس حال میں محدودے خبر ہو جانا استغراق کہلاتا ہے۔

..... اقسام جذب

جذب کی دو قسمیں ہیں: (۱) جذب مبتدی (۲) جذب منتہی۔ جانا چاہئے کہ وہ مجذوب جنہوں نے ابھی سلوک کو پورا نہیں کیا اگرچہ وہ قوی جذب رکھتے ہوں اور خواہ کسی راستے سے جذب کئے گئے ہوں، وہ قلب والوں کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ سلوک اور تزکیہ نفس کے بغیر مقام قلب سے نہیں گزر سکتے اور مقلب قلب (اللہ تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا جذب قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے نہ ذاتی اور غرضی ہے نہ اصلی، کیونکہ اس مقام میں نفس روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت نور کے ساتھ غلط ملط ہوتی ہے جب تک روح متوجہ حقیقی کی طرف توجہ کرنے کے لئے نفس سے الگ اور آزاد نہ ہو جائے اور نفس روح سے جدا ہو کر بندگی میں نہ اتر آئے تب تک مقام قلب کی تکمیل سے پورے طور پر نہیں نکل سکتے اور قلب کے پھرنے والے (اللہ تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتے اور اس چھٹکارے کے بعد طالب یہ فی اللہ کے ساتھ تعلق رکھتا ارفی فی اللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس کو جو محبت اور انجذاب حاصل ہوتا ہے وہی حقیقی اور اصلی جذب ہے۔ اسی کو منتہی کا جذب کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں جذب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ وما للتراپ ورد الارباب چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ثبوت حال و وجد

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ﴾ (النساء: ۸۳) اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں، یہ سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو سن کر رونا آجانا اور دلوں کا نرم ہو جانا یہی جذبہ اور وجد کی کیفیت ہے جو آیت مذکور سے ظاہر ہے۔

(۲) ﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا﴾ (الاعراف: ۱۴۳) پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس آیت میں موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی تجلی کے پرتو سے بیہوش ہو جانا کما جذبہ وجد کی دلیل ہے۔ ہر ایک بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے پرتو کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس پر وجد اور بیہوشی چھا جاتی ہے اور بعض وقت اس حال کے کمال شعبے میں محو ہو جاتا ہے، جس کو استغراق کہتے ہیں۔ اور بھی بہت سی آیتیں وجد و حال پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً۔

(۳) ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانًى تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ۲۳) اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم باقی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کا نپ اٹھتے ہیں اور دل نرم (اور تابع) ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) ... إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَجْرُونَ لِلْآذْقَانِ سُجَّدًا (بنی اسرائیل۔ ۱۰)

”بے شک جن لوگوں کو اس (قرآن) سے پہلے علم دیا گیا تھا۔ یہ (قرآن) جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔“ یہ سب وجد کی حالتیں ہیں۔

(۵) عَنْ شَفِيٍّ الْأَصْبَحِي قُلْتُ لَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنْشُدَكَ بِحَقِّ وَبِحَقِّ حَدَّثَنِي حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتَهُ، عَلِمْتَهُ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَفْعُلُّ لَأَحَدَثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ ثُمَّ نَسِغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشِغَهُ (ترمذی ۵۹۱، رقم ۲۳۸۲، کم ۵۷۹/۱، رقم ۵۲۷، ابن خزيمة ۱۱۵/۴، رقم ۲۳۸۲)

”شفی صبحی سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ میں آپ سے حق کے لئے اور پھر حق کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا اور بوجھا ہو۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا: کہ ہاں میں ایسا کروں گا۔ میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول ﷺ کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا اور بوجھا ہوگا پھر ابو ہریرہؓ نے ایک چٹ ماری۔“

یہ کیفیت بیتابی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کم و کاست بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بڑے زور سے چیخ مارنا، بیہوش ہو جانا اور پسینہ آ جانا وجد و حال کی کھلی دلیل ہے۔ اس قسم کا وجد متوسطین کو ہوتا ہے، مگر کبھی کالین میں بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث بالا سے ظاہر ہے ابستہ کالین کا وجد حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر غشی ہونے کے مانند ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

(۶) عَنْ إِسْمَانَ قَالَتْ مَا كَانَ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ عَلَيْهِ وَلَا يَصْعَقُ عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَأَمَّا كَانُوا يَبْكُونَ وَيَقْشَعُرُونَ ثُمَّ قَلِيلٌ جَلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ

حضرت اسماء سے روایت کہ سلف (صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی چیختے، صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن پر رونگٹھے کھڑے ہو جاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کی کھال اور دل نرم ہو جاتے تھے۔

قرآن پاک کی آیت مذکورہ بالا بحوالہ زمر بھی کالین کے اسی وجد کی تائید رتی ہے اور دوسری حدیثیں بھی بہت ہیں جو وجد و حال کی تائید کرتی ہیں کمالا یخفی علی المتجسس مثلاً:

(۷) عَنْ مَطْرِفٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَصْلِي وَفِي صَدْرِهِ أَزْبَرٌ كَرَبْرٍ سُرْحِي مِنَ الْبُكَاءِ (ابوداؤد ۲۳۸۱، رقم ۹۰۴، ترمذی کبریٰ ۲۵۱، رقم ۳۱۷۳)

حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینے سے چکی کی آواز کی مانند آواز آرہی تھی۔

اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کو عذاب قبر مستحضر ہوا۔ تو آواز لگائی۔ ”قام رسول اللہ ﷺ خطيباً فذكر فتنة القبر التي يفتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضحك المسلمون ضحجة“ (کافی صحیح البخاری ۱۸۳۱)

اسی طرح زراره بن ادنی نے جب نماز میں "فاذا نقر فی الناقور" تلاوت کیا۔ تو وفات ہوا۔ (کما فی الترمذی فی باب من وصف صلاۃ الی سبۃ باللیل قد مات نزل الرب تبارک وتعالی الی السماء الدنیا کل لیلۃ)۔

اور فقہاء کرام بھی وجد کو جائز کہتے ہیں جب بلا اختیار ہو۔ "کما فی الطحطاوی ص ۲۵۹، قبیل باب ما یفسد الصلاۃ وفی مجمع الانہر عن التسهیل الواحد مراتب وبعضہ یسلب الاختیار فلا وجہ لمطلق الانکار وفی التتار خانہ ما یدل علی جوازہ للمعلوب اللذی حرکاتہ کحرکات المرتعش انتہی۔ مرتعش کے اندر بلا اختیار حرکت کرتے ہیں لیکن ان حرکات کا علم اسے ہوتا ہے۔

مختلف سلاسل کے اولیاء کے یہاں بھی ایسے وجد کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت ابوعلی دقاق کی توجہات سے بعض لوگوں کا وجد میں وصال پانا بھی مردی ہے۔ خواجہ ہاشم کشمیری نے بھی برکات احمدیہ میں ایسے واقعات درج کئے ہیں مثلاً:

(۱) حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال میں ہے کہ ان کی خدمت میں ایک صاحب خواجہ برہان حاضر ہوئے جو پہلے کسی دوسرے سلسلے میں نسبت اور اجازت حاصل کر چکے تھے اور تصور شیخ کی نگہداشت سے اس قدر سکر سے مغلوب ہوئے کہ بڑھاپے کے باوجود قریب دو ہاتھ اوپر اچھلتے تھے اور خود کو دیوار و درخت پر مارتے تھے اور کسی طرح قابو میں نہ آتے تھے۔

(۲) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں ایک سادہ لوح دہقانی کے ہمراہ فادوہ ارسال کیا اس نے در اقدس پر پہنچ کر زنجیر کھٹکھٹائی، حضرت خواجہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور فالودہ لے کر دہقانی سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے "بابا" بتایا۔ حضرت نے فرمایا: "چوں خادم شیخ احمد مائی ہامائی" یعنی جب تو ہمارے شیخ احمد کا خادم ہے تو ہمارے ساتھ ہے۔ یہ فرماتے ہی دہقانی پر جذب طاری ہو گیا اور آہ و فغاں کرتا ہوا حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں پہنچا اور حال دریافت کرنے پر عرض کیا کہ مجھے زمین و آسمان، شجر و حجر غرض ہر چیز میں ایک بے نگ و بے نہایت نور نظر آ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ غالباً حضرت خواجہ کے سامنے آگئے ہیں اور ان کے آفتاب کا ایک پر تو اس ذرے پر پڑ گیا ہے۔

تنبیہ: یاد رہے کہ جو وجد اختیاری ہو یا ناجائز امور پر مرتب ہو وہ درست نہیں، البتہ غیر اختیاری وجد پر ممانعت یا درست نہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ ایسی صورت میں انسان مکلف ہی نہیں رہتا۔ (عمدۃ السلوک: ۱۲۱-۱۲۲)

حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: بعض ذاکرین پر دوران ذکر و جد طاری ہو جاتا ہے، کیا ذکر کرتے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: اذاکر پر وجد و جذب کا آنا حق ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں، اس لئے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و فتنہ نہ ہو تو جائز ہے لیکن یہ کسی کمال کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے تاہم عصر حاضر میں ذاکرین پر وجد کا آنا ایک رسم بن چکا ہے کو کمال کی دلیل سمجھ جاتی ہے اس لئے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

کمال قال ابن عابدین: التحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع يستدعی تفصیلاً ذکرہ فی العوارف

المعارف و احیاء العلوم و خلاصۃ ما اجاب به العلامة التحریر بن کمال پاشا بقولہ:

ما فی التوجد ان حققت من حرج والالتمایل ان اخلصت من بأس

فقمتم تسعى علی رجل وحق لمن مولاہ ان يسعى علی الرأس

الرخصة فیما ذکر من الاوضاع

(رد المحتار ۲۵۹/۳، کتاب البیوت - باب المرتبة، فتاویٰ حقانیہ ۲/۲۵۰)

حضرت مولانا مفتی فرید تحریر فرماتے ہیں کہ: جذب طاری ہونا حق ہے یعنی بذات خود حق ہے، لیکن یہ مغلوبیت ہے کمال نہیں۔ البتہ بعض اوقات سہو اور نسیان کی طرح کالمین پر بھی آتا ہے۔ تاکہ شان بشریت ظاہر ہو جائے حضرت موسیٰ کی عظمت تجلی کے مشاہدے سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعْقًا﴾ (الاعراف ۱۴۳)

اور اسی طرح صحابہ کرام کو عذاب قبر متحضر ہوا۔ تو آواز لگائی۔ قام رسول اللہ ﷺ خطیبا فذكر فتنة القبر التي يفتتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجة“ (کافی صحیح بخاری ۱/۱۸۳)

☆..... بعض سلف اور بعض خف نے اس وجد اور جذب پر انکار کیا ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے ”وتقتصر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله“ کے تفسیر میں حضرت اسماء ابن عمر، قتادہ، ابن جبیر اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم سے انکار روایت کیا ہے۔ ”روی عن عبد الله بن عروة بن الزبير قال قلت لجدتي اسماء كيف كان يصنع اصحاب رسول الله ﷺ اذا قرءوا القرآن. قالت كانوا كمانعهم الله تدمع اعينهم وتتشعر جلودهم. قلت فان ناسا ههنا اذا سمعوا ذلك تاخذهم غشية قالت اعوذ بالله تعالى من الشيطان“ (۲۳-۲۵۹ سورة زمر، مکتبہ رشیدیہ) اور ص ۲۶۰ جلد ۲۳ میں فرماتے ہیں کہ اسماء عبد اللہ بن الزبیر کو فرماتے ہی ”لا تتعد معهم“ اور اس صفحہ میں ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پیٹ میں شیطان داخل ہوتا ہے۔

”قال ابن عمر وقدرت على ساقط من سماع القرآن فقال انا نخشى الله تعالى وما نسقط هؤلاء يدخل الشيطان في جوفهم“۔

اور قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: ”انما هذا ذهاب العقول والغشيان في اهل البدع وانما هو من الشيطان“

اور ابن سیرینؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: ”بيننا وبين هؤلاء الذين يصروعون عند قراءة القرآن ان يجعل احدهم على حائط باسطا رجليه ثم يقرأ عليهم القرآن كله فان رمى بنفسه فهو صادق.“

پس تحقیق یہ ہے کہ منکر وہ وجد ہے جو تکلیف سے ہو اور قصد و اختیار سے ہو۔ اور مکر اور فریب ہو۔ انبیاء کرام ﷺ کے عقول قوی اور حوصلے فراخ ہوتے ہیں اور اسی طرح صحبت کی برکت سے صحابہ کرامؓ کے حوصلے فراخ اور عقول قوی تھے۔ تو تجلیات اور برکات کا تحمل کر سکتے تھے۔ اور چونکہ صوفیاء کرام کے حوصلے اور ظروف اتنے فراخ نہیں ہوتے تو تجلیات اور برکات کا تحمل وہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان پر وجد اور جذب

آتا ہے۔ اس لئے علامہ آلوسی روح المعانی میں ص ۲۶۰ جلد ۲۳ میں فرماتے ہیں ”ویقول مشائخہم ان ذلک لضعف القلوب عن تحمل الوارد وليس فاعلو ذلک فی الکمال کالصحابۃ اهل الصدر الاول فی قوۃ التحمل فما هو الا دلیل الشخص“

ورقاضی ثناء اللہ پنی پنی تفسیر مظہری جلد ۸ سورۃ الزمر میں فرماتے ہیں۔ ”قلت وجہ طریبان ہذہ الحالۃ کثرۃ نزول البرکات والتجلیات مع ضیق حوصلۃ الصوفی و ضعف استعداد انتہی“۔

جذب طاری ہونے کے وجوہات

مگر اس کے طاری ہونے کی متعدد وجوہات ہیں (۱).... عظمت الوہیت کی تجلی کا ورود (۲).... توجہ کی وجہ سے ضیق صدر کا طرد (۳).... شیطان کا باطن میں دخول۔ پس اس جذبہ کی کیفیت کو بہر حال کمال جاننا تصوف سے عاری ہونے کی دلیل ہے اور سمجھدار لوگوں کیلئے تصوف سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے۔

توجہ کے اثر کے ازالے کا علاج: ایسے مجمع میں بیٹھنے والا جب ”حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھے تو اس سے توجہ کا اثر زائل اور کالعدم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ کہف کے اوائل پڑھنے سے دجال کا اثر زائل اور کالعدم ہوتا ہے۔ (الانسیس فی اسالیہ المبارکۃ للشیخ محمد فرید۔ قادی فریدیہ ۱/۱۱۳، ۲/۲۷۲)

### سیوہ رابع

چا سیریں: تصوف و سلوک میں چار سیریں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سبب ہیں۔ (۱).... سیر الی اللہ۔ (۲).... سیر فی اللہ (۳).... سیر من اللہ (۴).... اور سیر فی الاشیاء۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

جب انسان کا دل جاری ہوا، تو اصل روح مضغہ سے نکلی، اور اپنی اصل تک گئی۔ روح کا اپنے مضغہ سے نکل کر اپنی اصل تک، یعنی عالم امر تک، جانا سیر الی کہلاتی ہے۔

پھر جب وہ اپنی اصل کے اندر پہنچ جائے تو اسے سیر فی اللہ کہتے ہیں۔

پھر وہاں سے واپس لوٹتی ہے تو اسے سیر من اللہ کہتے ہیں۔

اور جب وہ واپس قلب کے اندر لوٹ آتی ہے تو اسے سیر فی الاشیاء کہتے ہیں۔

بزرگوں نے اس کو آسان کرنے کے لئے دوسرے نام دیے ہیں۔

سیر الی اللہ کا نام ”عروج“

سیر فی اللہ کا نام ”قنا“

سیر من اللہ کا نام ”نزول“

سیر فی الاشیاء کا نام ”بقا“ رکھا ہے۔

فنا اور بقا، عروج اور نزول، یہ چار سیریں ہیں۔ چار کیفیتیں ہیں جو ہر لطیفہ کو پیش آتی ہیں۔ ہمارے پانچ لطائف ہیں، اور پانچوں لطیفوں کو یہ سیریں پیش آتی ہیں، تب وہ منور ہوتے ہیں۔ ہر ہر لطیفہ کی اپنی فنا بقا ہے، تو پانچوں کو یہ کیفیت پیش آئے گی۔ چونکہ لطیفہ عالم امر کی طرف جاتا ہے، تو عالم امر منور جگہ ہے، وہاں نور ہے، لہذا یہ منور ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھ ہوکا کہ جب آندھی چل رہی ہو تو کوئی بندہ باہر سے آئے تو اس کے پورے چہرے پر مٹی کی تہہ سی ہوتی ہے۔ لطیفہ قلب جب عالم امر میں پہنچتا ہے تو وہاں کے نور کی وجہ سے اس پر نور کی ایک تہہ چڑھ جاتی ہے۔ جیسے برتن کو قلعی کرایا جاتا ہے تو اس پر نور کی ایک تہہ آ جاتی ہے۔ آج کل تو گولڈ پلیٹنگ (Gdlo-gnitalp) کا زمانہ ہے، سو یہ بات سمجھنا آسان ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ یہ لطیفہ وہاں جاتا ہے تو اس کی گولڈ پلیٹنگ ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ وہاں سے لوٹتا ہے تو سونا بن کر رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر سونے کی تہہ چڑھ گئی ہے۔ اس فنا کی وجہ سے اس کا رجوع الی اللہ اتنا کامل ہو جاتا ہے کہ پھر وہ اگر چہ دنیا میں آ جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا تعلق اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ (تفصیل کے لئے ضرور مدظلہ فرمائیں "معروف السلوک ۱۵۷-۱۵۹)

☆ ارواح مشائخ سے مدد طلب کرنے کے معنی

☆... سوال: خیا، القلوب میں ہے استعانت استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ اخ استعانت واستمداد کے معنی ذرا کھٹکتے ہیں، غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا جائز طریقہ کیا ہے؟ خالی الذہن ہونے کی تاویل بالکل جی کو نہیں لگتی، ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے؟

☆..... جواب: مخلوق میں سے جس سے مدد چاہی جا رہی ہے اگر اس کے علم اور قدرت کے مستقل ہونے کا عقیدہ ہو تو یہ شرک ہے اور اگر اس کے علم و قدرت کے غیر مستقل ہونے کا عقیدہ ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت ہو جائز ہے، خواہ مستمد منہ، جس سے مدد چاہی جا رہی ہے، زندہ ہو یا مردہ اور اگر کسی کے علم و قدرت کے نہ مستقل ہونے کا عقیدہ ہو نہ غیر مستقل پس اگر وہ مدد چاہنے کا طریقہ مفید ہو تب بھی جائز ہے، جیسے آگ، پانی یا ماضی کے قصے اور واقعات سے مدد مانگنا ورنہ لغو ہے، یہ کل پانچ قسمیں ہیں، پس مشائخ کی روحوں سے مدد طلب کرنا جس شخص کو ارواح کا کشف ہو جاتا ہے اس کے لیے تیسری قسم ہے اور جس کو کشف نہیں ہوتا محض ان حضرات کے ذکر اور تصور سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کے اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریقہ بھی مفید ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے یہ قسم خامس ہے۔ (امداد القدوی ج ۵ ص ۳۶۳)

☆... اہل قبور سے مدد لینا

☆... سوال: اولیاء اللہ مرحوم سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دور سے مدد کے لیے پکارنا؟

☆..... جواب: مراد صرف حق تعالیٰ سے مانگی جائے، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لیے پکارنا منع ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے ہیں اور مدد کے لیے آتے ہیں تو یہ عقیدہ تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، سخت خطرناک ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۱۱)

ج۱۔۔۔ مزارات اولیاء سے فیض:

ج۲۔۔۔ سوال: مزارات اولیاء سے فیض ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس صورت سے؟

ج۳۔۔۔ جواب: مزارات اولیاء سے کالمیں کو فیض ہوتا ہے مگر عوام کو اس کی اجازت دینی ہرگز جائز نہیں اور تحصیل فیض کا طریقہ کوئی خاص نہیں ہے، جب جانے والا اہل ہوتا ہے تو اس طرف سے حسب استعداد فیضان ہوتا ہے مگر عوام میں ان امور کا بیان کرنا کفر و شرک کا دروازہ کھولتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۱۰۴، بحوالہ جامع الفتاویٰ: ۸۳/۲)

ج۴۔۔۔ کوئی ولی شرع کے کاموں سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا

کوئی ولی شرع کے کاموں سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ سوائے مجذوب کے کہ اس کے عقل لے لی جاتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا جارہا ہے کہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحج: ۹۹) ”آپ رب کی عبادت کیجئے حتیٰ کہ موت آجائے۔“

☆..... ولی خواہ کتنا ہی بڑھ جائے کسی نبی ﷺ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا

☆..... مسئلہ: ولی خواہ کتنا ہی بڑھ جائے کسی نبی ﷺ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ولایت کسی چیز ہے یعنی ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ نبوت وہی اور عطائی چیز ہے۔ محبوب کی عطا اپنی کمائی سے افضل ہوتی ہے پس نبوت افضل ہے ولایت سے چاہے اس نبی کی اپنی ولایت ہی کیوں نہ ہو۔

☆..... انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اولیاء گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

☆..... صحابہ کرام امت کے تمام اولیاء سے افضل ہیں۔

☆..... مشاجرات صحابہ کے بارے میں یہ عقیدہ رہے کہ ہر دو فریق حق پر تھے ان کی خطا دراصل خطائے اجتہادی تھی۔

☆..... کسی ولی کی کرامات اس کی فضیلت کی دلیل نہیں۔

☆..... استقامت کرامت پر فوق ہے۔ ہر حال میں ہر کام شریعت و سنت کے مطابق کرنا، استقامت کہلاتا ہے۔ استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

☆..... اولیاء اللہ کی قبور کو عام دستور سے اونچا بنانا اور ان پر چھت ڈالنا منع ہے۔

☆..... بعض اولیاء سے مرنے کے بعد بھی تصرفات و خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔ اہل اللہ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کا فیض منقطع نہیں ہوتا بلکہ روحانی سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے۔

☆..... اگر خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور کسی خلاف شرع کام کے بارے میں ان کی مرضی معلوم ہوئی تو اس خواب کا اعتبار نہیں۔

☆..... جن افعال کا ظاہری قوتوں سے کرنا منع ہے ان کا باطنی قوتوں سے کرنا بھی منع ہے۔

☆..... ولی سے اتفاقاً کوئی گناہ سرزد ہو جانا، اس کی ولایت اور کرامت میں نقص نہیں ڈالتا بشرطیکہ اصرار نہ ہو۔



☆..... ولی کا بے عمل بیٹا پیر نہیں بن سکتا۔

☆..... طریقت میں کوئی نئی بات (بدعت) کا پیدا کرنا دین کی بدعت سے کم نہیں۔

☆.... مقربین کو عبادت کا ثواب ابرار سے زیادہ ملتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا: ”حسنات الابرار سیئات المقربین“ ”ابرار کی نیکیاں مقربین کے تو گناہ ہوتے ہیں“

☆. بزرگوں کے واسطے سے دعا مانگنا جائز ہے۔

☆ قبروں کو سجدہ کرنا، ماتھا ٹیکنا یا قبروں کا طواف کرنا شرک ہے۔ (تصوف و سوک)

☆..... قلندر اور مجذوب کا مطلب:

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمال قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتی ہیں مگر اعمال قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمال قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پاوے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر و شغل میں محفوظ رکھا جائے، نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل و حقد (کینہ و حسد) نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو، نیز حقوق وقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے، نیز غمی و خوشی کے حقوق ادا کئے جائیں، نعمت ملنے پر شکر ادا ہوتا رہے، حزن و غم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اعمال قلبیہ ہیں۔

(شریعت و حریت ۲۲۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمال قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔ اور مجذوب وہ ہوتا ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لئے علت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے (البتہ) مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے، علامت (اس کی) یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ (شریعت و طریقت ۳۴۳، بحوالہ فتاویٰ حقایق ۲/۲۸۲)

☆..... نقباء، ابدال، غوث وغیرہا کی تشریح اور ثبوت

☆..... سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولانا محمد ایوب پشاوری اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء کے ص ۱۵ پر لکھتے ہیں: ”وعن الكنانی النقباء ثلثمائة والنقباء سبعون والبدلاء اربعون والاخيار سبعة والعمدة اربعة والعزب واحد مسکن النقباء المغرب ومسکن النقباء مصر ومسکن ابدال الشام والاخيار سیاحون فی الارض والعمدة فی زوايا الارض ومسکن الغوث مکہ“۔ اس مسئلہ کے بارے میں آپ صاحبان کی رائے کیا ہے؟ صوفیاء کرام کے کلام میں قطب غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کر کے مشکور فرمائیں؟

☆..... الجواب: احادیث میں اولیاء اور ابدال کے الفاظ وارد ہیں دیگر تمام القاب علماء کے وضع شدہ ہیں۔ اور ان میں سے جو لقب یا

و یوں نصوص سے متصادم نہ ہو تو ان کی تسلیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ”لیکن هذا الکلام یسکن فی المسطور فی الاستفتاء لایحل من نظراً لان مولانا عبد القادر الجیلانی قدس سرہ کان یسکن فی بغداد الی آخر حیاتہ و کان عند اهل الفن عوثاً و قطعاً“۔ فافہم

قال السلاعی قاری : ”حدیث الابدال من الاولیاء له طرق عن انس مرفوعاً بالفاظ مختلفة کلها ضعیفة ذکره ابن الدبیع وعن ابن الصلاح اقوی ماروینا فی الابدال قول علی انه بالشام یشتم الابدال واما الادباء والنسباء والسقباء فقد ذکرها بعض مشائخ الطريقة ولا یشتم ذلك قلت قال الزرکشی فی مسند احمد من حدیث عبادة ابن الصامت مرفوعاً الابدال فی هذه الامة ثلاثون مثل ابراهیم خلیل الرحمن کلما مات رجل ابدال الله مکانه رجلاً و هو حسن وله شاهد من حدیث ابن مسعود فی الحلیقة (الموضوعات الکبریٰ لتاری من ۳۸ رقم حدیث ۱۳۵ بحوالہ قاضی فریدیہ ۳۸۱/۱)

منہ رجب بالمراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صریحاً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال اشام کا ذکر ہے، جو کہ امام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

عن نبی ﷺ قال یكون اختلاف عند موت خليفة فیخرج رجل من اهل المدينة هارباً الى مكة فیاتیه ناس من اهل مكة فیخرجونه وهو كاره فیبايعونه بين الركن والمقام وبعث اليه بعث من الشام فیخسف بهم بالبيداء بين مكة و مدينة فادارای الناس ذلك اتاه ابدال الشام الخ“ (ابوداؤد ۲۳۳/۲)

کتاب السنن او کتاب المہدی میں صریحاً ابدال کا ذکر موجود ہے امام ولی الدین صاحب مشکوٰۃ کے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منہ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روایت نقل کی ہے: ”عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی و قبل عنهم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول الله ﷺ یقول الابدال یكونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدال الله مکانه رجلاً یسقی بهم الغیث ینصر بهم الاعداء ویصرف من اهل الشام بهم العذاب“ (رواہ احمد مشکوٰۃ المسیح ص ۶۰۴ باب: الرکن، الشام، القمل الثالث)

باقی مرتبہ کا ذکر حدیث میں صراحتہ موجود نہیں ہے البتہ اشارہ معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملا علی قاری نے ابن عساکر سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : ”ان الله عز وجل فی الخلق ثلاثمائة قلوبهم علی قلب ادم ولله فی الخلق اربعون قلوبهم علی قلب موسی و الله فی الخلق سبعة قلوبهم علی ابراهیم ولله فی الخلق خمسة قلوبهم علی قلب جبرائیل ولله فی الخلق ثلاثة قلوبهم علی قلب میکائیل ولله فی الخلق واحد قلبه علی قلب اسرافیل الخ“ اخرجه ابن عساکر الحواوی للفتاوی (۲/۲۲۷)۔

جو کہ قلاب، غوث، نقشبانی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور علمائے راتخین نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبدیت اور قرب کے

مدارج ہیں نہ کہ عوامی ربوبیت کے مدارج۔

قال العلامة ملا علی القاری: قلت منهم الاقطاب فی الاقطار یاخذون فیض من قطب الاقطاب المسمى بالغوث الاعظم فهم بمنزلة الوزراء تحت حکم الوزير الاعظم۔ (مرآة شرح منقذہ (۳۵۵) کتاب النسخ۔ النسخ الثانی)۔ مشرقی اسٹائن۔ دہلی (۲۰۰۲)

☆۔۔ ہر جگہ ایک ولی ہونے سے مراد قطب ارشاد ہے یا قطب تکوین؟

☆۔۔۔۔۔ سوال: تعلیم الدین میں ہر جگہ ایک ولی کا ہونا لازم لکھا ہے۔ اس سے مراد قطب ارشاد ہے یا تکوین؟

☆۔۔۔۔۔ الجواب: عام مراد ہے خواہ وہ یا وہ (امداد الفتاویٰ ص ۱۳۱ ج ۵) قطب الارشاد کے لئے اپنی قطبیت کا علم ہونا ہی ضروری نہیں۔

☆۔ کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟

☆۔۔۔۔۔ سوال: ولی اور غوث بعد وفات غوثیت پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں رہتا ہے؟

☆۔۔۔۔۔ الجواب: جس شخص کا جس بزرگی اور مرتبہ پر خاتمہ ہوا ہے وہ بزرگی اس سے انتقال کے بعد سب نہیں کی جاتی، لیکن جس طرح

اس دنیا میں کام سپرد ہوتے ہیں انتقال کے بعد یہ بات نہیں ہوتی۔ قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ: (کراہات

الاولیاء) الاحیاء والاموات، اذ لولی لا ینعزل عن ولایتہ بالموت کالنسی لا ینعزل عن نبوتہ بالسوت الخ

(المحیطۃ الندیۃ شرح الطریقۃ الحمیدیۃ ۲۹۲/۱) (کذا فی فتاویٰ حقانیہ ۲۶۷/۲، کتاب السلوک، المطبوعہ: مریہ احمدیہ)

☆۔۔ مجدد کے شرائط

☆۔۔۔۔۔ سوال: مجدد ہونے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ نیز مجدد کو اپنا مجدد ہونا معلوم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہندوستان میں اب تک کتنے مجدد

گزرے ہیں؟ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں سو سال میں ایک مجدد پیدا ہوگا تو اس اعتبار سے کافی مجدد ہونے چاہئیں۔

☆۔۔۔۔۔ الجواب: مجدد کو الہامی طریق پر اور علامات کے ذریعہ سے استدلالی طریق پر اپنے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے وگہ وہ ظلم و ستم کے

برابر نہیں ہوتا، مجدد احکام سنت پر بڑی قوت سے عامل ہوتا ہے، بدعات سے سخت متنفر اور مخالف کی پرواہ نہیں کرتا۔ اب چودہویں صدی ب

اب تک کافی مجدد ہو چکے، سب سے پہلے مجدد عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شاکر کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی مجدد ہوتے رہے ہیں۔

رسالہ الفرقان کے مجدد نمبر میں زیادہ تفصیل مذکور ہے۔

فلا یخلو زمان من رسول یكون فیہ، وذلك هو القطب الذی هو محل نظر الحق تعالیٰ من العالم کما یلیق

بجلالہ، ومن هذا القطب یتفرع جمیع الامراء الالہیۃ علی جمیع العالم العلوی والسفلی، قال الشیخ محی

الدین: ومن شرطه ان یكون ذا جسم طبعی وروح، ویكون موجودا فی هذه الدار الدنیا بجسده وروحه الخ

(الفتوحات المکیۃ، باب: ۷۳) (والکبریٰ بیت الاحمر علی حاشیہ الیواقیت والجواہر، ۱۰/۱)

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها..... وقد اعتمد الائمة هذا الحديث، قال البيهقي في المدخل بسنده الى الامام احمد: انه كان في المائة الاولى عمر بن عبد العزيز وفي الثانية الشافعي الخ.

(كشف الخفاء ومزيل الالاس للجلوني: ۱/۲۳۳، دار احیاء التراث العربی)

☆..... مجدد کون ہے؟

☆..... سوال: مجدد کی کیا تعریف ہے، کیا ہر صدی ہجری کے شروع یا پوری صدی میں بھی کسی مجدد کا آنا ضروری ہے؟ اور اگر کوئی مجدد وقت کو نہ مانے تو کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟ مجدد کس طرح پہچانا جاتا ہے؟ تیرہ صدی ہجری میں جو مجدد آئے ان کا نام تحریر فرمائے کیا مجدد ایک وقت میں تمام عالم کے لئے آتا ہے یا کہ ایک وقت میں مختلف ممالک میں مختلف مجدد آتے ہیں؟

☆..... جواب: ”عن ابی ہریرۃؓ: فیما اعلم عن رسول اللہ ﷺ قال: ان الله یبعث لهذا الامة على رأس كل

مائة سنة من یجدد لها دینہا“ (سنن ابی داؤد: ۲/۲۳۱ اول کتاب الملاحم، والمستدرک للحاکم: ۳/۵۲۲، کتاب الفتن والملاحم، مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۳۶، والرفع والتکمیل فی الجرح والتعذیل، للامام عبد الحئی للکنوی: ۲/۴۳، رقم الحاشیہ: ۷۱)،

مجدد وہ شخص ہے جو سنت کی اشاعت کرے، بدعت کو مٹائے، علم کو پھیلانے، اہل علم کی عزت کرے۔

مرقات المشائخ میں لکھا ہے: من یجدد لها دینہا) ای یبیین السنة من البدعة، ویکثر العلم، ویزع اہله ویقمع البدعة ویکسر اہلیہا“ (مرقا المفاتیح: ۱/۶۰۷، کتاب العلم وکذا فی فیض القدیر: ۳/۱۶۵۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۵)،

اس کے ایک صدی کے ختم پر اور دوسرے صدی کے شروع میں تجدید دین ضروری ہے۔

مرقات المشائخ میں لکھا ہے: (على رأس كل مائة سنة) ای انتہائہ او ابتداءہ اذا قل العلم والسنة، وکثر الجهل والبدعة (مرقا المفاتیح: ۱/۵۰۷، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۲۴۷، وکذا فی مجمرة الفتاوی (اردو) لعبد الحئی للکنوی، ص: ۱۱۸، کتاب العلم والعلماء، وبذل المجهود: ۵/۱۰۳، کتاب الملاحم، باب ما ذکر فی قرن المائة)

مجدد: وہ نامانے نہ ماننے پر موقوف نہیں، کوئی شخص مانے یا نہ مانے جو شخص طریق مذکور پر تجدید دین کرے گا وہ مجدد ہوگا۔ جو شخص مجدد کو نہ مانے اس کا جاہلیت کی موت مرنا کسی نص میں میری نظر سے نہیں گزرا مگر باوجود تجدید دین ظاہر ہونے کے پھر مجدد وقت کو نہ ماننا ظاہر ہے کہ کتنی بڑی جہالت ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ تمام عالم کے لئے مجدد ایک ہوتا ہے یا مختلف۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اس کا ہر فرد دین کے کسی خاص شعبہ کی تجدید کرتا ہے،

بذل المجود، لکھا ہے: ان المراد بمن یجدد لیس شخصا واحدا بل المراد به جماعة یجدد کل واحد فی بلد، فی فن او فنون من العلوم الشرعیة ماتیسر له من الامور التقویریة او الحریریة..... الخ“ (کذا فی بذل المجهود: ۵/۱۰۳، کتاب الملاحم، باب المذکر فی قرن المائة)،

مجدد اپنے مذکورہ مخصوص کارناموں سے پہچانا جاتا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں جو مجددین گزرے ہیں بعض کو مجددیت پر اتفاق ہے، اور بعض میں اختلاف ہے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، دوسری صدی کے مجدد حضرت شافعیؒ ہیں، ان دونوں کی مجددیت پر اتفاق ہے، تیسری صدی کے قاضی ابوالعباس ابن شریح ابوالحسن اشعری، محمد بن جریر طبری وغیرہ ہیں، چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانی، ابوطیب صعلوکی ہیں، پانچویں صدی کے امام غزالیؒ ہیں، چھٹی صدی کے امام رازئیؒ وغیرہ ہیں، ساتویں صدی کے تقی الدین ابن دقین العیدؒ ہیں، آٹھویں صدی کے زین العابدین عراقیؒ شمس الدین جزریؒ، تاج الدین بلقینیؒ وغیرہ ہیں، نویں صدی کے جلال الدین سیوطیؒ، شمس الدین سخاویؒ، وغیرہ ہیں، دسویں صدی کے شہاب الدین رملیؒ، ملا علی قاریؒ ہیں، گیارہویں صدی کے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں، بارہویں صدی کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں، تیرہویں صدی کے شاہ اسماعیل صاحبؒ ہیں چودھویں صدی کے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔

(کذا فی کشف الخفاء: ۲۳۳/۱، رقم الحدیث: ۷۴۰، وکذا فی المقاصد الحسنة للسحاری، ص: ۱۴۶، رقم الحدیث: ۳۳۸، و فیض القدیر: ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، رقم الحدیث: ۱۸۴۵، وکذا فی مجموعۃ الفتاوی: لمولانا عبد الحی للکوی، ص: ۱۱۸، بزيادة: "نویں صدی کے مجدد جلال الدین سیوطی اور شمس الدین سخاوی۔ دسویں صدی کے مجدد شہاب الدین رملی اور ملا علی قاری ہیں" کتاب العلم العلماء، مجدد کے ناموں کی تفصیل اور ان کے شرائط و علامات)۔

### ☆.....تحقیق مجدد

☆.....سوال: (۱)..... حدیث مجدد کہ صرف ابوداؤد میں آئی ہے، کیا اس کو علمائے حدیث نے لفظاً صحیح سمجھا ہے؟

(۲)..... کیا ہر صدی کے ابتداء یا آخر ہی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے؟ کیا مجدد..... صدی کے درمیان میں نہیں آ سکتا؟

(۳)..... کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد ہر صدی میں ضروری ہو؟ کیا مجدد خدائی عہدہ ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد اپنے دعویٰ کا ظہار کرے؟

(۴)..... کیا حدیث شریف کے الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تجدید کا کام ایک جماعت کر سکتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ مجدد صرف ایک شخص ہو؟

(۵)..... علاوہ مندرجہ بالا سوالات کے اگر کوئی خاص بات آپ کے علم میں ہو تو بھی ضرور تحریر فرمادیں۔ والسلام۔

### ☆.....الجواب: حامداً ومصلیاً:

.....حدیث "ان الله تعالى يعث لهذه الامة على راس سنة كل مائة من يحدد لها دينها"۔۔۔ حاکم نے مستدرک میں (المستدرک: ۵۲۲/۳، کتاب الفتن والملاحم، دار الفکر، بیروت) اور بیہقی نے مدخل میں تصحیح کی ہے (و لم یوجد الحدیث فی المدخل للبیہقی بل وجد فی کتابه: معرفة السنن والآثار: ۲۰۸/۱، رقم الحدیث: ۴۲۲، باب ذکر مولود الشافعی وتاریخ وفاته، دار الوعی ودار الوفاء، دار قتیبه)

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: "اتفق الحفاظ علی انه حدیث صحیح" ملا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں

۲۳۸/۱، میں فرماتے ہیں: "و سندہ صحیح، و رجالہ کلہم ثقات" (مرقاة المفاتیح: ۵۰۸/۱)، کتاب اطم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۳۷، (رشیدیہ)

(۲)..... مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس تجدید شریعت اور تبلیغ احکام کی شہرت ایک صدی کے اخیر اور دوسری صدی کے شروع میں ہو اور

چوتھیں صدی کے شروع اور اخیر میں اس کام کو انجام نہ دے بلکہ درمیان صدی میں انجام دے تو وہ اس حدیث کے ماتحت مجدد کہلانے کا مستحق نہیں۔ (انظر الحاشیہ رقم ۱، ص ۱۱۱، من الصغیر الایمہ)

(۳)..... حدیث مذکور میں وعدہ ہے کہ: ”و اشکرہ شکرا کبیرا علی ان وعد علی کل مائة من منات هذه الامة، بان یبعث فیہا منها من یجدد لہا دینہا ویقیم لہا طریقہا“ (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعذیل، الامام عبدالحی اللکونی، ص ۲۳۰، مکتبۃ الدعوة الاسلامیہ) اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (آل عمران: ۹۰) لہذا معلوم ہوا کہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے۔ اور مجدد خدا کی عہدہ ہے لیکن یہ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مجدد کو دعویٰ کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۴)..... حدیث شریف میں لفظ ”من“ مذکور ہے اور اس کا اطلاق ایک فرد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ تجدید کا کام ایک جماعت کرے ”انہ لایلزم ان یکون فی راس کل مائة سنة واحد فقط، بل یکون الامر فیہ کما ذکر فی (حدیث: ”الطائفة الظاهرة حتی یاتی امر اللہ“) من انها جماعة متعددة من انواع المومنین، ما شجاع وبصیر بالحرب، وفقیہ ومحدث ومفسر، وقائم بالامر بالمعروف والنہی عن المنکر، وزاهد وعابد“۔ (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعذیل، الامام عبدالحی اللکونی، رقم الحاشیہ: ۱، ص ۲۳۰، ۲۳۵، تحت شرح حدیث: ”ان اللہ تعالیٰ یبعث لهذه الامة..... الخ، الدعوة الاسلامیہ، بشارت) (و کذا فی عون المعبود، اول کتاب الملاحم، باب ما یدکر فی القرن المائة: ۱۱/۲۹۳، دار الفکر، بیروت)

”قال صاحب جوامع الاصول: وقد تکلم العلماء فی تاویلہ، وکل واحد اشار الی العالم الذی ہو فی مذهبہ، وحمل الحدیث علیہ، والاولی حملہ علی العموم، فان لفظ ”من“ تقع علی الواحد والجمع ۱۵“۔ (بذل المجہود ۲/۳: ۵، ۱۰۳، اول کتاب الملاحم، باب ما یدکر فی قرن المائة، معہد الخلیل الاسلامی (ورقہ: ۱/۲۳۸) (مرقاة المفاتیح: ۵، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۳۵، رشیدیہ)۔

”اعلم ان المراد من رأس المائة فی هذا الحدیث اخرها (الی قوله) وقال الطیبی: الرأس مجاز عن آخر السنة، وتسمیته رأساً باعتبار أنه مبدأ السنة الاخری انتہی (الی ان قال) وما قال بعض السادات الاعظم: ان قید الراس اتفاقاً، وان المراد ان اللہ یبعث فی کل مائة سواء کان فی اول المائة او وسطها او اخرها، واختارہ لیس بظاهر، بل الظاهر ان القید احترازی، ولذا لک لم یعد کثیر من الاکابر الذین کانو فی وسط المائة من المجددین وان کانوا افضل من المجدد علی راسہا، نعم لو ثبت کون قید الراس اتفاقاً بدلیل صحیح، فكان دائرة المجددیة اوسع، ولدخل کثیر من الاکابر المشہورین المستجمعین لصفات المجددیة فی المجددین کالامام احمد بن حنبل ومحمد بن اسماعیل البخاری ومالك بن انس ومسلم النیسابوری وابی داؤد السجستانی وغيرہم من ائمة الہدای“ ۱۵۔ (عون المعبود: ۲/۷۸، ۱۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد: ۱۱/۱۳۸۶-۱۳۹۰، اول کتاب الملاحم، باب ما یدکر فی قرن المائة دار الفکر، بیروت)

(۵)..... ”الفوائد الحجة فی من یبعثہ اللہ لهذا الامة“ مولفہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور ”تنبیہ لمن یبعثہ علی راس المائة

”مولفہ علامہ سیوطی کا مطالعہ کیجئے۔“

☆..... تجدید دین کی حقیقت

☆..... سوال: تجدید دین یا تجدید احکام شریعت کے کیا معنی ہیں؟

☆..... جواب: شریعت کے جو احکام مردود ہو، بے توجہی غلبہ ہو اوہوس، مساعی نفس و ابلیس کی وجہ سے متاثر ہو گئے تھے ان کو اُجاگر کرنا، ان کی طرف توجہ دلانا، ان کو عملی جامہ پہنانا مراد ہے۔

فیض القدير میں لکھا ہے: ”المراد هنا بدليل اضافة الدين اليهم في قوله: ”من يجدد لهذه الامة امر دينها“ اي ما اندرس من احكام الشريعة، وما ذهب من معالم السنن، وخفى من العلوم الدينية الظاهرة والباطنة“۔

(فيض القدير في اول الخطبة)

”ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم اتممت كتابي هذا بكلمات الصالحين المجددين فاجعله كتابا نافعا للمسلمين من الطالبين والسالكين واجعله ذخيرة لى فى الآخرة يارب العلمين بجاد سيد المرسلين ورحمة للعلمين صلى الله عليه وسلم تسليما كثيرا، والله المستعان وعليه التكلان۔“

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*